وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ

الطریق الاسلم

اردو شرح

مُسند الامام الاعظم

مسند امام اعظم ابوحنیفہ کی ۵۲۳ احادیث مبارکہ کا ترجمہ، تخریج احادیث
حل لغات، سندِ حدیث پر بحث اور ایک منفرد اسلوب میں مفہوم
حدیث کی وضاحت کے ساتھ

ترجمہ وتشریح

مولانا محمد ظفر اقبال صاحب مدظلہ

الطریق الاسلم

اردو شرح

مسند الامام الاعظم

التعلیق الاسلم

اردو شرح

مُسندالامام الاعظم

مُسندِ امامِ اعظم ابو حنیفہؒ" جو کہ ۵۲۳ احادیثِ مبارکہ پر مشتمل ہے"
کا اردو ترجمہ، تخریج احادیث، حلِ لغات، سندِ حدیث پر بحث
اور ایک منفرد اسلوب میں مفہومِ حدیث کی وضاحت کے ساتھ

ترجمہ و تشریح

مولانا محمد ظفر اقبال

مکتبہ رحمانیہ

فہرست مضامین

مسند امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

(کتاب الزکوۃ)

(کتاب الصوم)

(کتاب الحج)

﴿کتاب النفقات﴾

﴿کتاب التدبیر﴾

﴿کتاب الایمان﴾

﴿کتاب الحدود﴾

﴿کتاب الجہاد﴾

﴿کتاب البیوع﴾

﴿کتاب الرہن﴾

﴿کتاب الشفعۃ﴾

﴿کتاب المزارعۃ﴾

﴿کتاب الفضائل﴾

﴿کتاب فضائل امتہ ﷺ﴾

﴿کتاب الاطعمۃ والاشربۃ والضحایا والصید والذبائح﴾

(کتاب اللباس والزینۃ)

(کتاب الطب)

(کتاب الادب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ احساسات کی زبان شکر ﴾

الحمد لمن ليس له بواب ينادى، ولا صاحب يغشى، ولا وزير يؤتى، ولا غيره رب يدعى، والصلوٰة والسلام على من اوتى جوامع الكلم، وجوامع الحكم، وعلى آله واصحابه قادة الامم وتابعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الامم، اما بعد!

قرآن کریم "جو کہ کلام اللہ ہے" کے بعد احادیث مبارکہ "جو کہ کلام حبیب اللہ ہیں" کا جو مقام و مرتبہ ہے' وہ اظہر من الشمس ہے' اور قرآن کریم ہی کی طرح احادیث مبارکہ کا حجت ہونا بھی روایۃً و درایۃً ثابت ہے' چنانچہ ماضی بعید اور ماضی قریب دونوں زمانوں میں اس موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں اس موضوع کا احاطہ کیا ہے۔

حدیث پیغمبر کے ساتھ مسلمانوں کا جذباتی اور عقیدت مندانہ تعلق ذات پیغمبر کے ساتھ والہانہ الفت و عقیدت کا نتیجہ ہے' یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے جید اور ممتاز علماء کرام نے "جس طرح بھی ممکن ہو سکا" حدیث پیغمبر کی خدمت کر کے ذات پیغمبر کی خدمت کا تصور اپنے سامنے رکھا' اس سلسلے میں انہوں نے اتنے موضوعات پیدا کیے کہ ہر موضوع کے لیے ایک مستقل فن کی بنیاد رکھنا پڑی اور اتنی دیانت داری کا مظاہرہ کیا گیا کہ اگر اپنے قریبی رشتہ دار بھی روایت حدیث کے معیار پر پورے نہیں اترتے تھے تو قرابت اور رشتہ داری کا لحاظ بھی پشت ڈال کر وہ حدیث پیغمبر کا لحاظ کرتے تھے۔

آسمانی کتابوں میں قرآن کریم کی حیثیت مخدوم الکتب کی سی ہے' اور پیغمبرانہ تعلیمات میں کلام مصطفی ﷺ کو یہ مقام بلند حاصل ہے' یہی وجہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم حفاظت الٰہی کے وعدے میں محفوظ ہے' حدیث پیغمبر بھی بعینہٖ اسی طرح محفوظ ہے' گو کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے دو سو سال بعد امام بخاریؒ تشریف لائے' اس وقت تک حدیث کا محفوظ رہنا عقلی طور پر ناممکنات میں سے ہے' اور گو کہ حضرات محدثین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کے مفصل اور تسلی بخش جوابات دیے ہیں' لیکن میں ایک عام فہم بات عرض کرتا ہوں کہ پوری دنیا کے مسلم اور غیر مسلم

محققین اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں نے اسماء الرجال کی صورت میں جو فن ایجاد کر کے پانچ لاکھ مسلمانوں "جن کا تعلق روایت حدیث سے رہا" کے مفصل حالات اور سوانح عمری مہیا کی ہے یہ ان ہی کا امتیاز ہے دنیا کے کسی اور مذہب کی تعلیمات نقل کرنے والوں کے حالات تو بڑی دور کی بات نام تک محفوظ نہیں غور طلب بات یہ ہے کہ حدیث کی سند میں آنے والے پانچ لاکھ راویوں کے حالات تو محفوظ ہو سکتے ہیں لیکن حدیث و پیغمبر محفوظ نہیں ہو سکتی۔ یا للعجب!

کتب حدیث میں "مسند امام اعظم" کے مقام و مرتبہ پر بحث کرنے سے قبل "صحاح ستہ" کا مختصر تعارف معلوم ہونا ضروری ہے کیونکہ کتب حدیث میں ان کی حیثیت ہر مسلک و مشرب سے تعلق رکھنے والے علماء کے یہاں انتہائی معتبر ہے یہ تعارف ناکارہ راقم الحروف نے محنت و جستجوئے بسیار کے بعد تقریباً ایک سال پہلے مرتب کیا تھا جو بہت سی معلومات کا ایک جزء ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔

مختصر تعارف صحاح ستہ

(۱) صحیح بخاری میں کل کتابوں کی تعداد: ۹۷

صحیح بخاری میں کل ابواب کی تعداد: ۳۴۵۰

صحیح بخاری میں کل احادیث کی تعداد: ۷۵۶۳

صحیح بخاری کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں وہ کتاب الجہاد والسیر ہے کہ اس میں ۱۹۹ ابواب ہیں اور وہ کتاب جس میں احادیث کی تعداد سب سے زیادہ ہے وہ کتاب المغازی ہے کہ اس میں کل ۵۲۵ احادیث مبارکہ ہیں۔

(۲) صحیح مسلم میں کل کتابوں کی تعداد: ۵۴

صحیح مسلم میں کل ابواب کی تعداد: ۱۳۳۲

صحیح مسلم میں کل احادیث کی تعداد: ۵۸۰۰ (مکررات کو نکال کر)

صحیح مسلم کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں وہ کتاب الایمان ہے کہ اس میں کل ۹۶ ابواب ہیں اور وہ کتاب جس میں احادیث کی تعداد سب سے زیادہ ہے وہ کتاب الحج ہے کہ اس میں ۵۲۲ احادیث مبارکہ ہیں۔

(۳) سنن ابی داؤد میں کل کتابوں کی تعداد: ۴۰

سنن ابی داؤد میں کل ابواب کی تعداد: ۱۸۷۱

سنن ابی داؤد میں کل احادیث کی تعداد: ۵۲۷۴

سنن ابی داؤد کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں وہ ''کتاب الصلوٰۃ'' ہے کہ اس میں کل ۲۵۱ ابواب ہیں اور سب سے زیادہ احادیث بھی کتاب الصلوٰۃ ہی میں ہیں جن کی تعداد ۷۷۰ ہے۔

(۴) سنن ترمذی میں کل کتابوں کی تعداد: ۴۶

سنن ترمذی میں کل ابواب کی تعداد: ۲۱۱۷

سنن ترمذی میں کل احادیث کی تعداد: ۳۹۵۶

سنن ترمذی کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں وہ ''کتاب الصلوٰۃ'' ہے کہ اس میں کل ۲۱۳ ابواب ہیں اور سب سے زیادہ احادیث کتاب تفسیر القرآن میں ہیں جن کی تعداد ۴۲۰ ہے۔

(۵) سنن نسائی میں کل کتابوں کی تعداد: ۵۱

سنن نسائی میں کل ابواب کی تعداد: ۲۵۲۱

سنن نسائی میں کل احادیث کی تعداد: ۵۷۶۱

سنن نسائی کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں وہ ''مناسک الحج'' ہے کہ اس میں کل ابواب کی تعداد ۲۳۱ ہے اور سب سے زیادہ احادیث بھی اسی میں ہیں اور ان کی تعداد ۴۶۷ ہے۔

(۶) سنن ابن ماجہ میں کل کتابوں کی تعداد: ۳۷

سنن ابن ماجہ میں کل ابواب کی تعداد: ۱۵۱۳

سنن ابن ماجہ میں کل احادیث کی تعداد: ۴۳۴۱

سنن ابن ماجہ کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں وہ ''کتاب اقامۃ الصلوٰۃ'' ہے کہ اس میں کل ۲۰۵ ابواب ہیں اور سب سے زیادہ احادیث بھی اسی میں ہیں اور ان کی تعداد ۶۳۰ ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحاح ستہ میں سب سے زیادہ مفصل کتاب ''بخاری شریف'' ہے کیونکہ اس میں کتابوں کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے یعنی ۹۷ اور ابواب کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے یعنی ۳۴۵۰ اور احادیث کی تعداد بھی سب سے زیادہ اسی کتاب میں ہے یعنی ۷۵۶۳ جبکہ باقی پانچ کتابوں میں احادیث کی تعداد کے اعتبار سے یوں درجہ بندی کی جا سکتی ہے۔

① صحیح مسلم: ۵۸۰۰

② سنن نسائی: ۵۷۶۱

③ سنن ابی داؤد: ۵۲۷۴

④ سنن ابن ماجہ: ۴۳۴۱

⑤ سنن ترمذی: ۳۹۵۶

اس اعتبار سے سنن ترمذی احادیث کی تعداد کے لحاظ سے صحاح ستہ کی سب سے چھوٹی کتاب ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس کا درجہ تم از کم سنن ابن ماجہ سے تو بہت اونچا ہے، بعض حضرات نے اسے صحیحین کے بعد تیسرے نمبر پر جگہ دی ہے اور بعض حضرات نے سنن ابی داؤد کے بعد سنن ترمذی کا درجہ قرار دیا ہے۔

❀❀❀

﴿مسند امام اعظم ﷫ کا مختصر تعارف﴾

یہ کتاب خود حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تصنیف و تالیف نہیں ہے بلکہ ان کے بعد ان کے شاگردوں سے نسلاً بعد نسلٍ ہم تک منتقل ہوئی ہے، امام صاحبؒ کی مرویات کو ان کے مختلف شاگردوں اور بڑے بڑے محدثین نے مسانید کی شکل میں لکھا ہے مثلاً حافظ محمد بن مخلد بن حفص دوریؒ، حافظ ابن عقدہؒ، حافظ ابوالقاسمؒ، حافظ اشنانیؒ، امام حارثیؒ، حافظ ابن عدی صاحب الکاملؒ، حافظ ابن شاہینؒ، امام دارقطنیؒ، حافظ ابونعیم اصفہانیؒ اور امام ابن عساکرؒ وغیرہ۔

اس وقت جو نسخہ ہمارے یہاں متداول ہے وہ امام حارثی ﷫ کا جمع کردہ ہے جو وہ امام صاحب سے متعدد واسطوں سے نقل کرتے ہیں، لیکن چونکہ اس کی ترتیب مسانید کی طرز پر ہے اس لیے اس میں امام صاحبؒ کی مرویات ان کے شیوخ حدیث کے حوالے سے منقول ہیں اور کسی خاص ترتیب کے بغیر، یہی وجہ ہے کہ اس میں تکرار بھی پیدا ہو گیا ہے، اس مشکل کو علامہ حصکفی ﷫ اور ملا عابد سندی ﷫ نے حل کیا چنانچہ اول الذکر نے اس کا اختصار کر کے تکرار کو حذف کیا اور ثانی الذکر نے اسے ابواب فقہیہ اور کتب حدیث کی ترتیب کے مطابق مرتب کر دیا، گویا اس وقت امام صاحبؒ کی یہ تصنیف ہمارے ہاتھوں میں متعدد تبدیلیوں کے بعد پہنچی ہے۔

راقم الحروف کی دلی تمنا ہے کہ مسند امام اعظم کو اس کے شایان شان طریقے سے اعلیٰ معیار پر شائع کیا جائے اور اس کی باقاعدہ تبویب، ترقیم اور تخریج و تہذیب کی جائے جس کے لیے راقم نے ترقیم و تخریج کا کام تو کر دیا ہے، تبویب و تہذیب بھی کر دی ہے اور مکتبہ رحمانیہ "جہاں سے یہ کتاب طبع ہو رہی ہے" کو اس کام کی طرف متوجہ بھی کر دیا ہے اور اپنی خدمات انہیں پیش بھی کر دی ہیں، اللہ کرے یہ کام جلد از جلد ہو جائے اور فقہ حنفی اور حدیث کا یہ عظیم ذخیرہ اعلیٰ معیار پر شائع ہو جائے۔

مسند امام اعظمؒ کے اس مختصر تعارف کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس کی مرویات اور اس کے راوی صحابہ کرام ﷡ کا ایک جامع تجزیہ پیش نہ کر دیا جائے چنانچہ ذیل میں اسی کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

❀❀❀

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسند امام اعظم کی وہ کتاب جس میں احادیث کی تعداد سب سے زیادہ ہے، وہ "کتاب الصلوٰۃ" ہے اور وہ کتاب جس میں احادیث کی تعداد سب سے کم ہے، وہ کتاب الاشربہ اور کتاب الرہن ہے۔

«مرویات صحابہؓ در مسند امام اعظم»

(بترتیب حروف تہجی)

نمبر شمار	نام صحابی	تعداد مرویات	نمبر شمار	نام صحابی	تعداد مرویات
۱	حضرت اسامہ بن زیدؓ	۱	۲۰	حضرت عبداللہ بن انیسؓ	۱
۲	حضرت اسامہ بن شریکؓ	۱	۲۱	حضرت عامر بن ربیعہؓ	۱
۳	حضرت انس بن مالکؓ	۴۳	۲۲	حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ	۱
۴	حضرت براء بن عازبؓ	۳	۲۳	حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدیؓ	۱
۵	حضرت بریدہ بن حصیب اسلمیؓ	۲۸	۲۴	حضرت عبداللہ بن شدادؓ	۱
۶	حضرت ثوبانؓ	۱	۲۵	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۴۳
۷	حضرت جابر بن سمرہؓ	۲	۲۶	حضرت عبداللہ بن عثمانؓ (سیدنا صدیق اکبرؓ)	۱
۸	حضرت جابر بن عبداللہؓ	۳۱	۲۷	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۷۹
۹	حضرت جریر بن عبداللہؓ	۳	۲۸	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۳۹
۱۰	حضرت جعفر بن ابی طالبؓ	۱	۲۹	حضرت عبداللہ بن مغفلؓ	۱
۱۱	حضرت حذیفہ بن الیمانؓ	۱۴	۳۰	حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰؓ	۱
۱۲	حضرت خزیمہ بن ثابتؓ	۳	۳۱	حضرت عثمان بن عفانؓ	[illegible]
۱۳	حضرت رافع بن خدیجؓ	۲	۳۲	حضرت عدی بن حاتمؓ	۱
۱۴	حضرت زید بن ثابتؓ	۱	۳۳	حضرت عطیہ قرظیؓ	۱
۱۵	حضرت سبرہ بن معبد الجہنیؓ	۱	۳۴	حضرت علی مرتضیٰؓ	۷
۱۶	حضرت سعد بن عبادہؓ	۱	۳۵	حضرت عمران بن حصینؓ	۲
۱۷	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	۵	۳۶	حضرت عمر بن الخطابؓ	۹
۱۸	حضرت سعید بن زیدؓ	۱	۳۷	حضرت کعب بن مالکؓ	۱
۱۹	حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ	۱	۳۸	حضرت مغیرہ بن شعبہؓ	۴

۳۹	حضرت نعمان بن بشیرؓ	۲	۵۰	حضرت ابو قتادہ انصاریؓ	۲
۴۰	حضرت اسلع بن اشجعؓ	۱	۵۱	حضرت ابو مسعود انصاریؓ	۱
۴۱	حضرت وائل بن حجرؓ	۳	۵۲	حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ	۷
۴۲	حضرت ابو ایوب انصاریؓ	۲	۵۳	حضرت ابو ہریرہؓ	۲۲
۴۳	حضرت ابو بردہ بن نیارؓ	۱	۵۴	حضرت امیمہ بنت رقیقہؓ	۱
۴۴	حضرت ابو بکرہؓ	۱	۵۵	حضرت حفصہؓ	۱
۴۵	حضرت ابو حمیدؓ	۲	۵۶	حضرت عائشہ صدیقہؓ	۵۳
۴۶	حضرت ابو الدرداءؓ	۱	۵۷	حضرت عائشہ بنت عجردؓ	۱
۴۷	حضرت ابو ذر غفاریؓ	۳	۵۸	حضرت ام سلمہؓ	۱
۴۸	حضرت ابو سعید خدریؓ	۲۱	۵۹	حضرت ام عطیہؓ	۲
۴۹	حضرت ابو عامر اشعریؓ	۱	۶۰	حضرت ام ہانی بنت ابی طالبؓ	۱۲

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسند امام اعظمؒ میں جن صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مرویات آئی ہیں، ان کی تعداد ساٹھ ہے جن سے ۸۷۴ روایات نقل کی گئی ہیں، جبکہ بقیہ مرویات میں مراسیل اور نامعلوم الاسم صحابہ کرامؓ کی روایات شامل ہیں، اس فہرست کے مطابق مسند امام اعظمؒ میں سب سے زیادہ مرویات حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کی گئی ہیں کہ ان کی تعداد ۹۷ ہے، دوسرے نمبر پر حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کا اسم گرامی آتا ہے جن کی مرویات کی تعداد ۵۳ ہے جبکہ تیسرے نمبر پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام آتا ہے جن کی مرویات کی تعداد ۴۹ ہے۔

مسند امام اعظمؒ کی خصوصیات میں یوں تو بہت سی چیزیں شامل ہیں لیکن ایک خصوصیت ایسی ہے جو اسے بعد کی کتب حدیث ہی میں نہیں، اپنے زمانے کی کتب حدیث میں بھی انتہائی اہم مقام سے سرفراز کرتی ہے اور وہ یہ کہ موطا امام مالک سے لے کر صحاح ستہ کی کسی کتاب میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس میں مؤلف کتاب اور نبی ﷺ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ موطا امام مالک کی سب سے عالی سند روایت "ثنائی" ہوتی ہے اور صحیح بخاری شریف "جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہلاتی ہے" میں سب سے عالی سند روایت "ثلاثی" آتی ہے اور وہ بھی اتنی بڑی کتاب میں بہت زیادہ نہیں، صرف ۲۲ روایات ثلاثیات بخاری ہیں جنہیں راقم الحروف الگ سے جمع کر کے طبع کروا چکا ہے اور اب وہ راقم کی کتاب "موضوع روایات" کا حصہ ہے۔

جبکہ مسند امام اعظم میں ایسی روایات کی تعداد آٹھ ہیں جن میں امام صاحب اور نبی ﷺ کے درمیان صرف صحابی کا واسطہ ہے جنہیں وحدانیات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن کی سند عالی ترین ہے۔ ان آٹھ احادیث کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	حدیث نمبر	نام صحابی جو امام صاحب اور نبی ﷺ کے درمیان واسطہ ہیں
۱	۳۳	حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدیؓ
۲	۹۲	حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ
۳	۲۰۶	حضرت عائشہ بنت عجردؓ
۴	۳۳۹	حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ
۵	۴۷۱	حضرت انس بن مالکؓ
۶	۴۷۷	حضرت انس بن مالکؓ
۷	۴۷۹	حضرت عبداللہ بن انیسؓ
۸	۴۹۰	حضرت واثلہ بن الاسقعؓ

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ حضرت امام اعظمؒ کو کم از کم آٹھ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی زیارت و روایت کا شرف حاصل ہے کیونکہ حضرت جابرؓ کے سن وفات اور امام صاحب کے سن ولادت کو سامنے رکھ کر یہ بات ممکن ہو جاتی ہے کہ امام صاحب کو ان سے شرف ملاقات حاصل ہو جائے اسی طرح حضرت عائشہ بنت عجردؓ کے تفصیلی حالات بھی معلوم نہیں ہو سکے تاہم اگر ان دونوں کو ترک کر بھی دیا جائے تب بھی پانچ صحابہ کرامؓ سے روایت تو مسند امام اعظم سے ثابت ہو جاتی ہے۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

شرح مسند کا تعارف اور ہمارا اسلوب شرح

مسند امام اعظم کی جو شرح اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اور جو راقم الحروف کی طرف منسوب کی گئی ہے اس کے مطالعہ سے قبل یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ یہ کسی منجھے ہوئے فقیہ، محدث اور عالم کی تحقیق نہیں بلکہ ایک طالب علم کی کاوش ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جدید تحقیقات سے اس کتاب کو لبریز سمجھ کر خریدنے والے ذوق کا شکار ہوں گے البتہ شرح حدیث کے حوالے سے اگر کچھ مل جائے تو یہ اس ذات کی برکت سے ہوگا جس کی طرف حدیث کو منسوب کیا جاتا ہے۔

راقم الحروف نے مسند امام اعظم کی شرح کو مندرجہ ذیل پانچ حصوں پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) عبارت اور ترجمہ: سب سے پہلے تو حدیث کی سند و متن عبارت کو درج کیا گیا ہے اور اس کی تخریج باحوالہ کی گئی ہے اور اس کے بعد اس کا بامحاورہ مفہوم بیان کیا گیا ہے لفظی ترجمہ سے گریز کرتے ہوئے فقط نحوی کی رعایت

فوقیت دی گئی ہے اور اس میں مسند امام اعظم کے کسی ترجمہ کو سامنے نہیں رکھا گیا بلکہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب پوری کتاب کا ترجمہ ہو چکا تو اس کے بعد حضرت مولانا خورشید عالم صاحب کا ترجمہ نظر میں آیا اور افسوس ہوا کہ اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو ان ہی کے ترجمے سے استفادہ کر لیتا۔

(۲) **حل عبارت:** ترجمے کے بعد صرفی و نحوی تحقیق کے ساتھ ساتھ عبارت کے حل پر بھی زور دیا گیا ہے تاکہ عبارت کا ایک دوسرے کے ساتھ ربط بھی واضح ہو جائے اور عبارت میں کسی قسم کی پیچیدگی بھی باقی نہ رہے نیز مشکل الفاظ کا لغوی معنی بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

(۳) **تخریج حدیث:** مسند امام اعظم کی شرح میں جس چیز نے راقم الحروف کو تھکاوٹ کی لذت سے سب سے زیادہ آشنا کیا وہ اس کی احادیث کی تخریج تھی اور اس لذت کو وہی جانتے ہیں جو اس مرحلے سے کبھی گزرے ہوں یا اس سے بخوبی واقف ہوں، اس سلسلے میں کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک ایک حدیث کا حوالہ تلاش کرنے میں چار چار پانچ پانچ گھنٹے بھی صرف ہوئے اور ایسا بھی ہوا کہ صرف ایک گھنٹے میں دسیوں حدیثوں کا حوالہ مل گیا۔

تخریج کے دوران مسند امام اعظم کے حاشیہ "تنسیق النظام" سے بہت مدد ملی اور اس کے مؤلف حضرت مولانا محمد حسن سنبھلی کی محدثانہ شان کا دل کی گہرائیوں سے اعتراف کرنا پڑا، لیکن یہ خیال بھی دامن گیر ہوا کہ اگر حضرت ہم جیسے طالب علموں کے لیے کتب حدیث کے حوالے کے ساتھ ساتھ ان کے ابواب اور کتب کا حوالہ بھی دے دیتے تو بہت آسانی ہو جاتی، اس سلسلے میں مفتاح کنوز السنۃ، شرح معانی الآثار، اور صحیح ابن حبان کے جدید نسخوں سے بہت فائدہ ہوا جن کے آخر میں اطراف حدیث کی فہرست سے حدیث تلاش کرنے میں سہولت رہتی اور مختلف مقامات پر حدیث دستیاب ہو جاتی تھی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ فضل خداوندی اور توفیق ایزدی نے یاوری کی اور مسند امام اعظم کی صرف آٹھ احادیث کو چھوڑ کر باقی تمام احادیث کا حوالہ مل گیا، لیکن یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ حوالہ جات نقل کرنے میں میں نے اس چیز کا التزام نہیں کیا کہ کتب حوالہ اور مسند کی روایت کے الفاظ بعینہٖ ایک جیسے ہوں، بلکہ اگر دو حدیثوں کا مفہوم ایک ہوا اور معمولی لفظی اختلاف بھی باقی رہا تو اس اختلاف کو نظر انداز کر دیا گیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تمام روایات میں ایسا ہوا ہے بلکہ اکثر مقامات پر لفظی اختلاف تو ہے ہی نہیں، اس لیے ان کا حوالہ بھی سپرد قلم کر دیا گیا۔

رہی یہ بات کہ وہ آٹھ حدیثیں کون سی ہیں جن کا راقم کو حوالہ نہیں مل سکا تو ان کے نمبر حسب ذیل ہیں۔

(۱) ۱۳۰ (۲) ۱۸۲ (۳) ۲۹۸ (۴) ۳۴۰

(۵) ۳۴۷ (۶) ۳۸۷ (۷) ۴۴۶ (۸) ۴۵۴

اور اس کی بھی بنیادی وجہ راقم الحروف کا ناقص استقراء اور کم زور تتبع ہے جس کا اسے یقین واعتراف ہے اور دوسری وجہ حدیث کی امہات الکتب کی عدم دستیابی بھی ہے جس کی عدم دستیابی سے متاثر ہونے والوں میں راقم الحروف تنہا نہیں ہے۔

(۴) سند حدیث پر بحث: مسند امام اعظمؒ کی ایک تہائی سے زیادہ روایات تو "ثنائیات" کے زمرے میں آتی ہیں اس لیے وہاں تو سند حدیث پر بحث کرنے کی کوئی خاص ضرورت ہے اور نہ ہی فائدہ البتہ اس بات کی وضاحت پھر بھی ضروری ہے کہ دیگر کتب حدیث کی نسبت اس کتاب کی روایت کو کیوں تفوق حاصل ہے؟ سو اس سلسلے میں راقم الحروف نے ابتداءً اس عنوان کا بھی اہتمام رکھا ہے تاہم جب اس چیز کا احساس ہو گیا کہ قارئین امام صاحبؒ کی سند کی اہمیت سے واقف ہو چکے تو اسے ترک کر دیا گیا۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مسند امام اعظمؒ کی بعض اسانید اور بعض راویوں پر بعض حضرات کے کچھ تحفظات ہیں جن پر وہ حضرات محدثین کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں لیکن ہماری نظر میں ان تحفظات کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لیے کہ کسی راوی کے بارے میں تمام محدثین کا ہم خیال ہونا ممکن تو ہے لیکن ضروری نہیں یہی وجہ ہے کہ ایک ہی راوی کے بارے محدثین کرام کی متضاد آراء سامنے آتی ہیں اور اس کی ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں اس لیے اگر مثلاً امام بخاریؒ ایک راوی کو متروک یا ضعیف قرار دیتے ہیں تو ان کے پاس وہ وجوہات اور اسباب موجود ہوتے ہیں جن کی بناء پر وہ یہ حکم لگاتے ہیں اور اگر اسی راوی کے بارے مثلاً امام مسلم قابل احتجاج ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں تو وہ بھی دلائل کی بنیاد پر ہوتا ہے دیگر محدثین اور امام صاحبؒ کے درمیان بھی اگر اسی ضابطے کو پیش نظر رکھ لیا جائے تو کوئی اعتراض باقی نہیں رہے گا۔

(۵) مفہوم: چونکہ مسند امام اعظمؒ کی بہت سی مرویات ایسی ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی فقہی حکم سے ہے اس لیے شرح حدیث کے وقت فقہی اختلافات کا ذکر ضروری ہو جاتا ہے بالخصوص جبکہ یہ کتاب درس نظامی میں بھی شامل ہے اور فقہ حنفی کے اہم ماخذ میں سے بھی ہے لیکن اس کتاب پر جب قلم اٹھانے کا ارادہ کیا گیا تو اسی وقت یہ عزم کر لیا تھا کہ ان شاء اللہ اس شرح میں فقہ الحدیث کو شرح حدیث کے طور پر لیا جائے گا اور فقہی اختلافات ان کے دلائل اور جوابی دلائل سے گریز کیا جائے گا۔

کیونکہ فقہی اختلافات تو کتب فقہ میں بڑی تفصیل سے ذکر کر دیے جاتے ہیں نیز دورۂ حدیث کی کتابوں میں بھی ہر مسئلہ پر اختلافی نقطۂ نظر شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جس کی بنیاد پر یہ ایک عام نظریہ بن چکا ہے کہ کتب حدیث بھی درحقیقت کتب فقہ ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ کتب حدیث میں دلائل فقہ ملتے ہیں اور اختلاف ائمہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے علماء اور طلبہ کا کوئی صرف فقہی

اختلافات تک رہ جاتے ہیں اور وہ نیکی کو اجاگر کرنے میں لگے رہتے ہیں اور حدیث کا جو بنیادی مقصد تعلیم و تربیت ہے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے، وہ احادیث کو صرف اختلافات کی بنیاد بناتے ہیں، اتفاقیات میں ان پر عمل نہیں کرتے، پھر ہر ایک دوسرے کی تغلیط یا تضعیف کے درپے ہوتا ہے۔

ان تمام صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے راقم الحروف نے یہ فیصلہ کیا کہ فقہی اختلافات کو فقہی کتابوں کے حوالے کرتے ہوئے یہاں شرح حدیث کے ان پہلوؤں سے بحث کی جائے گی جس میں ان احکام کا پس منظر، حکمت اور عملی راہ ہموار ہو سکے، اور صرف علماء ہی نہیں، عوام بھی اس کی روشنی میں اپنی زندگی کا تجزیہ کر سکیں اور الحمد للہ! میں آخر تک اسی روش پر قائم رہا ہوں جس کی بہتری یا عدم بہتری قارئین کی رائے پر موقوف ہے۔

اس کتاب کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے میں شکر کے جن جذبات اور احساسات سے لبریز ہوں، قلم ان کی ترجمانی سے عاری ہے، اللہ کی توفیق سے صرف تین ماہ میں یہ ساری کتاب قلم برداشتہ لکھی گئی ہے، حضرت امام صاحبؒ کی محبت سے زیادہ حدیث پیغمبر کے ساتھ تعلق لگاؤ کا اس کتاب کے منصۂ شہود پر آنے میں دخل ہے۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے مکتبہ رحمانیہ کے منتظمین کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنہوں نے اس کام کی طرف متوجہ کیا اور اس کی طباعت کا اہتمام کیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کے لیے اس خدمت کو ذخیرۂ آخرت بنائے، حضرت امام صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے اور حدیث پیغمبر اور ذات پیغمبر کے ساتھ تعلق اور والہانہ عقیدت و محبت عطاء فرمائے۔ آمین

محمد ظفر غفرلہ

یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ بروز منگل

حدیث اور نبوت دونوں کی تاریخ آغاز ایک ہی ہے ہر نبی کا کلام حدیث اور ہر حدیث کا ماخذ لسان نبی رہی ہے اس لیے جو اہمیت کسی نبی کو حاصل ہوتی ہے وہی اہمیت وحیثیت اس نبی کی احادیث کو بھی حاصل ہو گی اور یوں بھی ہر نبی معصوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ معصوم کی باتیں بھی معصومیت سے بھرپور ہوں گی اس لیے کلام نبوت میں عصمت اور معصومیت کا ہونا ایک بدیہی اور واضح بات ہے۔

ہم جس کتاب کا آغاز کر رہے ہیں اس کا تعلق بھی کلام نبوت سے ہے۔ یعنی ان الفاظ و اقوال سے جو لسان نبوت سے ادا ہوئے تلمیذان مصطفیٰ ﷺ کے اذہان و قلوب نے انہیں محفوظ کیا اور اپنے شاگردوں تک انہیں منتقل کر دیا اور آج تک یہ سلسلہ نسل در نسل ہم تک چلتا چلا آرہا ہے اور ان شاء اللہ تا قیام قیامت یہ سلسلہ یوں ہی چلتا ہی رہے گا۔

یوں تو حدیث کی ہر کتاب کے آغاز میں حدیث سے متعلق اجمالی معلومات تحریری اور تقریری طور پر ذکر کی جاتی ہیں جس سے بعض اوقات تکرار کا بھی شبہ بلکہ یقین پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہاں ہمیں حدیث کے حوالے سے اور پھر اس کتاب اور صاحب کتاب کے حوالے سے تین مختلف ابواب میں چند ایک باتیں ذکر کرنا ہیں تاکہ ان کا فائدہ زیادہ سے زیادہ عام ہو سکے اور وہ نادر و نایاب جواہرات جو مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں ان تک بآسانی رسائی ہو سکے۔

واللہ الموفق والمیسر

❀❀❀

باب اول

﴿تعارف حدیث﴾

عام طور پر کتب حدیث واصول حدیث میں "حدیث" کی تعریف یوں کی جاتی ہے

"الحدیث هو قول النبی ﷺ وفعله وتقریره"

اور "علم حدیث" کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔

"هو علم یعرف به اقوال رسول الله ﷺ وافعاله وتقریره"

لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر حدیث کی تعریف "نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ کی مکمل تاریخ" کی جائے تو اس میں نبی ﷺ کی زندگی کا ہر شعبہ بھی شامل ہو جائے گا اور مذکورہ تعریف بھی اس کا ایک حصہ بن جائے گی البتہ اس پر یہ اشکال ضرور کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی پیش کردہ تعریف حدیث "اگر آپ کی خود ساختہ ہے تو اچھی بات ہے لیکن یہ بتائیے کہ ان الفاظ میں "حدیث" کا ماخذ اور اس کی دلیل کیا ہے؟ اور ایک مجتہد طالب علم کے لیے اس اشکال کا پیدا ہونا ضروری بھی ہے۔

میں اس سوال کا کوئی بھی جواب دیئے بغیر آپ کی توجہ بخاری شریف کے اصل نام کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جواب آپ کی سمجھ میں ان شاء اللہ خود بخود آ جائے گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ صحیح بخاری کا اصل نام "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول الله ﷺ وسننه وایامه" ہے اس کے آخری لفظ "ایام" کا معنی اگر ترجمہ کسی بھی مستند عربی دان سے پوچھ لیجئے وہ آپ کو اس کا ترجمہ تاریخ ہی بتائے گا اور یہی میں ثابت کرنا چاہتا ہوں۔

تدوین حدیث حضور نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کی زندگی اور دور نبوت کا ایک ایک گوشہ اور اس کی مکمل تاریخ یوں تو کسی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے جانثاروں کے سینوں اور ذہنوں کی صورت میں موجود تھی لیکن اسے کسی طور پر محفوظ کیے بغیر مطمئن ہو کر بیٹھا نہیں جا سکتا تھا اس لیے اسے سب سے پہلے یادداشتوں کی صورت میں محفوظ کیا گیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا جمع کردہ "الصحیفة الصادقة" حضرت علی مرتضیٰ کا جمع کردہ "صحیفہ علی" حضرت جابر بن عبداللہ کا نوشتہ

صحیفۂ جابرؓ، صحیفۂ سمرہ بن جندبؓ، صحیفۂ ابن عباسؓ، صحیفۂ سعد بن عبادہؓ اور صحیفۂ ابن ابی اوفیٰؓ کی مختلف صورتیں تھیں اور وہ املائی فرامین اس کے علاوہ ہیں جو خود حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ نے لکھوائے تھے جن میں سب سے زیادہ اہمیت "کتاب الصدقۃ" کو حاصل ہے۔

دور صحابہ کے بعد دور تابعین میں بھی ہمیں ان تحریری یادداشتوں کو مختلف مجموعوں کی صورت میں محفوظ کرنے کے شواہد ملتے ہیں چنانچہ علامہ ابن حزمؒ، امام زہریؒ اور امام شعبیؒ کے مرتب کردہ مجموعہائے حدیث اسی دور کی یادگار ہیں لیکن اس دور کی سب سے اہم ترین خدمت حدیث جو تحریری صورت میں ہمارے سامنے آج بھی موجود ہے وہ صحیفہ ہمام بن منبہ ہے جو سیدنا ابوہریرہؓ کی مرویات کا انتخاب اور انہی کے شاگرد حضرت ہمام بن منبہؒ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے، گو کہ اس صحیفے میں حضرت ابوہریرہؓ کی تمام مرویات کا احاطہ نہیں کیا گیا لیکن اس میں موجود تمام احادیث کا جب مسند احمد کی احادیث سے تقابل کیا گیا تو دونوں نسخوں میں رتی برابر بھی فرق نہیں نکلا۔

اسی دور میں ایک جامع کتاب کے طور پر باضابطہ تصنیف "مسند امام اعظم" کی صورت میں سامنے آئی جس میں حضرت الامام ابو حنیفہؒ کی کبار تابعین سے مروی روایات درج ہیں، اس کتاب کی خصوصیات اور اہمیت و حیثیت پر ان شاء اللہ ہم تیسرے باب میں تفصیلی کلام کریں گے۔

عہد اتباع تابعین میں جمع حدیث کا کارنامہ جن حضرات اہل علم نے سرانجام دیا ان میں معمر بن راشدؒ صاحب کتاب الجامع، ابن جریجؒ صاحب کتاب الآثار اور امام مالکؒ صاحب موطا بہت نمایاں ہیں، قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسن الشیبانیؒ کی کاوشیں بھی اسی دور میں اہل علم کے لیے باعث صد افتخار ہیں۔

اس کے بعد مسانید کا دور آتا ہے جن میں مسند احمدؒ، مسند امام شافعیؒ، مسند ابوداؤد الطیالسیؒ اور مسند نعیم بن حماد وغیرہ زیادہ نمایاں ہیں، پھر اصحاب صحاح کا دور آیا جس نے باقی تمام ادوار پر نمایاں فوقیت حاصل کر لی، یہی وہ زمانہ تھا جس میں صحاح ستہ کی تالیف ہوئی اور اصحاب صحاح نے اپنے اپنے ذوق اور وسعت نظر کے مطابق احادیث کے ایسے مجموعے مرتب اور مدون کر دیئے جو رہتی دنیا تک کے لیے سند اور حجت بن گئے، امام طحاویؒ کی شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار بھی اسی دور کی یادگار اور اسی پائے کی کتب میں شمار ہوتی ہیں۔

تدوین حدیث کی یہ مختصر تاریخ "جس کے بعد بھی کتب حدیث کا ایک بہت قابل قدر ذخیرہ اہل علم اور محدثین کی کاوشوں سے وجود میں آیا" اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ ایک تو اس کا مکمل پس منظر واضح ہو جائے اور دوسرے اس اعتراض کی مکمل بیخ کنی ہو جائے جو بعض لوگ ناواقفیت اور کم فہمی کی بناء پر کرتے ہیں کہ احادیث تو نبی ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے تقریباً دو سو سال بعد لکھی گئی ہیں، اس طویل عرصے میں کسی بات کا بعینہٖ محفوظ رہ جانا ممکن نہیں ہے۔ اور تیسرے یہ کہ اس باب میں ہمارے اکابر اور اسلاف صالحین کی خدمات اور کاوشوں سے بھی کچھ نہ کچھ آگاہی حاصل ہو

جائے۔

راویانِ حدیث: اس عنوان کے تحت ہمیں "رواۃ حدیث" کا جائزہ لینا مقصود نہیں بلکہ یہاں ان مشہور اور کثیر المرویات صحابہ کرام ؓ کا ذکر کرنا مقصود ہے جن سے مروی روایات کتب حدیث کے اوراق میں منتشر اور پھیلی ہوئی ہیں اور ہر طالب حدیث کے کان ان مبارک ناموں سے مانوس ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) آپ سے ۱۸۴۸ احادیث مروی ہیں۔

۲۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ (۵۸ھ) آپ سے ۲۲۱۰ احادیث مروی ہیں۔

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ (۵۹ھ) آپ سے ۵۳۷۴ احادیث مروی ہیں۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ) آپ سے ۱۶۶۰ احادیث مروی ہیں۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ھ) آپ سے ۲۶۳۰ احادیث مروی ہیں۔

۶۔ حضرت ابوسعید خدریؓ (۷۴ھ) آپ سے ۱۱۷۰ احادیث مروی ہیں۔

۷۔ حضرت جابرؓ (۷۸ھ) آپ سے ۱۵۴۰ احادیث مروی ہیں۔

۸۔ حضرت انسؓ (۹۳ھ) آپ سے ۲۲۸۶ احادیث مروی ہیں۔

(آثار الحدیث ج ۱ ص ۳۸۰)

اسی فہرست میں حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ حضرات بھی آتے ہیں اور ان کی روایات بھی معتد بہ مقدار میں موجود ہیں۔

مرویات عائشہ ؓ کی تعداد پر ایک چھوٹا سا مناقشہ

عام طور پر حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی روایات کی تعداد دو ہزار دو سو دس بیان کی جاتی ہے جیسا کہ آثار الحدیث کے حوالے سے حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتہم کی رائے ابھی گزری اور حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی "سیرت عائشہؓ" میں جو ان کی شہرۂ آفاق کتاب ہے یہی تعداد ذکر کی ہے لیکن ان حضرات کی علمیت اور علمی عظمت، محدثانہ و فقیہانہ شگافتگی اور صوفیانہ رفعت و بلندی کے باوصف اور اس اعتراف حق کے ساتھ کہ ان اکابر کے پاؤں کی جوتیوں کی سمت خاک کے جو ذرات لگے رہے ہیں، راقم سطور ان سے بھی کمتر اور ادنیٰ حیثیت رکھتا ہے، تاہم اس علمی امانت کو، جو ان اکابر کی برکت اور زکوٰۃ ہے، نئی نسل تک پہنچانا بھی ضروری ہے، اس لیے یہ عرض کرنے کی جرأت و جسارت کی جا رہی ہے کہ مذکورہ رائے کی صحت میں کلام کیا جا سکتا ہے کیونکہ اگر حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی صرف ان روایات کی تعداد کو معلوم کر لیا جائے جو ان سے نقل ہو کر "امام احمد بن حنبلؒ" کے

﴿ کچھ صاحب کتاب کے بارے میں ﴾

یوں تو ہر دور میں تاریخ کا دھارا موڑ دینے کی صلاحیت رکھنے والی عظیم اور عبقری شخصیات موجود رہی ہیں اور ان کی عظیم تصنیفات و تالیفات کے ذریعے التفات بھی کیا گیا لیکن تاریخ کی کچھ شخصیات انتہائی "مظلوم" بھی ہیں جن کے پاکیزہ دامن پر ہر زمانے کے کچھ سفہاء اور حسّاد وحمقاء اور بدنیت افراد الزامات لگاتے رہے ہیں، ان میں سب سے زیادہ مظلوم شخصیت حضرت امیر معاویہؓ کی ہے جن کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ یزید کے ابا تھے لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا کہ وہ سرور دو عالم ﷺ کے رشتے میں سالے لگتے تھے، وہ کاتب وحی تھے، وہ صحابی رسول تھے، وہ مسلمانوں کے عادل خلیفہ تھے، وہ ایک اسلامی فلاحی مملکت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنے والے مدبر حکمران تھے اور نواسہ رسول، جگر گوشہ بتول، سیدا شباب اہل الجنۃ حضرات حسنینؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، آخر ان چیزوں کی بھی کوئی اہمیت ہے یا نہیں؟

اسی طرح تاریخ کی دوسری مظلوم ترین شخصیت حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جنہیں ہر زمانے میں بالخصوص اور عصر حاضر میں بالعموم اسی طرح مورد طعن و تشنیع بنایا جاتا ہے جیسے معاذ اللہ وہ اسلام کے دشمن ہوں، اور سب و شتم کی اس دوڑ میں وہ بھی شامل ہیں جن کے علمی مقام و مرتبہ کو یہ چیز زیب نہیں دیتی اور وہ بھی جنہیں "علم" نام کی کسی چیز کے ساتھ ادنیٰ مناسبت بھی نہیں، امام صاحبؒ کا جرم صرف اتنا ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی بے شمار نعمتوں میں سے ایک اہم ترین نعمت "عقل" کو استعمال کر کے بہت سے غیر منصوص احکام کا استخراج کر لیتے ہیں یا دو متضاد چیزوں کا تضاد دور کر دیتے ہیں یا دو میں سے کسی ایک کو ترجیح دے لیتے ہیں لیکن ان کا یہ جرم اتنا سنگین ہے کہ آج تک اسے معاف نہیں کیا گیا، یہ الگ بات ہے کہ میں اس قسم کے مواقع پر اپنے آپ کو اس شعر سے تسلی دے لیتا ہوں۔

اذا اتتك مذمتي من ناقص

فهي الشهادة لي بانى كامل

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام نعمان اور والد محترم کا نام ثابت تھا، آپ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے دادا نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب سیدنا علی مرتضیٰؓ مسند خلافت پر رونق افروز تھے، ایک مرتبہ آپ کے دادا اپنے بیٹے ثابت کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے، اس وقت "ثابت"

بچے تھے سیدنا علی مرتضیٰ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے دعائے برکت کی تھی اللہ نے یقینی طور پر حضرت امام کی صورت میں شرف قبولیت عطا فرمایا۔

آپ کی پیدائش کوفہ میں ۸۰ھ میں ہوئی جہاں اس زمانے میں علم کی گرم بازاری پورے عروج پر تھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے ہزاروں شاگردوں نے اس قریہ کو بھائی کو ایسا بارونق اور علمی ذوق سے بھرپور شہر بنا دیا تھا جہاں پوری دنیا کے منتخب اور ممتاز اہل علم قیام پذیر تھے اسی وجہ سے یقینی طور پر فقہ حنفی کے اکثر مسائل مذکورہ دونوں صحابہؓ کی روایات و درایت کے انتہائی قریب ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ خوش رو خوش لباس خوشبو پسند کرنے والے خوش مجلس نہایت کریم النفس اور اپنے رفقاء کے بڑے ہمدرد تھے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قد میانہ تھا نہ بہت کوتاہ نہ زیادہ دراز گفتگو نہایت فصیح تھی آواز بڑی دلکش اور واضح تھی بڑے قادر الکلام تھے عمر امام اعظمؒ کے پوتے فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کی قد دراز قامت تھے آپ کے رنگ پر گندم گونی غالب تھی اچھا لباس پہنتے عام طور پر اچھی حالت میں رہتے خوشبو کا استعمال کرتے تھے کہ آپ کی نقل و حرکت کا اندازہ خوشبو کی مہک سے ہو جاتا تھا بنیادی طور پر آپ ریشمی کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے اور آپ ماتحتی میں بے شمار نوکر اور کارکن کام کرتے تھے لیکن کبھی کسی کو امام صاحب سے شکایت نہیں ہوئی۔

امام صاحبؒ نے کم از کم چار صحابہ کرامؓ کو پایا ہے۔

۱، ۲۔ حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کو کوفہ میں۔

۳۔ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ کو مدینہ منورہ میں۔ ۴۔ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ کو مکہ مکرمہ میں۔

بعض حضرات نے یہ تعداد اس سے بھی زیادہ بیان کی ہے جیسا کہ عنقریب آپ مسند امام اعظم کے آخری اوراق میں پڑھ آئے ہیں لیکن ہمارا مقصد صرف اتنی بات سے بھی ثابت ہو جاتا ہے اور ہم بجا طور پر امام صاحب ﷫ کو تابعین میں شمار کر سکتے ہیں۔

حضرت امام صاحبؒ کے فضائل و مناقب یوں تو بہت زیادہ ہیں اور ان کے سوانح نگاروں نے ان کا احاطہ بھی کیا ہے اسی طرح ان پر کیے جانے والے سطحی اور بے بنیاد اعتراضات بھی بہت زیادہ ہیں جن میں سے ایک اہم ترین اعتراض ان کی محدثانہ حیثیت پر ہے چونکہ یہ کتاب ان کی محدثانہ حیثیت اور شان و شوکت کا منہ بولتا ثبوت ہے اس لیے یہاں اس اعتراض کا جائزہ لینا ضروری ہے اور ہماری رائے میں حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنی کی تحریر اس سلسلے میں بہت عمدہ اور مضبوط ہے اس لیے ہم اسے ہی نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

مولد و مدفن

آپ کی پیدائش کوفہ میں اور وفات بغداد میں ہوئی ہے علمی چرچے کے لحاظ سے کوفہ ایک ممتاز شہر رہا ہے علامہ

کوثری نے نصب الرایہ کے مقدمہ میں اس کی مختصر تاریخ لکھی ہے ہم اس کا خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں۔

کوفہ ایک اسلامی شہر ہے جو عہد فاروقی کے ۱۷ھ میں بحکم امیر المومنین تعمیر کیا گیا تھا' اس کے اردگرد فصحاء عرب بسائے گئے اور ان کے تعلیمی نظم و نسق کے لیے سرکاری طور پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا' ان کی علمی منزلت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو یہ لکھا تھا کہ ابن مسعودؓ کی مجھے یہاں خود بھی ضرورت تھی لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم سمجھ کر تمہاری تعلیم کے لیے ان کو بھیج رہا ہوں' انہوں نے یہاں بیٹھ کر عہد عثمانؓ کے آخری دور تک لوگوں کو قرآن پاک اور دین کے مسائل کی تعلیم دی۔ ان کی تعلیمی جدوجہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ بعض محدثین کے بیان کے مطابق اس نو آباد شہر میں چار ہزار علماء و محدثین پیدا ہو گئے حتیٰ کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہوئے تو علم کی یہ شان دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھے" اللہ تعالیٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھلا کرے انہوں نے تو اس بستی کو علم سے بھر دیا۔ کوفہ بجائے خود موجود ہی کیا کم تھا کہ اس مدینۃ العلم کی آمد نے اسے اور چار چاند لگا دیئے' ایک سعید بن جبیر تنہا یہاں ابن عباسؓ کے علوم کا ایسا نسخہ موجود تھے کہ جب کوفہ والے ان کے پاس کوئی فتویٰ پوچھنے جاتے تو وہ فرماتے کیا تمہارے یہاں سعید بن جبیر موجود نہ تھے یعنی ان کے ہوتے ہوئے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔

شعبیؒ کے علم کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابن عمرؓ ان کو مغازی پر بحث کرتے ہوئے دیکھتے تو فرماتے میں ان غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہ چکا ہوں مگر ان کی یادداشت ان کو مجھ سے بھی زیادہ ہے۔

ابراہیم نخعیؒ کا تو کہنا ہی کیا ہے' ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ اہل نقد کے نزدیک ان کے سب مراسیل صحیح کیے جاتے ہیں' انہوں نے ابو سعید خدریؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کا زمانہ پایا ہے ابو عمران نے ان کو اپنے زمانہ کے تمام علماء سے افضل کہا ہے۔ ۹۵ھ میں جب ان کی وفات ہوئی تو ابو عمران نے ایک شخص سے کہا آج تم نے سب سے زیادہ فقیہ شخص کو دفن کر دیا' اس نے کہا کیا حسن بصریؒ سے بھی زیادہ؟ انہوں نے کہا ایک حسن بصریؒ سے نہیں بلکہ تمام اہل بصرہ' اہل کوفہ اہل شام اور اہل حجاز سے بھی۔

شعبی کہا کرتے تھے کہ ابراہیم فقہ کے گہوارہ میں تو پیدا ہی ہوئے تھے اس کے بعد وہ ہمارے پاس آئے اور ہماری وہ حدیثیں جو بے غبار تھیں اپنی فقہ میں شامل کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔

مسروق جو کبار تابعین میں ہیں فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ کے صحابہ کا خلاصہ میں نے ان چھ اشخاص میں دیکھا علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمرؓ، زید بن ثابتؓ، ابو الدرداءؓ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم پھر نظر ڈالی تو ان سب کے علم کا خلاصہ پہلے دو شخصوں میں پایا' حضرت معاذ بن جبلؓ نے جو زبان رسالت سے اعلم بالحلال والحرام کا تمغہ حاصل کر چکے تھے' اپنے خاص شاگرد عمرو بن میمون کو حکم دیا تھا کہ تحصیل علم کے لیے تم حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں کوفہ جاؤ۔

کوفہ کی علمی قدر و منزلت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مصر میں آنے والے صحابہ کی تعداد محمد بن ربیع جیزی اور

یہ ہے امام ابو حنیفہ ﷫ کا مولد اور ان کا علمی گہوارہ جس کے آغوش میں رہ کر ان کی علمی پرورش ہوئی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جو فقہ اس سرزمین میں مدون کی گئی ہو وہ زیر سو بھی کتاب و سنت سے تجاوز کر سکتی ہے۔

اخلاق کریمانہ

آپ ریشم کی تجارت کرتے تھے قیس بن الربیع بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب مشائخ اور محدثین سے ایک رقم لے کر ان کے لیے بغداد سے سامان خریدتے اور کوفہ لا کر اسے فروخت کر دیتے اور سال بہ سال اس کا نفع اپنے پاس جمع رکھتے اور اس نفع سے محدثین کے خورد و نوش اور لباس وغیرہ کی ضروریات مہیا کرتے اس سے جو بچ رہتا وہ ان کے حوالہ کر دیتے اور کہتے کہ اسے اپنی دیگر ضروریات میں صرف کرو اور خدا کا شکر ادا کرو میرے شکر کی ضرورت نہیں کیونکہ میں نے یہ مال اپنے پاس سے تو تم کو دیا نہیں تمہارے ہی مال کا نفع ہے یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کرم ہے کہ اس نے اس کا ذریعہ مجھے بنا دیا ہے۔

حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ اہل مجلس میں سے ایک شخص پر امام صاحب نے خستہ لباس دیکھا اس سے کہا بیٹھ جاؤ۔ جب محفل برخاست ہو گئی اور یہ تنہا رہ گیا تو فرمایا مصلیٰ اٹھا کر جو اس کے نیچے ہے تم کو ملے وہ لے لو اس نے جائے نماز اٹھائی تو نیچے ہزار درہم تھے آپ نے فرمایا یہ لے لو اور اپنا لباس درست کر لو۔ وہ بولا میں خود صاحب وسعت ہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے فرمایا تو پھر یہ حال ایسا بناؤ کہ تمہیں دیکھ کر تمہارے بھائی کو غم نہ ہو یہ حدیث تم کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر اپنے نعمت و کرم کے آثار دیکھنا پسند کرتا ہے۔

جعفر بن عون بیان کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے ایک ریشمین کپڑا آپ سے مانگا آپ نے ایک کپڑا اس کے لیے نکالا تو وہ بولی میں بڑھیا عورت ہوں اور یہ معاملہ امانت کا ہے مناسب ہے کہ آپ کو جتنے میں پڑا ہے اسی قیمت میں میرے ہاتھ فروخت کر دیجیے۔ فرمایا چار درہم دے دے۔ اس نے کہا بڑھیا کا مذاق نہ بنائیے اور ٹھیک ٹھیک قیمت بتا دیجیے۔ آپ نے فرمایا: میں نے دو کپڑے خریدے تھے اور ایک ہی کپڑے سے چار درہم کم میری پوری قیمت وصول ہو گئی تھی اب یہ کپڑا مجھے چار ہی درہم میں بچ رہا ہے۔ [1]

ابن مبارک نے سفیان ثوریؒ سے پوچھا ابو حنیفہؒ غیبت کرنے سے بہت دور رہتے ہیں حتیٰ کہ اپنے دشمن کی غیبت بھی نہیں کرتے؟ سفیانؒ نے جواب دیا ابو حنیفہؒ اس سے بالاتر ہیں کہ اپنی نیکیوں پر اپنے دشمن کو مسلط کریں۔ (کہ وہ قیامت کے دن اپنی غیبت کے بدلہ میں ان کی نیکیاں لے لے) [2]

---

[1] خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۱ و ۳۶۲۔

[2] خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۳۔

واپس تشریف لائے تو میں نے پوچھا کہ ان اساتذہ میں آپ کو زیادہ یاد کس کی رہی میرا خیال تھا وہ یہی فرمائیں گے تیری لیکن انہوں نے ابو حنیفہ کا نام لیا اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ قدرت ہوتی کہ میں ابو حنیفہ سے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی نظر جدا نہ کروں تو نہ کرتا۔

روایت مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کی عمر کا ابتدائی حصہ علم کلام میں صرف ہوا ہے اور زمانہ تلمذ سے ہی آپ کی کنیت ابو حنیفہؒ تھی یہ تحقیق نہیں ہو سکا کہ یہ کنیت امام صاحب نے خود اختیار کی تھی یا دوسروں نے آپ کی یہ کنیت مقرر کی تھی۔ اس روایت سے امام صاحب کے بحث کے ذوق، مناظرانہ فطرت اور قوت منطق کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ کے صرف درس حدیث کے مصدر نشین نہ ہونے سے یہ خیال قائم کر لینا کہ آپ کا حفظ کمزور تھا بہت سطحی نظر ہے۔

ماخذ علم

خطیب بغدادی روایت کرتا ہے کہ امیر المومنین ابو جعفر نے امام صاحبؒ سے پوچھا آپ نے کن صحابہ کا علم حاصل کیا ہے؟ فرمایا عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور ان کے شاگردوں کا۔ فرمایا: آپ نے تو بہت صحیح اور پختہ علم حاصل کیا یہ ہستیاں بہت مبارک اور بڑی مقدس ہستیاں تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان تو خود رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ظاہر ہے کہ میرے بعد اگر کوئی شخص نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو وہ ہیں جن کو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ رہ گئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کی قرآن دانی اور قرآن فہمی امت میں ضرب المثل ہو چکی ہے اب سوچئے کہ جو علم اتنے جامع اور محفوظ ماخذ سے حاصل کیا گیا ہو گا وہ کتنا ٹھیک اور کتنا مستحکم ہو سکتا ہے۔ جغرافیائی طریق پر بھی مسائل حنفیہ کا مرجع یہی اصحاب ہونے چاہئیں۔ کوفہ جو اسلام کا مسکن تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بسایا اور آباد کیا ہوا تھا پھر جو صحابی اہل کوفہ کی تعلیم و تربیت کے لیے سرکاری طور پر مقرر کیے گئے وہ ابن مسعودؓ ہی تھے۔ حضرت علیؓ کا تو کوفہ دارالخلافت ہی رہ چکا تھا اس لیے اہل کوفہ کے لیے ان اصحاب میں علمی کشش کے علاوہ ایک فطری کشش بھی موجود تھی۔ کسی مجتہد کے متعلق یہ خیال قائم کرنا کہ اس کے استفادہ کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہر ہر جزئی میں ایک مقلد کی طرح اتباع کرتا ہو گا نہایت درجہ کی نادانی ہے بلکہ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ان کے زیر تربیت رہ کر اس کا جو علمی مذاق اور انداز طبیعت قائم ہو چکا تھا وہ ان حضرات ہی سے ملتا جلتا تھا۔ ان کے اصول استنباط، اصول فکر، مصالح و مفاسد پر غور و خوض کا زاویہ نظر سب ان ہی سے متحد تھا۔ اس لیے دونوں کے مجتہدات اور مسائل میں ایک قسم کی یک رنگی اور یکسانیت پیدا ہو جانا بھی ضروری امر تھا۔

اصول و طریقہ

یحییٰ بن ضریس کہتے ہیں کہ میں سفیانؒ کے پاس حاضر تھا ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ آپ کو امام صاحبؒ پر

ہے) کیا ابو حنیفہؒ حدیث کے بارے میں سچے ہوتے تھے انہوں نے فرمایا نہایت سچے اور بالکل صحیح روایت کرنے والے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے دریافت کیا گیا ”کیا ابو حنیفہؒ کسی خلاف واقع بھی حدیث روایت کرتے تھے؟“ فرمایا محدثین ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کے حق میں بڑی زیادتی کرتے ہیں۔ ان کی شان اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھی۔[1]

خطیب یحییٰ بن معین سے نقل کرتا ہے کہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدیث روایت کرنے کے لیے یہ شرط تھی کہ وہ سننے کے بعد سے برابر یاد رہنی چاہیے اگر یاد نہ رہے تو اس کو روایت کرنا درست نہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ امام صاحب کے متعلق ان سے دریافت کیا گیا تو دوبار فرمایا ثقہ ہیں ثقہ ہیں۔ ایک مرتبہ یہ کہا کہ حدیث و فقہ میں ثقہ اور سچے ہیں اور خدا کے دین کے بارے میں بھروسہ کرنے کے قابل ہیں۔[2] خارجہ بن مصعب اور ابو وہب عابد کہتے ہیں کہ جو شخص مسح علی الخفین کا قائل نہ ہو یا ابو حنیفہؒ پر نکتہ چینی کرے وہ بلا شبہ ناقص العقل ہے۔[3]

حافظ ابن حجر شافعیؒ نے امام صاحب کے مناقب نقل کرکے یحییٰ بن معین سے اس کے خلاف کوئی نقل پیش نہیں کی اور آخر تذکرہ میں لکھا ہے کہ امام صاحبؒ کے مناقب بہت ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور جنت فردوس میں ان کو جگہ دے۔ ذہبی نے مناقب امام پر مستقل ایک تصنیف لکھی ہے۔

فقہ حنفی کا امتیاز

اس عنوان پر علامہ کوثری مصری نے زیلعی کے مقدمہ میں ایک مختصر مقالہ سپرد قلم کیا ہے ہم یہاں اس کا اختصار ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

فقہ حنفی صرف ایک شخص کی رائے نہیں بلکہ چالیس علماء کی جماعت شوریٰ کی ترتیب دادہ ہے۔ امام طحاویؒ اسناد کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب کی یہ جماعت شوریٰ چالیس افراد پر مشتمل تھی جن میں ممتاز ہستیاں یہ تھیں۔ ابو یوسف، زفر بن الہذیل، داؤد الطائی، اسد بن عمرو، یوسف بن خالد السمتی (یہ امام شافعیؒ کے شیوخ میں ہیں) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ۔ خطیب نے ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں ان اسماء کا اور اضافہ کیا ہے۔ عافیہ ازدی، قاسم بن معن، علی بن مسہر، حبان، مندل۔

اسد بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب کی خدمت میں پہلے ایک مسئلہ کے مختلف مختلف جوابات پیش کیے جاتے پھر جو اس کا سب سے زیادہ تحقیقی جواب ہوتا آپ ارشاد فرماتے۔ اسی طرح ایک ایک مسئلہ تین تین دن زیر بحث رہتا اس کے بعد کہیں وہ لکھا جاتا تھا۔ صیمری بیان فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے تلامذہ امام صاحب کے ساتھ

---

۱ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۹

۲ خطیب ج ۱۳ ص ۴۱۹، ۴۲۰

۳ ایضاً ج ۲ ص ۳۶۴، ۳۶۸

یہ مسئلہ بہت اہم اور طویل الذیل ہے کہ فقہ حنفی کے امتیازی اصول کیا کیا ہیں اور کیا ان کو مداہنت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام کا استقصاء اس مختصر تذکرہ میں نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر یہاں ہم صرف ایک دو مثالیں پیش کرتے ہیں جن پر غور کرنے کے بعد آپ فقہ حنفی کی گہرائی معلوم کر سکیں گے اور اس کے بعد یہ یقین کرنا بھی آسان ہو جائے گا کہ محدثین کی فقہ حنفی سے برہمی اور حنفیہ کی معذوری دونوں اپنی اپنی جگہ بجا ہیں امام شاطبیؒ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ بہت سے محدثین امام صاحب پر طعن کرنا اس بنا پر جائز سمجھتے تھے کہ ان کے نزدیک آپ نے بہت سی صحیح اخبار آحاد کو ترک کر دیا تھا۔ حالانکہ امام صاحبؒ کا ضابطہ یہ تھا کہ آپ پہلے خبر واحد کا اس باب کی دوسری احادیث کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھتے۔ قرآن کریم کے بیان سے بھی ان کو ملاتے تھے۔ اگر وہ قرآن کریم اور ان احادیث کے بیان کے مطابق ہو جاتیں تو ان پر عمل کر لیتے ورنہ انہیں شاذ قرار دیتے اور عمل نہ کرتے۔[1]

انصاف کیجیے کہ ایک آئینی نظر کے لیے آئین سازی کا یہ کتنا صحیح راستہ تھا مگر جن مزاجوں میں معیار صحت صرف اسناد تعبیر کیا ہو وہ اس کا نام صحیح احادیث کا ترک نہ کہتے تھے۔ اس کی بہت مشہور مثال حدیث مصراۃ ہے حنفیہ پر اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیشہ لے دے کی گئی اور یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے محض اپنی رائے سے اس حدیث کو ترک کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر حنفیہ نے تاوان کے دیگر ابواب میں اس قسم کا تاوان کہیں نہ دیکھا اور اس بنا پر یہاں بھی اس باب کے عام ضابطہ ہی پر عمل کر لیا تو کچھ بے جا بھی نہیں کیا۔ بقول حافظ ابو عمرو کون ایسا ہے جس نے ہر باب کی ہر حدیث کو من وعن تسلیم کیا ہو اپنے استقراء واجتہاد کے بعد جب ایک حدیث کو مختار و معمول بہ بنا لیا گیا تو اس کی مخالف حدیث میں سب نے تاویل و توجیہ جائز قرار دی ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ حنفیہ نے اکثر مواضع میں اصول کو جزئیات پر قربان نہیں کیا۔ جب کسی بات میں ان کے نزدیک صاحب شریعت سے ایک قاعدہ کلیہ ثابت ہو گیا تو پھر انہوں نے اس کے برخلاف جزئیات کو ہمیشہ قابل تاویل سمجھا ہے۔ مثلاً انسانی حاجت کے لیے بیٹھنے کا ایک آئین یہ ہے کہ قبلہ کو اپنے سامنے یا پشت کی جانب نہ رکھنا چاہیے۔ اس ضابطہ کو حنفیہ نے پہلے منقول اور معقول ہر طریق پر جانچ تولا جب ان کے نزدیک ادب واحترام کا یہ آئین ثابت ہو گیا تو حضرت ابن عمرؓ کے صرف ایک جزئی واقعہ کی بنا پر کہ انہوں نے ایک بار آنحضرت ﷺ کو قضاء حاجت کے لیے قبلہ کی جانب پشت کیے ہوئے بیٹھے دیکھا تھا اس ضابطہ کلیہ کی تاویل نہیں کی بلکہ اس واقعہ ہی کی کوئی توجیہ کر لینا زیادہ مناسب سمجھا۔

دوسری مثال نماز میں بات کرنے کا مسئلہ ہے۔ عام طور پر احادیث سے نماز میں بات کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہاں کسی استثناء کی طرف ادنیٰ اشارہ نہیں ملتا صرف ایک ذوالیدین کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز میں کسی کو سہو اور کسی کو دو باتیں کرنے کی نوبت آ گئی تھی اس کے باوجود ان

---

[1] الموافقات ج ۳ ص ۴۳

کی نمازوں کو فاسد نہیں سمجھا گیا۔ دیگر ائمہ نے اس ایک جزئی واقعہ کی وجہ سے اصل قاعدہ ہی کی تخصیص و توجیہ شروع کر دی جبکہ حنفیہ نے یہاں بھی قاعدہ میں کوئی تخصیص نہیں کی بلکہ اس کو بدستور اپنے عموم پر قائم رکھا ہے اور اس ایک واقعہ ہی کی کوئی توجیہ یا تاویل کرنا مناسب خیال کیا ہے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جہاں حنفیہ نے قاعدہ کلیہ کے مقابلہ میں جزئیات ہی کی تاویل کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ ضابطہ ہمیشہ ایک رہتا ہے اور جزئیات منتشر اس لیے تاویل کرنے والوں کی صف میں زیادہ پیش پیش حنفیہ ہی نظر آنے لگے اب آپ کو اختیار ہے کہ اس کا نام ترک حدیث رکھ لیجیے یا عمل بالحدیث رکھئے۔ اسی قسم کے امتیازات کی بناء پر ہر دور میں امت کا نصف حصہ اسی فقہ پر عمل پیرا رہا ہے اور اسی اصولی نظر کی وجہ سے حنفی فقہ میں اتنی لچک ہے کہ اتنی دوسری فقہ میں نہیں اگر علماء انسانوں کی ضرورت اور دین حنیف کی سہولت کو پیش نظر رکھتے تو ان کو حنفی کتاب الکل پر اتنا غصہ نہ آتا اور نہ وہ حنفیہ کو محض رائے کا مقلد قرار دیتے۔

امام اعظمؒ کا علمی پایہ

شداد بن حکیم فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر میں نے کوئی عالم نہیں دیکھا۔ مکی بن ابراہیم نے امام صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ وکیع فرماتے ہیں میں کسی عالم سے نہیں ملا جو ابو حنیفہؒ سے زیادہ فقیہ ہو اور ان سے بہتر نماز پڑھتا ہو۔ نضر بن شمیل کہتے ہیں لوگ علم فقہ سے بے خبر پڑے ہوئے تھے ابو حنیفہؒ نے ان کو انہیں بیدار کیا۔ یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں ہم خدا کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے، واقعی بات یہ ہے کہ ابو حنیفہؒ سے بہتر فقہ ہم نے کسی کی نہیں سنی اور اس لیے ان کے اکثر اقوال ہم نے بھی اختیار کر لیے ہیں۔ یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں کہ فتوے میں یحییٰ بن سعید کوفیوں کا قول اختیار کرتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں جسے علم فقہ میں مہارت حاصل کرنا ہو اسے لازم ہے کہ ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کو نہ چھوڑے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں ان کے محتاج ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ فقہ تو بس امام ابو حنیفہؒ ہی کی ہے جعفر بن ربیع کہتے ہیں میں پانچ سال ابو حنیفہؒ کی خدمت میں رہا ان جیسا خاموش انسان میں نے نہیں دیکھا۔ ہاں جب ان سے فقہ کا کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو اس وقت کھل جاتے اور دریا کی طرح بہنے لگتے تھے۔ عبداللہ بن داؤد فرماتے ہیں کہ اہل اسلام پر فرض ہے کہ وہ اپنی نمازوں کے بعد امام ابو حنیفہؒ کے لیے دعا کیا کریں اور ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے امت کے لیے آنحضرت ﷺ کی سنتیں اور مسائل فقہ جمع کر کے رکھ دیے ہیں۔ روح بن عبادہ کہتے ہیں کہ میں ابن جریج کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ انہیں امام صاحبؒ کی وفات کی خبر پہنچی انہوں نے فوراً انا للہ کہا اور فرمایا افسوس کیسا عجیب علم جاتا رہا۔ اسی سال ابن جریج کا بھی انتقال ہوا ہے۔[1]

---

[1] خطیب مناقب امام

سادہ کی بناء پر علم کی جو مسند امام صاحب کے لیے مخصوص ہو چکی تھی وہ علم نبوت ہی کی گہرائیوں میں شناوری کی مسند تھی۔ اس لیے قدرتی طور پر آپ کا مشغلہ فقہ ہی بن جانا چاہیے تھا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے اعمش نے ایک مسئلہ دریافت کیا اس وقت میرے اور ان کے سوا وہاں کوئی اور موجود نہ تھا۔ میں نے اس کا جواب دیا انہوں نے فرمایا اے یعقوب یہ جواب تم نے کس حدیث سے اخذ کیا ہے۔ میں نے کہا اسی حدیث سے جو آپ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی انھوں نے فرمایا یعقوب! یہ حدیث تو مجھے تمہاری پیدائش سے بھی پہلے سے یاد تھی مگر میں آج تک اس کا یہ مطلب نہ سمجھ سکا تھا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ اعمش اور امام صاحب کے درمیان بھی پیش آیا ہے۔ عبیداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں اعمش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص ان کے پاس آیا اور ایک مسئلہ دریافت کیا وہ اس کا جواب نہ دے سکے دیکھا تو وہاں ابوحنیفہؒ بھی بیٹھے ہوئے تھے فرمایا اے نعمانؒ اس کے متعلق تم کچھ بولو انہوں نے فرمایا اس کا جواب یہ ہے۔ اعمشؒ نے فرمایا کہاں سے کہتے ہو؟ امام صاحبؒ نے فرمایا اسی حدیث سے جو آپ نے ہم سے روایت کی تھی۔ اس پر اعمش نے کہا نحن الصیادلۃ وانتم الاطباء (تم لوگ اطباء ہو اور ہم تو عطار ہیں) یعنی عطار کے پاس صرف دواؤں کا اسٹاک ہوتا ہے وہ اس کی ترکیب و خواص نہیں جانتا اطباء ان کے اثرات اور ترکیب بھی جانتے ہیں۔[۱]

خطیب بغدادی امام ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن ان سے اعمش نے پوچھا کہ آپ کے استاذ نے عبداللہ کا یہ مسئلہ کیوں ترک کر دیا کہ باندی کے آزاد ہونے سے اس پر طلاق ہو جاتی ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کی اسی حدیث کی بناء پر جو آپ نے ان سے بواسطہ ابراہیم و اسود کے نقل فرمائی تھی کہ بریرہ جب آزاد ہو جائیں تو ان کی آزادی طلاق نہیں سمجھی گئی بلکہ ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے پہلے نکاح کو قائم رکھیں اور چاہیں تو فسخ کر دیں اس پر اعمش نے کہا بے شبہ ابوحنیفہؒ نہایت سمجھدار شخص ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اعمشؒ کو امام صاحب کا یہ استنباط بہت پسند آیا تھا۔[۲]

امام ترمذیؒ اپنی جامع میں غسل میت کے مسئلہ کی تحقیق کرنے کے بعد فرماتے ہیں وکذلک قال الفقہاء وھم اعلم بمعانی الحدیث۔ فقہاء نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے اور حدیث کے مطالب یہی لوگ زیادہ سمجھتے ہیں۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ حدیث و فقہ دو علیحدہ چیزیں تھیں۔ فرق ہے تو یہ کہ محدث کے نزدیک الفاظ حدیث کا حفظ مقدم ہوتا ہے اور فقیہ کے نزدیک ان کے معانی کا فہم مقدم ہے۔

---

۱ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۳۰، ۱۳۱

۲ خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۰

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ امام صاحب نے مشکل فقہ صرف امت کے نفع کی خاطر اختیار فرمایا تھا اور بجا اختیار فرمایا تھا۔ الفاظ حدیث تو محفوظ ہو ہی چکے تھے اب جس خدمت کی ضرورت تھی وہ استخراج و استنباط مسائل اور ان کی آئینی تشکیل و ترتیب ہی کی تھی۔ محدثین ہزاروں موجود تھے لیکن فقہ کا یہ مقام خالی پڑا ہوا تھا اس لیے امام صاحب نے اس منزل کو شش کرنا زیادہ ضروری سمجھا۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ امام صاحب فن حدیث و قرآن سے ناآشنا تھے۔ ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ محدثین اگر الفاظ حدیث کے ذمہ دار ہیں تو فقہاء اس کے صحیح استعمال کے جاننے والے ہیں وہ عطار ہیں تو یہ اطباء۔ فقہ کا تمام تار و پود قرآن و حدیث سے ہی قائم ہے۔

ابن خلدون لکھتا ہے کہ کبار ائمہ کی قلت روایت کو ان کی علم حدیث سے بے بضاعتی کی دلیل سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ شریعت کا ماخذ کتاب و سنت ہی ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی شرعی مسائل کے استنباط و ترتیب کا ارادہ کرے گا اس کے لیے کتاب و سنت کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ امام صاحب کی قلت روایت کا منشا اس علم سے بے بضاعتی نہ تھی بلکہ درحقیقت روایت و تحمل کے وہ شرائط تھے جن کا معیار آپ نے عام محدثین سے بہت بلند قائم کیا تھا۔ اس لیے آپ کے لیے روایت کا میدان بھی زیادہ وسیع نہیں رہا تھا۔ امام صاحب کے علم حدیث میں ماہر اور مجتہد ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ محدثین کے درمیان آپ کی فقہ ہمیشہ بنظر اعتبار دیکھی گئی ہے ایک طرف جہاں امام احمدؒ و امام شافعیؒ کا مسلک نقل کیا گیا ہے اسی کے پہلو بہ پہلو امام صاحب کا مسلک بھی نقل کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ محدثین کے نزدیک آپ کی فقہ بھی اسی درجہ پر معتبر تھی جیسا کہ دیگر فقہاء محدثین کی' خلاصہ یہ کہ رد و قبول کے اعتبار سے اس کا زیر بحث رہنا اس کی دلیل ہے کہ آپ کی فقہ بھی دیگر محدثین کی فقہ کی صف میں رہنے کے قابل تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اگر ایک جماعت اسے قبول کرتی رہی تو دوسری جماعت ترک کرتی رہی۔[1]

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی صحیح مراد اور اس میں مسائل کے ماخذ امام صاحب سے زیادہ جاننے والا میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا بعض مرتبہ میں آپ کی رائے چھوڑ کر کسی حدیث کے ظاہر پہلو کو اختیار کر لیتا تو بعد میں مجھے متنبہ ہوتا کہ حدیث کی صحیح مراد سمجھنے میں امام صاحب کی نظر مجھ سے زیادہ گہری تھی۔[2]

• اسرائیل جو مسلم ائمہ حدیث میں ہیں امام صاحب کی مدح میں بطریق تعجب فرماتے ہیں نعمان کیا خوب شخص ہیں جو احادیث مسائل فقہیہ سے متعلق ہیں وہ ان کو کیسی محفوظ ہیں اور کس خوبصورتی سے وہ ان سے مسائل فقہ استنباط فرماتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ محدثین میں وکیع اور یحییٰ بن سعید القطان جیسے اشخاص امام اعظم کی فقہ کے مطابق فتوے

۱؎ مقدمہ ص ۳۶۱۔

۲؎ خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۴

دیتے تھے حافظ ابن عبدالبر یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں۔

وکان (وکیع) یفتی برأی ابی حنیفة وکان یحفظ حدیثه کله وکان قد سمع من ابی حنیفة حدیثا کثیرا۔ [1]

وکیع امام صاحب کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ کی روایت کردہ تمام حدیثیں یاد کیا کرتے تھے اور انہوں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں۔

امام صاحب کے اساتذہ محدثین کی جو تعداد علماء نے لکھی ہے وہ ہزاروں تک پہنچی ہے لیکن چونکہ دیگر محدثین کی طرح خود امام صاحبؒ نے باضابطہ روایت حدیث کے حلقے قائم نہیں کیے اور ترویج فقہ کو ترجیح دی اس لیے بعد کے زمانہ میں آپ کی شان محدثیت نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئی۔

محدثین کو امام صاحبؒ سے وجہ نکارت

تاریخ کا یہ بھی ایک عجب خیز ورق ہے کہ وہ ایک طرف تو امام صاحب کی تعریف و توصیف میں تحریری جاتی ہے وہ جلی حروف میں یہ لکھ جاتی ہے کہ آپ عہد صحابہ میں پیدا ہوئے ورع و تقویٰ، جود و سخا، علم و فضل، خرد و عقل کے تمام کمالات آپ میں جمع تھے۔ ائمہ میں امام اعظم آپ کا لقب تھا محدثین و علماء کا ایک جم غفیر ہمیشہ آپ کے زمرۂ مقلدین میں شامل رہا اور امت مرحومہ کا نصف سے زیادہ حصہ اب بھی آپ کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے اسی کے ساتھ وہ دوسرے ہی ورق پر دیانت و عقل کا کوئی عیب ایسا اٹھا کر نہیں رکھتی جو آپ کی ذات میں لگا نہیں دیتی۔

خطیب بغدادی نے پورے سو صفحات پر امام صاحب کا تذکرہ لکھا ہے۔ پہلے امام صاحب کے مناقب میں سطر کے سطر رنگ رہے ہیں اس کے بعد پورے ۸۰ صفحات پر آپ کی ذات میں وہ وہ نکتہ چینیاں نقل کی ہیں جو دنیا کے بڑے سے بڑے کافر پر بھی نہیں کی جا سکتیں۔ ایک متوسط عقل کا انسان ان متناقض بیانات کو پڑھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کوئی انسان بھی ایسے دو متضاد صفات کا حامل نہیں ہو سکتا یا اس کے مناقب کی یہ تمام داستان فرضی ہے یا پھر عیوب کی یہ طویل فہرست صرف مخترع حکایات اور صریح بہتان ہے۔ مورخ ابن خلکان نے خطیب کے اس غلط طرز پر حسب ذیل الفاظ میں تنقید کی ہے۔

وقد ذکر الخطیب فی تاریخه منها شیئا کثیرا ثم اعقب ذلك بذکر ما کان الالیق ترکه والاضراب عنه فمثل هذا الامام لا یشك فی دینه ولا فی ورعه ولا فی حفظه ولم یکن یعاب بشیء سوی قلة العربیة (ج۲ ص۱۶۵)

---

[1] جامع بیان العلم ج۲ ص۱۳۶

یعنی خطیب نے اپنی تاریخ میں آپ کے مناقب کا بہت سا حصہ ذکر کیا ہے اس کے بعد ایسی ناگفتنی باتیں لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض کرنا مناسب تھا کیونکہ امام اعظمؒ جیسے شخص کے متعلق نہ دیانت میں شبہ کیا جا سکتا ہے نہ حفظ و ورع میں آپ پر کوئی نکتہ چینی بجز قلت عربیت کے اور نہیں کی گئی۔

حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ کا کلام یہاں نہایت منصفانہ ہے کیونکہ تنقید کا یہ شاخسانہ صرف ایک امام صاحب کی ذات ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ دوسرے ائمہ تک بھی پھیلتا چلا گیا ہے۔ اگر ذرا نظر کو اور وسیع کیجیے تو پھر صحابہ کا استثناء بھی مشکل نظر آتا ہے۔ غصہ اور مسرت انسانی فطرت ہے۔ ان دونوں حالتوں میں انسان کے الفاظ کا صحیح توازن قائم نہیں رہا کرتا اسی لیے غصہ کے حال میں فیصلہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے یہ صرف ایک نبی کی شان ہے جس کے منہ سے غضب ورضا کے دونوں حالوں میں بجز تلے الفاظ ہی نکلتے ہیں اب اگر انسانوں کے صرف ان جذباتی پہلوؤں سے تاریخ مرتب کر لی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پھر صحابہ کے الفاظ صحابہ کے متعلق اور ائمہ کے ائمہ کے متعلق بھی ایسے مل سکتے ہیں جن کے بعد امت کا یہ مقدس گروہ بھی زیر تنقید آ سکتا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم وزیر نے امام شعبی کا کیسا بصیرت افروز مقولہ نقل کیا ہے۔

قال الشعبي حدثنا هم بغضب اصحاب محمد (ﷺ) فاتخذوه دينا۔[1]

شعبی فرماتے ہیں ہم نے تو لوگوں سے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے باہمی غصہ کی حکایات نقل کی تھیں انہوں نے اٹھا کر انہیں مذہب کی فہرست میں داخل کر لیا ہے۔

اس کے سوا دوسری مشکل یہ ہے کہ محدثین نے جو بعض الفاظ آج کتب میں مدون نظر آتے ہیں کسے فرصت ہے کہ ان کے اصل معنی سمجھنے کی کوشش کرے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجیے ایک مرتبہ امام صاحب اعمش کی عیادت کے لیے گئے۔ اعمش نے کچھ روکھا پن دکھایا اور امام صاحب کے متعلق کچھ غصہ کے الفاظ کہے۔ اس اخلاق پر اعمش کا یہ رویہ آپ کو ناگوار گزرنا اور گزرنا چاہیے تھا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا: اعمش نہ تو رمضان کے روزے رکھتا ہے اور نہ کبھی جنابت سے غسل کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی امام دین پر ان الفاظ کو کتنا ہی چھپایا کیجیے مگر چھپائے نہیں چھپ سکتے اگر کہیں ان الفاظ کی تشریح ہمارے سامنے نہ ہوتی تو معلوم نہیں کہ اس غلط فہمی سے ہمارے خیالات کتنے کچھ پریشان ہو جاتے لیکن جب ان الفاظ کی مراد ہاتھ آ گئی تو آنکھیں کھل گئیں اور معلوم ہوا کہ بزرگ غصہ کے حال میں بھی ایک دوسرے کے متعلق عوام کی طرح بے سروپا کلمات منہ سے نہیں نکالا کرتے۔ چنانچہ اسی واقعہ میں جب فضل بن موسیٰ سے اس کا مطلب دریافت کیا گیا (اس واقعہ میں وہ امام صاحب کے ساتھ ساتھ تھے) تو انہوں نے فرمایا کہ اعمش استنجاء ختانین سے غسل کے قائل نہ تھے بلکہ جمہور کے خلاف اسی مسئلہ پر عمل کرتے تھے جس پر کبھی ابتداء اسلام میں عمل کیا

---

[1] الروض الباسم ج ۱ ص ۱۲۸

گیا تھا یعنی انزال کے بغیر غسل واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ طلوع فجر کے بعد روشنی پھیلنے تک سحری کھانا درست ہے۔ ان دو مسئلوں کے لحاظ سے امام صاحب کی یہ دونوں باتیں بھی درست تھیں اور اعمش کا عمل بھی اپنے مذہب کے مطابق درست تھا۔[1]

مگر اسی طرح امام کے حق میں بھی بہت سے مشہور مقولوں کی مرادیں تلاش کی جائیں تو ہاتھ آ سکتی ہیں اور اس کے بعد اصل بات بھی اتنی قابل اعتراض نہیں رہتی جیسا کہ الفاظ کی سطح سے معلوم ہوتی تھی۔ کتب تذکرہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے محدثین کی ناراضگی کا بڑا سبب صرف اختلاف مذاق تھا نہ کہ اختلاف مسائل امام صاحب کے دور تک عام مذاق یہ تھا کہ مسائل کے متعلق بہت ہی محدود پیمانہ پر غور و خوض کیا جاتا تھا' صرف پیش آمدہ واقعات کا شرعی حکم وہ بھی بڑی احتیاط کے ساتھ معلوم کر لیا جاتا اس کے بعد مسئلہ کی فرضی صورتوں سے بحث کرنا ایک لایعنی مشغلہ سمجھا جاتا تھا۔ خطیب بغدادی نے یہاں ایک بہت دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔

نضر بن محمد روایت کرتے ہیں کہ قتادہ کوفہ آئے اور ابو بردہ کے گھر اترے ایک دن باہر نکلے تو لوگوں کی بھیڑ ان کے ارد گرد جمع ہو گئی۔ قتادہ نے قسم کھا کر کہا آج جو شخص بھی حلال و حرام کا کوئی مسئلہ مجھ سے دریافت کرے گا میں اس کا ضرور جواب دوں گا۔ امام ابو حنیفہؒ کھڑے ہوئے اور سوال کیا اے ابو الخطاب (ان کی کنیت ہے) آپ اس عورت کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس کا شوہر چند سال غائب رہا اس نے یہ یقین کر کے کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے اپنا دوسرا نکاح کر لیا اس کے بعد اس کا پہلا شوہر بھی آ گیا اب آپ اس کے مہر کے متعلق فرمائیے کیا فرماتے ہیں اور جو بھیڑ ان کو گھیرے کھڑی تھی ان سے مخاطب ہو کر کہا اگر اس مسئلہ کے جواب میں یہ کوئی حدیث روایت کریں گے تو وہ غلط روایت کریں گے اور اگر اپنی رائے سے فتوے دیں گے تو وہ بھی غلط ہو گا۔ قتادہ بولے کیا خوب! کیا یہ واقعہ پیش آ چکا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا نہیں انہوں نے کہا پھر جو مسئلہ ابھی تک پیش نہیں آیا اس کا جواب مجھ سے کیوں دریافت کرتے ہو؟ امام صاحب نے فرمایا کہ ہم حادثہ پیش آنے سے قبل اس کے لیے تیاری کرتے ہیں تاکہ جب پیش آ جائے تو اس سے نجات کی راہ معلوم رہے۔ قتادہ ناراض ہو کر بولے خدا کی قسم ہے حلال و حرام کا کوئی مسئلہ اب میں تم سے بیان نہیں کروں گا۔ ہاں کچھ تفسیر کے متعلق پوچھنا ہو تو پوچھو۔ اس پر امام صاحب نے ایک تفسیری سوال کیا قتادہ اس پر بھی لاجواب ہوئے اور ناراض ہو گئے۔ آخر کار خفا ہو کر اندر تشریف لے گئے۔[2]

ابو عمرو نے سلف کے اس مذاق کی شہادت پر بہت سے واقعات لکھے ہیں اور بے شبہ علم و تقویٰ کے اس دور میں مناسب بھی یہی تھا لیکن جب مقدر یہ ہوا کہ علم کا بازار سرد پڑ جائے ورع و تقویٰ کی جگہ جہل و فریب لے لے ادھر روز مرہ نئے سے نئے واقعات پیش آنے لگیں تو اس سے پہلے کہ جہلاء شریعت میں دست اندازی شروع کر دیں یہ بھی مقدر

[1] دیکھو جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۵۷
[2] خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۸

ہو گیا کہ شریعت کی ترتیب و تہذیب ایسے ائمہ کے ہاتھوں ہو جائے جنہوں نے صحابہ و تابعین کے دور میں پرورش پائی ہو۔ انصاف کیجیے اگر قتادہ کے زمانہ کی یہ احتیاط اسی طرح آئندہ بھی چلی جاتی تو کیا شرعی مسائل اسی ضبط و صحت کے ساتھ جمع ہو جاتے جیسا کہ اب جمع ہوئے۔ درحقیقت یہ امام صاحب کی بڑی انجام بینی اور امت کی بروقت دستگیری تھی کہ آپ نے ان کے سامنے شریعت کو ایک مرتب آئین بنا کر رکھ دیا اسی لیے عبداللہ بن داؤد فرماتے ہیں کہ امت پر آپ کا یہ حق ہے کہ وہ آپ کے لیے نمازوں کے بعد دعائیں کیا کریں۔ یہ خدمت اپنی جگہ خواہ کتنی ہی ضروری اور بروقت سہی مگر واقعہ یہ ہے کہ تھی محدثین کے مذاق کے خلاف۔ جس دور میں آثار و مرفوعات کو علیحدہ علیحدہ ضبط کرنا بھی عام دستور نہ ہوا اس دور میں صرف ابواب فقہیہ کی اونچی اونچی تعبیریں کھڑا کر دینا کب قابل برداشت ہو سکتا تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب مسائل منصوصہ سے آپ ذرا قدم ادھر ادھر ہٹائیں گے تو آپ کو اجتہاد سے کام لینا ہوگا۔ ایسے دور میں جہاں خاموشی کے ساتھ عمل کرنے کے علاوہ ایک قدم ادھر ادھر اٹھانا بھی قابل اعتراض نظر آتا ہو احادیث و آیات کے اشارات، دلالات اور اقتضاء سے ہزاروں مسائل اخذ کر کے ان کو احادیث سے یکسر علیحدہ شکل دے دینا کب گوارا کیا جا سکتا تھا۔ آخر جب آپ کا دور گزر گیا تو بعد کے علماء کے سامنے صرف پہلے علماء کی ان ناگواریوں کی نقل باقی رہ گئی۔ پھر استادی و شاگردی کے تعلقات نے حقائق کو ایسا پوشیدہ کر دیا کہ جس نے مجھ کو کافر کہا تھا۔ سے خود بھی اور کافر کہا گیا۔ جس نے کتاب و سنت کے مقابلہ میں اپنی رائے ترک کرنے کی وصیت کی تھی اسی پر کتاب و سنت کی مخالفت کرنے کی تہمت رکھی گئی ہاں اگر خوش قسمتی سے ماحول کے تاثرات سے نکل کر کسی اللہ کے بندہ نے تحقیق کی نظر ڈالی تو بہت جلد اس کی آنکھوں سے یہ حجاب اٹھ گیا اور اس نے اپنے خیال سے رجوع کر لیا ورنہ تاریخ ان ہی افواہوں پر چلتی رہی جو استادی و شاگردی کے سلسلہ سے علماء کے حلقوں میں گشت لگا رہی تھیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی میں اس کے متعلق مختلف خیالات قائم ہو سکتے ہیں اور فیصلہ کی راہ آسانی سے نہیں نکل سکتی، بہت سی زبانیں اس کی موافقت اور بہت سی اس کی مخالفت میں بولتی ہیں تو اس کی وفات کے بعد جبکہ اس کی شخصیت بھی سامنے نہیں رہتی فیصلہ کرنا کتنا مشکل ہوگا۔ اسماء الرجال کے فن میں تاریخ کی اس تاریکی کو دور کرنے کی سعی کی گئی ہے اور ایک معتدل مزاج انسان کے لیے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا مشکل بھی نہیں رہا لیکن تاریخ کی جو نقول اوراق میں درج ہو چکی ہیں اس سے ہر خیال کا انسان اگر مزاجی اعتدال نہیں رکھتا تو اپنے خیال کے موافق فائدہ اٹھانا اپنا فرض سمجھتا ہے اور اس لیے اسماء الرجال کی پیدا کردہ روشنی تاریخ کی پھیلائی ہوئی تاریکی کے دور کرنے میں بسا اوقات ناکام ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ امام صاحب پر جرح کرنے والوں کی صف پر نظر ڈالیں گے تو ان میں زیادہ تر آپ کو وہی افراد نظر آئیں گے جو آپ کے عہد حیات کے بعد پیدا ہوئے ہیں یا نرے محدث ہیں فقاہت سے زیادہ بہرہ ور نہیں صرف سنی ہوئی خبریں ان تک پہنچیں اور وقتی ماحول کی وجہ سے باور کر لی گئیں۔ یوں تو

ان یحسدونی فانی غیر لائمهم

قبلی من الناس اهل الفضل قد حسدوا

فدام لی ولهم ما بی وما بهم

ومات اکثرنا غیظا بما نجد

اگر لوگ مجھ پر حسد کرتے ہیں تو کریں میں تو انہیں کچھ ملامت نہیں کروں گا کیونکہ اہل فضل پر مجھ سے پہلے بھی لوگ حسد کرتے آئے ہیں میرا اور ان کا ہمیشہ یہی شیوہ رہے گا اور ہم میں اکثر لوگ حسد کر کر کے مر گئے ہیں۔

وکیع کہتے ہیں شاید امام صاحب کو ان کی طرف سے کوئی بات پہنچی ہوگی اس لیے انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔

جعفر بن الحسن ابو عمر کے شیخ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا بخش دیا۔ میں نے کہا علم و فضل کے طفیل میں؟ کہا بھئی فتویٰ تو مفتی کے لیے بڑی ذمہ داری کی چیز ہے۔ میں نے کہا پھر؟ فرمایا لوگوں کی ان ناحق نکتہ چینیوں کے طفیل میں جو لوگ مجھ پر کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ مجھ میں نہ تھیں۔ (جامع بیان العلم۔ ج ۲ ص ۲۲۶)

ابو عمر تحریر فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث نے امام صاحب کے حق میں بڑی زیادتی کی ہے اور حد سے بہت تجاوز کیا ہے آپ پر جو زیادہ سے زیادہ نکتہ چینی کی گئی ہے وہ صرف ان دو باتوں پر، ایک آثار کے مقابلہ میں رائے اور قیاس کا اعتبار کرنا، دوسری ارجاء کی نسبت حالانکہ جس جگہ امام صاحب نے کسی اثر کو ترک کیا ہے کسی نہ کسی موزوں تاویل سے کیا ہے۔ اس کی نوبت بھی ان کو اس لیے آئی ہے کہ انہوں نے مسائل میں بیشتر اپنے اہل بلد کا اعتبار کیا ہے جیسے ابراہیم نخعیؒ اور ابن مسعودؓ کے تلامذہ اس سلسلہ میں مسائل کی صورتیں فرض کرتے پھر اپنی رائے سے ان کے جوابات دیتے اس پر اس کو مستحسن سمجھنے میں آپ نے اور آپ کے تلامذہ نے بھی افراط سے کام لیا ہے ان وجوہ سے سلف میں ان سے مخالفت پیدا ہو گئی ورنہ میرے نزدیک اہل علم میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جسے کسی حدیث کے اختیار کرنے کے بعد کسی نہ کسی حدیث کا ترک یا تاویل یا دعوئ نسخ کرنا لازم نہ آیا ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ دوسروں کو ایسا موقع کم پیش آیا ہے اور امام صاحبؒ کو زیادہ۔ اس پر ان کے ساتھ حسد اور بہتان کی مصیبت مزید برآں ہے۔ لیث بن سعد کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کے ستر مسئلے مجھے ایسے معلوم ہیں جو سنت کے خلاف ہیں امام مالکؒ نے صرف اپنی رائے سے نکالے ہیں اس بارے میں ان سے خط و کتابت بھی کر چکا ہوں۔ ابو عمر کہتے ہیں علماء امت میں یہ حق تو کسی کو حاصل نہیں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث صحت کو پہنچ جائے تو وہ اس کی سند میں طعن یا اسی درجہ کی حدیث سے دعوئ نسخ یا اس کے مقابلہ میں امت کا اجماع پیش کیے بغیر اس کو ترک کر دے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کی عدالت ہی ساقط ہو جاتی ہے۔ چہ جائیکہ اس کو دین کا امام مانا جائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ سے روایت کرنے

والوں اور آپ کو ثقہ کہنے والوں کی تعداد ان سے زیادہ ہے جنھوں نے آپ پر نکتہ چینی کی ہے پھر جنھوں نے نکتہ چینی کی بھی ہے تو وہ صرف ان ہی دو باتوں پر کی ہے جو ابھی مذکور ہوئیں پھر تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں یہ مشہور تھا کہ بزرگی و برتری کا یہ بھی ایک معیار ہے کہ اس کے متعلق لوگ افراط و تفریط کی دو راہوں پر نکل جائیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں بھی ایک جماعت افراط اور دوسری تفریط میں مبتلا نظر آتی ہے۔[1] آخر میں حافظ ابو عمر بطورِ قاعدہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص کی عدالت صحت کے درجہ کو پہنچ چکی ہو علم کے ساتھ اس کا شغف ثابت ہو چکا ہو، کبائر سے احتراز کرتا ہو مروت اور ہمدردی اس کا شعار ہو، اس کی بھلائیاں زیادہ ہوں اور برائیاں کم تو ایسے شخص کے بارے میں بے سروپا الزامات ہرگز قابل قبول نہیں ہوں گے۔[2] سچ تو یہ ہے کہ مخلوق نے جب اپنی زبان خالق سے بند نہیں کی تو اب ہمہ و شما سے اس کی توقع فضول ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار دعا کی اے پروردگار بنی اسرائیل کی زبان سے میرا پیچھا چھڑا دے وحی آئی جب میں نے مخلوق کی زبان اپنے نفس سے بند نہیں کی تو تم سے کیسے بند کر دوں۔[3]

نوٹ: حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ کی یہ تحریر ہم نے سیر الصحابہ سے من و عن نقل کر دی ہے چونکہ حضرت کا اسلوب تحریر نہایت محمود ہے اس لیے قارئین کو اگر بعد کے صفحات میں دوسرا اسلوب تحریر مفقود نظر آئے تو وہ اس میں مؤلف کو معذور سمجھیں کیونکہ یہ تو ایک مسلمہ اصول ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

❀❀❀

---

1. جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۸، ۱۴۹
2. اس قاعدہ کی پوری تفصیل کے لیے مقدمات اعلاء السنن میں احمد بن صالح مصری اور امام کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔ انہوں نے اس کے ہر گوشہ پر مفصل بحث کر دی ہے اور اس بحث میں جس جس قید و شرط کی ضرورت تھی سب ذکر کر دی ہیں۔
3. جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۲
4. ایضاً ج ۲ ص ۱۶۱۔

باب اول

﴿تعارف کتاب﴾

حضرت الامام کی اس کتاب عظیم کا تعارف تو خیر ہم جیسا ہیچ مدان کیا کرا سکتا ہے تاہم اس سے قبل چند تمہیدی باتیں اور کچھ مقدمات ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ ابتدائی باتیں بھی معلوم ہو جائیں اور تعارف کتاب میں انہیں ان کا تعاون بھی حاصل ہو جائے۔

(۱) علم حدیث میں "سند" کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس کے بغیر کسی حدیث کو قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا درجہ متعین کیا جا سکتا ہے اس لیے سب سے پہلے سند کی تعریف معلوم ہونا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے

"الطریق الموصل الی المتن"

"وہ راستہ جو متن تک پہنچا دے"

اسے ایک مثال سے سمجھئے مسند امام اعظم کی پہلی حدیث اس طرح ہے:

"اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ یَحْیٰی عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ التَّیْمِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّیْثِیَّ یَقُوْلُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَی الْمِنْبَرِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" الخ

"اس میں "الاعمال بالنیات" حدیث کا متن ہے جس تک امام ابوحنیفہؒ کی رسائی اس لڑی سے ہوئی ہے جس کے نام اس میں مذکور ہیں یعنی یحییٰ، محمد بن ابراہیم التیمی، علقمہ بن وقاص لیثی اور سیدنا فاروق اعظمؓ اسی لڑی کو عربی میں "سند" کہا جاتا ہے اور سند بیان کرنے کو "اسناد" کہتے ہیں اور سند مکمل ہونے کے بعد نبی ﷺ کا جو ارشاد یا واقعہ مذکور ہوتا ہے اسے متن کہتے ہیں۔

یاد رکھیے! کہ سند میں جن راویوں کا نام آتا ہے اگر محدثین کو ان کی قوت حافظہ، امانت و دیانت، ضبط و اتقان، عقل و شعور اور شخصیت پر تحفظات اور اعتراضات ہوں تو ان کی روایت کا درجہ کم سے کم ہوتا چلا جاتا ہے اور اگر محدثین کو ان پر اطمینان و اعتماد ہو تو ان کی روایت بھی قابل اعتماد قرار پاتی ہے رہی یہ بات کہ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ کسی راوی کے بارے میں محدثین کی کیا رائے ہے؟ تو اس کے لیے اس فن کی بے شمار کتب موجود ہیں اور "اسماء الرجال" کے نام

یہ پھیلا دیا جانے والا عظیم ذخیرہ ہے جس میں ایک ایک راوی کے حالات زندگی کی نقاب کشائی کے لیے کافی سے زیادہ ہے جس میں صرف راوی حدیث ہی سے بحث نہیں کی جاتی، بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس نے کن اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے اور اس کے شاگرد کون لوگ ہیں؟

اسی لیے علماء کرام سند اور طلب سند کو اس امت کی خصوصیات میں شمار کرتے ہیں کیونکہ امت مرحومہ سے پہلے کسی امت میں اس چیز کا اہتمام نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس کی طرف کوئی توجہ دی گئی۔

(۴) اہل اصول کے یہاں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ سند میں جتنے راوی کم ہوں گے اس کا درجہ اتنا ہی زیادہ ہوگا اور اس حدیث کو صحت کے اتنا ہی قریب سمجھا جائے گا اور سند میں جتنے راوی زیادہ ہوں گے اس کا درجہ اتنا ہی کم ہوگا اور وہ صحت سے اتنی ہی دور ہوگی

چنانچہ وہ روایات جن میں راوی اور نبی ﷺ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہو اور وہ بھی صحابیؓ کا، ان کا درجہ بقیہ تمام روایات سے اونچا ہوگا اور ایسی روایات کو اصطلاح محدثین میں "وحدانیات" کہا جاتا ہے، یہیں سے بعض دوسری اقسام حدیث کی تعریف بھی معلوم ہو جاتی ہے چنانچہ

ثنائیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی ﷺ کے درمیان صرف دو واسطے ہوں۔

ثلاثیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہوں۔

رباعیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی ﷺ کے درمیان چار واسطے ہوں۔

خماسیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی ﷺ کے درمیان پانچ واسطے ہوں۔

سداسیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی ﷺ کے درمیان چھ واسطے ہوں۔

مسند امام اعظم کی خصوصیات و امتیازات میں سے ایک اہم ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں آٹھ احادیث "وحدانیات" کے درجے تک پہنچی ہوئی ہیں یعنی ان میں حضرت الامام اور نبی ﷺ کے درمیان صرف صحابیؓ کا واسطہ ہے اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو ائمہ اربعہ میں سے امام صاحبؒ کے علاوہ کسی دوسرے امام حتیٰ کہ امام مالکؒ کو بھی حاصل نہیں۔ مسند امام اعظم کی ایسی روایات کی تعداد سات ہے جبکہ بعض علماء کی رائے کے مطابق ان کی تعداد چار ہے اور اگر مسند امام اعظم کے علاوہ دوسری کتابوں سے بھی امام صاحبؒ کی وحدانیات کو جمع کر لیا جائے تو ان کی تعداد تقریباً ۲۰ تک پہنچ جاتی ہے چنانچہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ نے "عشرین من ابی حنیفۃ" کے نام سے ایک چھوٹے سے رسالے میں ان تمام احادیث کو جمع فرمایا ہے۔

"وحدانیات" کے بعد دوسرا درجہ "ثنائیات" کا آتا ہے جن میں امام صاحبؒ کے ساتھ صرف امام مالکؒ شریک ہیں، صحاح ستہ کے مؤلفین تو بڑی دور کی بات امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ تک کو یہ شرف حاصل نہیں ہے، مسند امام

اعظم میں ایسی روایات کی تعداد دو سو سے متجاوز ہے جو علیحدہ کتابی شکل میں تخریج حدیث کے ساتھ الامام الاعظم ابوحنیفہ والثنائیات فی مسانیدہ کے نام سے منظر عام پر آچکی ہے' امام صاحبؒ کی یہ روایات عام طور پر بارہ سندوں سے آئی ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نمبر				
۱۔	ابوحنیفہؒ	عن ابی الزبیرؒ	عن جابر	عن النبی ﷺ
۲۔	ابوحنیفہؒ	عن نافع	عن ابن عمر	عن النبی ﷺ
۳۔	ابوحنیفہؒ	عن عبداللہ بن ابی حبیبہؒ	عن ابی الدرداء	عن النبی ﷺ
۴۔	ابوحنیفہؒ	عن عبدالرحمٰنؒ	عن ابی سعید	عن النبی ﷺ
۵۔	ابوحنیفہؒ	عن عطیہ	عن ابی سعید	عن النبی ﷺ
۶۔	ابوحنیفہؒ	عن شداد بن عبدالرحمٰن	عن ابی سعید	عن النبی ﷺ
۷۔	ابوحنیفہؒ	عن عطاء	عن ابی سعید	عن النبی ﷺ
۸۔	ابوحنیفہؒ	عن عاصمؒ	عن رجل من اصحابہ	عن النبی ﷺ
۹۔	ابوحنیفہؒ	عن عون	عن رجل من اصحابہ	عن النبی ﷺ
۱۰۔	ابوحنیفہؒ	عن محمد بن عبدالرحمٰن	عن ابی سلمہ	عن النبی ﷺ
۱۱۔	ابوحنیفہؒ	عن مسلم الاعور	عن انس بن مالک	عن النبی ﷺ
۱۲۔	ابوحنیفہؒ	عن محمد بن قیس	عن ابی عامرؓ	عن النبی ﷺ

ثنائیات کے بعد تیسرا درجہ "جو دیگر محدثین و اصحاب صحاح کے یہاں سند عالی کا پہلا اور اہم ترین درجہ ہے" ثلاثیات کا ہے' ایسی احادیث کی تعداد بخاری شریف جیسی کتاب میں صرف بائیس ہے جنہیں بفضلہٖ تعالیٰ راقم الحروف نے "ثلاثیات بخاری" کے نام سے یکجا کر کے رسالے کی صورت میں شائع بھی کروا دیا ہے جبکہ مسند امام اعظم میں ایسی روایات کی تعداد تین سو سے بھی زیادہ ہے۔

ثلاثیات کے بعد چوتھا درجہ "رباعیات" کا ہے جس سے نیچے کی سند مسند امام اعظم میں شاذ و نادر ہی کہیں آئی ہو گی' ایسی روایات کی تعداد مسند امام اعظم میں تقریباً ڈیڑھ سو ہے۔

(۳) امام صاحب کی یہ مسند متعدد کبار شیوخ کی سند سے نقل ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے' آج کل درس نظامی میں علامہ حصکفیؒ کا روایت کردہ نسخہ شامل نصاب ہے' پہلے یہ نسخہ شیوخ کی ترتیب پر مرتب تھا لیکن اس سے استخراج حدیث میں کافی مشکلات پیش آتی تھیں' اس لیے علامہ عابد سندھیؒ نے اسے ابواب فقہیہ کی ترتیب پر مرتب کر دیا تاکہ استخراج حدیث اور استنباط مسائل آسان ہو جائے' گویا اس وقت مسند امام اعظم کا جو نسخہ ہمارے ہاتھوں میں ہے'

وہ علامہ حارثیؒ کی ترتیب ہے اور اسے علامہ حصکفیؒ نے امام صاحبؒ سے روایت کیا ہے۔

امام حصکفیؒ کا مختصر تعارف

آپ کا پورا نام صدر الدین موسیٰ بن زکریا بن ابراہیم بن محمد بن صاعد ہے۔ آپ کی پیدائش دیار بکر کے ایک شہر "حصن کیفا" میں ہوئی اسی کی طرف نسبت کرکے آپ کو "حصکفی" کہا جاتا ہے جبکہ ملا علی قاری کی رائے کے مطابق آپ کا صحیح تلفظ "الحصنکفی" نون کے ساتھ ہے جس میں نون پہلے ہے کاف بعد میں ہے۔

آپ کی نوجوانی کے ایام تو بیرون طلب میں گزرے۔ علامہ دمیاطیؒ کو آپ کا شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ چنانچہ خود علامہ دمیاطیؒ نے اپنے شیوخ کے معاجم میں ان کو بھی تذکرہ دیا ہے۔ آپ کا انتقال تبریز شہر میں ۶۵۰ھ میں ہوا۔

(۲) محدثین کا یہ اصول ہے کہ جب بھی کوئی حدیث پڑھنا شروع کرتے ہیں تو اس کے آغاز میں "وبہ قال حدثنا" کہتے ہیں اس لیے یہاں بھی ہر حدیث کے آغاز میں "وبہ قال حدثنا" کہا جاتا ہے۔

❀❀❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وآله ائمة الدين وصحبه سرج الاسلام والمسلمين اما بعد! فيقول اضعف عباد الله الغني محمد عابد بن احمد علي بن القاضي محمد مراد الواعظ السندي الانصاري تاب الله عليه انه هو التواب الرحيم لما كان مسند الامام الاعظم والهمام الاقدم ابي حنيفة النعمان رضي الله عنه من رواية الحصكفي مرتبا على اسماء شيوخه بحسب ما روي عنهم رحمهم الله تعالى وكان استخراج الحديث منه مشكلا خصوصا لمن لا يدري شيخ الامام في ذلك الحديث اردت ان ارتبه على الابواب الفقهية ليسهل البحث فيه مستعينا بالله انه معين الخير والجود

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے اور رحمت کاملہ وسلامتی کا نزول ہو اس ہستی پر جو تمام پیغمبروں کی سیادت کا شرف رکھتی ہے نیز ان کی اس آل پر جو دین کا محور ہیں اور ان کے ان صحابہ پر جو اسلام اور اہل اسلام کے روشن چراغ ہیں۔

حمد و صلوۃ کے بعد! بے نیاز خدا کا سب سے کمزور ترین بندہ محمد عابد بن احمد علی بن قاضی محمد مراد واعظ سندی انصاری عرض کرتا ہے "اللہ اس پر اپنی خصوصی توجہ فرمائے کیونکہ وہ بہت متوجہ ہونے اور بہت رحم کرنے والا ہے" کہ چونکہ امام اعظم امام اقدم امام ابوحنیفہ کا وہ مسند جو امام حصکفی کی روایت سے نقل ہو کر ہم تک پہنچا ہے ان کے شیوخ کے اسماء گرامی پر بحسب روایت مرتب تھا' جس کی بناء پر اس سے حدیث تلاش کرنا بہت مشکل تھا' خاص طور پر ان حضرات کے لیے جو متعلقہ حدیث میں اسماء شیوخ سے ناواقف ہوتے تھے' اس لیے میں نے اللہ سے مدد کی درخواست کرتے ہوئے ارادہ کر لیا کہ اس مسند کو ابواب فقہیہ کی ترتیب پر مرتب کر دوں تاکہ اس سے حدیث تلاش کرنا آسان ہو جائے' اللہ ہی خیر و سخاوت کا حقیقی فیضان فرمانے والا ہے۔

حل عبارات: سرج' سراج کی جمع ہے بمعنی چراغ' ارتبہ باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے "لما کان مسند الامام" شرط ہے' دونوں کی جزاء "اردت ان ارتبہ" ہے' مستعینا باللہ کا تعلق "اردت" کے ساتھ ہے اور اصل عبارت یہ ہے "اردت مستعینا باللہ"

مقصود: اس عبارت میں "اما بعد" سے لے کر آخر تک صرف ایک بات ہی بیان کی گئی ہے اور وہ ہے "وجہ تصنیف کتاب" یا زیادہ صحیح الفاظ میں "وجہ ترتیب جدید" کہ میں نے اس کتاب کو اس جدید انداز میں اور نئے وزن میں اہل علم کے سامنے اس لیے پیش کیا کہ اس کے قدیم نسخوں سے کما حقہ فائدہ اٹھانا بہت مشکل ہو گیا تھا کیونکہ اس کتاب کی سابقہ

ترتیب اسماء شیوخ کے اعتبار سے تھی اب جسے ان سے کچھ مناسبت تھی وہ تو اپنا مقصد حاصل کر لیتا تھا لیکن ایسے لوگ بہت کم رہ گئے تھے اور جسے ان سے کچھ مناسبت بھی نہ تھی اور وہ کتاب ہذا سے مستفید بھی ہونا چاہتے تھے تو انہیں اس میں مشکلات پیدا ہوتی تھیں اور ایسے لوگ بہت زیادہ تھے چنانچہ میں نے علامہ حصکفیؒ کی اس ترتیب کو بدل کر اسے موجودہ متداول کتب کی ترتیب میں فقہی ابواب پر مرتب کر دیا۔

اب یہ کتاب ۳۳ کتابوں اور اس کے مختلف ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ کتاب الایمان
۲۔ کتاب العلم
۳۔ کتاب الطهارة
۴۔ کتاب الصلوة
۵۔ کتاب الزکوة
۶۔ کتاب الصوم
۷۔ کتاب الحج
۸۔ کتاب النکاح
۹۔ کتاب الاستبراء
۱۰۔ کتاب الرضاع
۱۱۔ کتاب الطلاق
۱۲۔ کتاب النفقات
۱۳۔ کتاب التدبیر
۱۴۔ کتاب الایمان
۱۵۔ کتاب الحدود
۱۶۔ کتاب الجهاد
۱۷۔ کتاب البیوع
۱۸۔ کتاب الرهن
۱۹۔ کتاب الشفعة
۲۰۔ کتاب المزارعة
۲۱۔ کتاب الفضائل
۲۲۔ کتاب فضل امته ﷺ
۲۳۔ کتاب الاطعمة والاشربة
۲۴۔ کتاب اللباس والزینة
۲۵۔ کتاب الطب
۲۶۔ کتاب الادب
۲۷۔ کتاب الرقاق
۲۸۔ کتاب المناقب
۲۹۔ کتاب الاحکام
۳۰۔ کتاب الفتن
۳۱۔ کتاب التفسیر
۳۲۔ کتاب الوصایا والفرائض
۳۳۔ کتاب القیامة وصفة الجنة

اس فہرست پر نظر ڈالیے اور پھر صحیح بخاری یا صحیح مسلم اور بقیہ کتب صحاح کی فہرست کے ساتھ اس کا تقابل کیجئے ہر منصف مزاج آدمی یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ بلاشبہ امام صاحبؒ اپنے وقت ہی کے نہیں بعد کے تمام زمانوں کے لیے بھی محدث اعظم ہیں۔

(۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ یَحْیٰی عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ التَّیْمِیِّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ اللَّیْثِیِّ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَلِکُلِّ امْرِیءٍ مَا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ یَنْکِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ۔

حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی چنانچہ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو وہ سمجھ لے کہ اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہوئی ہے اور جس شخص کی ہجرت حصول دنیا یا کسی عورت سے شادی کی خاطر ہو تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔

حل لغات: "الاعمال" پر الف لام استغراقی ہے اور ہر قسم کا عمل اس میں شامل ہے "هجرت" باب نصر ینصر کا مصدر ہے اور یہ ظاہری بھی ہوتی ہے اور باطنی بھی ظاہری ہجرت ترک وطن کا نام ہے اور باطنی ہجرت ترک معاصی کا نام ہے "فمن کانت هجرته" میں "هجرت" اسم کانت ہے اور اس کی خبر مقصودۃ محذوف ہے اور "فهجرته" مبتدا ہے جس کی خبر "مقبولة" محذوف ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۱، ۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، ۶۹۵۳، ومسلم: ۱۹۰۷، وابوداود: ۲۲۰۱، والترمذی: ۱۶۴۷، والنسائی: ۷۵، ۳۴۳۷، ۳۸۰۳، وابن ماجه: ۴۲۲۷، واحمد: ۱/۲۵، والطیالسی: ۳۷، والحمیدی: ۲۸، والبزار: ۲۵۷، وابن خزیمة: ۱۴۲۔

مسئلہ زیر بحث: یوں تو تمام محدثین اپنی اپنی کتاب کا آغاز تبرک کے طور پر اسی حدیث سے کرتے ہیں اور اسی طریقہ محدثین کی پیروی کرتے ہوئے امام صاحبؒ نے اپنی اس کتاب کا آغاز بھی اسی حدیث سے کیا ہے لیکن یہاں جس نکتے کی طرف متوجہ کرنا ہے وہ اس کے راویان حدیث ہیں آپ گن کر دیکھ لیجئے کہ حدیث میں امام صاحبؒ اور نبی ﷺ کے درمیان چار واسطے ہیں گویا یہ "رباعیات" میں سے ہے لیکن یہی روایت جب بخاری شریف میں آتی ہے تو یہ "سداسیات" میں شامل ہو جاتی ہے کیونکہ امام بخاریؒ اور نبی ﷺ کے درمیان اس حدیث کی روایت میں چھ راویوں کا واسطہ موجود ہے اب یہ فیصلہ آپ خود کر لیجئے کہ کم واسطوں والی روایت کا درجہ زیادہ اونچا ہوگا یا زیادہ واسطوں والی روایت کا۔

پھر اس نکتے پر بھی غور فرمائیے کہ امام صاحبؒ کی سند میں جن راویوں کا نام آیا ہے امام بخاریؒ کی سند میں بھی وہی نام ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید انصاری امام صاحبؒ کے براہ راست استاذ ہیں اور امام بخاریؒ کے دو واسطوں سے استاذ بنتے ہیں۔

ملحوظہ: اس حدیث کے مالہ وماعلیہ پر کچھ مختصر بحث تو گزشتہ کتابوں میں ذکر کی جا چکی ہے اور کچھ آئندہ کتابوں میں خصوصاً دورۂ حدیث شریف میں آ جائے گی یہاں اختصار کے ساتھ چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ حضور نبی مکرم، سرور دو عالم ﷺ کے قلب منور و مطہر پر وحی کا جو سلسلہ اللہ کی طرف سے شروع کیا گیا' اس کا بنیادی مقصد اس بات کی وضاحت تھی کہ کون سے اعمال اختیار کر کے انسان اپنے خالق و مالک کے قریب ہو سکتا ہے اور کون سے اعمال اختیار کر کے وہ اللہ کے قرب سے محروم ہو جاتا ہے' اسی مناسبت سے امام صاحبؒ نے اعمال والی حدیث سے اپنی کتاب کا آغاز فرمایا۔

۲۔ محدثین نے اس حدیث کو خبر متواتر قرار دیا ہے جو کہ اثبات احکام شرعیہ میں آیات قرآنیہ کی طرح ہوتی ہے لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ حدیث تواتر لفظی کے معیار پر تو کسی طرح پوری نہیں اترتی کیونکہ صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت میں اس کی روایت صرف حضرت عمر فاروقؓ نے فرمائی ہے' حضرت عمرؓ سے نقل کرنے والے بھی ایک ہی راوی ہیں یعنی علقمہ' علقمہ سے نقل کرنے والے بھی ایک ہی راوی ہیں یعنی محمد بن ابراہیم' اور محمد بن ابراہیم سے نقل کرنے والے بھی ایک ہی راوی ہیں یعنی یحییٰ بن سعید' آگے یحییٰ بن سعید سے نقل کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے چنانچہ محمد بن علی الخشاب کی رائے کے مطابق یحییٰ سے اس روایت کو نقل کرنے والوں کی تعداد ۲۵۰ افراد تک پہنچتی ہے' ابوالقاسم بن مندہ نے تین سو سے زائد نام شمار کروائے ہیں اور حافظ ابو اسمٰعیل انصاری ہروی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث تلامذہ یحییٰ میں سے سات سو افراد سے لکھی ہے' اس لیے اسے ہم زیادہ سے زیادہ تواتر معنوی کے درجے پر رکھ سکتے ہیں کیونکہ چار لڑیوں تک اسے نقل کرنے والے راوی ہر زمانے میں صرف ایک رہے ہیں جبکہ تواتر کے لیے یہ شرط ہے کہ ہر زمانے میں اس کے راوی اتنی بڑی مقدار میں رہے ہوں کہ ان سب کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عقلاً محال ہو۔

یہاں ایک لطیفہ ذکر کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا' ابھی آپ نے پڑھا کہ یہ حدیث سات سو سندوں سے بھی روایت ہوئی ہے' علامہ ابن حجر عسقلانیؒ جنہیں دنیا "حافظ الدنیا" کے نام سے جانتی ہے' فتح الباری ج ۱ ص ۱۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ میں جب سے طلب حدیث کے شغل میں مصروف ہوا ہوں' اس وقت سے لے کر آج تک تمام کتب حدیث کو چھاننے کے باوجود میرے پاس اس حدیث کی جو مختلف سندیں اکٹھی ہوئی ہیں' ان کی تعداد سو تک بھی نہیں پہنچی جبکہ اس کے علاوہ بعض دوسری روایات سو سے بھی زائد افراد سے منقول ہیں اس لیے اس قول کی صحت میں مجھے استبعاد معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ اس حدیث کے پس منظر اور شان ورود کے طور پر یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی' اس عورت نے ہجرت کی شرط سے اپنے نکاح کو مشروط کر دیا' چنانچہ اس شخص نے ہجرت کر کے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے اس شخص کو "مہاجر ام قیس" کے نام سے پکارا جانے لگا کیونکہ اس عورت کی شناخت "ام قیس" کے نام سے ہی ہوتی تھی' بعض علماء نے اس عورت کا نام "قیلہ" بتایا ہے لیکن اس پر جزم ظاہر نہیں کیا جاتا' بہرحال! جب یہ سارا ماجرا نبی ﷺ کے علم میں آیا تو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے وہ

اس حدیث کی شکل میں ہمارے سامنے آئے۔

لیکن احقر راقم الحروف اس سلسلے میں ایک واسطے سے اپنے استاذ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب ؒ کے ذوق صحیح کا عاشق ہے چنانچہ اس موقع پر انہوں نے اپنی صحیح بخاری کی شرح فضل الباری "جو اگر پایۂ تکمیل تک پہنچ جاتی تو یقینا صحیح بخاری کا جو قرض اردو زبان پر چڑھا ہوا ہے بڑی حد تک ادا ہو جاتا" میں تحریر فرمایا ہے حضرت ہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"لیکن ہم کو یہ حسن ظن ہے کہ اس نے فقط ام قیس سے شادی کرنے کی نیت سے ہجرت نہیں کی تھی کیونکہ وہ مومن اور صحابی تھا اس کے متعلق ہم ایسا اعتقاد نہیں رکھتے بلکہ جس طرح کبھی کبھی ایک عمل میں متعدد پہلوؤں کی نیت ہوتی ہے ایسے ہی اس کی ہجرت محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے تو تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ نکاح کی نیت بھی ملحوظ تھی چونکہ صحابہ کرام کا زمانہ تھا اور قاعدہ ہے کہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" یعنی ابرار کے لیے جو نیکیاں شمار ہوتی ہیں مقربین کے لیے وہ گستاخی اور گناہ تصور ہوں گے بڑے لوگوں کا معاملہ جدا ہی ہوتا ہے اس لیے وہ بے چارے ذرا سے قصور کی وجہ سے سب کا نشانۂ انگشت بن گئے اور حضور ﷺ کو ناگوار گزرا کیونکہ اتنی سی بات بھی صحابہ کی شان کے خلاف تھی۔ (فضل الباری ج ۱ ص ۱۳۷)

کتاب الایمان والاسلام والقدر والشفاعة

یہ کتاب ایمان، اسلام، تقدیر اور شفاعت کے بیان پر مشتمل ہے

(۱) ابو حنیفة عن علقمة عن یحیی بن یعمر قال بینا انا مع صاحب لی بمدینة رسول الله ﷺ اذ بصرنا بعبدالله ابن عمر فقلت لصاحبی هل لك ان نأتیه فنسأله عن القدر قال نعم فقلت دعنی حتی اکون انا الذی اسأله فانی اعرف به منك قال فانتهینا الی عبدالله فقلت یا ابا عبدالرحمن انا نتقلب فی هذه الارض فربما قدمنا البلدة بها قوم یقولون لا قدر فبما نرد علیهم قال ابلغهم منی انی منهم بریء ولو انی وجدت اعوانا لجاهدتهم ثم انشأ یحدثنا قال بینما نحن مع رسول الله ﷺ ومعه رهط من اصحابه اذ اقبل شاب جمیل ابیض حسن اللمة طیب الریح علیه ثیاب بیض فقال السلام علیك یا رسول الله السلام علیکم قال فرد علیه رسول الله ﷺ ورددنا معه۔

بھی سلام کیا، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے بھی اس کے سلام کا جواب دیا اور ہم نے بھی۔

اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں قریب ہو سکتا ہوں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہو جاؤ، چنانچہ وہ ایک دو قدم آگے ہو گیا، پھر نبی علیہ السلام کے سامنے تعظیماً کھڑا ہو گیا، دو دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں قریب ہو سکتا ہوں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا آ جاؤ، چنانچہ اس مرتبہ وہ اتنا قریب ہوا کہ اپنے گھٹنے سے رسول اکرم ﷺ کے گھٹنوں سے ملا لیے اور کہنے لگا کہ مجھے "ایمان" کے بارے بتائیے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ آپ اللہ پر، اس کے فرشتوں، کتابوں اور پیغمبروں، اس سے ملنے پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر کے اللہ کی طرف سے ہونے پر یقین رکھیں، اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا، ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے نبی علیہ السلام کی تصدیق کرنے اور "صدقت" کہنے سے ہمیں تعجب ہوا کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ پہلے سے یہ بات جانتا تھا (پھر سوال چہ معنی دارد؟)

پھر اس نے کہا کہ مجھے "احکام اسلام" کے بارے بتائیے کہ وہ کیا کیا ہیں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا بشرطیکہ وہاں پہنچنے کی استطاعت بھی ہو، رمضان کے روزے رکھنا اور غسل جنابت کرنا۔ یہ سن کر اس نے پھر تصدیق کی اور ہمیں پھر تعجب ہوا۔

اس کے بعد اس نے کہا کہ مجھے "احسان" کے بارے میں بتائیے کہ اس کی تعریف کیا ہے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا احسان یہ ہے کہ آپ ہر عمل اللہ کے لیے اس طرح کریں کہ گویا آپ اللہ کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھ رہے ہیں، اگر یہ تصور نہیں کر سکتے تو یہ تصور کر لیجئے کہ اللہ تو آپ کو دیکھ رہا ہے، اس نے پوچھا کہ اگر میں اس طرح کرنا شروع کر دوں تو کیا میں "محسن" کہلاؤں گا؟ نبی علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا اور اس نے اس کی بھی تصدیق کی۔

پھر اس نے کہا کہ مجھے "قیامت" کے بارے بتائیے کہ وہ کب آئے گی؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس سے یہ سوال پوچھا گیا ہے، وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا (دونوں ہی کو معلوم نہیں ہے) البتہ قیامت کی کچھ علامات ہیں، اس کے بعد نبی علیہ السلام نے (اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ آپ کو قیامت کا وقت کیوں معلوم نہیں؟ سورۂ لقمان کی آخری آیت کی تلاوت کرتے ہوئے) فرمایا بیشک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے رحموں میں کیا ہے؟ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اگلے دن وہ کیا کمائے گا اور کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا، بیشک اللہ ہی علیم وخبیر ہے، اس نے نبی علیہ السلام کی تصدیق کی اور واپس چلا گیا۔

ہم اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے، تھوڑی دیر کے بعد نبی علیہ السلام نے فرمایا، ذرا اس آدمی کو میرے پاس بلا کر لانا، ہم اس کے پیچھے پیچھے گئے تو ہمیں کچھ پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں چلا گیا اور ہمیں کچھ نظر نہیں آیا، ہم نے آ کر سارا ماجرا نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کر دیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ جبریل تھے، تمہارے پاس دین کی بنیادی باتیں تمہیں سکھانے آئے تھے بخدا! وہ جب بھی میرے پاس کسی بھی شکل وصورت میں آتے تھے میں انہیں پہچان لیتا تھا، لیکن اس مرتبہ نہیں پہچان سکا۔

فائدہ: اگلی حدیث بھی چونکہ اسی مضمون کی ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے اس کے بعد ایک ہی مرتبہ دونوں سے متعلق چند ضروری ارشادات پیش کر دی جائیں گی۔ ان شاء اللہ

(۲) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ جِبْرَئِيْلُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فِيْ صُوْرَةِ شَابٍّ عَلَيْهِ ثِيَابٌ بِيْضٌ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَدْنُوْ؟ فَقَالَ اُدْنُهْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْإِيْمَانُ فَقَالَ الْإِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لِقَوْلِهِ صَدَقْتَ كَأَنَّهُ يَدْرِيْ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا شَرَائِعُ الْإِسْلَامِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَغُسْلُ الْجَنَابَةِ قَالَ صَدَقْتَ فَتَعَجَّبْنَا لِقَوْلِهِ صَدَقْتَ كَأَنَّهُ يَدْرِيْ ثُمَّ قَالَ فَمَا الْإِحْسَانُ قَالَ أَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَمَتٰى قِيَامُ السَّاعَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ فَقَفّٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيَّ بِالرَّجُلِ فَطَلَبْنَا فَلَمْ نَرَ لَهُ أَثَرًا فَأَخْبَرْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ ذٰلِكَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَاءَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ مَعَالِمَ دِيْنِكُمْ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل نبی علیہ السلام کی خدمت میں ایک ایسے نوجوان کی صورت میں حاضر ہوئے جس نے سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا' اس نے آ کر کہا "السلام علیک یا رسول اللہ" نبی علیہ السلام نے سلام کا جواب مرحمت فرمایا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں قریب آ سکتا ہوں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا آ جاؤ (چنانچہ وہ قریب ہو گیا)

اب اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! "ایمان" کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ پر' اس کے فرشتوں' کتابوں' پیغمبروں اور اچھی بری تقدیر (کے اللہ کی طرف سے ہونے) پر یقین رکھو' اس نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا' ہمیں اس کی اس بات پر تعجب ہوا کیونکہ اس سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ اس بات کو جانتا تھا پھر سوال کا کیا مطلب؟

اس کے بعد اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! احکام اسلام کیا ہیں؟ فرمایا نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا اور غسل جنابت کرنا۔ اس نے پھر تصدیق کی اور ہمیں اس کی تصدیق پر تعجب بھی ہوا' پھر اس نے پوچھا کہ "احسان کیا ہے؟" فرمایا کہ ہر عمل اللہ کے لیے اس طرح کرنا گویا تم اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو' اور اگر یہ تصور نہ ہو سکے تو کم از کم یہی تصور کر لو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے' اس نے نبی علیہ السلام کی تصدیق کی' پھر کہنے لگا کہ قیامت کب قائم ہو گی؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس سے سوال پوچھا گیا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

یہ سن کر اس نے پیٹھ پھیری اور چلا گیا' اس کے جانے کے بعد نبی علیہ السلام نے فرمایا اس آدمی کو میرے پاس بلا کر لاؤ' ہم

۳۔ زیر بحث دونوں حدیثوں میں سے پہلی حدیث ثلاثیات میں شمار کی جائے گی اور دوسری حدیث رباعیات میں۔

فائدہ: ذخیرۂ حدیث میں یہ حدیث انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور اس پر ہر دور کے علماء نے خصوصی توجہ دی ہے لیکن اگر ہم یہاں اس کے تمام مباحث کا احاطہ کرنا شروع کر دیں تو ایک اچھا خاصا ضخیم رسالہ تیار ہو سکتا ہے جس کا یہ مقام نہیں' اس لیے اختصار کے ساتھ چند نکات عرض کیے جاتے ہیں۔

(۱) حدیث میں مذکورہ واقعہ نبی ﷺ کی وفات سے صرف ۸۰ دن پہلے پیش آیا' اس لیے اس کا کوئی حصہ منسوخ نہیں ہے۔

(۲) یحییٰ بن یعمر کے دوسرے ساتھی کا نام مسلم شریف کی روایت میں حمید بن عبدالرحمٰن حمیدی آیا ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ شہر بصرہ میں تقدیر سے متعلق زبان طعن دراز کرنے والا سب سے پہلا شخص معبد جہنی نامی تھا۔

(۳) حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی زبانی تکمیل دین کا جو وعدہ فرمایا تھا اس کا خلاصہ صحابہ کرام ؓ کو اچھی طرح ذہن نشین کروانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا' اسی بناء پر اس مرتبہ حضرت جبریل ؑ مشہور حسین و جمیل صحابی حضرت دحیہ کلبی ؓ کی شکل میں" جس میں وہ عام طور پر منتقل ہو کر آتے تھے" آنے کی بجائے ایک نامانوس اور اجنبی شکل میں آئے اور ایسا انداز اختیار کیا کہ جس سے کسی کو کسی قسم کا شک گزرنے کی بجائے یہی احساس ہو کہ سائل کوئی دیہاتی یا بدو آدمی ہے۔

(۴) تاہم سائل کے حوالے سے مختلف چیزیں صحابہ کرام ؓ کے لیے بڑی حیران کن تھیں مثلاً

الف: اگر وہ کہیں دور دراز سے سفر کر کے آیا تھا تو اس پر سفر کے آثار کیوں نہیں دکھائی دے رہے تھے؟

ب۔ اگر وہ یہیں کا رہنے والا تھا تو اسے کوئی جانتا کیوں نہ تھا؟

ج: صحابہ کرام ؓ کے عام طریقے کے خلاف وہ نبی ﷺ کے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر کیوں بیٹھا؟

د: مختلف سوالات کرتے ہوئے اس نے نبی ﷺ کا جواب سننے کے بعد نبی ﷺ کی تصدیق کیوں کی؟ کیونکہ سوال لاعلمی کی دلیل ہے اور تصدیق مضبوط علم کی دلیل۔

(۵) اس مضمون کی جتنی احادیث بھی مختلف کتابوں میں آئی ہیں' ان میں سے بعض میں پہلا سوال "ایمان" سے متعلق ہے اور بعض میں "اسلام" سے متعلق' اس سلسلے میں تاویل کرتے ہوئے مختلف علماء کی مختلف آراء ہیں لیکن راقم الحروف کا ذوق یہ ہے کہ چونکہ یہ واقعہ ایک ہی مرتبہ پیش آیا ہے اس لیے سوالات کی تقدیم و تاخیر راویوں کی طرف سے ہوئی ہے' کسی راوی نے "ایمان" کو مقدم کر دیا اور کسی نے اسلام کو اور بیان و نقل روایت میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔

یہ رائے قائم کرنے کے بعد جب فتح الباری کی طرف رجوع کیا گیا تو اس میں حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ کی بھی یہی رائے سامنے آئی' والحمد للہ

"فالحق ان الواقع امر واحد، والتقديم والتاخير وقع من الرواة، والله اعلم"

(فتح الباری: ۱/۵۸۲)

(۶) ایمان و اسلام سے متعلق علماء کا بہت تفصیلی کلام کتابوں میں موجود ہے، یہاں صرف اتنی بات ذکر کرنا مقصود ہے کہ "ایمان" نام ہے اللہ کو ماننے کا، اور اسلام نام ہے اللہ کی ماننے کا، گویا ایمان کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور اسلام کا تعلق اعضاء و جوارح کے ساتھ ہے، اس کی تائید مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن ابن ماجہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت انس ؓ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

"الاسلام علانية والايمان في القلب"

(۷) یہاں یہ اصول بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ بعض راویوں نے اس حدیث کو جن الفاظ سے نقل کیا ہے، دوسرے بعض راویوں نے اسے بعینہ اسی طرح نقل نہیں کیا بلکہ اس میں کچھ زائد الفاظ بھی آ گئے ہیں مثلاً امام صاحب ؒ کی نقل روایت میں غسل جنابت کا بھی ذکر ہے اور دوسری روایت میں حج کا ذکر نہیں ہے اس کی بنیادی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یا تو بعض رواۃ حدیث ذہول و نسیان کا شکار ہو گئے یا پھر وہ صحیح طرح اسے ضبط ہی نہیں کر سکے جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی ﷫ کی بھی یہی رائے ہے اور بعض اوقات اختصار کی وجہ سے بھی ایسا ہوتا ہے۔

امام صاحب ؒ کی زیر بحث حدیث میں علامات قیامت کا ذکر نہ ہونا جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں یہ دو علامتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱- لونڈی اپنی مالکن کو جنم دے گی یعنی اولاد نافرمان ہو جائے گی۔

۲- انتہائی نادار چرواہے جو کسی وقت ننگے بھوکے، مفلس اور قلاش تھے بڑے بڑے عالی شان محلات بنائیں گے اور ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

اس کی وجہ بھی یہی اختصار ہے جو بعض اوقات رواۃ حدیث کے پیش نظر رہتا ہے اور اس کی بے شمار نظائر صحیح بخاری سے بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔

(۸) "ما المسئول عنها باعلم من السائل" یہ جملہ فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ ترین شاہکار ہے اور "لا ادری" کی بجائے یہ طویل جملہ استعمال کرنا یقیناً حکمتوں سے بھرپور ہے جن میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ یہی سوال جواب حضرت عیسیٰ ﷤ اور حضرت جبریل ﷤ کے مابین بھی ہوئے تھے، چنانچہ حضرت عیسیٰ ﷤ نے قیامت کے وقت متعین کے بارے حضرت جبریل ﷤ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: "ما المسئول عنها باعلم من السائل" اب اس موقع پر حضرت جبریل ﷤ نے نبی ﷤ سے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے جبریل کے الفاظ میں جواب دے کر بتا دیا کہ تم نے خود ہی تو یہ جواب دیا تھا، اتنی جلدی بھول کیسے گئے؟ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۸۵)

بَابُ مَا جَآءَ فِي التَّوْحِيْدِ وَالرِّسَالَةِ

(١) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ أَنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ حَدَّثُوْهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ كَانَتْ لَهُ رَاعِيَةٌ تَتَعَاهَدُ غَنَمَهُ وَأَنَّهُ أَمَرَهَا تَتَعَاهَدُ شَاةً فَتَعَاهَدَتْهَا حَتّٰى سَمِنَتِ الشَّاةُ وَاشْتَغَلَتِ الرَّاعِيَةُ بِبَعْضِ الْغَنَمِ فَجَاءَ الذِّئْبُ فَاخْتَلَسَ الشَّاةَ وَقَتَلَهَا فَجَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ وَفَقَدَ الشَّاةَ فَأَخْبَرَتْهُ الرَّاعِيَةُ بِأَمْرِهَا فَلَطَمَهَا ثُمَّ نَدِمَ عَلٰى ذٰلِكَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَعَظَّمَ النَّبِيُّ ﷺ ذٰلِكَ وَقَالَ ضَرَبْتَ وَجْهَ مُؤْمِنَةٍ فَقَالَ سَوْدَاءُ لَا عِلْمَ لَهَا فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ فَسَأَلَهَا أَيْنَ اللّٰهُ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ قَالَ فَمَنْ أَنَا قَالَتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ إِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ فَأَعْتِقْهَا فَأَعْتَقَهَا۔

توحید و رسالت کا بیان

ترجمہ: عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے کئی صحابہ نے ان سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی ایک باندی تھی جو ان کی بکریوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کیا کرتی تھی' انہوں نے اسے ایک خاص بکری پر خصوصی توجہ دینے کا حکم دے رکھا تھا' چنانچہ وہ باندی اس بکری کا زیادہ خیال رکھتی تھی جس کی وجہ سے وہ بکری خوب صحت مند ہو گئی۔

ایک دن وہ باندی دوسری بکریوں کی دیکھ بھال میں مشغول تھی کہ اچانک ایک بھیڑیا آیا اور اسی بکری کو اچک کر لے گیا اور اسے مار ڈالا' جب حضرت عبداللہ بن رواحہؓ گھر واپس آئے تو بکری کو نہ پایا (باندی سے پوچھا) اس نے سارا واقعہ سنا دیا' انہوں نے غصہ میں آ کر اس کے منہ پر ایک طمانچہ زور سے مار دیا' بعد میں انہیں اس پر ندامت ہوئی اور انہوں نے نبی ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' نبی ﷺ پر یہ چیز بہت گراں گزری' آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ایک مومن عورت کے چہرے پر مارا؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو حبشن ہے اسے ''ایمان'' سے متعلق کچھ نہیں پتہ (وہ مومنہ نہیں ہے)

نبی ﷺ نے اسے بلوایا اور اس سے پوچھا کہ اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں! نبی ﷺ نے پھر پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا اللہ کے پیغمبر! نبی ﷺ نے فرمایا یہ مومنہ ہے' اس لیے تم اسے آزاد کر دو' چنانچہ انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔

حل لغات: ''تتعاهد'' باب تفاعل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے' کسی کی حفاظت اور دیکھ بھال کرنا ''غنمه'' ''غنم'' اور ''شاة'' دونوں کا ترجمہ عام طور پر ''بکری'' کیا جاتا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ''غنم'' مصدر ہے اور اس کا اطلاق جمع پر ہوتا ہے' اس لفظ سے اس کا واحد نہیں آتا' واحد کا معنی ادا کرنے کے لیے لفظ ''شاة'' کو وضع کیا گیا ہے' معلوم ہوا کہ ''شاة'' کا ترجمہ ''بکری'' اور ''غنم'' کا ترجمہ ''بکریاں'' یا بکریوں کا ریوڑ ہے۔ ''سمنت'' یہ لفظ سکون کے ساتھ ہوتا ہے اور فربہی کے معنی میں باب کرم سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔ ''اشتغلت''

اللہ کی ذات لامحدود ہے اس لیے وہ لامکان بھی ہے، اس کی ذات و تجلیات ہر جگہ موجود ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس باندی کے جواب "فی السماء" کو اس کی سادگی اور بھولپن پر محمول کیا گیا ہے اور اس سے اس کا مقصود ذہن کے ان معبودان باطلہ سے امتیاز پیدا کرنا تھا جن کی ناحق عبادت اکثر شمالی لوگ کرتے تھے، ورنہ جیسا کہ اللہ تو ہر جگہ موجود ہے۔

(۳) جو شخص توحید و رسالت کی غیر مشروط طور پر علامت یا عملی و زبانی نبوت کی پیوند کاری کیے بغیر گواہی دیتا ہو، وہ مومن ہے اور مسلمانوں کے تمام حقوق و احکام میں ان کا شریک ہے جیسا کہ اس واقعے سے معلوم ہوا۔

(۴) زیر بحث حدیث کا ترجمۃ الباب سے تعلق کئی طرح سے واضح ہے۔

(الف) توحید و رسالت کی گواہی دینے پر باندی کو "مومنہ" قرار دینے سے اس کا تعلق "کتاب الایمان" سے ہوا۔

(ب) مسئلہ تقدیر سے بھی اس کا تعلق بنتا ہے اور وہ اس طرح کہ چونکہ اس باندی نے جان بوجھ کر غفلت نہیں برتی تھی بلکہ دوسری بکریوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہونے کی وجہ سے بھیڑیے نے موقع پا کر اس بکری کو اچک لیا تھا، اس میں اس کا کوئی قصور نہ تھا بلکہ اللہ کی طرف سے تقدیر میں یہی لکھا تھا۔

(۵) اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ کُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لِاَصْحَابِهِ اِنْهَضُوْا بِنَا نَعُوْدُ جَارَنَا الْیَهُوْدِیَّ قَالَ فَدَخَلَ عَلَیْهِ فَوَجَدَهُ فِی الْمَوْتِ فَسَاَلَهُ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَنَظَرَ اِلٰی اَبِیْهِ فَلَمْ یُکَلِّمْهُ اَبُوْهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ اِشْهَدْ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَنَظَرَ اِلٰی اَبِیْهِ فَقَالَ اَبُوْهُ اِشْهَدْ لَهُ فَقَالَ الْفَتٰی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَ بِیْ نَسَمَةً مِّنَ النَّارِ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّهُ قَالَ ذَاتَ یَوْمٍ لِاَصْحَابِهِ اِنْهَضُوْا بِنَا نَعُوْدُ جَارَنَا الْیَهُوْدِیَّ قَالَ فَوَجَدَهُ فِی الْمَوْتِ فَقَالَ اَتَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ فَنَظَرَ الرَّجُلُ اِلٰی اَبِیْهِ قَالَ فَاَعَادَ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْضِعَ الْحَدِیْثِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ اِلٰی اٰخِرِهِ فَقَالَ فِیْ هٰذِهِ الْمَرَّةِ اِلٰی اَبِیْهِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَ بِیْ نَسَمَةً مِّنَ النَّارِ۔

ترجمہ: حضرت بریدہ بن حصیب ؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ سے فرمایا آؤ، ذرا ہم اپنے یہودی ہمسائے کی عیادت کر آئیں، راوی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اس کے گھر میں داخل ہوئے تو اسے حالت نزع میں پایا، آپ ﷺ نے اس کا حال دریافت کرنے کے بعد فرمایا "اللہ کے علاوہ کسی معبود کے نہ ہونے اور میرے پیغمبر خدا ہونے کی گواہی دے دو (میں قیامت کے دن تمہاری سفارش کر دوں گا) اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا لیکن اس نے کوئی بات نہیں کی، نبی ﷺ نے اس سے پھر یہی فرمایا اور اس نے پھر اپنے باپ کی

طرف دیکھا اس دوسری مرتبہ میں اس کے باپ نے اسے کلمہ شہادت پڑھنے کی اجازت دے دی اور اس نوجوان نے یہ کلمہ پڑھ لیا

اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله

یہ سن کر نبی ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری وجہ سے ایک شخص کو جہنم کی آگ سے بچا لیا۔

اسی مضمون کی ایک دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا جی ہاں، پھر نبی ﷺ نے پوچھا کیا تم اس بات کی بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں؟ تو اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، تین مرتبہ ایسا ہی ہوا، پھر کہیں جا کر اس کے باپ نے اسے اجازت دی اور اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

حل لغات: "جلوسا" جالس کی جمع ہے "انهضوا" باب فتح سے امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی اٹھنا، چلنا "نعود" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم بمعنی عیادت کرنا، بیمار پرسی کرنا "الیهودی" یہ "جار" کی صفت ہے اور موصوف صفت مل کر "نعود" کے لیے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے۔ "اِشْهَد" باب سمع سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور "اَشْهَدُ" اسی باب سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے "انقذ" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بچانا۔ "نسمة" بمعنی روح، جان، نفس۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۱۳۵۶، ۵۶۵۷، وابو داؤد: ۳۰۹۵، وابن السنی، وعمل الیوم، وابن حبان: ۲۹۶۰، واحمد: ۱۲۸۲۳، والحاکم۔

تشریح و توضیح: (۱) امام صاحبؒ نے اس حدیث کو حضرت بریدہ بن الحصیبؓ کی روایت سے نقل کیا ہے جبکہ بخاری شریف میں یہی روایت حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

(۲) سند کے اعتبار سے یہ حدیث امام صاحبؒ کی ثلاثیات میں شمار ہوتی ہے، وہ امام بخاریؒ کی رباعیات ہیں، اس سے امام صاحبؒ کی سند امام بخاریؒ کی نسبت زیادہ عالی ہے۔

مفہوم: اس حدیث سے متعلق چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) مسلمان کے وہ حقوق جو شریعت نے ہر مسلمان پر عائد کیے ہیں، ان میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور بیمار پرسی کی جائے، اس سلسلہ میں بزار، ابو الشیخ اور ابو نعیم کی یہ روایت ہمیشہ ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پڑوسی تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک پڑوسی تو وہ ہے جس کا صرف ایک حق ہے اور یہ سب سے کم درجہ ہے، دوسرا پڑوسی وہ ہوتا ہے جس کے دو حق ہیں اور تیسرا پڑوسی وہ ہوتا

ہے جس کے تین حق ہیں۔

وہ پڑوسی جس کا ایک حق ہے وہ مشرک پڑوسی ہے جس کے ساتھ قرابت کا کوئی تعلق نہ ہو' اس کے لیے صرف "حق جوار" ہے' وہ پڑوسی جس کے دو حق ہیں' مسلمان پڑوسی ہے جس کے لیے ایک تو "حق اسلام" ہے اور ایک "حق جوار" اور وہ پڑوسی جس کے تین حق ہیں' مسلمان رشتہ دار پڑوسی ہے کہ اس کے لیے ایک تو "حق اسلام" ہے اور ایک "حق جوار" ہے اور ایک "حق قرابت"

(۲) بخاری شریف کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس یہودی نوجوان کی عیادت کے لیے نبی ﷺ تشریف لے گئے تھے اور جس کا یہ واقعہ ہے' وہ نبی ﷺ کی خدمت اور کام کاج کیا کرتا تھا' اور ابن بشکوال نے اس کا نام "عبد القدوس" ذکر کیا ہے۔

(۳) کسی شخص کو بھی اپنی عبادات و حسنات پر ناز نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی کفر و شرک کی دلدل میں دھنسے ہوئے کسی شخص کو نظر حقارت سے دیکھنا چاہیے کیونکہ عین ممکن ہے کہ موت کے وقت اسے کلمہ کی دولت عطاء ہو جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

(۴) ہماری وجہ سے اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیں تو ہمیں اس پر فخر کرنے کی بجائے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

(۵) مشرک سے اپنے کام کاج کروانا اور اس سے خدمت لینا اس حدیث کی رو سے جائز ثابت ہوا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ ذَرَارِيِّ الْمُشْرِكِيْنَ

(۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ قِيْلَ فَمَنْ مَاتَ صَغِيْرًا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ۔

مشرکین کی اولاد کا کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ﷜ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اس کے بعد اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی بنا دیتے ہیں' کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! جو بچے حالت صغر سنی میں ہی فوت ہو جاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ انہوں نے بڑے ہو کر جو کام سرانجام دینے تھے' اللہ کو ان کا زیادہ علم ہے۔

حل عبارت: "مولود" باب ضرب سے اسم مفعول کا صیغہ واحد مذکر ہے اور "یولد" اسی باب سے مضارع مجہول

بچے کو بھی اس کے والدین کے تابع کر کے مشرک سمجھا جائے گا یا اس پر کوئی حکم دوسرا لگایا جائے گا؟ اگر یہ کہا جائے کہ اس بچے کو بھی مشرک ہی سمجھا جائے گا تو پھر اسلام کی اس بنیادی اور امتیازی تعلیم کا کیا مطلب؟ اور اگر اس پر کوئی دوسرا حکم لگایا جاتا ہے تو پھر اس مشہور ضرب المثل کا کیا ہوگا جو زبان زد عوام و خواص ہے کہ "الولد تبع لابویہ" سو اس مسئلے میں علماء کرام کی مختلف آراء ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) مشرکین کے نومولود فوت ہو جانے والے بچوں کے بارے بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچے جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ پیدا ہونے والا بچہ مشرک ہوتا ہے اور نہ کافر وہ تو فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہو۔

(۲) بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچے اہل جنت کے ان خدام میں شمار اور شامل ہوں گے جن کے بارے قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ بچے ایسے محسوس ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے موتی' ہاتھوں میں آبخورے اور جام لیے اہل جنت کی خدمت کے لیے مستعدی سے اپنے فرائض انجام دیتے ہوں گے' دار مشرکین کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئے گی جیسا کہ سند ضعیف کے ساتھ ایک روایت میں بھی آتا ہے۔

(۳) بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچوں میں سے جن بچوں کے بارے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہو کہ یہ بڑے ہو کر اہل جنت کی طرح اعمال میں اپنی زندگی بسر کریں گے' تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور جن بچوں کے بارے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہو کہ یہ بڑے ہو کر اہل جہنم کے راستے پر گامزن ہوں گے' ایسے بچے جہنم میں داخل ہوں گے۔

(۴) بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچے "مقام اعراف" میں جو جنت اور جہنم کے درمیان ہے رہیں گے کیونکہ نہیں نہ تو نیکیوں کا پتہ ہے جس کی بنا پر وہ جنت میں داخل ہو سکیں اور نہ ہی گناہوں کی خبر ہے جسے بنیاد بنا کر انہیں جہنم میں دھکیلا جا سکے۔

(۵) بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچوں کا آخرت میں اس طرح امتحان لیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نار جہنم کو پیش کر کے انہیں اس میں داخل ہونے کا حکم فرمائیں گے' جو بچے اس آگ میں داخل ہو جائیں گے' ان پر تو وہ آگ اسی طرح ٹھنڈی اور سلامتی بن جائے گی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہو گئی تھی اور جو بچے اس آگ میں داخل ہونے سے انکار کر دیں گے انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

یہ رائے بظاہر بہت اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آخرت دار العمل اور دار التکلیف تو نہیں ہے' وہ تو دار الجزاء ہے' وہاں عمل اور امتحان کا کیا مطلب؟ بعض علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ان بچوں کا یہ امتحان اس وقت ہوگا جب اہل جنت اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ چکے ہوں گے اور اہل جہنم اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہو چکے ہوں گے اس کے بعد ان کا مذکورہ طریقے پر امتحان لیا جائے گا۔

(۶) امام شافعیؒ کی رائے کے مطابق ایسے بچوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق معاملہ کریں گے۔ امام مالکؒ سے اس سلسلے میں کوئی منصوص قول تو مروی نہیں' تاہم ان کے بعض اصحاب کا یہی قول ہے۔ قاضی عیاضؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کی طرف ان بچوں کے اہل جہنم میں سے ہونے کا قول منسوب کیا ہے لیکن علامہ ابن تیمیہؒ نے اس نسبت کی تغلیط کی ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ اس سلسلے میں توقف کے قائل ہیں' اور ہماری رائے کے مطابق ان تمام اقوال میں سے احتیاط کے قریب تر یہی قول ہے اور زیر بحث حدیث کے اس جملے سے بھی فی الجملہ اسی کی تائید ہوتی ہے۔

"اللہ اعلم بما کانوا عاملین"

بَابُ الْاَمْرِ بِقِتَالِ النَّاسِ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

(۷) اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔

کلمہ توحید کی گواہی تک لوگوں سے قتال کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کرتا رہوں جب تک وہ "لا الہ الا اللہ" کا اقرار نہ کر لیں' جب وہ اس کا اقرار کر لیں تو سمجھ لیں کہ انہوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا' سوائے اس کلمے کے حق کے' اور ان کا حساب کتاب اللہ کے ذمے ہوگا۔

حل لغات: امرت باب نصر سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی حکم دینا۔ "اقاتل" باب مفاعلہ سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی قتال کرنا۔ "عصموا" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی بچانا' محفوظ کر لینا۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۲۵' ۱۳۳۵' ۲۷۸۶' ومسلم: (۱۲۴ و ۱۲۱) ۳۲ و ۳۸' وابوداؤد: ۱۵۵۶' ۲۶۴۰' والترمذی: ۲۶۰۶' ۲۶۰۷' ۳۳۴۱' وابن ماجہ: ۳۹۲۷' والنسائی: ۵۰۰۶' وعبدالرزاق: ۱۹۶۹۱' ۲۰۱۰۰' ۱۸۷۱۸' واحمد: ۱۴۱۸۸۔

فوائد و مسائل: (۱) یہ حدیث چند مختلف صحابہؓ سے مختلف اسانید کے ساتھ مروی ہے۔

(۲) یہ روایت حضرت جابرؓ ہی سے مسلم شریف اور ترمذی وغیرہ میں بھی مروی ہے' تاہم مسلم شریف میں یہ روایت امام مسلم اور نبی ﷺ کے درمیان پانچ واسطے آنے کی وجہ سے "خماسیات" کے درجے میں آتی ہے جبکہ امام صاحبؒ کی "ثلاثیات" میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے' اس اعتبار سے سنداً یہ حدیث امام صاحبؒ کے عالی سند ہونے کی دلیل ہے۔

(۳) علامہ سیوطیؒ کی رائے کے مطابق سند کے اعتبار سے یہ روایت اگرچہ متواتر نہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے متواتر کے

قریب ضرور ہے۔

مفہوم: اس حدیث سے متعلق فتح الباری کے چند اقتباسات کا خلاصہ راقم کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

(۱) نبی علیہ السلام جب کسی موقع پر یہ ارشاد فرمائیں کہ "مجھے حکم دیا گیا ہے" تو اس میں یقینی طور پر آمر اور حکم دینے والی ذات اللہ کی ہوگی کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا حکم نہیں دے سکتا اور اگر کوئی صحابی یہ جملہ کہیں کہ "مجھے حکم دیا گیا ہے" تو اس میں آمر نبی علیہ السلام ہو سکتے ہیں، کوئی دوسرا صحابی نہیں ہو سکتا کیونکہ تمام صحابہ کرام مجتہد ہیں اور ایک مجتہد کو دوسرا مجتہد کوئی حکم نہیں دے سکتا اور نہ وہ اس کے لیے حجت ہوتا ہے۔

(۲) زمانہ جاہلیت کی ان تصاویر کو سامنے رکھتے ہوئے کہ "جن میں عرب توحید کو جنوں کی گندگی سے آلودہ دکھایا گیا ہے" ہر شخص یہ محسوس کر سکتا ہے کہ بچپن سے ذہنوں اور تصورات و خیالات پر چھائی ہوئی وہ بت پرستی جس کے تحت پتھروں، جنوں، معبودان باطلہ وغیرہ کی جو آ رہے تھے، اہل عرب کے رگ و ریشہ میں کس طرح سرایت کر گئی ہوگی؟ اور کیا وہ کسی شخص کو اس کے خلاف آواز اٹھانے پر آسانی سے جینے کا حق دے دیں گے؟ کیا وہ اس عقیدہ حق اور معبود برحق کو ماننے اور تسلیم کرنے پر تیار ہو گئے ہوں گے؟ ایسا ہونا اس لیے بھی ضروری تھا کہ ان کے کان اس آواز سے صدیوں سے نا آشنا تھے ان کے پادریوں اور پروہتوں کو اپنی روزی خطرے میں دکھائی دیتی تھی اور انہیں اس بات کا احساس تھا کہ اگر ہم نے اس دعوت حق کو قبول کرنے کے لیے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو صرف اس کلمہ پڑھ لینے سے ہماری جان خلاصی نہیں ہو جائے گی بلکہ ہمیں اس کلمہ کے نظام کو بھی قبول کرنا پڑے گا، اس کلمے کے مطالبات بھی پورے کرنا ہوں گے اور اس کے تقاضوں پر بھی عمل کرنا ہو گا، اس لیے وہ شروع میں کسی کے منہ سے یہ کلمہ سنتے ہی بدک جاتے تھے اور اپنی تمام تر توانائیوں سے اسلام اور اہل اسلام کو مٹانے کے درپے رہتے تھے۔

اس تمہید سے ہمارا مقصد تاریخ عرب کے گوشے کو نمایاں کرنا نہیں ہے بلکہ اس سوال کا جواب دینا ہے کہ "اس حدیث میں تو صرف کلمہ طیبہ پڑھنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور وہ بھی ناقص ہے، کیا بقیہ احکام شرعیہ پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے؟" تو اس کا ایک جواب تو ہماری سابقہ تمہید سے واضح ہو گیا، دوسرا جواب یہ ہے کہ جب ہم اس حدیث کے دوسرے طرق پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں مکمل کلمہ طیبہ اور اس کے ساتھ اقامت صلوٰۃ و ادائیگی زکوٰۃ کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث مجمل ہے اور اس کے دوسرے طرق اس کی تفصیل اور ضابطہ ہے کہ مجمل کو مفصل پر محمول کیا جاتا ہے اس لیے اس میں کوئی تضاد بھی نہیں ہے۔

یہاں اس سوال کو بھی واضح کرنا ضروری ہے جو مختلف اذہان میں شکوک و شبہات پیدا کر سکتا ہے کہ اس حدیث میں "لا الہ الا اللہ" کہنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور اس کے کہنے پر جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ "قول" (کہنے) کا تعلق تو زبان سے ہوتا ہے اس سے کیا لازمی مطلب یہ ہوا کہ انسان کے مسلمان ہونے کے لیے

صرف زبان سے کلمہ کا اقرار کافی ہے' دل سے اس کی تصدیق ضروری نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کا آخری جملہ اسی سوال کا جواب ہے یعنی "حسابھم علی اللہ" کہ مسلمان ظاہر کے مکلف ہیں' باطن پر مطلع ہونے کے وہ مکلف ہیں اور نہ ہی ان کے لیے یہ ممکن ہے' اس لیے اگر کوئی شخص مسلمانوں کا کلمہ پڑھتا اور اس کے تقاضوں پر عمل کرتا ہو تو اس کی جان و مال کی حفاظت اسلام کے ہر نام لیوا اور اسلامی خلافت و سلطنت کی ذمہ داری ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ خود نبی علیہ السلام نے اپنے عہد نبوت میں معلوم ہونے کے باوجود بھی کبھی کسی منافق کی جان و مال سے تعرض نہیں کیا اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ لوگ تو انہیں بھی کلمہ پڑھتے ہوئے دیکھ کر ہمارا ساتھی سمجھتے ہیں۔

"لئلا یتحدث الناس ان محمدا ﷺ یقتل اصحابہ"

(۳) اس حدیث میں کلمہ طیبہ کا اقرار نہ کرنے تک اور دیگر احادیث میں اس کے ساتھ ساتھ اقامت صلوٰۃ و ادائیگی زکوٰۃ کا اہتمام نہ کرنے تک "قتال" کرتے رہنے کے جس حکم کا اظہار کیا گیا ہے' اس حکم کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ قتل اور قتال دو الگ الگ چیزیں ہیں' ان کے درمیان ترادف کی صورت نہیں ہے' اس لیے کہ قتال اور مقاتلہ باب مفاعلہ سے ہے جس میں وقوع فعل جانبین سے ہوتا ہے جبکہ قتل باب نصر کا مصدر ہے' اس میں وقوع فعل جانبین سے ہونا ضروری نہیں' جبکہ یہی اس کا خاصہ بھی نہیں ہے' اس اعتبار سے قتال اور مقاتلہ کا معنی ہوا باہم ایک دوسرے سے لڑنا اور قتل کا معنی ہوا کسی شخص کو جان سے مار دینا' ظاہر ہے کہ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے' پہلی صورت میں ضروری نہیں ہے کہ باہم ایک دوسرے سے لڑنے والے کسی ذی روح کی جان ضائع ہونے کا ذریعہ بن جائیں لیکن دوسری صورت میں ایسا ہونا یقینی ہے۔

اس مقدمہ کو سامنے رکھ کر حضرت صدیق اکبرؓ کے اس عمل کا بھی جائزہ لیجیے کہ جب نبی علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد مانعین زکوٰۃ کا رد عمل سامنے آیا اور بعض صحابہؓ نے اس میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نرمی برتنے کا مشورہ دیا تو انہوں نے اسی حدیث سے استشہاد کرتے ہوئے اس میں کسی قسم کی نرمی برتنے سے انکار کر دیا اور پورے شرح صدر کے ساتھ مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر روانہ فرمایا' لیکن یہ بھی مقاتلہ کی صورت تھی' قتل کی صورت نہ تھی' معلوم ہوا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص سے قتال کرنا تو حلال ہوتا ہے لیکن اسے قتل کرنا جائز اور حلال نہیں ہوتا۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ دیگر ائمہ کے علی الرغم حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق تارک نماز اور مانع زکوٰۃ کو قتل نہ کرنے کی بنیاد بھی یہی حدیث ہے' اس سے جہاں امام صاحبؒ کی رائے کی تائید ہوتی ہے' وہیں ان کی دقت نظر اور باریک بینی کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

۴۔ زیر بحث حدیث میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے کی جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں' مگر اس کلمہ توحید کے کسی بھی حق کی وجہ سے یہ وعدہ ختم بھی ہو سکتا ہے' اس کا مطلب بھی اوپر کی تقریر سے واضح ہو گیا کہ کلمہ توحید کا

اقرار کرنے کے بعد ہر شخص کی جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اب وہ جو مرضی کرتا پھرے اسے کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا؟ خواہ وہ دوسرے مسلمانوں کی جان، مال اور عزت و آبرو سے کھیلتا رہے؟ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس کی جان و مال کی حفاظت کا وعدہ پورا کرنا اسلامی سلطنت کی ذمہ داری نہ رہے گا اور اس کی وجہ واضح ہے کہ جس طرح کلمہ توحید پڑھ کر اس نے اپنی جان و مال کو محفوظ کیا ہے، دوسرے شخص نے بھی تو اسی طرح کلمہ توحید کا اقرار کر رکھا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی جان و مال کی حفاظت نہ کی جائے؟

یہیں سے حدود شرعیہ کا فلسفہ بھی واضح ہو گیا جس کے مطابق کسی شخص کو قتل یا مالی جرمانے کی سزا دی جاتی ہے، گو کہ بعض لوگ "جن میں نام کے مسلمانوں کی بھی ایک قابل ذکر تعداد ہے" ان حدود شرعیہ کو غیر انسانی اور ظالمانہ قرار دیتے ہوئے انہیں ختم کرنے کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں لیکن اگر وہ باریک بینی اور انصاف کے ساتھ صرف انہی سطور کو ملاحظہ فرمائیں تو بات بڑی حد تک واضح ہو جائے۔

(۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ قُلْتُ لِجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَا كُنْتُمْ تَعُدُّونَ الذُّنُوبَ شِرْكًا قَالَ لَا قَالَ أَبُو سَعِيدٍ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ ذَنْبٌ يَبْلُغُ الْكُفْرَ قَالَ لَا إِلَّا الشِّرْكُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى

ترجمہ: ابو الزبیر کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت جابرؓ سے پوچھا کیا آپ لوگ گناہوں کو شرک سمجھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا نہیں! کیونکہ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام سے ایک مرتبہ پوچھا تھا یا رسول اللہ! کیا اس امت میں کوئی ایسا گناہ بھی کیا جائے گا جو حد کفر تک پہنچتا ہو؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا نہیں! سوائے شرک کے۔

حل لغات: "ما کنتم" یہ "ما" نافیہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ ترجمہ میں اس صورت کو اختیار کیا گیا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ "ما" ای شیء کے معنی میں ہو کر استفہامیہ ہو، مطلب یہ ہوگا کہ قتل، چوری، شراب خوری اور بدکاری وغیرہ میں سے کون سے گناہوں کو آپ شرک سمجھتے تھے؟ لیکن یہ احتمال مرجوح ہے کیونکہ آگے آنے والا جواب اس کی موافقت نہیں کرتا۔ "تعدون" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی شمار کرنا "الذنوب" ذنب کی جمع ہے بمعنی گناہ "یبلغ" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہنچنا اور یہ "ذنب" کی صفت ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الحارثی فی مسنده: ۳۵، واحمد: ٥٤٥٢

مختصر شرح: ۱۔ احادیث میں بعض اوقات ایسا بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک صحابیؓ دوسرے صحابیؓ کے حوالے سے کسی روایت کو پیش کر کے اس سے استشہاد کر رہے ہیں جیسا کہ زیر بحث حدیث میں حضرت جابرؓ خود صحابی ہونے کے باوجود حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے استشہاد کر رہے ہیں، یہ اتصال سند کی بڑی مضبوط علامت ہوتی ہے۔

۲۔ زیر بحث حدیث اس طرح ایک طرف تو ثنائیات میں شمار ہوتی ہے اور دوسری طرف حضرت ابو سعید خدریؓ کا واسطہ آنے

کی وجہ سے "کبائر ثابت" میں شمار ہوتی ہے۔

فائدہ: ۱۔ خوارج جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے دور خلافت میں ایک بڑا منظم گروہ گزرا ہے، کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کبیرہ مثلاً قتل، چوری، بدکاری اور شراب خوری وغیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ صرف گناہ نہیں کرتا بلکہ کفر کرتا ہے اور ان گناہوں کے ارتکاب سے وہ کفر کی سرحد میں داخل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ایک اور گروہ "جو معتزلہ کے نام سے مشہور ہے" کی رائے یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مسلمان رہتا ہے اور نہ کافر ہوتا ہے بلکہ وہ ایمان اور کفر کے درمیان معلق ہو جاتا ہے۔

جبکہ اہل سنت والجماعت کی رائے یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب شان مسلم کے خلاف تو ہے لیکن اس سے کوئی بھی شخص دائرہ ایمان سے نہیں نکلتا جیسا کہ خوارج اور معتزلہ کی رائے ہے اور نہ ہی دائرہ کفر میں داخل ہوتا ہے جیسا کہ خوارج کی رائے ہے کیونکہ کفر ایمان کی نقیض ہے اور ایمان کی حقیقت شہادتین کا اقرار ہے، اب جو شخص شہادتین کا اقرار کرتا ہے اسے کسی طرح کافر قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اجتماع نقیضین بھی محال ہے اور ارتفاع نقیضین بھی۔

۲۔ زیر بحث حدیث میں ابوالزبیر کا حضرت جابرؓ سے سوال کرنا غالباً اسی وجہ سے ہے کہ وہ خوارج کے گمراہ کن عقیدے اور نظریے کی تردید کے لیے کوئی مستند بات معلوم کرنا چاہتے ہیں تاکہ اپنی اور اپنے جیسے دوسرے بہت سے مسلمانوں کی تسلی کر سکیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَكْسِرُ أَغْلَاقَ الْمُسْلِمِينَ

(۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ ابْنِ أَبِي الْمُخَارِقِ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عُمَرَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَرَأَيْتَ الَّذِينَ يَكْسِرُونَ أَغْلَاقَنَا وَيَنْقُبُونَ بُيُوتَنَا وَيُغِيرُونَ عَلَى أَمْتِعَتِنَا أَكَفَرُوا قَالَ لَا قَالَ أَرَأَيْتَ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَتَأَوَّلُونَ عَلَيْنَا وَيَسْفِكُونَ دِمَاءَنَا أَكَفَرُوا قَالَ لَا حَتّٰى يَجْعَلُوا مَعَ اللّٰهِ شَيْئًا قَالَ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلٰى إِصْبَعِ ابْنِ عُمَرَ وَهُوَ يُحَرِّكُهَا وَيَقُولُ سُنَّةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَهٰذَا الْحَدِيثُ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ فَرَفَعُوهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ

مسلمانوں کے تالے توڑنے والوں کا حکم

ترجمہ: طاؤس کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے سوال پوچھتے ہوئے عرض کیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! یہ تو بتایئے کہ وہ لوگ جو ہمارے تالے توڑ دیتے ہیں، ہمارے گھروں میں نقب لگا کر گھس جاتے ہیں اور ہمارے سازوسامان کو تاخت و تاراج کر دیتے ہیں، کیا یہ لوگ کافر ہو گئے؟ فرمایا نہیں، اس نے پھر پوچھا کہ یہ بتایئے، یہ لوگ ہمارے قتل کے جواز پر تاویلیں کرتے ہیں اور ہمارا خون تک بہاتے ہیں، کیا یہ کافر ہیں؟ فرمایا نہیں، جب

تک اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں طاؤس کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کی وہ انگلی اب تک میری نظروں کے سامنے ہے جسے وہ حرکت دیتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے کہ نبی علیہ السلام کی سنت یہی ہے۔

اس حدیث کو ایک بڑی جماعت نے نبی علیہ السلام سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

تحقیق وتشریح: "یکسرون" باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی توڑنا "اقفال" جمع ہے قفل کی بمعنی تالا۔ "ینقبون" باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی دیوار میں سوراخ کرنا "یغیرون" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی غارت گری کرنا "امتعۃ" متاع کی جمع ہے بمعنی سازو سامان "یحاولون" باب تفعل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی تاویل کرنا "یسفکون" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بہانا "اکفروا" میں ہمزہ حرف کلمہ کا نہیں بلکہ استفہامیہ ہے اور "کفروا" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کفر کرنا "اصبع" بمعنی انگلی اس کی جمع اصابع آتی ہے۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۶۶۵۵

مسائل وتحقیق: (۱) یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر "موقوف" ہے۔

(۲) محدثین کا اصول ہے کہ اگر کوئی بات کسی صحابیؓ کی طرف منسوب ہو اور نبی علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت کی تصریح نہ ہو اور وہ بات محض اپنی عقل کے بل بوتے پر نہ کہی جا سکتی ہو تو صحابیؓ کے اس ارشاد کو نبی علیہ السلام کا فرمان ہی سمجھا جائے گا۔

(۳) محدثین کا یہ بھی اصول ہے کہ اگر کوئی صحابیؓ اپنی روایت میں نبی علیہ السلام کی طرف کسی بات کی صراحۃً نسبت تو نہ کریں لیکن اسے نبی علیہ السلام کی سنت قرار دیں تب بھی اسے نبی علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ زیر بحث حدیث میں یہ دونوں اصول اچھی طرح منطبق ہو جاتے ہیں۔

(۴) سند کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحب کی "ثنائیات" میں سے ہے۔

مفہوم: اس حدیث میں ایک اہم اور معرکۃ الآراء مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ ہے "مسئلہ تکفیر اہل قبلہ" یہاں اس کے چند اہم پہلوؤں پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

(۱) ایمان میں داخل ہونے کے لیے ان تمام چیزوں پر قلبی یقین و اطمینان پایا جانا ضروری ہے جن کا اہل ایمان سے مطالبہ کیا جاتا ہے مثلاً اللہ کی ذات و صفات، اللہ کے فرشتوں، کتابوں، پیغمبروں، یوم آخرت اور تقدیر پر ایمان بالغیب لیکن کفر کے لیے ان تمام چیزوں کا انکار ضروری نہیں بلکہ ان میں سے کسی ایک چیز کا انکار بھی انسان کو ایمان کے دائرہ اور حدود سے نکال کر کفر کے دائرہ میں داخل کر دیتا ہے۔

(۲) ہمارے اکابر کا یہ طرز امتیاز رہا ہے کہ وہ کسی کے خلاف فتویٰ تکفیر جاری کرنے میں انتہائی احتیاط کرتے ہیں اور جب تک اس سلسلے میں انہیں شرح صدر نہ ہو جائے اس وقت تک وہ اس جیسے اقدام سے اجتناب کرتے ہیں اور وہ نام

صاحبؒ کے بیان کردہ اس اصول پر سختی سے عمل پیرا رہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو ننانوے وجوہ سے کافر قرار دیا جا سکتا ہو اور ایک وجہ اسے کافر ہونے سے بچانے کی ہو تو ہم اس ایک وجہ کو ترجیح دیں گے اور ان ننانوے وجوہ کو ترک کر دیں گے۔

(۳) اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص قولی یا عملی طور پر کسی بدعت کا ارتکاب کرتا ہے تو اس بدعت کے درجے کے اعتبار سے اسے "فاسق وفاجر" تک بھی کہا جا سکتا ہے لیکن محض ارتکاب بدعات کی وجہ سے کسی شخص کی تکفیر نہیں کی جا سکتی، البتہ اگر ان بدعات کا دائرہ ضروریات دین کے انکار تک وسیع ہو جائے مثلاً کوئی شخص نبی ﷺ کے بعد اجراء نبوت کا قائل ہو، یا کسی بھی صحابیؓ کی کسی نبی پر فضیلت کا قائل ہو، یا قرآن کریم میں تحریف کا قائل ہو، یا کوئی ایسا عمل کرتا ہو جو عقیدۂ توحید ورسالت کے منافی ہو وغیرہ تو ضروریات دین کا انکار چونکہ انسان کو ایمان کے دائرے سے خارج کر کے دائرہ کفر میں داخل کر دیتا ہے اس لیے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جا سکے گا خواہ وہ دیگر مسلمانوں کی طرح نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کا پابند ہی ہو، اس کا چہرہ داڑھی سے مزین ہو، اس کی چال ڈھال سنت کے مطابق ہی ہو، اس لیے کہ ایمان بنیادی اکائی ہے، اعمال کی قبولیت کا دارومدار اسی پر ہے، اگر ایمان ہو تو اعمال بھی قبول ہوں گے اور اگر ایمان ہی نہ ہو تو اعمال بھی قبول نہ ہوں گے خواہ ان کی مقدار کتنی ہی زیادہ ہو۔

(۴) پوری امت مرحومہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حلال کو حرام سمجھنا اور حرام کو حلال سمجھنا درحقیقت افتراء علی اللہ اور کفر ہے لیکن حرام کا ارتکاب کرنے والے کو اس وقت تک کافر نہیں کہا جائے گا جب تک وہ اسے حلال سمجھنا شروع نہ کر دے گا، البتہ اسے گناہگار اور فاسق وفاجر ضرور کہا جا سکتا ہے، مثلاً ایک شخص شراب خانہ خراب کو "جسے شریعت نے حرام قرار دے رکھا ہے" حلال سمجھتا ہے اور دوسرا شخص پیتا تو خوب ہے لیکن اسے حلال سمجھ کر نہیں بلکہ اسے وہ حرام ہی سمجھتا ہے تاہم بری صحبت اور عادت بد کی وجہ سے وہ اس کے منہ سے چھوٹتی نہیں، تو یہ دونوں برابر نہیں، پہلا شخص اسے حلال سمجھنے کی وجہ سے دائرہ کفر میں داخل ہو گیا اور دوسرا شخص اعلیٰ درجے کا گناہگار اور مجرم تو ہے لیکن کافر نہیں۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے گناہ اور احساس گناہ کہ اگر انسان کے دل ودماغ سے کسی گناہ کے گناہ ہونے کا احساس بھی مٹ جائے تو اس کے توبہ کرنے کی امید بھی موہوم ہو جاتی ہے کیونکہ توبہ تو وہ اس وقت کرے گا جب گناہ کو گناہ سمجھے گا اور جب وہ گناہ کو نیکی سمجھنا شروع کر دے تو توبہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۵) ان مختصر گزارشات کی روشنی میں "تکفیر اہل قبلہ" کا مسئلہ امید ہے کہ کچھ نہ کچھ حد تک واضح ہو گیا ہوگا اور زیر بحث حدیث کا مقصد بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے ان چوروں، ڈاکوؤں اور قاتلوں کو بھی کافر قرار دینے میں اتنی احتیاط فرمائی کہ سائل کے بار بار تکرار کرنے کے باوجود انہیں کافر قرار نہیں دیا باوجودیکہ ان کی وجہ سے امن عامہ میں خلل پڑتا تھا اور قتل وغارت گری اور چوری وڈکیتی کی وارداتوں کی وجہ سے لوگوں کا سکون واطمینان رخصت ہو چکا تھا، اس

احتیاط کی وجہ یہی تھی جو عنقریب مذکور ہوئی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيمَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(۱۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَبِيْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ بَيْنَا اَنَا رَدِيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا اَبَا الدَّرْدَاءِ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّيْ سَاعَةً ثُمَّ سَارَ سَاعَةً فَقَالَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّيْ سَاعَةً ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قَالَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ فَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اِصْبَعِ اَبِي الدَّرْدَاءِ السَّبَّابَةِ يُوْمِئُ اِلٰى اَرْنَبَتِهٖ۔

جو شخص توحید و رسالت کی گواہی دے اس کا کیا حکم ہے؟

ترجمہ: عبداللہ بن حبیبہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک دن اس دوران کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک سواری پر پیچھے سوار تھا' نبی ﷺ نے فرمایا اے ابودرداء! جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں' تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی' میں نے عرض کیا خواہ اس سے زنا اور چوری کا ارتکاب بھی ہو جائے؟ یہ سن کر نبی ﷺ ایک لمحہ خاموش رہے اور کچھ دیر چلنے کے بعد پھر وہی بات فرمائی' میں نے پھر وہی سوال کیا' تین مرتبہ اس طرح ہونے کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا ہاں! اگر اس سے زنا اور چوری کا ارتکاب بھی ہو جائے' اور اگرچہ ابودرداء کی ناک خاک آلود ہی ہو جائے' راوی کہتے ہیں کہ آج بھی حضرت ابودرداء کی شہادت والی انگلی مجھے اپنے سامنے نظر آتی ہے جبکہ انہوں نے اسے اپنی ناک کے نرم حصے پر رکھا تھا۔

لغوی وضاحت: "ردیف" ایک ہی سواری پر بیٹھنے والے دو آدمیوں میں سے پیچھے والے کو کہتے ہیں "زنی" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی بدکاری کرنا "سرق" مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے' بمعنی چوری کرنا "فسکت" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی خاموش ہونا "سار" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے' بمعنی چلنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ۵۸۲۷' ومسلم: ۲۷۳ (۹۴) ۱۵۴' والترمذي: ۲۶۴۴

مسانید کی وضاحت: (۱) محولہ بالا کتب میں یہ روایت حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے' نفس مضمون ایک ہی ہے' البتہ مرکزی راوی میں تبدیلی آ گئی ہے۔

گزرے اللہ کا فیصلہ بہر حال یہی ہے کہ وہ توحید و رسالت کا اقرار کرنے والے کسی شخص کو خلود جہنم کی سزا نہیں دے گا۔
یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ مرتکب کبیرہ "دخول جہنم" کا تو مستحق ہے لیکن مؤمن ہونے کی صورت میں وہ "خلود جہنم" کا ہرگز مستحق نہیں اور ظاہر ہے کہ "دخول" اور "خلود" میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

۵۔ پھر اس حدیث سے داستان عشق و وفا کا وہ سبق بھی اخذ کیا جا سکتا ہے جسے جماعت صحابہ کرام نے تاریخ اقوام و امم میں انفرادیت کے ساتھ رقم کیا اور آج تک وہ تاریخ عالم میں سنہرے حروف سے لکھی جاتی ہے ذرا غور تو کیجئے! کہ نبی کرم سرور دو عالم ﷺ بارگاہ الٰہی کا ایک ضابطہ بیان فرما دیتے ہیں' صحابیؓ کو اللہ کے علم پر تعجب ہوتا ہے' وہ بار بار سوال کرتے ہیں اور نبی ﷺ ہر مرتبہ اسی ضابطے کو بیان فرماتے ہیں اور آخر میں تحکیمانہ اور محبت سے بھرپور عتاب کے الفاظ بھی فرما دیتے ہیں' اب عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ بیان روایت کے وقت وہ صحابیؓ صرف اس ضابطے کو بیان فرما دیں جو نبی ﷺ نے پوری امت کے لیے بیان فرمایا تھا اور محبت سے بھرپور عتاب کے ان الفاظ کو ترک کر دیں جن سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ انہیں سمجھاتے ہوئے ڈانٹنے کا پیرایہ اختیار کیا گیا ہے لیکن یہ تو ان دیوانوں کی داستان محبت ہے جنہیں اپنے محبوب سے حتیٰ کہ ان کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ سے ایسی محبت تھی جس کا مثل و حسن کے پجاری خواب و خیال میں بھی تصور تک نہیں کر سکتے' یہی وہ وارفتگی اور قلبی لگاؤ ہے جس کی بنا پر خلیفہ رابع' حیدر کرار سیدنا علی مرتضیٰؓ کو فاتح خیبر اور امیر المؤمنین کہلانے سے زیادہ "ابوتراب" کہہ کر پکارا جانا زیادہ محبوب تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(۱۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِيْ مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَ مُعَاذٌ حِمْصَ اَتَاهُ رَجُلٌ شَابٌّ فَقَالَ مَا تَرَى فِيْ رَجُلٍ وَصَلَ الرَّحِمَ وَبَرَّ وَصَدَقَ الْحَدِيْثَ وَاَدَّى الْاَمَانَةَ وَعَفَّ بَطْنَهُ وَفَرْجَهُ وَعَمِلَ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ خَيْرٍ غَيْرَ اَنَّهُ شَكَّ فِي اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ قَالَ اِنَّهَا تُحْبِطُ مَا كَانَ مَعَهَا مِنَ الْاَعْمَالِ قَالَ فَمَا تَرَى فِيْ رَجُلٍ رَكِبَ الْمَعَاصِيَ وَسَفَكَ الدِّمَاءَ وَاسْتَحَلَّ الْفُرُوْجَ وَالْاَمْوَالَ غَيْرَ اَنَّهُ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ مُخْلِصًا قَالَ مُعَاذٌ اَرْجُوْا وَاَخَافُ عَلَيْهِ قَالَ الْفَتٰى وَاللّٰهِ اِنْ كَانَتْ هِيَ الَّتِيْ اَحْبَطَتْ مَا مَعَهَا مِنْ عَمَلٍ مَا تَضُرُّ هٰذِهِ مَا عَمِلَ مَعَهَا ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ مُعَاذٌ مَا اَزْعُمُ اَنَّ رَجُلًا اَفْقَهُ بِالسُّنَّةِ مِنْ هٰذَا۔

ترجمہ: ابو مسلم خولانی کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذ بن جبلؓ نے "حمص" میں نزول اجلال فرمایا تو ایک نوجوان شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو صلہ رحمی کرتا ہو' نیکی کے کام کرتا ہو' سچ بولتا ہو' امانت ادا کرتا ہو' اپنے پیٹ اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہو اور حسب توفیق نیکی کے دیگر کاموں میں بھی حصہ لیتا

ہو لیکن اللہ اور رسول کے بارے میں شک وشبہ کا شکار ہو؟ فرمایا اس کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

پھر اس نے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو معاصی کے گھوڑے پر سوار رہا' لوگوں کے خون بہاتا رہا' لوگوں کی عزتوں اور مال و دولت کو پامال کرنا حلال سمجھتا رہا' لیکن خلوص دل کے ساتھ اس بات کی گواہی بھی دیتا رہا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں؟ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ مجھے اس کے بارے میں امید بھی ہے اور اندیشہ بھی' یہ سن کر اس نوجوان نے کہا کہ اللہ کی قسم! اگر اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں شک وشبہ اس کے پاس موجود اعمال کی ساری پونجی کو برباد کر سکتا ہے تو اس کی موجودگی میں یہ اعمال اسے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے' یہ کہہ کر وہ نوجوان چلا گیا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے تھے میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ آدمی سنت کو اتنا جاننے اور سمجھنے والا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الحارثی فی مسنده: ۷۶۳۔

حل مشکل عبارات: "رجل" موصوف ہے اور "وصل الرحم" سے "غیر انه شك" تک اس کی صفات ہیں' "وصل" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جوڑنا "بر" ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی حسن سلوک کرنا' نیکی کے کام کرنا' یہ باب نصر اور ضرب دونوں سے آتا ہے "صدق" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی سچ بولنا "ادی" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ادا کرنا "عف" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پاکباز ہونا "بطنه" اس کی جمع "بطون" آتی ہے بمعنی پیٹ جیسے "فرج" کی جمع "فروج" آتی ہے بمعنی شرمگاہ "عمل" باب سمع سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی عمل کرنا "استطاع" باب استفعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی طاقت رکھنا۔ "شك" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی شک کرنا۔ "رکب" باب سمع سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی سوار کرنا۔

تشریح و توضیح: ا۔ یہ سلسلہ خوارج کے راویوں میں سے ہیں اور آپ کو حضرات شیخین اور حضرت معاذ بن جبلؓ جیسے جلیل القدر صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے۔

۲۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحبؒ کی ثلاثیات میں سے ہے۔

۳۔ گو کہ یہ روایت حضرت معاذ بن جبلؓ پر موقوف ہے لیکن محدثین کے اس ضابطے کے مطابق' جس کا تذکرہ عنقریب ہوا' درحقیقت یہ مرفوع ہے۔

فقہی فوائد: ا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نبی ﷺ کے جلیل القدر اور قریبی صحابہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں' کہ "حمص" میں "جو شام کا مشہور شہر ہے" نزول اجلال کے بعد لوگوں نے ان سے خوب استفادہ کیا اور ان کے ذریعے اپنی علمی تشنگی کو بجھایا' کیونکہ یہ حضرت معاذ بن جبلؓ وہی ہیں کہ جب نبی ﷺ نے انہیں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو چلتے چلتے ان سے پوچھا تھا کہ لوگوں کے معاملات کس طرح نمٹاؤ گے اور فیصلے کس طرح کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلے

کروں گا، نبی علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ اگر کسی مسئلہ کا حل کتاب اللہ میں نہ ملا تو کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ سنت مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں فیصلے کروں گا، نبی علیہ السلام نے پھر دریافت فرمایا کہ اگر کسی مسئلہ کا حل سنت میں بھی نہ ملا تو کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کر کے فیصلے کروں گا، یہ سن کر نبی علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور فرمایا

الحمد لله الذي وفق رسول رسوله لما يحبه و يرضاه

۲۔ عوام کے سامنے اجتماعی طور پر کوئی ایسی بات بلا ضرورت نہ کی جائے جس سے انہیں نیکیوں کی طرف رغبت نہ رہے یا وہ گناہوں پر جری ہو جائیں جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ عام طور پر انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے کافر، ماضی اور حال میں ایسے بھی نظر آتے ہیں جن کے کندھے بہبود عامہ کے کاموں اور کارناموں پر ملنے والے تمغوں سے سجے نظر آتے ہیں، ان کے چہرے خدمت خلق میں مصروف رہنے کی وجہ سے اطمینان و سکون کی جیتی جاگتی تصویریں ہوتے ہیں اور ان کے جنازوں میں خلقت کے اژدہام سے بعض اوقات ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اللہ نے ان کی بخشش کر دی ہوگی، اگر ایسا نہیں تو ان کے ان اعمال کا کیا ہوگا؟

اسی طرح بہت سے مسلمان ''جو نام کے مسلمان ہوتے ہیں'' ایسے بھی ہیں جو اپنی زندگی میں کسی نیکی کے قریب نہیں جاتے، کسی گناہ سے دور نہیں بھاگتے، ان کی زندگی اللہ و رسول کی نافرمانی سے عبارت ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ آیا کلمہ کی برکت سے انہیں جہنم سے نجات مل جائے گی یا اپنے گناہوں کی پاداش میں وہ جہنم کا ایندھن بنا دیے جائیں گے؟

حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس آنے والے نوجوان کا سوال بھی یہی تھا اور وہ ان سے اس سوال کا تشفی بخش جواب چاہتا تھا، چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اس کے سوال کے پہلے حصے کا جواب دیتے ہوئے اس ضابطے کی طرف اشارہ فرمایا کہ ایمان کے بغیر اللہ کی بارگاہ میں بڑے سے بڑا نیک عمل بھی غیر مقبول ہے، اسے ایک مثال کی مدد سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ کوئی بھی اکائی لکھنے کے بعد اس کے بائیں جانب صفر ڈالتے جائیں مثلاً ۱۰۰۰۰۰۰، اس اکائی کی قیمت نہیں بڑھے گی اور اگر یہی صفر آپ اکائی کی دائیں جانب ڈالنا شروع کر دیں تو عدد کے اعتبار سے اس کی قیمت میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا، اسی طرح اعمال کی مثال بھی صفر کی سی ہے، اگر اسے ایمان کی اکائی کی دائیں جانب ڈالا جائے تو اس کی قیمت بھی لگے گی، بصورت دیگر آخرت میں اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ کفار و مشرکین اور غیر مسلموں کے بہبود عامہ اور خدمت خلق یا نیکی کے دوسرے کاموں کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے تاکہ اللہ کے عدل و انصاف پر کوئی حرف اعتراض نہ آنے پائے۔

بَابٌ يَدْرُسُ الْاِسْلَامُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ

(۶۲) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ يَدْرُسُ الْاِسْلَامُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ وَلَا يَبْقٰى اِلَّا شَيْخٌ كَبِيْرٌ اَوْ عَجُوْزٌ فَانِيَةٌ يَقُوْلُوْنَ قَدْ كَانَ قَوْمٌ يَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَهُمْ لَا يَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ فَقَالَ صِلَةُ بْنُ زُفَرَ فَمَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ يَا عَبْدَاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَهُمْ لَا يَصُوْمُوْنَ وَلَا يُصَلُّوْنَ وَلَا يَحُجُّوْنَ وَلَا يَتَصَدَّقُوْنَ قَالَ يَنْجُوْنَ بِهَا مِنَ النَّارِ۔

آثار اسلام مٹ جانے کا بیان

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے منقول ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں اسلام ایسے مٹ جائے گا جیسے کپڑے کے داغ دھبے مٹ جاتے ہیں، اس زمانے میں کچھ بوڑھے لوگ رہ جائیں جو یہ کہتے ہوں گے کہ کسی زمانے میں "لا الٰہ الا اللہ" کہنے والے بھی ہوتے تھے اور یہ بوڑھے افراد خود "لا الٰہ الا اللہ" کا اقرار نہیں کرتے ہوں گے، اس موقع پر موجود ایک صاحب صلہ بن زفر بولے کہ اے عبداللہ! اگر لوگ روزے نہ رکھتے ہوں، نماز نہ پڑھتے ہوں، حج نہ کرتے ہوں اور صدقہ وخیرات نہ کرتے ہوں تو انہیں "لا الٰہ الا اللہ" کیا فائدہ دے گا؟ فرمایا کہ اس کی برکت سے کبھی نہ کبھی وقت وہ نار جہنم سے نجات پا ہی جائیں گے۔

حل عبارت: "یدرس" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مٹ جانا "وشی" بمعنی نقش ونگار داغ دھبے "یا عبداللہ" مسند اعظم کے نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ کاتب کی غلطی ہے کیونکہ یہ حدیث حضرت حذیفہؓ نے بیان کی ہے عبداللہ نام کے کسی صحابی نے نہیں جن سے سوال کرنے کا کوئی مطلب بنتا ہو، اصل میں یہ لفظ "یا ابا عبداللہ" ہے اور ابو عبداللہ حضرت حذیفہؓ کی کنیت ہے کاتب سے سہواً "ابا" کا لفظ رہ گیا جس کی وجہ سے عبارت میں اشکال پیدا ہوا۔ "ینجون" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی نجات پانا۔

تخریج حدیث: ومن هذا الباب روايات كثيرة واحاديث شهيرة يتقوى بها معنى الحديث وان كانت الالفاظ مختلفة منها ما رواه احمد و مسلم والترمذي عن انس، ومنها ما رواه احمد و مسلم عن ابن مسعود، ومنها ما رواه احمد والحاكم عن ابي سعيد مرفوعا لا تقوم الساعة حتى لا يحج البيت۔

تحقیق و تشریح: (۱) حماد، امام ابوحنیفہؒ کے صاحبزادے کا نام ہے جنہوں نے یہ روایت اپنے والد سے بیان کی ہے۔

(۲) حضرت حذیفہؓ مشہور صحابی ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان ان کا لقب "صاحب سر النبی ﷺ" مشہور تھا۔

یہ بات ذکر کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ماضی قریب میں ایک قابل احترام شخصیت کو ان کے بعض معتقدین نے اس لقب سے تقریر و تحریر میں یاد کرنا شروع کر دیا تھا، جس نے بہت سی خرابیوں کو جنم دیا حالانکہ یہ اصولی بات ہے کہ صحابہ کرامؓ کے وہ القاب جو نبی ﷺ نے انہیں خود مرحمت فرمائے ہوں، وہ انہی کے ساتھ خاص ہو کر رہ گئے ہیں، کسی دوسرے پر اس لقب کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا خواہ وہ کتنی ہی قابل احترام کیوں نہ ہو۔

(۲) سند کے اعتبار سے تو اگرچہ یہ روایت "موقوف" ہے لیکن حکماً مرفوع ہے جیسا کہ عنقریب بتفصیل ذکر ہوگا۔

(۳) درجۂ حدیث کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحبؒ کی ثلاثیات میں سے ہے۔

مفہوم: (۱) اس حدیث میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اسلام پر ایک ایسا وقت بھی آنے والا ہے جب نئی نسل اور نوجوان قوم دین و مذہب کی تمام تر تعلیمات سے نہ صرف یہ کہ آزاد ہو جائے گی بلکہ اسے دین اسلام کا کلمہ تک نہیں آتا ہوگا، اسلام ایک قصہ پارینہ بن چکا ہوگا، اسلام کسمپرسی کا شکار ہوگا اور مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث کے عین مطابق "بدأ الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ" کے حالات سے دوچار ہو کر اجنبیت کا شکار ہو چکا ہوگا، نوجوان نسل دین اسلام سے بیگانہ اور ناآشنا ہو چکی ہوگی۔

نوجوان نسل تو رہی ایک طرف، زمانے کا گرم و سرد چکھے ہوئے وہ معمر افراد جو زندگی کا ایک لمبا عرصہ گزار چکے ہوں گے، ان کے ذہن میں بھی مسلمانوں کے نمایاں خدوخال محفوظ نہیں ہوں گے، ان کا حافظہ صرف اتنی سی بات یاد رکھ پایا ہوگا کہ کبھی اس دھرتی پر "لا الہ الا اللہ" کہنے والے دیوانے بھی ہوا کرتے تھے، آج وہ نظر نہیں آتے" اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ ان کا حافظہ کمزور ہو گیا ہو بلکہ عین ممکن ہے انہوں نے بھی صرف نام ہی کے مسلمانوں کا زمانہ پایا ہو اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ اسلام پر تبصرہ کرنے والے یہ بزرگ اور عمر رسیدہ افراد مسلمان ہی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم عمر رسیدہ افراد آپس میں مل بیٹھ کر یہ تبصرہ کرتے ہوں جیسے کہ "ھم لا یقولون لا الہ الا اللہ" سے بھی متبادر ہوتا ہے۔

(۲) گو کہ اس حدیث کو دور حاضر پر مکمل منطبق تو نہیں کیا جا سکتا البتہ حالات حاضرہ کو زیر بحث حدیث میں بیان کیے گئے حالات و واقعات کا پیش خیمہ ضرور قرار دیا جا سکتا ہے، خصوصاً پاکستان میں اس وقت دین اور اہل دین کی جو ناگفتہ بہ حالت ہے، وہ انتہائی تشویشناک ہے۔

(۳) ترجمۃ الباب کے ساتھ زیر بحث حدیث کی مطابقت "یسعون بھا من النار" سے واضح ہوتی ہے کہ کلمہ گو، خواہ وہ کتنا ہی گنہگار اور بدکردار ہو، اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر اپنے اس ایمان کی بدولت جو کلمہ پڑھنے پر اسے حاصل ہوا ہے، جہنم سے نکل کر کسی نہ کسی وقت ضرور جنت میں داخل ہو جائے گا۔

بَابُ مَنْ رَأَى رَأْيَ الْخَوَارِج

(۹۲) أَبُوْحَنِيْفَةَ وَالْمِسْعَرُ عَنْ يَزِيْدَ قَالَ كُنْتُ أَرَى رَأْيَ الْخَوَارِجِ فَسَأَلْتُ بَعْضَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ بِخِلَافِ مَا كُنْتُ أَقُوْلُ فَأَنْقَذَنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ۔

خوارج جیسی رائے رکھنے والے کا بیان

ترجمہ: یزید بن صہیب کہتے ہیں کہ پہلے میں بھی خوارج کی طرح رائے رکھتا تھا بعد میں میں نے نبی ﷺ کے ایک صحابی سے ان آراء کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ نبی ﷺ جو بات فرماتے تھے وہ اس کے موافق نہ تھی جو میری رائے تھی اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بچا لیا۔

حل لغات: "اری" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی دیکھنا مراد "رائے قائم کرنا" ہے۔ "انقذنی" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بچانا "ن" وقایہ کا اور "ی" ضمیر متکلم کی مفعول بہ ہے۔

تخریج حدیث: تابع المسعر "وهو احد من كبار المحدثين واعلامهم" ابا حنيفة بحيث التخريج والمعرفة واخرجه الحارثي في مسنده، ٨٦٦

مقصد ترجمہ: ۱۔ یہ روایت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ساتھ مسعر بن کدام نے بھی نقل کی ہے جو کہ اجلہ حفاظ حدیث میں شمار ہوتے ہیں اور امام صاحبؒ کے ہم عصر اور ہم سبق بھی ہیں، امام صاحبؒ کی وفات کے تین چار سال بعد فوت ہوئے تھے۔

۲۔ چونکہ امام صاحبؒ کے استاذ یزید بن صہیب "وہ یزید نہیں جس کے دور حکومت میں سیدنا حضرت امام حسینؓ کو شہید کیا گیا تھا" نے اپنے خیالات کی اصلاح کے لیے کسی صحابیؓ سے رجوع کیا تھا اور صحابیؓ نے انہیں نبی ﷺ کا فرمان سنایا تھا، اس لیے دو واسطے ہونے کی بنا پر یہ روایت ثنائیات میں شمار ہوتی ہے۔

مفہوم: ۱۔ سیدنا علی مرتضیٰؓ کے دور خلافت میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو مرتکب کبیرہ کو مخلد فی النار سمجھتا تھا، شفاعت کا منکر تھا، تحکیم "جو صفین کے موقع پر حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان ثالث مقرر ہونے کی صورت میں ہوئی تھی" پر اس گروہ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو بہت ستایا تھا۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے لوگ انتہائی عابد و پرہیزگار لیکن تعمق فی الدین کا شکار اور امت مرحومہ کے متفقہ مسائل میں ایک نئے راستے کا انتخاب کرنے کی وجہ سے امت سے کٹ چکے تھے اسی لیے انہیں "خوارج" کہا جاتا تھا۔ یزید بن صہیب "جو زیر بحث واقعے کا مرکزی کردار ہیں" بھی پہلے اسی گروہ کے جال میں پھنس کر ان کے نظریات کا شکار ہو گئے تھے بعد میں اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور ان کے دل میں خواہش

پیدا ہوئی کہ نبی ﷺ کے وہ قریبی صحابہ کرام ؓ "جن سے ابھی دنیا خالی نہیں ہوئی ہے" سے بڑھ کر دین کو جاننے اور سمجھنے والا
کوئی نہیں ہو سکتا اور ان ہی پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جا سکتا ہے، اس لیے اپنے عقائد و نظریات کسی صحابی کے سامنے رکھ
کر ان سے احادیث کے حوالے سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔

چنانچہ اس تڑپ اور جذبے کے بیدار ہونے پر وہ ایک صحابی" اغلب گمان کے مطابق جن کا نام نامی اسم گرامی
"حضرت جابر ؓ ہے" کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے رہنمائی کے طلبگار ہوئے، صحابی مذکور نے ان کے عقائد و
نظریات سن کر نبی ﷺ کے جو اقوال و فرامین ذکر فرمائے، ان میں اور ان کے نظریات میں زمین آسمان کا فرق تھا، بس
پھر انہوں نے "خوارج" کے گروہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور راہ نجات کو اپنے لیے منتخب کر لیا۔

۲۔ ترجمۃ الباب کے ساتھ زیر بحث حدیث کی مطابقت "خوارج کے عقیدۂ ایمان" کے اعتبار سے ہے کیونکہ ان کے نزدیک
کسی شخص کا ایمان عمل کے بغیر معتبر ہوتا ہی نہیں، اور وہ عمل کو ایمان کا جزو لازم سمجھتے ہیں جبکہ اہل سنت والجماعت ایمان کے
ساتھ ساتھ اعمال صالحہ کو ضروری تو سمجھتے ہیں لیکن عمل کی کمزوری رکھنے والے کو ایمان سے خارج بھی نہیں کرتے اور نہ ہی
اعمال کو ایمان کا جزو تسلیم کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ لَا يُثْبِتُ لِنَفْسِهِ الْإِيمَانَ

(۱۴) أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: كُنَّا مَعَ عَلْقَمَةَ وَعَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ فَسَأَلَهُ عَلْقَمَةُ فَقَالَ لَهُ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ إِنَّ بِبِلَادِنَا
قَوْمًا لَا يُثْبِتُونَ لِأَنْفُسِهِمُ الْإِيمَانَ وَيَكْرَهُونَ أَنْ يَقُولُوا إِنَّا مُؤْمِنُونَ بَلْ يَقُولُونَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ إِنْ شَاءَ
اللَّهُ تَعَالَى فَقَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يَقُولُونَ قَالَ يَقُولُونَ إِذَا أَثْبَتْنَا لِأَنْفُسِنَا الْإِيمَانَ جَعَلْنَا لِأَنْفُسِنَا الْجَنَّةَ
قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ هَذَا مِنْ خُدَعِ الشَّيْطَانِ وَحَبَائِلِهِ وَحِيَلِهِ أَلْجَأَهُمْ إِلَى أَنْ دَفَعُوا أَعْظَمَ مِنَّةِ اللَّهِ
تَعَالَى عَلَيْهِمْ وَهُوَ الْإِسْلَامُ وَخَالَفُوا سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَأَيْتُ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ
وَرَضِيَ عَنْهُمْ يُثْبِتُونَ الْإِيمَانَ لِأَنْفُسِهِمْ وَيَذْكُرُونَ ذَلِكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنَّهُمْ يَقُولُونَ
إِنَّا مُؤْمِنُونَ وَلَا يَقُولُونَ إِنَّا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَوْ عَذَّبَ أَهْلَ سَمٰوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ
لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ فَقَالَ لَهُ عَلْقَمَةُ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَوْ عَذَّبَ الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ
لَمْ يَعْصُوهُ طَرْفَةَ عَيْنٍ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَذَا عِنْدَنَا عَظِيمٌ فَكَيْفَ نَعْرِفُ
هَذَا فَقَالَ لَهُ يَا ابْنَ أَخِي مِنْ هُنَا ضَلَّ أَهْلُ الْقَدَرِ فَإِيَّاكَ أَنْ تَقُولَ بِقَوْلِهِمْ فَإِنَّهُمْ أَعْدَاءُ اللَّهِ تَعَالَى
الرَّادُّونَ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى أَلَيْسَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى لِنَبِيِّهِ ﷺ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ

أَجْمَعِينَ فَقَالَ لَهُ عَلْقَمَةُ اشْرَحْ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ شَرْحًا يُذْهِبُ عَنْ قُلُوبِنَا هَذِهِ الشُّبْهَةَ فَقَالَ أَلَيْسَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى دَلَّ الْمَلَائِكَةَ عَلَى تِلْكَ الطَّاعَةِ وَأَلْهَمَهُمْ إِيَّاهَا وَعَزَمَهُمْ عَلَيْهَا وَجَبَرَهُمْ عَلَى ذَلِكَ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ وَهَذِهِ نِعَمٌ أَنْعَمَ اللَّهُ تَعَالَى بِهَا عَلَيْهِمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَوْ طَالَبَهُمْ بِشُكْرِ هَذِهِ النِّعَمِ مَا قَدَرُوا عَلَى ذَلِكَ وَقَصَّرُوا وَكَانَ لَهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِتَقْصِيرِ الشُّكْرِ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ.

جو شخص اپنے لیے ایمان کو ثابت نہ کرے

ترجمہ: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت علقمہ اور عطاء بن ابی رباح کی خدمت میں حاضر تھے اس دوران علقمہ نے عطاء سے پوچھتے ہوئے کہا اے ابو محمد! ہمارے شہروں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے لیے ایمان کو ثابت نہیں کرتے اور وہ اپنے آپ کو صراحۃً مومن کہنے سے کتراتے ہیں اور وہ یوں کہتے ہیں کہ ان شاء اللہ ہم مومن ہیں' عطاء نے پوچھا کہ وہ ایسا کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب ہم اپنے لیے ایمان کو ثابت کریں گے تو گویا جنت کو اپنے لیے (خود کو اس کا مستحق) سمجھنے لگیں گے۔

عطاء نے فرمایا سبحان اللہ! یہ تو شیطان کا دھوکہ اور اس کا مکر و فریب ہے جس میں شیطان نے انہیں مبتلا کر کے اللہ کی عظیم نعمت "اسلام" سے دور کر رکھا ہے، اور وہ نبی ﷺ کی سنت کی مخالفت کر رہے ہیں' میں نے خود نبی ﷺ کے صحابہ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے لیے ایمان کو ثابت کرتے تھے اور اسے نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے ذکر کرتے تھے۔

پھر عطاء نے فرمایا کہ وہ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن یہ نہیں کہتے کہ ہم یقینی طور پر اہل جنت میں سے بھی ہیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ آسمان و زمین میں تمام بسنے والوں کو عذاب میں مبتلا کر دیں تو وہ ان پر ظلم کرنے والے نہیں ہوں گے' علقمہ نے ان سے پوچھا اے ابو محمد! اگر اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو "جو پلک جھپکنے کی مقدار بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے" عذاب میں مبتلا کر دیں تو وہ ظالم نہیں ہوں گے؟ فرمایا ہاں! ایسی ہی بات ہے' علقمہ نے کہا کہ ہمارے خیال میں تو یہ بہت بڑی بات ہے' ہم اسے کیسے سمجھیں؟ فرمایا اے بھتیجے! یہیں سے تو قدریہ گمراہ ہوئے' تم ان کے عقائد اختیار کرنے سے اپنے آپ کو بچاؤ' کیونکہ وہ اللہ کے دشمن اور اس کی بات نہ ماننے والے ہیں' کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے نہیں فرمایا تھا کہ آپ اعلان کر دیجیے' واضح اور بلیغ ترین حجت اللہ ہی کی ہے' سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت سے نواز دیتا۔

علقمہ نے عرض کیا کہ اے ابو محمد! اس کی اچھی طرح وضاحت فرما دیں تاکہ ہمارے دلوں سے سارے شکوک و شبہات دور ہو جائیں' فرمایا' کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس فرمانبرداری کی طرف ملائکہ کو متوجہ فرمایا' ان کے ذہن میں یہ بات ڈالی اور اسے ان پر لازم کر دیا؟ علقمہ نے کہا کہ ایسا ہی ہے' عطاء نے پھر پوچھا کہ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یہ نعمتیں اللہ ہی نے ان پر انعام فرمائی ہیں؟ علقمہ نے کہا کہ ایسا ہی ہے' فرمایا کہ اب اگر اللہ ان سے اپنی عطاء کردہ نعمتوں پر شکر کا

مطالبہ کرتا ہے تو یقیناً وہ اس کا حق ادا کرنے پر قادر نہ ہو سکیں گے اور اس میں ان سے ضرور کوتاہی ہوگی اور اس کوتاہی پر انہیں سزا دینا اللہ کا حق ہوگا اور اس میں وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا۔

حل لغات: "جموع" جمع ہے جمع بمعنی جمع کرنے کے۔ "حبائل" جمع ہے حبالۃ بمعنی رسی کی "حیلہ" جمع ہے حیلۃ کی بمعنی خفیہ چالیں، مکر و فریب۔ "الجاہم" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی حوالہ کرنا۔ "شرحا" موصوف اور "ینصف" اس کی صفت ہے۔ "الہمہم" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی الہام کرنا۔ "نعم" نعمۃ کی جمع ہے بمعنی احسانات، مہربانیاں۔

تخریج الحدیث: اخرجہ ابن ماجہ: ۷۷، ابو داؤد: ۴۶۹۹، واحمد وغیرہ۔

متعلقہ بحث: ۱۔ سنن ابن ماجہ اور سنن ابی داؤد کی روایات میں بعینہٖ یہی الفاظ تو نہیں ہیں لیکن بہت سے الفاظ مشترک ہیں اور مضمون میں تو اشتراک ہے ہی اور مضمون کا یہ اشتراک ترمذی شریف کی روایت میں اور بھی وضاحت کے ساتھ سامنے آتا ہے بالخصوص جبکہ ترمذی میں یہ مضمون حضرت عطاء بن ابی رباح ہی سے منقول ہے۔

۲۔ سند حدیث میں امام صاحب نے حضرت "عطاء" کے والد کا نام "رباح" نقل کیا گیا ہے جو کہ کتابت کی غلطی ہے عطاء کے والد اپنی کنیت "ابو رباح" سے زیادہ مشہور تھے اس لیے ہم نے سند حدیث میں اس کی تصحیح کر دی ہے۔

۳۔ مذکورہ بالا کتب میں یہ واقعہ ابن دیلمی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے اور زیر بحث حدیث میں اس واقعے کو نقل کرنے والے امام صاحب ہیں۔

۴۔ عطاء بن ابی رباحؒ چونکہ کبار تابعین میں سے ہیں اور انہیں متعدد صحابہ کرامؓ سے شرف تلمذ بھی حاصل ہے اس لیے یہ روایت امام صاحبؒ کی ثنائیات میں سے ہے۔

مفہوم: بعض اوقات شیطان انسان کو فکری بھول بھلیوں میں پھنسا کر اس طرح شکار کرتا ہے کہ انسان کسی طرح کی مزاحمت کیے بغیر ہی اس کے دام تزویر میں گرفتار ہو جاتا ہے، اب بظاہر دیکھنے میں تو یہ بات بڑی عمدہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اگر ہمیں جنت میں داخلہ نصیب فرما دیں تو ان کی کرم نوازی ہے ورنہ ہمیں مطالبہ کرنے کا کوئی استحقاق نہیں ہے لیکن اگر ہم اپنے لیے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں تو گویا اپنے آپ کو جنت کا مستحق گردانتے ہیں اور خود کو اہل جنت میں شمار کرنے لگتے ہیں اور یوں بھی انسان کو دعویٰ کرنا زیب نہیں دیتا بالخصوص جبکہ وہ ایمان جیسی عظیم ترین چیز کا دعویٰ ہو اس لیے ہمیں صراحۃً ایمان کا دعویٰ کرنے کی بجائے یوں کہنا چاہیے کہ ہم ان شاء اللہ مومن اور مسلمان ہیں، اس سے ہم مسلمان بھی رہیں گے اور دعویٰ بھی نہیں ہوگا۔

یہ شیطان کا وہ حملہ ہے جو انسان کو شکوک و شبہات کی اندھیر نگری میں ایسی جگہ لے جا کر مارتا ہے جہاں اسے کوئی بچانے والا نہ ہو، اگر انسان صرف اتنی سی بات پر غور کر لے کہ اپنے اس دعویٰ میں وہ ایمان کو اللہ کی حیثیت پر

موقوف کر رہا ہے جبکہ قرآن کریم میں اللہ نے ایمان کو بندے کی اپنی مشیت و خواہش پر موقوف کرتے ہوئے فرمایا ہے

فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر

تو اس کے بعد یہ حقیقت واضح ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

۲۔ پھر "اسلام" تو وہ ہے جو اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کو عطاء ہونے والی سب سے زیادہ عظیم نعمت ہے، اس دعوے کے ذریعے انسان اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ اس عظیم نعمت کی ناشکری ہے تو بھی بے جا نہیں ہوگا۔

۳۔ اس نظریے کی بنیاد شیطان یوں فراہم کرتا ہے کہ یقینی طور پر اپنے لیے ایمان کو ثابت کرنا جنت میں اپنے داخلہ کو قطعیت کے ساتھ ثابت کرنے کے مترادف ہے اور مستثنیات کے علاوہ کسی شخص معین کے بارے دخول جنت کا دعویٰ کرنا شرعاً ممنوع ہے اور جو چیز "منہی عنہ" کو مستلزم ہو وہ خود بھی منہی عنہ اور ممنوع ہوتی ہے کیونکہ خاتمہ کے وقت ایمان نصیب ہونے کا کسی کو علم نہیں لہٰذا دعویٰ ایمان بھی منہی عنہ ہے۔

حالانکہ یہ دلیل غلط ہے کیونکہ اپنے لیے ایمان کا ثبوت پیش کرنا اس ایمان کی بناء پر ہے جو انسان کو فوری طور پر حاصل ہے لیکن چونکہ کسی انسان کو اپنے خاتمہ کا علم نہیں اس لیے قطعیت کے ساتھ اپنے جنتی ہونے کا دعویٰ کرنا غلط ہے گویا یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں جنہیں خلط ملط کرنے کی وجہ سے یہ خرابی لازم آتی ہے۔

ترجمۃ الباب سے اس حدیث کا تعلق مسئلہ تقدیر کی وجہ سے ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آسمان و زمین میں بسنے والی ساری مخلوق کو بھی عذاب میں مبتلا کر دیں تو انہیں "ظالم" نہیں کہا جا سکتا، یہاں انسان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آسمان و زمین میں تو ایسی مخلوقات بھی ہیں جنہوں نے ساری زندگی پلک جھپکنے کی مقدار میں بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی، کیا انہیں بھی بغیر کسی جرم کے عذاب میں مبتلا کر کے ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا؟ مثلاً "ملائکہ" جن کے بارے خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

لا يعصون الله ما امرهم ويفعلون ما يؤمرون

اس سوال کا جواب سمجھنے کے لیے قارئین کو راقم کے اس سوال کا جواب دینا ہوگا تاکہ بات واضح ہو جائے کہ کیا نبی ﷺ سے بڑھ کر اللہ کی ذات و صفات میں گم ہو کر کوئی شخص اللہ کی عبادت کر سکتا ہے؟ اللہ کی تعریف اور اس کی مدح و ثناء بیان کر سکتا ہے؟ اس کی بلندی اور برتری کو پہچان سکتا ہے؟ یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہوگا اور میرا بھی یہی جواب ہے کیونکہ خود نبی ﷺ فرماتے تھے۔

لا احصي ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك

جب امام الانبیاء اور تاجدار ختم نبوت ﷺ اس بات کا اقرار فرما رہے ہیں کہ "پروردگار! تیری شان اور مدح و

ثناء کا احاطہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں اور نہ ہی ہم تیری تعریف کا احاطہ کرنے کا دعویٰ کر سکتے ہیں، ہم تو بس صرف اتنا جانتے ہیں کہ آپ کو آپ سے بڑھ کر کوئی جان سکتا ہے اور نہ بیان کر سکتا ہے" تو پھر ہماری کیا حیثیت ہے۔

نیز اللہ کی نعمتوں کی جو موسلا دھار بارش ہر وقت آسمان و زمین والوں پر متوجہ ہے، یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کسی ذی روح میں ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی طاقت نہیں، شکر ادا کرنا تو بڑی دور کی بات ہے، ان نعمتوں کو شمار کرنا اور گننا ہی ممکن نہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا۔

اب اگر اللہ کی صحیح قدر دانی نہ ہو جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے

وما قدروا اللہ حق قدرہ

اور اس کی شان، مدح و ثناء کرنے میں کوتاہی رہ جائے اور اس کی نعمتوں کا شکریہ مکمل طور پر ادا نہ ہو سکے، جس کی وجہ سے انہیں سزا دینی پڑ جائے تو یہ عین انصاف ہے، کہ بندہ مدح تو بڑی دور کی بات ہے، شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتے، گو کہ اللہ ایسا کرتا نہیں ہے لیکن اگر کبھی ایسا کرے تو اس پر کوئی حرف اعتراض نہیں اٹھ سکتا اور نہ ہی اس کے عدل و انصاف پر کوئی حرف آتا ہے۔

بقدر ضرورت مضمون حدیث کی وضاحت کے بعد یہ بات ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ تقدیر ان اہم ترین مسائل میں سے ہے جس پر ایمان لائے بغیر انسان مسلمان نہیں ہو سکتا اور جس میں زیادہ بحث مباحثہ اور الجھنے سے نبی ﷺ نے نہ صرف یہ کہ منع فرمایا ہے بلکہ اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے اور اسے گزشتہ اقوام و ملل کی ہلاکت کا سبب قرار دیا ہے، اس لیے اس مسئلہ کی تفصیلات میں الجھنے کی بجائے اپنے اعمال کی طرف توجہ کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِيمَانِ بِالْقَدَرِ

(۱۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ سُرَاقَةَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَدِّثْنَا عَنْ دِيْنِنَا كَاَنَّا وُلِدْنَا لَهُ اَنَعْمَلُ بِشَيْءٍ قَدْ جَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيْرُ وَجَفَّتْ بِهِ الْاَقْلَامُ اَمْ فِي شَيْءٍ نَسْتَقْبِلُ فِيْهِ الْعَمَلَ قَالَ بَلْ فِي شَيْءٍ قَدْ جَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيْرُ وَجَفَّتْ بِهِ الْاَقْلَامُ قَالَ فَفِيْمَ الْعَمَلُ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى۔

تقدیر پر ایمان کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر ؓ سے مروی ہے کہ حضرت سراقہ ؓ نے ایک مرتبہ نبی ﷺ سے سوال پوچھتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ!

جیسے ہمارے دین کے بارے میں ایسی بات ارشاد فرمایئے جس پر ہمیں ایسا اطمینان ہو کہ گویا یہ ہمارا پیدائشی دین ہے' کیا ہم جو کام اور عمل کرتے ہیں تقدیریں ان پر چل چکی ہوتی ہے اور قلم انہیں لکھ کر خشک ہو چکے ہوتے ہیں؟ یا ہمارا عمل پہلے ہوتا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اعمال ان چیزوں میں سے ہیں جن پر تقدیر چل چکی اور قلم انہیں لکھ کر خشک ہو چکے' انہوں نے عرض کیا کہ پھر عمل کا کیا فائدہ؟ فرمایا کہ تم عمل کرتے رہو اس لیے کہ ہر انسان جن کاموں کے لیے پیدا کیا گیا ہے' اس کے لیے وہ کام آسان بھی کر دیے گئے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنا مال راہ خدا میں دوسروں کو دیتا ہے' اللہ سے ڈرتا ہے اور اچھی باتوں کی تصدیق کرتا ہے' ہم اس کے لیے آسانیاں مہیا کریں گے اور جو شخص بخل کرتا ہے' بے نیازی برتتا ہے اور اچھی باتوں کی تکذیب کرتا ہے' ہم اس کے لیے مشکلات کو مہیا کر دیں گے۔

حل لغات: "حدثنا" باب تفعیل سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بیان کرنا "ولدنا" باب ضرب سے ماضی مجہول کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی پیدائش "انعمل" ہمزہ برائے استفہام' نعمل باب سمع سے مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی عمل کرنا "جرت" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی چلنا "جفت" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی خشک ہونا "الاقلام" قلم کی جمع ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه ابو داؤد: ٤٦٩٤' وابن ماجه: ٩١' ومسلم: ٦٧٣٥ (٢٦٤٨)

مختصر تبصرہ: ۱۔ اس مضمون کی روایات تمام کتب صحاح میں ائمہ حدیث نے تخریج کی ہیں' الفاظ کا رد و بدل تو ہے لیکن مضمون سب کا مشترک ہے' نیز مسند احمد' موطا مالک' معجم کبیر' ابن حبان اور حاکم وغیرہ میں بھی اس مضمون کی روایات موجود ہیں۔

۲۔ امام صاحبؒ کی یہ روایت بنیادی طور پر حضرت سراقہ بن جعشمؓ سے مروی ہے' یہ وہی سراقہ ہیں جنہوں نے ہجرت کے موقع پر نبی ﷺ اور ان کے یار غار کا تعاقب کیا تھا اور ان کا گھوڑا زمین میں دھنسا دیا گیا تھا' ان کا اصل نام تو سراقہ بن مالک بن جعشم بن مالک ہے لیکن بعض اوقات ان کے والد کا نام حذف کر کے انہیں دادا کی طرف بھی منسوب کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں ہے۔

۳۔ یہ روایت سنن ابن ماجہ میں بھی حضرت سراقہؓ ہی سے مروی ہے تاہم مسند امام اعظم کی روایت کے اعتبار سے اس میں دو فرق ہیں۔

(الف) امام صاحبؒ کی روایت میں حضرت سراقہؓ سے اس روایت کو نقل کرنے والے حضرت جابرؓ ہیں جبکہ سنن ابن ماجہ میں یہ روایت مجاہد کے حوالے سے منقول ہے۔

(ب) امام صاحبؒ کی سند سے یہ روایت "ثلاثیات" کے زمرے میں آتی ہے جبکہ سنن ابن ماجہ میں یہی روایت "خماسیات" کے زمرے میں آتی ہے' اس اعتبار سے امام صاحبؒ کی سند کا عالی ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

مَفْہُوْمُ: حدیث زیر بحث کا مضمون سمجھنے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کسی بھی کام کے وجود پذیر ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) کسب

(۲) خلق

ان میں سے "کسب" کا تعلق بندے کے ساتھ ہے اور خلق کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے، یہی وجہ ہے کہ بندہ کبھی خالق نہیں کہلا سکتا، البتہ اسے "کاسب" ضرور کہا جا سکتا ہے، اسے ایک مثال سے اس طرح واضح کیا جا سکتا ہے کہ ایک ماہر کاریگر آپ کے پاس لکڑی کی بڑی خوبصورت اور شاندار الماری تیار کر کے لاتا ہے، آپ اس میں اپنی چیزیں سلیقے سے رکھتے ہیں اور اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں، اور اس کاریگر کی کاریگری کی داد دیتے ہیں، لیکن اگر آپ اس پر غور کریں کہ یہ الماری اس وقت تک بن نہیں سکتی تھی جب تک کاریگر اور بڑھئی کو لکڑی میسر نہ آتی، اور لکڑی اس وقت تک مہیا نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ درخت نہ اگتا، اور درخت اس وقت تک نہ اگتا جب تک کہ اللہ کی طرف سے دریاؤں، نہروں، تالابوں اور بارش کا پانی میسر نہ آتا تو آپ کی سمجھ میں یہ بات بھی آ جائے گی کہ اگر اللہ درخت نہ اگاتا تو اس الماری کو کبھی وجود کی دولت نہ ملتی۔

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بندے کی محنت کا اس میں کوئی دخل ہی نہیں ہے، بلکہ بندے کی محنت کا اسے موجودہ شکل تک پہنچانے میں یقیناً بہت بڑا حصہ ہے، اسی طرح کسب اور خلق کو بھی سمجھ لیجئے کہ "خلق" کسی چیز کو وجود عطاء کرنے کا نام ہے اور "کسب" اس موجود چیز میں اپنی محنت اور کوشش سے کام لے کر مختلف اشیاء ضرورت کو فراہم کرنے کا نام ہے، جب اس نکتے پر غور کیا جائے تو کائنات کی کوئی ایجاد، ایجاد بندہ باقی نہیں رہتی، البتہ ایجاد بندہ بہت سی چیزیں ہیں جن سے یہ کائنات بکھری پڑی ہے۔

اس تمہید سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انسان عاجز اور مجبور و بے بس نہیں ہے بلکہ اسے اللہ کی طرف سے جو صلاحیتیں اور فہم و فراست دی گئی ہے، وہ اسے کائنات کی نعمتوں میں اپنے اختیار کو استعمال کرنے میں مدد فراہم کرتی ہیں، اسی "اختیار" کی بناء پر اسے "مکلف" بنایا گیا ہے اور اسی "اختیار" کی بناء پر اس سے قیامت کے دن اس کے اعمال کی باز پرس ہو گی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے بھی پچاس ہزار سال قبل تمام مخلوقات کی تقدیر لکھ دی تھی جیسا کہ مسلم شریف کی کتاب القدر میں صراحۃً یہ روایت بھی منقول ہے، اس تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی و ابدی کے مطابق سارے متحرک عالم و جامد، مرد و عورت اور اس سے متعلق تمام تر تفصیلات "خواہ وہ بے جان ہوں یا جاندار" تحریر فرما دی تھیں اور اسی تقدیر کے مطابق یہ کائنات اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے، اور اللہ کی طرف سے اس کا طریقہ مقرر کیا گیا ہے کہ

ہر سال شب قدر کے موقع پر اگلے سال کے احکام متعلقہ فرشتوں تک پہنچا دیئے جاتے ہیں جن پر پورا سال عمل ہوتا رہتا ہے۔

یہاں ہر شخص کے ذہن میں فطری طور پر یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ نے تقدیر میں سب کچھ لکھ دیا ہے تو پھر ہمیں کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ نیکی کے راستے پر چلنے اور بدی سے بچنے کی کیا ضرورت ہے؟ روزی کمانے اور اولاد حاصل کرنے کے لیے اسباب کو اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ اللہ نے جو لکھ دیا ہے اس کی خلاف ورزی تو ہو نہیں سکتی؟

میں اس کے جواب میں کسی بھی چوڑی تقریر اور تمہید کی بجائے صرف اتنا پوچھنا چاہوں گا کہ اللہ نے تو یقیناً پوری کائنات کی تقدیر لکھ رکھی ہے کیا ہم نے بھی وہ لکھی ہوئی تقدیر دیکھی ہے؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو میں کہوں گا کہ پھر تو آپ واقعی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور اگر آپ کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو میں کہوں گا کہ جب آپ کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ آپ کی تقدیر میں کیا لکھا ہے؟ آپ نے اسے دیکھا اور پڑھا ہی نہیں ہے تو صرف اپنی عقل کی دست درازی کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا کوئی عقلمندی نہیں ہے یہی مطلب ہے نبی ﷺ کے اس فرمان کا کہ تم عمل میں کوتاہی نہ کرو، اللہ نے جس مقصد کے لیے تمہیں پیدا کیا ہو گا اس کے اسباب وہ خود ہی مہیا فرما دے گا۔

(۱۶) حَدَّثَنَا عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ مُصْعَبٍ عَنْ سَعْدٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا مِنْ نَفْسٍ إِلَّا وَقَدْ كَتَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَدْخَلَهَا وَمَخْرَجَهَا وَمَا هِيَ لَاقِيَةٌ فَقَالَ فَفِيمَ الْعَمَلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يُسِّرَ لِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ يُسِّرَ لِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ الْآنَ حَقَّ الْعَمَلُ۔

ترجمہ: "حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر نفس کے داخل ہونے اور خارج ہونے کی جگہ کے بارے میں لکھ رکھا ہے اور یہ کہ وہ کن چیزوں سے آمنا سامنا کرے گا؟ کسی انصاری صحابیؓ نے یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ! پھر عمل کا کیا فائدہ؟ فرمایا تم عمل کرتے رہو، اس لیے کہ جو شخص جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کے لیے اس کے اسباب مہیا کر دیئے جائیں گے چنانچہ جو شخص اہل جنت میں ہوگا اس کے لیے اہل جنت کے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے اور جو شخص اہل جہنم میں ہوگا اس کے لیے اہل جہنم والے اعمال آسان ہو جائیں گے" یہ سن کر اس انصاری صحابیؓ نے کہا کہ اب عمل کی حقیقت سامنے آئی۔

حلِ عبارت: "ما ھی" میں جو "ما" ہے یہ نافیہ یا استفہامیہ نہیں بلکہ "ما" موصولہ ہے اور "التی" کے معنی میں ہے "لاقیۃ" باب سمع سے اسم فاعل واحد مؤنث کا صیغہ ہے بمعنی ملنا، ملاقات کرنا "یسر" باب تفعیل سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آسان کرنا "حق" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ثابت کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۱۳۶۲، ومسلم: ۶۷۳۱ (۲۶۴۷)، وابوداؤد: ۴۶۹۴، والترمذی: ۲۱۳۶، وابن
ماجہ: ۷۸، واحمد، والنسائی فی الکبریٰ والحاکم

مشکل الفاظ کی وضاحت: مسند حدیث میں امام صاحب کے دوسرے استاذ کا نام "مصعب" آیا ہے یہ حضرت مصعب بن عمیر
نہیں بلکہ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے صاحبزادے کا نام ہے۔

۲۔ امام صاحب کی سند سے یہ روایت صرف تین واسطوں سے نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہے اور اقسام حدیث کے اعتبار سے یہ
"ثلاثیات" میں شمار ہوتی ہے لیکن صحاح ستہ کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں کوئی روایت چھ واسطوں سے کم رواۃ سے نقل
ہوئی ہو گویا اس حدیث میں بھی امام صاحب کی سند عالی ہے۔

مفہوم: اس حدیث میں بھی مسئلہ تقدیر کی وضاحت فرمائی گئی ہے جس کی تفصیلات عنقریب گزر چکی ہیں۔

(۱۷) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
مَا مِنْ نَفْسٍ إِلَّا وَقَدْ كَتَبَ اللّٰهُ مَدْخَلَهَا وَمَخْرَجَهَا وَمَا هِيَ لَاقِيَةٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَفِيْمَ
الْعَمَلُ إِذًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ أَمَّا أَهْلُ الشَّقَاوَةِ فَيُيَسَّرُوْنَ لِعَمَلِ أَهْلِ
الشَّقَاوَةِ وَأَمَّا أَهْلُ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُوْنَ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ الْآنَ حَقَّ الْعَمَلُ. وَفِيْ
رِوَايَةٍ اعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يُسِّرَ لِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ
يُسِّرَ لِعَمَلِ أَهْلِهَا فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ الْآنَ حَقَّ الْعَمَلُ۔

ترجمہ: اس حدیث کا ترجمہ کچھ عبارت کے فرق کے ساتھ اور مفہوم سب وہی ہے جو گزشتہ حدیث کا ہے۔ تکرار سے بچنے کے
لیے ہم اسے دوبارہ نہیں دہرائیں گے تاہم اتنی بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ گزشتہ حدیث میں سائل کے "انصاری" ہونے
کی صراحت نہیں کی گئی تھی جبکہ یہاں اس کی صراحت بھی کی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ أَهْلِ الْقَدَرِ

(۱۸) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجِيْءُ قَوْمٌ يَقُوْلُوْنَ لَا
قَدَرَ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ مِنْهُ إِلَى الزَّنْدَقَةِ فَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ وَإِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ
وَإِنْ مَاتُوْا فَلَا تُشَيِّعُوْهُمْ فَإِنَّهُمْ شِيْعَةُ الدَّجَّالِ وَمَجُوْسُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُلْحِقَهُمْ بِهِمْ
فِي النَّارِ۔

منکرین تقدیر کی مذمت

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک جماعت ایسی بھی آئے گی

نہیں کرتے اور اسے بہر صورت واجب القتل قرار دیتے ہیں، امام احمد بن حنبل سے دونوں طرح کی روایات منقول ہیں، جبکہ احناف کی رائے یہ ہے کہ اگر وہ گرفتاری سے پہلے توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کر کے قتل کی سزا معاف کر دی جائے گی اور اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

ابتداء اسلام میں "قدریہ" ایک فرقہ گزرا ہے، اس فرقے کے لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ "تقدیر" کی کوئی حیثیت نہیں، انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے اور انسان اپنے فیصلوں میں خود مختار ہے اور انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے، اس اعتبار سے ہر انسان "خالق" کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے کیونکہ ہر انسان کوئی نہ کوئی کام تو سرانجام دیتا ہی ہے، یہی حال مجوسیوں کا ہے جو "خدا" کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے خالق خیر کو "یزداں" اور خالق شر کو "اہرمن" کا نام دیتے ہیں۔ اسی مناسبت کی وجہ سے "قدریہ" کو اس امت کے "مجوس" قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ زیر بحث حدیث سے تقدیر پر ایمان لانے کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص تقدیر کا منکر ہو تو انسانیت کے ناطے اس کے وہ حقوق بھی ادا کرنا منع ہیں جو دوسرے کفار کے حق میں ممنوع نہیں چنانچہ کسی حدیث میں کافر کے بیمار ہونے پر اس کی بیمار پرسی کی ممانعت نہیں کی گئی لیکن "قدریہ" کی بیمار پرسی سے روک دیا گیا، انہیں سلام کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور ان کے جنازوں میں شرکت پر پابندی لگا دی گئی نیز انہیں دجال کے اعوان و انصار میں سے قرار دے کر ان سے بچنے کی تلقین کی گئی بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر انہیں "زندیق" قرار دیا گیا جس کے بارے آپ علماء کرام کا فتویٰ پڑھ آئے ہیں کہ وہ واجب القتل ہے۔

(۱۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَجِيءُ قَوْمٌ يَقُولُونَ لَا قَدَرَ ثُمَّ يَخْرُجُونَ مِنْهُ إِلَى الزَّنْدَقَةِ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ وَإِنْ مَرِضُوا فَلَا تَعُودُوهُمْ وَإِنْ مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُوا جَنَائِزَهُمْ فَإِنَّهُمْ شِيعَةُ الدَّجَّالِ وَمَجُوسُ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَحَقًّا عَلَى اللّٰهِ تَعَالَى أَنْ يُلْحِقَهُمْ بِهِمْ فِي النَّارِ۔

فائدہ: اس حدیث کا ترجمہ، تخریج، سند اور تشریح وہی ہے جو گزشتہ حدیث میں آپ کی نظروں سے گزرا البتہ فرق یہ ہے کہ پہلی حدیث "ثنائیات" میں سے تھی اور یہ ثلاثیات میں سے ہے۔

(۲۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْقَدَرِيَّةَ وَقَالَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالَى قَبْلِي إِلَّا حَذَّرَ أُمَّتَهُ مِنْهُمْ وَلَعَنَهُمْ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ "قدریہ" پر لعنت فرمائے، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا، انہوں نے اپنی امت کے "قدریہ" سے لوگوں کو ڈرایا اور انہیں ملعون قرار دیا۔

خلاصۂ عبارت: "لعن" باب فتح سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لعنت کرنا، "حذّر" باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ڈرانا، تنبیہ کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری فی مسندہ: ۸۰۔

تشریح: ۱۔ حضرت ابن عمرؓ سے اس روایت کو نقل کرنے والے "سالم" ان کے بیٹے ہیں جو بجا طور پر "باب حدیث" میں صحیح جانشین تھے۔

۲۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحبؒ کی ثنائیات میں سے ہے۔

مفہوم: یوں تو مسئلہ تقدیر اور قدریہ پر بقدر ضرورت گفتگو ہو چکی لیکن یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر قرآن و حدیث میں کسی شخص یا فرقے کو ملعون قرار دیا گیا ہو تو اس سے اس کا کافر ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ کفر اور لعنت ایک دوسرے کو لازم ملزوم نہیں اور نہ ہی لعنت بمعنی کفر مراد لینا شرعی تقاضا ہے اس لیے اس حدیث سے "قدریہ" کے کافر ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، تاہم انہیں "زندیق" قرار دیے جانے سے ان کی پوزیشن اور حیثیت ضرور واضح ہو جاتی ہے۔

(۲۱) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لُعِنَتِ الْقَدَرِیَّۃُ وَمَا مِنْ نَبِیٍّ وَلَا رَسُوْلٍ اِلَّا نَھَاھُمْ وَنَھٰی اُمَّتَہٗ عَنِ الْکَلَامِ مَعَھُمْ۔

فائدہ: یہ بھی گزشتہ حدیث ہی کی طرح ہے البتہ فرق اتنا ہے کہ گزشتہ روایت کا درجہ "ثنائیات" میں سے تھا اور اس کا درجہ "ثلاثیات" میں سے ہے کیونکہ گزشتہ حدیث کے راوی حضرت ابن عمرؓ تھے اور اس حدیث کی روایت حضرت بریدہؓ کی طرف منسوب ہے۔

(۲۲) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْقَدَرِیَّۃُ مَجُوْسُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَھُمْ شِیْعَۃُ الدَّجَّالِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں اور وہ دجال کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابوداؤد (۴۶۹۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِی الشَّفَاعَۃِ

(۲۳) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ صُھَیْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّہٗ قَالَ یَخْرُجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ مِنْ اَھْلِ الْاِیْمَانِ بِشَفَاعَۃِ مُحَمَّدٍ ﷺ قَالَ یَزِیْدُ فَقُلْتُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ وَمَا ھُمْ بِخَارِجِیْنَ

مِنْهَا فَقَالَ جَابِرٌ اِقْرَأْ مَا قَبْلَهَا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّمَا هِيَ فِي الْكُفَّارِ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ قَالَ يَزِيْدُ قُلْتُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا فَقَالَ جَابِرٌ اِقْرَأْ مَا قَبْلَهَا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ذٰلِكَ الْكُفَّارُ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ يَزِيْدَ قَالَ سَأَلْتُ جَابِرًا عَنِ الشَّفَاعَةِ فَقَالَ يُعَذِّبُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَوْمًا مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ بِذُنُوْبِهِمْ ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَقُلْتُ فَاَيْنَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

شفاعت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو میری شفاعت کی وجہ سے جہنم سے نکال لیں گے، راوی حدیث یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ وہ جہنم سے نکلنے والے نہیں؟ (پھر اس حدیث کا کیا مطلب؟) حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ اس سے پہلے بھی تو پڑھو، یہ حکم کافروں کے لیے ہے کہ انہیں جہنم سے نکلنا نصیب نہ ہوگا اور نبی ﷺ نے مؤمنین کا حکم بیان فرمایا ہے دوسری روایت میں بھی اسی طرح سوال جواب مذکور ہے اور تیسری روایت میں ہے کہ میں نے حضرت جابرؓ سے "شفاعت" کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ایک گروہ کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا اور بعد میں نبی ﷺ کی سفارش پر انہیں جہنم سے نکال لے گا، پھر آگے یزید اور حضرت جابرؓ کے درمیان مذکورہ سوال جواب ہوئے۔

حل لغات: "بشفاعة" اس جار مجرور کا متعلق "یخرج" ہے جو کہ لفظوں میں موجود ہے، اس اعتبار سے یہ ظرف لغو ہے "اقرأ" باب فتح سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی پڑھنا "یعذب" باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی عذاب دینا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم ٤٧١ (١٩١)، ٤٧٢، ٤٧٣۔

تشریح و تحقیق: ۱۔ اس حدیث کی سند میں امام صاحبؒ کے جس استاذ یزید بن صہیب کا ذکر ہے ان کی کنیت ابو عثمان ہے اور انہیں "فقیر" بھی کہا جاتا ہے لیکن یہ لفظ "فقر" سے نہیں "فقار" سے نکلا ہے جس کا معنی "ریڑھ کی ہڈی" ہے، ان کی ریڑھ کی ہڈی میں بہت شدید قسم کی تکلیف رہتی تھی، جس کی وجہ سے بالآخر ان کی کمر جھک گئی تھی اس لیے انہیں "فقیر" کہا جاتا ہے۔

۲۔ مسلم شریف میں یہ روایت بعینہٖ انہی الفاظ سے تو منقول نہیں لیکن مضمون و مفہوم حدیث یہی ہے۔

۳۔ امام صاحبؒ اور نبی ﷺ کے درمیان صرف دو واسطے ہونے کی وجہ سے یہ روایت "ثلاثیات" میں سے ہے۔

مفہوم: مسئلہ تقدیر سے متعلق احادیث کی تخریج کے بعد یہاں سے مسئلہ شفاعت کی احادیث کا آغاز ہو رہا ہے جس

میں معتزلہ اور اہل سنت والجماعت کے درمیان اختلاف رائے موجود ہے چنانچہ معتزلہ منکرین شفاعت میں سے ہیں اور اہل سنت والجماعت کی رائے یہ ہے کہ قیامت کے دن جب رسول اللہ ﷺ کو شفاعت کبریٰ کا مقام عظیم حاصل ہوگا آپ ﷺ اس وقت جبکہ لوگوں کو دوسرے انبیاء کرام علیہم کی طرف سے عدم تحقق شفاعت کا جواب مل چکا ہوگا، پوری کائنات کے لوگوں کی سفارش اپنے پروردگار سے کر کے حساب کتاب شروع کروائیں گے اور گناہگار مسلمانوں کی سفارش کر کے ان کے دخول جنت کا سبب بنیں گے پھر بقیہ انبیاء کرام علیہم صحابہ و اولیاء حفاظ و قراء علماء اور شہداء بھی اللہ کی اجازت ومشیت کے مطابق سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی سفارش کو قبول بھی فرمائیں گے جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اس سلسلے میں معتزلہ کی سب سے عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ نبی ﷺ دیگر انبیاء اور مقرب افراد کی شفاعت وسفارش سے گناہگاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخلہ دے دیا جائے گا تو یہ خلاف عدل ہوگا، اس لیے کہ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ گناہگار کو چھوٹ نہ دی جائے اور نیکوکار کو اس کی نیکی کا بدلہ دیا جائے، ورنہ نیکوکار اور بدکار میں کوئی فرق نہ رہے گا کیونکہ دونوں بہرحال جنت میں ہی جائیں گے۔

دوسری دلیل نقلی اعتزال کی یہ ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات "جن میں اعمال کا قانون مکافات عمل بیان کیا گیا ہے" بھی مسئلہ شفاعت کو تسلیم کرنے میں رکاوٹ ہیں جیسے یہ ارشاد باری تعالیٰ

وجزاء سيئة سيئة مثلها

نیز وہ آیات قرآنی بھی "شفاعت" کا انکار کرتی ہیں جن میں مکافات عمل کے اس قانون کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ مجرم کو اپنے جرم کی سزا بہرحال بھگتنا ہی ہوگی چنانچہ قتل عمد کے بارے ارشاد ہے

ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا فيها

اور کہیں پر کلام مجید عفت مآب عورتوں پر تہمت لگانے والوں کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے

"ولهم عذاب عظيم"

جبکہ بعض آیات میں تو صراحۃً "شفاعت" کا انکار کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے

"فما تنفعهم شفاعة الشافعين"

اسی طرح ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے

"ولا شفيع يطاع"

یہ اور اس طرح کی بہت سی آیات و احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ قیامت کے دن کوئی کسی کی سفارش نہ کر سکے گا ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء و سزا دی جائے گی۔

اہل سنت والجماعت کی طرف سے ان دلائل کا جواب نہایت مضبوط انداز میں دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ خلاف عدل ہونا اور سزا کو معاف کر دینا دو الگ الگ چیزیں ہیں' اگر صاحب حق اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور مستحق آدمی کو معاف کر دے تو یہ اس کی عالی ظرفی اور وسعت قلبی کی دلیل ہوتی ہے' دنیا میں بھی یہی اصول اور ضابطہ ہے کہ معاف کرنے والے کو لوگ ہمیشہ اچھی نظروں سے دیکھتے اور اچھے الفاظ سے یاد کرتے ہیں' یہ اور بات ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کی سفارش پر اپنے حقوق تو معاف فرما دیں گے لیکن حقوق العباد کی ادائیگی اس دن بھی ضروری ہوگی تا آنکہ صاحب حق ان سے دستبردار ہو جائے یا اسے معاف کر دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شفاعت' خلاف عدل نہیں' موافق عقل ہے اور اللہ کی طرف سے اپنے حق سے دستبردار ہونے کی رضا مندی کی علامت ہے رہی وہ آیات قرآنیہ جن سے معتزلہ استدلال کرتے ہیں' ان تمام کا تعلق کفار کے ساتھ ہے اور وہ ہمارے نزدیک بھی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے' اسی طرح وہ احادیث جن سے بظاہر معتزلہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے' ان میں بھی اور دیگر آیات قرآنیہ میں بھی شفاعت کا مستقل اختیار حاصل ہونے کی نفی ہے اور اسے اللہ کے اذن پر موقوف قرار دیا گیا ہے' لیکن یہ ہمارے خلاف نہیں' اس لیے کہ ہمیں بھی اس بات سے اتفاق ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنا تو بڑی دور کی بات ہے' زبان بھی نہیں ہلا سکے گا۔

رہی یہ بات کہ اپنے مذہب کی تائید کے لیے اہل سنت والجماعت کے پاس کیا دلائل ہیں جن پر وہ اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہیں؟ تو اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اثبات شفاعت سے متعلق وارد شدہ احادیث کو اگر جمع کر لیا جائے تو وہ خبر متواتر کے درجے تک پہنچتی ہیں جن میں سے چند ایک اسی کتاب میں آپ کی نظروں سے گزریں گی' اس کے علاوہ حدیث کی تمام کتابوں میں اس مضمون کی روایات کثرت کے ساتھ منقول ہیں' ہم یہاں ان میں سے صرف تین حدیثیں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ شفاعتی لاهل الکبائر من امتی

اس حدیث کی تخریج امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں' امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں' امام ترمذی نے اپنی جامع میں' امام ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں' امام ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں' امام حاکم نے اپنی مستدرک میں' طبرانی نے معجم کبیر میں اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں کی ہے اور اسی کتاب میں بھی عنقریب آ رہی ہے۔

۲۔ شفاعتی یوم القیامة حق' فمن لم یؤمن بها لم یکن من اهلها

"قیامت کے دن میری سفارش برحق ہے' جو اس پر ایمان نہیں لاتا' وہ اس کا اہل بھی نہیں۔"

یہ حدیث احمد بن منیع نے اپنی مسند میں تخریج کی ہے' جو حضرت زید بن ارقم کے علاوہ دس سے زائد صحابہ کرام علیہم الرضوان سے منقول ہے۔

۲۔ عن انس قال: من کذب بالشفاعۃ فلا نصیب لہ

''حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ شفاعت کی تکذیب کرنے والے کا کوئی حصہ نہیں۔''

اس حدیث کی تخریج سعید بن منصور نے اپنی سنن میں امام بیہقیؒ نے اپنی سنن میں اور بخاری نے کی ہے۔

(۲۶) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يُخْرِجُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَوْمًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ النَّارِ بَعْدَ مَا امْتُحِشُوْا وَصَارُوْا فَحْمًا فَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى الْجَنَّةَ فَيَسْتَغِيْثُوْنَ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِمَّا تُسَمِّيْهِمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ فَيُذْهِبُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ جہنم سے مومنین کی ایک جماعت کو نکالے گا ان کی کھال جل بھی ہوگی اور وہ جل کر کوئلہ بن چکے ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخلہ نصیب فرمائے گا جنتی انہیں ''جہنمی'' کے نام سے پکارا کریں گے چنانچہ وہ اللہ سے اس نسبے کی درخواست کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے اس کی علامت بھی دور فرما دیں گے۔

حل لغات: ''امتحشوا'' باب افتعال سے ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کسی کا جل جانا۔ ''صاروا'' باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی ہو جانا ''فحما'' اس کا معنی کوئلہ ہے ''یستغیثون'' باب استفعال سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی فریاد کرنا، درخواست کرنا ''تسمیہم'' باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی نام رکھنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ٦٥٦٦، ٧٤٣٩ ومسلم ١٩٢ (١٨٤) وابوداؤد ٤٧٤٠ والترمذی ٢٥٩٧ والنسائی ١١٢١ وابن ماجہ ٤٣٠٩

مسئلہ ثلاثیات: زیر بحث حدیث جس سند سے مروی ہے اس میں نبی ﷺ اور امام صاحبؒ کے درمیان پانچ واسطے ہیں اور اسی کے اعتبار سے یہ روایت ''خماسیات'' کے زمرے میں آتی ہے اور عجیب تر بات یہ ہے کہ اس روایت میں صحاح ستہ میں سب سے زیادہ قریب روایت سنن ابی داؤد کی ہے اور وہ بھی پانچ واسطوں سے ہو کر ''خماسیات'' کے درجے پر فائز ہے۔ اس اعتبار سے مسند امام اعظم اور سنن ابی داؤد کی اس روایت کا درجہ یکساں ہو جاتا ہے جو یقیناً امام ابوداؤد کے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔

مفہوم: قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی مشرک جنت میں کبھی داخل نہیں ہو سکے گا اس کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہوگا اور اسے وہاں سے نکلنا بھی نصیب نہ ہوگا نیز اس بات پر بھی احادیث وآیات قرآنیہ صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ کوئی مومن ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا کبھی نہ کبھی اسے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا

جائے گا۔

۲۔ مذکورہ حدیث سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ پر مسلمان کے جسم کا وہ حصہ حرام قرار دے رکھا ہے جس سے وہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے یعنی اعضاء سجود جہنم کی آگ کا لقمہ نہیں بنیں گے اور یہی چیز جہنم میں مومن اور غیر مومن میں شناخت کا سبب بنے گی۔

۳۔ اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ جہنم کی آگ سے جل کر کوئلہ بن جانے والے موحدین کو بالآخر جہنم سے نکال کر جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے گا' یہ مجمل ہے بلکہ مسلم شریف اور دیگر کتب حدیث میں اس کی تفصیل یوں وارد ہوئی ہے کہ انہیں جہنم سے نکال کر سب سے پہلے "آب حیات" کی ایک نہر میں غوطہ دلایا جائے گا' جب وہ اس نہر سے نکلیں گے تو ان کے جسم پر نئی کھال' جلد' چڑھ چکی ہوگی اور وہ تمام داغ دھبے دور ہو چکے ہوں گے جو جہنم کی آگ میں جلنے کی وجہ سے ان کے جسم میں پیدا ہو گئے تھے البتہ ایک نشان باقی رہ جائے گا جس کی وجہ سے جنتی یہ شناخت کر سکیں گے کہ یہ جہنم سے نکل کر آنے والے افراد ہیں اور ایک عرصہ تک ان کی یہی شناخت رہے گی۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہ لوگ بارگاہ ایزدی میں عرض گزار ہوں گے کہ پروردگار! جب تو نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں جہنم سے نجات عطا فرما دی تو اب اس کی طرف نسبت سے بھی ہمیں خلاصی عطا فرما' چنانچہ اللہ تعالیٰ اس نشان کو بھی ختم فرما دیں گے جس سے ان کی پرانی شناخت ختم ہو جائے گی جیسا کہ اگلی روایت میں بھی آ رہا ہے۔

۴۔ ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس حدیث کے دوسرے طرق کو ملانے سے زیادہ واضح ہوتی ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ جہنم سے ان لوگوں کی خلاصی نبی ﷺ کی شفاعت کی برکت سے ہوگی۔

[۹۵] اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا قَالَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ الشَّفَاعَةُ يُعَذِّبُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَوْمًا مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ بِذُنُوْبِهِمْ ثُمَّ يُخْرِجُ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَيُؤْتٰى بِهِمْ نَهْرًا يُقَالُ لَهُ الْحَيَوَانُ فَيَغْتَسِلُوْنَ فِيْهِ ثُمَّ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فَيُسَمَّوْنَ فِي الْجَنَّةِ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ ثُمَّ يَطْلُبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فَيُذْهِبُ عَنْهُمْ ذٰلِكَ الْاِسْمَ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ يُخْرِجُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَوْمًا مِنْ اَهْلِ النَّارِ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ وَالْقِبْلَةِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَذٰلِكَ هُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ فَيُؤْتٰى بِهِمْ نَهْرًا يُقَالُ لَهُ الْحَيَوَانُ فَيُلْقَوْنَ فِيْهِ فَيَنْبُتُوْنَ بِهٖ كَمَا يَنْبُتُ الثَّعَارِيْرُ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ مِنْهُ وَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فَيُسَمَّوْنَ فِيْهَا الْجَهَنَّمِيِّيْنَ ثُمَّ يَطْلُبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ يُذْهِبَ عَنْهُمْ ذٰلِكَ الْاِسْمَ فَيُذْهِبُ عَنْهُمْ. وَزَادَ فِيْ اٰخِرِهٖ وَيُعْتِقُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى. وَرَوٰى اَبُوْ حَنِيْفَةَ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ اَبِيْ رَوْحَةَ شَدَّادِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "مقام محمود" والی آیت میں "مقام محمود" سے مراد "شفاعت" ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی ایک جماعت کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا' اس کے بعد میری سفارش پر انہیں جہنم سے رہائی نصیب ہوگی' جہنم سے رہائی کے بعد انہیں "حیوان" نامی ایک نہر پر لایا جائے گا' وہ اس میں غسل کریں گے' پھر جنت میں داخل ہوں گے' جنت میں انہیں "جہنمی" کہہ کر پکارا جائے گا' پھر وہ اللہ سے درخواست کریں گے تو یہ نام بھی ان سے دور کر دیا جائے گا۔

ایک دوسری روایت میں بھی یہی مضمون آیا ہے جس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس کے بعد انہیں "اللہ کے آزاد کردہ لوگ" کہا جانے لگے گا' نیز امام صاحبؒ نے اس روایت کو ایک دوسری سند سے بھی نقل کیا ہے۔

حل لغات: "یؤتی" باب ضرب سے مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی آنا' یوں تو یہ فعل لازم ہے لیکن "ب" حرف جر کے ذریعے اسے متعدی کر لیا گیا ہے اور اب اس کا معنی لانا ہے "الحیوان" جنت کی ایک نہر کا نام ہے' بعض روایات میں "الحیوۃ" کا لفظ بھی وارد ہوا ہے۔ "یُسَمَّوْن" باب تفعیل سے مضارع مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے' بمعنی نام رکھنا۔ "الثعارير" چھوٹی ککڑیوں کو کہتے ہیں جو بہت تیزی سے اگتی اور پروان چڑھتی ہیں۔

تخریج حدیث: حسب ماتقدم

سند کی تحقیق: یہ روایت حضرت ابو سعید خدریؓ کے حوالے سے امام صاحبؒ نے دو مختلف سندوں سے نقل فرمائی ہے اور دونوں سندوں سے یہ روایت "ثنائیات" کے درجے میں آتی ہے' ایک سند میں امام صاحبؒ کے استاذ عطیہ ہیں اور دوسری سند میں شداد بن عبدالرحمٰن ان کے استاذ ہیں۔

مفہوم: مسئلہ شفاعت سے متعلق اجمالی وضاحت تو عنقریب گزر چکی ہے' اس لیے اسے یہاں دوبارہ ذکر کرنا تطویل بلا طائل کے زمرے میں آتا ہے' تاہم "مقام محمود" کی وضاحت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس حدیث کا مفہوم بھی اچھی طرح واضح ہو جائے اور بخاری شریف کی اس حدیث کا مفہوم بھی واضح ہو جائے جس میں اذان کے بعد پڑھی جانے والی دعا کی فضیلت "اثبات شفاعت" ذکر فرمائی گئی ہے۔

یوں تو مقام محمود کی تشریح و تعریف کے سلسلے میں محدثین اور مفسرین نے تفصیلی کلام فرمایا ہے لیکن ہم ان تمام اقوال کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے "مقام محمود" کی تعریف یوں بھی کر سکتے ہیں کہ نبی ﷺ کے وہ تمام امتیازات جو قیامت کے دن ساری کائنات کے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہو جائیں گے اور آپ کی وہ تمام خدمات جو ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہوگا اور آپ کی وہ تمام خوبیاں جن پر خالق کائنات بھی آپ کی مدح سرائی کرتا ہے' ان امتیازات و خدمات اور خوبیوں کو "مقام محمود" کہتے ہیں۔

چنانچہ دوسری مرتبہ نفخ صور کے بعد سب سے پہلے قبر مبارک سے باہر نکلنے کا معاملہ ہو یا کائنات کے سارے

۱۔ شفاعت عظمیٰ: شفاعت کی یہ قسم نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور اس سے ساری مخلوق مستفید ہوگی یہ وہی شفاعت ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مخلوقات کا حساب کتاب شروع فرمائیں گے۔

۲۔ اپنی امت کا حساب کتاب پہلے لیے جانے کے بارے شفاعت: چنانچہ ابن ابی الدنیا نے مرفوعاً ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ اللہ سے درخواست فرمائیں گے۔

"یا رب عجل حسابهم"

چنانچہ سب سے پہلے اس امت کا حساب لیا جائے گا۔

۳۔ جہنم کی طرف دھکیل کر لے جائی جانے والی جماعت کی سفارش۔ چنانچہ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری امت کے ایک گروہ کو جہنم کی طرف دھکیل کر فرشتے لے جا رہے ہوں گے میرے امتی مجھے دیکھ کر کہیں گے کہ ہم آپ کو قسم دیتے ہیں آپ ہماری سفارش فرما دیجیے بالآخر نبی ﷺ کی سفارش سے انہیں جہنم سے خلاصی نصیب ہوگی۔

۴۔ اپنے چچا خواجہ ابو طالب کے لیے سفارش جس کی برکت سے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی۔

۵۔ جنت میں بلا حساب کتاب داخلے کے لیے اپنی امت کے ایک گروہ کی سفارش۔

۶۔ جنت میں اہل جنت کے داخلے کی رکاوٹوں کے دور کرنے کی سفارش۔

۷۔ اہل جنت کے درجات میں بلندی و ترقی کی سفارش۔

۸۔ مرتکب کبیرہ گناہگاروں کی سفارش

اس آخری شق کی دلیل میں حدیث نمبر ۲۹ کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے جو کہ عنقریب آیا چاہتی ہے۔

۲۔ اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ عقیدہ کی خرابی اگر حد کفر تک نہ پہنچی ہو تو انسان کسی نہ کسی وقت جہنم سے نکال لیا جائے گا لیکن اگر عقیدہ کی خرابی حد کفر تک پہنچ جائے تو پھر انسان کے لیے جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں رہتا۔

بَابُ مَا يُغْنِي عَنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ إِيمَانُهُمْ؟

(۲۷) حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَدْخُلُ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ النَّارَ بِذُنُوبِهِمْ فَيَقُولُ لَهُمُ الْمُشْرِكُونَ مَا أَغْنَى عَنْكُمْ إِيمَانُكُمْ وَنَحْنُ وَأَنْتُمْ فِي دَارٍ وَاحِدَةٍ نُعَذَّبُ فَيَغْضَبُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُمْ فَيَأْمُرُ أَنْ لَا يَبْقَى فِي النَّارِ أَحَدٌ يَقُولُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ فَيُخْرَجُونَ وَقَدِ احْتَرَقُوا حَتَّى صَارُوا كَالْحُمَمَةِ السَّوْدَاءِ إِلَّا وُجُوهَهُمْ فَإِنَّهُ لَا يُزْرَقُ أَعْيُنُهُمْ وَلَا تَسْوَدُّ وُجُوهُهُمْ فَيُؤْتَى بِهِمْ نَهْرًا عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَيَغْتَسِلُونَ فِيهِ فَيَذْهَبُ كُلُّ قَذَرٍ وَأَذًى ثُمَّ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَكُ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ فَيُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ ثُمَّ يَدْعُوْنَ فَيَذْهَبُ عَنْهُمْ ذٰلِكَ الْاِسْمُ فَلَا يُدْعَوْنَ بِهِ اَبَدًا فَاِذَا خَرَجُوْا قَالَ الْكُفَّارُ يَا لَيْتَنَا كُنَّا مُسْلِمِيْنَ فَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۔

ایمان سے مؤمن کو کیا فائدہ ہوگا؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اہل ایمان کی ایک جماعت اپنے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں داخل ہوگی تو مشرکین ان سے کہیں گے کہ تمہیں تمہارے ایمان نے کیا فائدہ دیا؟ ہم اور تم اکٹھے ایک ہی جگہ عذاب میں مبتلا ہیں یہ سن کر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہو جائیں گے اور وہ حکم دیں گے کہ لا الہ الا اللہ کہنے والا ایک آدمی بھی جہنم میں باقی نہ رہے چنانچہ انہیں نکال لیا جائے گا لیکن اس وقت تک چہرے کے علاوہ ان کا سارا جسم جل کر سیاہ کوئلے کی طرح ہو چکا ہوگا' البتہ ان کی آنکھیں نیلی نہ ہوئی ہوں گی اور نہ ہی ان کے چہرے سیاہ ہوں گے' پھر انہیں جنت کے دروازے پر بہتی ہوئی ایک نہر کے پاس لایا جائے گا' وہ اس میں غسل کریں گے اور ان سے ہر تکلیف اور داغ دھبہ دور ہو جائے گا۔

اس کے بعد انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور ایک فرشتہ ان کا استقبال کرتے ہوئے کہے گا کہ تم خوب رہے اب ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ' جنت میں ان لوگوں کو جہنمی کے نام سے پکارا جائے گا' کچھ عرصہ بعد وہ اللہ سے دعا کریں گے اور یہ نام بھی ان سے دور کر دیا جائے گا اور اس کے بعد انہیں کبھی اس نام سے نہیں پکارا جائے گا' جس وقت یہ لوگ جہنم سے نکلنے لگیں گے اس وقت یہ کفار تمنا کریں گے کہ کاش! ہم بھی مسلمان ہوتے' یہی مراد ہے اس ارشاد ربانی کی ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین۔

حَلِّ عِبَارَت: "ما اغنی" میں "ما" استفہامیہ ہے اور "اغنی" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بے پروا ہو جانا "نُدار" اس کی جمع دور آتی ہے بمعنی گھر "یغضب" باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ناراض ہونا۔ "احد یقول" میں "احد" موصوف ہے اور "یقول" اپنے فاعل سے مل کر اس کی صفت ہے "احترقوا" باب افتعال سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی جل جانا "لا یزرق" باب تفعیل سے مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی نیلا کرنا۔ "طبتم" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی عمدہ ہونا' اچھا ہونا۔

تَخْرِیْجِ حَدِیْث: اخرج نحوہ الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول' وابن المبارک' وابن جریر' والبیہقی' والطبرانی' وابن ابی حاتم وابن شاہین' والہیثمی ۱۰/۳۷۹۔

الصوت فقال تعجب العجب ثم لم تصبر حتى يصير بين يدي عرش الرحمن ساجدا فيقول
الله تبارك وتعالى ارفع رأسك يا جبريل فيرفع رأسه فيقول ما رأيت من العجائب والله أعلم
بما رأه فيقول يا رب سمعت صوتا من قعر جهنم ينادي بالحنان المنان فتعجبت من ذلك
الصوت فيقول الله تبارك وتعالى يا جبريل اذهب إلى مالك وقل له أخرج العبد الذي ينادي
بالحنان المنان فينطلق جبريل عليه السلام إلى باب من أبواب جهنم فيضربه فيخرج إليه
مالك فيقول جبريل عليه السلام إن الله تبارك وتعالى يقول أخرج العبد الذي ينادي بالحنان
المنان فيدخل فيطلبه فلا يوجد وإن مالكا أعرف بأهل النار من الأم بولدها فيخرج فيقول
لجبريل إن جهنم زفرت زفرة لا أعرف الحجارة من الحديد ولا الحديد من الرجال فيرجع
جبريل عليه السلام حتى يصير بين يدي عرش الرحمن ساجدا فيقول الله تبارك وتعالى ارفع
رأسك يا جبريل لم لم تجئ بعبدي فيقول يا رب إن مالكا يقول إن جهنم قد زفرت زفرة لا
أعرف الحجر من الحديد ولا الحديد من الرجال فيقول الله عز وجل قل لمالك إن عبدي في
قعر كذا وكذا في جب كذا وكذا وفي زاوية كذا وكذا فيدخل جبريل فيخبره بذلك
فيدخل مالك فيجده مطروحا منكوسا مشدودا ناصيته إلى قدميه ويداه إلى عنقه واجتمعت
عليه الحيات والعقارب فيجذبه جذبة حتى تسقط عنه الحيات والعقارب ثم يجذبه جذبة
أخرى حتى تنقطع منه السلاسل والأغلال ثم يخرجه من النار فيصيره في ماء الحياة ويدفعه
إلى جبريل فيأخذ بناصيته ويمده مدا فما مر به جبريل على ملإ من الملائكة إلا وهم
يقولون أف لهذا العبد حتى يصير بين يدي عرش الرحمن ساجدا فيقول الله تبارك وتعالى
ارفع رأسك يا جبريل ويقول الله تبارك وتعالى عبدي ألم أخلقك بخلق حسن ألم أرسل إليك
رسولا ألم يقرأ عليك كتابي ألم آمرك وأنهك حتى يقر العبد فيقول الله تعالى فلم فعلت كذا
وكذا فيقول العبد يا رب ظلمت نفسي حتى بقيت في النار كذا وكذا خريفا لم أقطع رجائي
منك يا رب دعوتك بالحنان المنان وأخرجتني بفضلك فارحمني برحمتك فيقول الله تبارك
وتعالى اشهدوا يا ملائكتي بأني رحمته.

یا حنان یا منان کہہ کر اللہ کو پکارنے والے کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کیا موحدین میں سے کوئی شخص جہنم میں باقی بھی رہے گا؟ فرمایا: ہاں! ایک آدمی ہوگا جو جہنم کی سب سے نچلی تہہ میں اللہ کو ان کے دو نام ہول "یا حنان یا منان" سے پکار رہا ہوگا، وہاں سے حضرت جبریل علیہ السلام کا گزر ہوگا اور وہ اس کی آواز سن لیں گے انہیں اس آواز پر تعجب ہوگا اور وہ کہیں گے کہ تعجب ہے جہنم سے ایسی آواز آرہی ہے، پھر ان سے رہا نہ جائے گا اور وہ عرش الٰہی کے سامنے حاضر ہو کر سجدہ ریز ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جبریل! سر اٹھاؤ، وہ سر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ باوجودیکہ ہر چیز سے واقف ہیں ان سے پوچھیں گے کہ تم نے کیا عجیب چیز دیکھی ہے؟ وہ عرض کریں گے کہ پروردگار! میں نے جہنم کی سب سے نچلی تہہ سے ایک شخص کی آواز سنی ہے جو آپ کو "یا حنان یا منان" کہہ کر پکار رہا ہے مجھے اس آواز پر تعجب ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جبریل! مالک (داروغہ جہنم) کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ میرے اس بندے کو جہنم سے نکال کر لائے، چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام جہنم کے ایک دروازے پر پہنچ کر دستک دیں گے، مالک نکلے گا، وہ اس سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میرے اس بندے کو جہنم سے نکال دو جو "یا حنان یا منان" پکار رہا ہے، مالک یہ سن کر جہنم میں داخل ہوگا لیکن تلاش کے باوجود وہ بندہ اسے نہیں ملے گا، حالانکہ مالک اہل جہنم کو اس سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ پہچانتا ہے جتنا ماں اپنی اولاد کو پہچانتی ہے، چنانچہ مالک حضرت جبریل علیہ السلام سے کہے گا کہ جہنم کی آگ بہت بھڑک رہی ہے جس کی وجہ سے اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ میں پتھر اور لوہے، لوہے اور آدمی کے درمیان فرق نہیں کر سکتا۔

جبریل یہ سن کر لوٹ جائیں گے اور عرش الٰہی کے سامنے پہنچ کر سجدہ ریز ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جبریل! سر اٹھاؤ، میرے بندے کو کیوں نہیں لائے؟ وہ عرض کریں گے کہ پروردگار! مالک کہہ رہا ہے کہ جہنم کی آگ بہت بھڑک رہی ہے جس کی وجہ سے مجھے پتھر اور لوہے، لوہے اور آدمی کے درمیان امتیاز نہیں ہو پا رہا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ مالک سے جا کر کہہ دو کہ میرا وہ بندہ جہنم کی فلاں تہہ، فلاں پردے اور فلاں کونے میں پڑا ہوا ہے۔

جبریل وہاں پہنچ کر مالک کو یہ سب کچھ بتائیں گے، مالک جب مقررہ جگہ پر پہنچے گا تو اس شخص کو پھٹکار زدہ دھتکارا ہوا، پیشانی کو پاؤں سے جکڑا ہوا اور ہاتھوں کو گردن سے بندھا ہوا پائے گا اور اسے سانپ اور بچھو چمٹے ہوئے ہوں گے مالک اسے ایک مرتبہ اپنی طرف کھینچے گا تو وہ سانپ اور بچھو جھڑ کر گر پڑیں گے اور دوبارہ کھینچنے پر اس کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ٹوٹ کر گر پڑیں گی اور پھر مالک اسے جہنم سے نکال لائے گا اور اسے نہر حیات میں غوطہ دے کر جبریلؑ کے حوالے کر دے گا۔

جبریل اسے پیشانی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے روانہ ہوں گے، راستہ میں فرشتوں کی جس جماعت پر بھی ان کا گزر ہوگا وہ یہی کہے گی کہ افسوس ہے اس بندے پر، یہاں تک کہ جبریل عرش الٰہی کے سامنے پہنچ کر سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ جبریل! سر اٹھاؤ، پھر اس بندے کی طرف متوجہ ہو کر فرمائیں گے اے میرے بندے! کیا میں نے تجھے بہترین صورت میں پیدا نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تیرے پاس اپنے پیغمبر کو نہیں بھیجا تھا؟ کیا اس پیغمبر نے تیرے سامنے میری کتاب کی تلاوت نہیں کی تھی؟ کیا اس نے تجھے اچھے کاموں کا حکم اور بری باتوں سے منع نہیں کیا تھا؟ بندہ ان سب چیزوں کا اقرار کرے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ پھر تو نے فلاں فلاں کام کیوں کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا جس کی وجہ سے مجھے اتنی دیر جہنم میں رہنا پڑا لیکن اس دوران میں نے تجھ سے امید کا ناطہ نہ توڑا اور میں تجھے "یا حنان یا منان" کہہ کر پکارتا رہا، اب تو نے اپنے فضل سے مجھے جہنم سے نکال ہی دیا ہے تو اب مجھ پر رحم بھی فرما دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے اس پر رحم کر دیا۔

تحقیق وتوضیح لغوی: "یقعد" کہ ابھی "یتعجب" باب تفعل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تعجب کرنا "ساجداً" ترکیب میں "یصیر" کی ہو ضمیر سے حال ہے جس کا مرجع "جبریل" ہے "اخرج" باب افعال سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی نکالنا "یطلبہ" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تلاش کرنا "اعرف" اسم تفضیل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی زیادہ پہچاننے والا "زفرت" باب ضرب سے ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی چنگھاڑنا، بھڑکنے کی آواز "الم لم تجئ" پہلا حرف استفہام ہے اور دوسرا نافیہ ہے جو مضارع پر داخل ہو کر اسے ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے، باب ضرب سے نفی حجد بلم کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی آنا۔ "الحیات" حیۃ کی جمع ہے بمعنی سانپ "العقارب" عقرب کی جمع ہے بمعنی بچھو۔ "فیجذبہ" باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کھینچنا۔ "فیصیرہ" باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کر دینا، یہاں لوٹا دینا مراد ہے "عبدی" اصل میں "یا عبدی" تھا، قرینہ کی وجہ سے حرف ندا کو حذف کر دیا گیا ہے "رحمتہ" باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی رحم کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ احمد: ۱۳۴۱۱ و ابو یعلی فی مسندہ والبیہقی باسناد صحیح عن انس مرفوعا والحارثی فی مسندہ: ۳۶۹۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ میں ایک موحد کے جہنم کی سب سے نچلی تہہ میں اللہ کو خلوص دل کے ساتھ اس کے دو مبارک ناموں "یا حنان یا منان" سے پکارنے پر اس کی گلو خلاصی کا ذکر کیا گیا ہے اسی بنا پر بعض علماء کرام کی رائے یہ بھی ہے کہ "یا حنان یا منان" اللہ کے وہ عظیم نام ہیں جن سے دعا کرنے والے کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے اور جن کا وسیلہ پیش

کرکے ہر درخواست کو پورا کروایا جا سکتا ہے گویا حنان اور منان اللہ کا وہ اسم اعظم ہے جس کے عظیم فضائل کتب حدیث میں موجود ہیں مزید تفصیل کے لیے حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی البازیؒ کی "فتح اللہ" اور "الکنز الاعظم" ملاحظہ فرمائیے۔

۲۔ اپنے اپنے شعبے میں ماہر آدمی بھی ہر وقت اپنے ذہن میں مکمل جزئیات محفوظ رکھنے پر قادر نہیں' اور یہیں سے قرآن کریم کا یہ عظیم اصول اپنی مکمل حقیقت کے ساتھ ہم پر آشکارا ہوتا ہے۔

وفوق کل ذی علم علیم (یوسف)

۳۔ حضرت جبریل کے متعلق اعداء اسلام "یہود" بے ہودہ گمان اور خیالات رکھتے ہیں انہیں ترحم اور شفقت کے جذبات سے عاری قرار دیتے ہیں اور انہیں اللہ کے عذاب کی نشانی قرار دیتے ہیں' گو کہ قرآن کریم سے بڑھ کر اللہ کی رحمت نہیں ہو سکتی جو حضرت جبریل کی وساطت سے اللہ نے پیغمبر اسلام ﷺ کے قلب منور پر ۲۳ سال کے طویل عرصے میں نجماً نجماً نازل کیا' لیکن کسی آنکھ سے دیکھنے والوں کے لیے یہ واقعہ ایک مضبوط ترین دلیل ہے۔

۴۔ اگر بشری تقاضوں کی وجہ سے انسان کوئی گناہ کر بیٹھے تو اس کی فوراً تلافی کرنا' اس پر ندامت کا اظہار کرنا اور اللہ سے اور متعلقہ بندوں سے معافی مانگ لینا اس کی خوبی کی علامت ہے اور اس پر اکڑ جانا شیطنیت کی دلیل۔

۵۔ اللہ کی رحمت سے انسان کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنی مایوسیوں اور محرومیوں کا علاج رحمت خداوندی کی امید اور سہارے سے کرنا چاہیے لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں سمجھا جائے کہ رحمت خداوندی کی آرزو اپنے ذہن میں بٹھا اور جما کر انسان گناہ کے کاموں پر دلیر ہو جائے اور نیکی کے کاموں سے پیچھے ہٹ جائے بلکہ اللہ سے امید بھی ہمیشہ اچھی رکھے اور اللہ کا خوف بھی اپنے دل و دماغ کے ایک ایک کونے میں پیوست کر دے یہ کامیابی کی علامت ہے اور یہی توبہ کی ضمانت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ

(۲۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَنْصُورِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ الْبَلْخِيِّ وَمُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى وَيَزِيدَ الطُّوسِيِّ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ أُمَيَّةَ الْحَذَّاءِ الْعَبْدِيِّ عَنْ نُوحِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ يَزِيدَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَنْ تَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ وَأَهْلِ الْعَظَائِمِ وَأَهْلِ الدِّمَاءِ۔

کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کی شفاعت کا بیان

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ہم نے ایک مرتبہ نبی ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! قیامت کے دن آپ کن لوگوں کی سفارش فرمائیں گے؟ فرمایا کبیرہ گناہوں' بڑے بڑے جرائم اور خونریزی کرنے والوں کی۔

حل عبارت: "تشفع" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی سفارش کرنا "الکبائر" کبیرة

کی جمع ہے جبکہ جرائم کے مقابلے میں صغائر کا لفظ آتا ہے جو صغیرۃ کی جمع ہے "العظائم" عظیمۃ کی جمع ہے جو کہ عظیم کی مؤنث ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذي: ۲۴۳۵' وابوداؤد: ۴۷۳۹' والطیالسي: ۱۹۹۸' وابن ماجه: ۴۳۱۰

مفہوم: ۱۔ اس حدیث کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ نبی ﷺ کو اپنی امت کے حال پر شفقت کا جو تعلق ہے اسے ظاہر کیا جائے یہ حدیث کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والوں اور بڑے بڑے جرائم پیشہ افراد کو تحفظ دینے کے لیے ہرگز دلیل نہیں بن سکتی' اور نہ ہی اس حدیث کا یہ مقصد ہے۔

۲۔ صغیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے بھی قیامت کے دن پریشان ہوں گے' لیکن ان کی پریشانی دور کرنے کے لیے بہت سے اعمال اور بہت سے افراد موجود ہوں گے' جبکہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب کا تصور بھی روح فرسا ہے' اس لیے نبی ﷺ نے ان کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا۔

۳۔ اس حدیث میں "اہل الکبائر" اور "اہل العظائم" دو لفظ استعمال کیے گئے ہیں' جو بعض حضرات کی رائے کے مطابق ایک ہی معنی ادا کرتے ہیں اور بعد والا جملہ پہلے کے لیے عطف تفسیری ہے' لیکن بعض محدثین نے ان دونوں میں فرق کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "کبائر" سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور "عظائم" سے مراد وہ گناہ ہیں جو حقوق العباد سے متعلق ہوں۔

اور "اہل الدماء" سے مراد ناحق کسی کے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگنے والے افراد ہیں' کیونکہ قاتل" باوجود یکہ اتنا بڑا گنہگار ہے کہ ایک شخص کے قتل سے پوری انسانیت کے قتل کا گناہ اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتا ہے" بہرحال دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور دولت ایمان "خواہ ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی ہی مانند ہو" اسے حاصل ہوتی ہے جس کی بناء پر وہ مستحق شفاعت ہوتا ہے۔

۴۔ یہاں ایک عام آدمی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کے مطابق تو کوئی بھی شخص دنیا میں جو مرضی کرتا پھرے' ظلم و زیادتی کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے' بدکاری و فحاشی کی انتہا سے بھی آگے بڑھ جائے' سینکڑوں اور ہزاروں معصوم و بے گناہ لوگوں کو قتل کر دے اور گناہ کے کسی کام میں بھی پیچھے نہ رہے' اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا' اور وہ نبی ﷺ کی شفاعت کی برکت سے جنت میں چلا جائے گا۔

کیا نبی ﷺ ایسے ہی لوگوں کی سفارش فرمائیں گے؟ کیا دنیا میں کیے گئے گناہوں' اور مظالم کی موجودگی میں بھی ایسے لوگ سفارش کے مستحق ہوں گے؟ کیا ان میں اور دوسرے اہل جنت میں کوئی فرق رہ جائے گا؟ یہ وہ سوال ہیں جو اس موقع پر ایک عام آدمی کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جی ہاں' نبی ﷺ ایسے ہی لوگوں کی سفارش فرمائیں گے۔ علماء' حفاظ' قراء اور

نیک لوگوں کی سفارش نہیں فرمائیں گے اس لیے کہ سفارش کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں مقدمہ کمزور ہو اور جہاں مقدمہ مضبوط ہو وہاں وہ لوگ سفارش حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے بلکہ وہ تو خود دوسروں کی سفارش کرنے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ علماء' حفاظ' قراء اور دوسرے نیک لوگ بھی اللہ کی اجازت سے سفارش کریں گے۔ اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"خیرت بین الشفاعة او یدخل نصف امتی الجنة، فاخترت الشفاعة لانها اعم واکفی، اترونها للمتقین؟ لا، ولکنها للمتلوثین الخطاؤون" [مسند احمد: ۵۴۵۲]

رہی یہ بات کہ کیا یہ لوگ اپنے گناہوں اور مظالم کے باوجود بھی سفارش کے مستحق ہوں گے؟ تو اس کا جواب بھی اثبات میں ہے' کیونکہ ان کے پاس "ایمان" کی دولت ایک ایسی عظیم نعمت خداوندی ہے جو انہیں جہنم میں ہمیشہ جلنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتی' یہ خدائی فیصلہ ہے جسے نبی ﷺ کی شفقت کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ان میں اور دوسرے اہل جنت میں کیا فرق ہوگا؟ اس فرق کو ایک مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک شخص پر پولیس کی طرف سے کسی جرم کے ارتکاب پر مقدمہ قائم کیا گیا' اسے پکڑ کر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں' اس کے بعد اسے جیل میں پہنچا دیا گیا' اسے جیل میں جتنی مرضی سہولیات فراہم کر دی جائیں' بہرحال! وہ جیل ہی رہے گی اور جیل میں جانا اس کی شخصیت کو عیب دار بنا دے گا' لوگ اس کی طرف انگلیاں اٹھا کر کہیں گے کہ یہ شخص جیل کی ہوا کھا کر آیا ہے اور یہ کہ اگر فلاں شخص سفارش نہ کرتا تو یہ اب تک جیل میں پڑا سڑ رہا ہوتا۔ اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جو لوگ خدائی جیل خانے کی ہوا کھا کر جنت میں داخل ہوں گے ان میں اور سیدھے جنت میں داخل ہونے والوں میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیے جانے کے باوجود ان کے نام کے ساتھ "جہنمی" کا لاحقہ ایک عرصے تک لگا رہے گا جو ظاہر ہے کہ کسی بھی آدمی کے لیے شرمندگی کی ایک بہت بڑی وجہ ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ رُؤْیَةِ اللّٰہِ تَعَالٰی

(۲۰) حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ ابْنِ اَبِیْ خَالِدٍ وَبَیَانِ بْنِ بِشْرٍ عَنْ قَیْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ جَرِیْرَ بْنَ عَبْدِاللّٰہِ یَقُوْلُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ ھٰذَا الْقَمَرَ لَیْلَةَ الْبَدْرِ لَا تُضَامُوْنَ فِیْ رُؤْیَتِهٖ فَانْظُرُوْا اَنْ لَا تُغْلَبُوْا فِیْ صَلٰوةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا قَالَ حَمَّادٌ یَعْنِی الْغَدْوَةَ وَالْعَشِیَّ۔

رؤیت باری تعالیٰ کا بیان

ترجمہ: حضرت جریر ؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: عنقریب تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جیسے چودھویں

رات کا چاند دیکھتے ہو جس کے دیکھنے میں تمہیں کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں ہوتی' اس لیے دیکھو! اگر تم طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز نہ چھوڑ سکو تو ایسا ضرور کرو (کیونکہ ان دو نمازوں کو رویت باری کے حصول میں دخل ہے)

حَلِّ عِبَارَات: "ستروں" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی دیکھنا "لیلۃ البدر" "القمر" کے لیے عطف بیان ہے "لا تضامون" اس لفظ کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے۔

۱۔ لا تضامون میم کی تشدید کے ساتھ خواہ راء پر فتحہ پڑھا جائے یا ضمہ' اس صورت میں یہ باب تفاعل سے مضارع منفی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہوگا اور یہاں ایک تاء محذوف ہوگی۔

۲۔ لا تضامون میم کی تخفیف اور تاء پر ضمہ کے ساتھ' اس صورت میں یہ باب ضرب سے مضارع منفی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہوگا' پہلی صورت میں اس کا معنی ازدحام یعنی رش کرنا اور دوسری صورت میں اس کا معنی دشواری اور تکلیف ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ٥٥٤، ومسلم ٦٣٣ (٢١١)، وابو داؤد: ٤٧٢٩، والترمذي: ٢٥٥١، وابن ماجه: ١٧٧

مفہوم: ۱۔ رویت باری تعالیٰ اہل سنت والجماعت کے مسلمہ عقائد میں سے ایک اہم ترین عقیدہ ہے جس کے مطابق اہل ایمان کو روز قیامت اپنے پروردگار کا دیدار ضرور نصیب ہوگا' انشاء اللہ اور دیدار محبوب کی یہ نعمت ہی ان کے باہمی درجات میں تفاوت کی دلیل ہوگی بارگاہ قدسی میں جس کا مقام جتنا زیادہ ہوگا' وہ اتنا ہی زیادہ دیدار محبوب سے لطف اندوز ہوگا۔

۲۔ اسلام کے ابتدائی دور میں فرقہ معتزلہ سے تعلق رکھنے والے افراد کا یہ نظریہ تھا کہ انسانی آنکھوں میں ہرگز اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکے اور اس مسئلے میں وہ متعدد دلائل سے استدلال کیا کرتے تھے۔ ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کے دلائل اور پھر ان کے جواب ذکر کرتے ہیں۔

(الف) معتزلہ کی پہلی دلیل تو قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔

لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار (الانعام)

اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں تو پھر ہم رویت باری تعالیٰ کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔

(ب) معتزلہ کی دوسری دلیل قرآن کریم کی وہ مشہور آیت ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدار باری تعالیٰ کی فرمائش کا ذکر اور اللہ کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

"لن ترني ولكن انظر الى الجبل فان استقر مكانه فسوف ترني" (الاعراف)

اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر اور اولوالعزم صاحب کتاب وشریعت پیغمبر سے یہ فرما رہے ہیں کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے تو ما شما کی کیا حیثیت ہے؟ اور اس آیت کی موجودگی میں رؤیت باری تعالیٰ کو کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

(ج) معتزلہ کی تیسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں صفات باری تعالیٰ کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے رخ زیبا سے پردہ ہٹا دیں تو پوری کائنات ان کی نورانی کرنوں کے سامنے تاب نہ لاتے ہوئے جل کر خاکستر ہو جائے۔

(د) معتزلہ کی چوتھی دلیل وہ حدیث ہے جس کے مطابق نبی علیہ السلام نے رؤیت باری تعالیٰ پر صحابہ کرام کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

نور انی اراہ

جب نبی علیہ السلام اس ذات کا دیدار نہیں کر سکتے تو ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

(ہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا شب معراج میں نبی علیہ السلام کو رؤیت باری تعالیٰ ہونے کی پرزور تردید کرنا اہل اعتزال کی پانچویں دلیل ہے۔ یہ اور اس قسم کے دلائل سے استدلال کرتے ہوئے معتزلہ نے یہ نظریہ اختیار کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے کی طاقت انسانی آنکھوں سے باہر ہے۔ ورنہ یہ امر خارج از امکان ہے۔

اہل سنت والجماعت اور تمام اسلاف نے رؤیت باری تعالیٰ کے اثبات کے لیے جو دلائل پیش کیے ہیں انہیں ذکر کرنے سے پہلے میں اہل اعتزال کے ان دلائل کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ باذوق قارئین پر آیات واحادیث سے مزین اس عقیدے کی حقیقت واضح ہو جائے۔

چنانچہ پہلے چار دلائل کا تو ایک مختصر سا جواب ہی کافی ہے اور وہ یہ کہ ان آیات میں اس دنیا کے احوال سے بحث کرتے ہوئے رؤیت باری تعالیٰ کی نفی کی گئی ہے' آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ کی نفی اس سے ثابت نہیں ہوتی' اور اہل سنت والجماعت میں سے کوئی ایک عالم بھی اس دنیا میں جاگتی آنکھوں کے ساتھ دیدار خداوندی کا اثبات نہیں کرتا' کیونکہ اس دنیا کی کثافت اور مادیت کی موجودگی میں انسانی آنکھیں اس قابل بھی نہیں اور ان میں یہ طاقت بھی نہیں' جبکہ آخرت میں یہ کثافتیں دور ہو جائیں گی اور خود پروردگار اپنے بندوں کی آنکھوں میں اتنی طاقت پیدا فرما دے گا کہ وہ اس کا دیدار کر سکیں۔

رہی شب معراج کے حوالے سے مسئلہ کی تحقیق تو "نور انی اراہ" کو محدثین نے دو طرح ضبط کیا ہے ایک حرف استفہام کے ساتھ "انّی" اور دوسرا حرف مشبہ بالفعل کے ساتھ "اِنّی" پہلی صورت میں اہل اعتزال کی تائید ہو سکتی ہے اور دوسری صورت سے اہل سنت والجماعت استدلال کر لیتے ہیں' اور حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ انکار ان کی اپنی ذاتی

رائے تھی جس سے دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اختلاف تھا اس لیے اس رائے سے بھی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

معتزلہ کے دلائل اور ان کے جواب کے بعد اختصار کے ساتھ ہم اہل سنت والجماعت کی طرف سے اپنے نظریے پر پیش کردہ دلائل بھی ذکر کرتے چلیں تا کہ ان کے نظریے کو دلائل سے خالی نہ سمجھا جائے۔ چنانچہ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) اہل سنت والجماعت کی سب سے پہلی دلیل تو قرآن کریم کی یہ آیت ہے

وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے کیونکہ وہ اپنے رب کے دیدار سے فیض یاب ہو رہے ہوں گے تو پھر ہمیں اس بات کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ قیامت کے دن اور جنت میں اہل جنت کو اپنے پروردگار کا دیدار ضرور ہوگا۔

(۲) اہل سنت والجماعت کی دوسری دلیل زیر بحث حدیث ہے جس میں رؤیت باری تعالیٰ سے متعلق صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سوال کا جواب ایک مثال کے ذریعے واضح کرتے ہوئے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ بتاؤ! کبھی چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں تمہیں کوئی دشواری پیش آئی ہے؟ کبھی اس چاند کو دیکھنے کے لیے تم میں سے کسی نے دوسرے کو دھکا دیا ہے؟ کبھی اس چاند کو دیکھنے کے لیے کسی کو نقصان اٹھانا پڑا ہے؟ اگر دنیا کے اس چاند کو دیکھنے میں تمہیں کوئی دشواری، تکلیف اور مشقت محسوس نہیں ہوتی تو پھر اپنے پروردگار کو دیکھنے میں بھی تمہیں کوئی مشقت نہیں ہوگی۔

علماء کرام نے یہاں یہ بحث بھی چھیڑی ہے کہ اس حدیث میں رؤیت باری تعالیٰ کو رؤیت قمر سے تشبیہ دی گئی ہے کہ رؤیت باری تعالیٰ مشبہ ہے اور رؤیت قمر مشبہ بہ، اس سے معلوم ہوا کہ مشبہ بہ کا اقوی اور اعلیٰ ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ مشبہ کا درجہ مشبہ بہ سے کم ہی ہو بلکہ تشبیہ کا اصل مقصد کسی مسئلہ کی وضاحت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی بہت سی تشبیہات اور نظائر کے ذریعے مسئلہ توحید کو ثابت کیا ہے۔

یہیں سے درود ابراہیمی پر ہونے والے اشکال کا جواب بھی واضح ہو گیا جس میں قاعدے کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود مشبہ بہ ہے اور نبی اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مشبہ، ظاہر ہے کہ یہاں بھی تشبیہ سے توضیح مقصود ہے مشبہ بہ کی بڑائی پیش نظر نہیں ہے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت تمام آسمانی مذاہب کے پیروکاروں میں ہمیشہ مسلم رہی ہے اس لیے تشبیہ میں ان کا ذکر کر دیا گیا۔

انتباہ! رؤیت باری تعالیٰ ایک ایسا عقیدہ ہے جو عقیدہ سے زیادہ عقیدت اور چاہت کے معیار پر پرکھنے سے زیادہ آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس نعمت عظمیٰ کے حصول کا طریقہ بتاتے ہوئے نماز فجر اور نماز عصر کو دیگر نمازوں کے ساتھ زیادہ اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا اور ان نمازوں کی تخصیص کی وجہ بھی ہو

سکتی ہے کہ غالباً دیدار باری تعالیٰ کی لذت سے آشنا ہونے اور لطف اندوز ہونے کے بھی اوقات زیادہ تر یہی ہوں گے۔
واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ

(۴۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔

طلب علم کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حصول علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

فائدہ: اگلی حدیث کا مضمون بھی یہی ہے اس لیے جس کا ترجمہ بھی یہیں لکھا جاتا ہے تاکہ دونوں کے مضمون پر ایک ہی دفعہ سیر حاصل بحث ہو جائے۔

(۴۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَاصِحٍ عَنْ يَحْيٰى عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حصول علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

تحقیق عبارت: "طلب" باب نصر کا مصدر ہے بمعنی تلاش کرنا، طلب کرنا، حاصل کرنا "فریضة" مفروضة کے معنی میں ہے۔

تخریج: اخرجه ابن ماجه: ۲۲۴۔

مفہوم: زیر بحث باب بنیادی طور پر اس حدیث میں "علم" کے حصول اور تلاش میں سرگرداں ہونے کی فضیلت واہمیت بیان کرنا مقصود ہے تاکہ عرب کا وہ معاشرہ جو جہالت کی تاریکیوں سے تاریک ہو چکا تھا نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ کی برکت سے علم کی روشنی سے نہ صرف یہ کہ خود منور ہو جائے بلکہ پوری دنیا کو اپنی روشنی سے روشن کرنے کا سبب بن جائے۔

اگر تاریخ کے اس پس منظر کو ذہن میں رکھا جائے کہ پورے پورے شہر میں ڈھونڈے سے بھی کوئی پڑھا لکھا نہ ملے

خالی تھی ملتا تھا شراب و شباب کی کھلی انہیں دی جاتی تھی' شعر و شاعری اور عشقیہ افسانے زبان زد عام ہونے کے باوجود علم سے بے بہرہ تھا انہیں اپنی زندگی کے مقصد تک سے نا آشنا تھیں' اور انہیں تعلیم و تربیت سے کسی قسم کی کوئی دلچسپی نہیں تھی' اس قسم کے حالات میں اگر نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ اپنے دین میں داخل ہونے والوں کو علم کی اہمیت سے روشناس کراتے ہوئے اس کا حصول ہر مسلمان پر فرض قرار دیتے ہیں تو اس کی حقیقت اور اہمیت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔

۲- کتاب الایمان کے ساتھ اس کا ربط بھی یہی ہے کہ علم کی روشنی ہی ایک مسلمان کے ایمان کو جلا اور جلاء بخشنے کی صلاحیت رکھتی ہے' اگر انسان زیور علم سے آراستہ نہ ہو تو وہ اپنے ایمان کو کسی صورت جلا نہیں دے سکتا۔

۳- محدثین کرام نے یہاں اس نکتے پر بھی بحث فرمائی ہے کہ آیا حصول علم کے اس حکم میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی شامل ہیں یا نہیں؟ ہماری نظر میں اس سوال کا جواب ''علم'' کی تعیین پر موقوف ہے' اگر ہم علم سے مراد کسب معاش کے علوم وفنون لیتے ہیں جیسا کہ ہمیں سرکاری وغیر سرکاری سکولز' کالجز اور یونیورسٹیز کے در پر یہ حدیث بڑی آب و تاب سے لکھی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

"طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة"

تو ہم اس حکم میں خواتین کو داخل نہیں سمجھتے اور نہ ہی ان پر کسب معاش سے متعلق علوم کو ''جنہیں فنون قرار دینا زیادہ بہتر ہے'' فرض قرار دیتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر وہ خواتین ''جو ان علوم وفنون سے بہرہ ور نہیں ہیں'' ایک فرض کو چھوڑنے کے گناہ میں مبتلا ہوں گی' حالانکہ انہیں کوئی بھی گنہگار نہیں سمجھتا۔

اسی طرح اس میں ایک نئی پیچیدگی یہ بھی پیدا ہو جائے گی کہ کسب معاش کے لیے تو بہت سے علوم وفنون ایجاد ہو چکے ہیں' زیر بحث حدیث میں ان میں سے کون سا علم مراد ہے؟ سائنس کا یا معیشت کا؟ انگریزی کا یا حساب کا؟ معاشرتی علوم کا یا ہندسہ کا؟ ڈاکٹری کا یا حکمت کا؟ کسی ایک کے تعین سے اس علم کو حاصل کرنے والے تو ادائے فرض میں کامیاب تصور کیے جائیں گے اور دوسرے علوم میں مشغول رہنے والوں کو ترک فریضہ کا سرٹیفکیٹ ملے گا حالانکہ یہ سراسر زیادتی اور ناانصافی ہے۔

اس لیے لامحالہ یہاں دین کا اتنا علم مراد ہوگا جو کسی بھی انسان کی دینی ضروریات کے لیے کافی ہو سکے مثلاً کلمہ کا صحیح تلفظ' نماز کی صحیح ادائیگی' حرام و حلال کی تمیز' جائز و ناجائز کا تعین' نیکی اور بدی کا فرق وغیرہ' ظاہر ہے کہ یہ چیزیں جس طرح مرد کے لیے جاننا ضروری ہیں' مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایک عورت کے لیے بھی اسی طرح ضروری ہیں۔

اس صورت میں ''مسلم'' کے حکم میں ''مسلمہ'' کا داخل ہونا بھی ایک واضح بات ہے' تاہم بعض محدثین نے اس

حدیث میں صراحۃ "مسلم" کا لفظ بھی نقل کیا ہے جس سے مذکورہ تفصیل اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔

۲۔ فضائل علم و اہل علم تو انگی احادیث میں عنقریب آ رہے ہیں لیکن یہاں میں سنن ابن ماجہ کی اس حدیث کو نقل کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جو حضرت انس ؓ سے ان الفاظ میں مرفوعاً مروی ہے۔

واضع العلم عند غیر اهله کمقلد الخنازیر الجوهر واللؤلؤ والذهب

"کسی نا اہل کے پاس علم رکھنے والا ایسے ہی ہے جیسے خنزیر کے گردن میں جواہرات' موتیوں اور سونے کا ہار لٹکانے والا۔"

اس حدیث کے الفاظ پر بار بار غور کریں اور منشائے نبوی ﷺ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ مَنْ تَفَقَّهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ

(۲۳) قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وُلِدْتُ سَنَةَ ثَمَانِيْنَ وَحَجَجْتُ مَعَ اَبِيْ سَنَةَ سِتٍّ وَّتِسْعِيْنَ وَاَنَا ابْنُ سِتَّ عَشْرَةَ سَنَةً فَلَمَّا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَرَاَيْتُ حَلْقَةً عَظِيْمَةً فَقُلْتُ لِاَبِيْ حَلْقَةُ مَنْ هٰذِهٖ فَقَالَ حَلْقَةُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ الزُّبَيْدِيِّ صَاحِبِ النَّبِيِّ ﷺ فَتَقَدَّمْتُ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ تَفَقَّهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ كَفَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى هَمَّهٗ وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

تفقہ فی الدین کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: امام ابوحنیفہ ؒ فرماتے ہیں کہ میری پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی ہے' میں نے ۹۶ھ میں جبکہ میری عمر ۱۶ سال تھی اپنے والد صاحب کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی' جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو وہاں میں نے ایک بہت بڑا حلقہ دیکھا' میں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا یہ کس کا حلقہ ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی ؓ کا حلقہ ہے' چنانچہ میں آگے بڑھ کر ان کے حلقے میں شریک ہو گیا' میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی راہ پر چل پڑتا ہے' اللہ اس کے کاموں میں اس کی کفایت فرماتا ہے اور اسے ایسی جگہوں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں اس کا وہم و گمان بھی نہ گیا ہو۔

حل لغات: "ولدت" باب ضرب سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی پیدا ہونا۔ "حججت" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی حج کرنا "همه" اسم کام "رزقه" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رزق مہیا کرنا۔

تخریج حدیث: من خصائص ابی حنیفة الامام' وذکره المصطفی اخرجه بعد الی معاد وغیرهم واوله ابه.

مفہوم: ۱۔ حضرت امام ابوحنیفہ کو ائمہ مجتہدین و متبوعین میں سے یہ نمایاں فضیلت حاصل ہے' "جس کا سوائے ثمرہ حتم

کے کوئی دوسرا انکار نہیں کر سکتا" کہ انہیں تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے جو امام مالکؒ سمیت ائمہ اربعہ میں سے کسی دوسرے امام کو حاصل نہیں۔ یعنی امام ابوحنیفہؒ نے اپنے سر کی آنکھوں سے بیداری کی حالت میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی زیارت و ہم نشینی کا شرف حاصل ہوا ہے گو کہ ان صحابہؓ کی تعداد چار ہو یا سات ہو کیونکہ محققین کے نزدیک تو صرف ایک صحابی کے دیدار کا شرف رکھنے والا مسلمان بھی تابعی کے منصب پر فائز ہے۔

۱۔ علم دین کے حصول کی یہ اہم ترین فضیلت ہے کہ پروردگار عالم طالب علم کی جملہ ضروریات کی خود کفالت فرماتا ہے اس کی پریشانیوں کو خود ہی دور فرماتا ہے اس کی دنیا و آخرت کو خود ہی سنوارتا ہے اور رزق کے تفکرات سے بھی وہی اسے آزاد کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ علم دین سے تعلق رکھنے والا ایک شخص بھی رزق کی تنگی سے پریشان ہو کر کبھی اپنی زندگی کا خاتمہ نہیں کرتا جبکہ دنیوی علوم و فنون کی بڑی بڑی ڈگریاں رکھنے والے اپنے اوپر رزق کے دروازے بند پا کر خودکشی تک کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علم دین سے تعلق رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ ایسی ایسی جگہوں سے رزق پہنچانے کا انتظام فرماتے ہیں جہاں اس کا خیال بھی نہیں جاتا' اس کے حاشیہ خیال میں بھی اس کا تصور بھی نہیں آیا ہوتا اور ایسے ایسے بندوں کا کان پکڑ کر علم اور اہل علم کی خدمت میں لگا دیا جاتا ہے جنہیں دنیا نے کبھی اس طرح کے کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوتا' یقیناً یہ اللہ کی قدرت کے سوا اور کچھ نہیں' جس میں ہمارے لیے یہ سبق پوشیدہ ہے۔

"ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر"

۲۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحبؒ کی "وحدانیات" میں سے ہے کیونکہ اس میں امام صاحبؒ اور نبی علیہ السلام کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے اور وہ ہے حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ کا' اس سے بڑھ کر کسی سند کو عالی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

[۳۱] اَبُو حَنِیْفَةَ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِیءٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا عَائِشَةُ لِیَکُنْ شِعَارُكِ الْعِلْمُ وَالْقُرْاٰنُ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا اے عائشہ! تمہارا شعار قرآن اور علم ہونا چاہیے۔

حل لغات: "لیکن" باب نصر سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے "یکن" ہو۔ "شعار" خاص علامت

تخریج حدیث: اخرجه الحارثی فی مسنده ۷۵۱.

مفہوم: ۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کائنات کی دوسری تمام عورتوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو تمام کھانوں پر "ثرید" کو حاصل ہوتی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں صراحۃً مروی ہے اور اس کی بنیادی وجہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وہ

فطری ذہانت، معاملہ فہمی اور بات کو اخذ کرنے کی صلاحیت ہے جو عورتوں میں بہت کم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ خواتین میں ان سے زیادہ کسی کے ذریعے دین اسلام کے احکام امت تک نہیں پہنچے اور وہ احادیث جو انہی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہیں راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق ان کی تعداد ۲۲۴۳ ہے بعض حضرات نے یہ تعداد ۲۲۱۰ بھی بیان کی ہے لیکن زیادہ صحیح وہی تعداد ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نو سال کی عمر میں جناب رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں ایک قابل قدر ہستی کے طور پر متعارف ہوئیں اور نو سال تک ہی نبی ﷺ کی رفاقت سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو علمی سانچے میں ڈھال لیا اس اعتبار سے نبی ﷺ کے انتقال کے وقت ان کی عمر مبارک صرف اٹھارہ سال تھی چونکہ یہ اصول ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات امت کے لیے ماں کا حکم رکھتی ہیں اس لیے نبی کے بعد ان کے لیے دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں۔

اب ظاہر ہے کہ زندگی کے باقی ماندہ ایام گزارنے اور اپنا غم غلط کرنے کے لیے بھی کوئی طریقہ ہونا چاہیے تاکہ ازواج مطہرات بھی گھروں میں بیٹھے بیٹھے اکتا نہ جائیں اس لیے نبی ﷺ نے پہلے ہی سے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کو باقی ماندہ زندگی کا مشن سونپتے ہوئے فرما دیا کہ عائشہ علم اور قرآن ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالینا اسی کی نشر و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھنا اور میری رفاقت میں رہ کر تم نے جو کچھ سیکھا ہے اپنی روحانی اولاد تک اس امانت کو پہنچانا اپنا فرض سمجھنا اور تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی ساری زندگی اسی کام کے لیے وقف کر کے نبی ﷺ کی اس وصیت کی تکمیل میں سرخرو اور کامیاب ہو گئیں اللہ کی ان گنت رحمتوں اور برکتوں کا ان پر نزول ہو۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي فَضْلِ اَهْلِ الذِّكْرِ

(۴۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ مَرَّ بِقَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى فَقَالَ اَنْتُمْ مِنَ الَّذِيْنَ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِيْ مَعَهُمْ وَمَا جَلَسَ عِدَّتُكُمْ مِنَ النَّاسِ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ۔

اہل ذکر کی فضیلت

ترجمہ: علی بن اقمر سے مرسلاً مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ایک جماعت پر گزر ہوا جو اللہ کے ذکر میں مشغول تھی نبی ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا تم ہی وہ لوگ ہو جن کے متعلق مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اپنے آپ کو ان کے ساتھ لگائے رکھوں اور تم جیسے لوگ جہاں بھی مجلس لگاتے ہیں اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں فرشتے انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں رحمت خداوندی انہیں اپنے سائے میں لے لیتی ہے اور اللہ ان کا ذکر اپنے پاس موجود ملاء اعلیٰ کے فرشتوں سے کرتا ہے۔

حَلِّ عِبَارَتْ: "مر" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی گزرنا "بقوم یذکرون" ترکیبی

اعتبار سے یہ دونوں موصوف صفت ہیں' "اصبر" باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی صبر کرنا "عدلکم" عین کے کسرہ کے ساتھ اس کا معنی مساوی اور برابر ہے' "حفتھم" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی گھیر لینا "باجنحتھا" جناح کی جمع ہے بمعنی بازو' "غشیتھم" باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ڈھانپ لینا۔

تخریج: اخرجہ البخاری ۶۴۰۸' والترمذی: ۳۳۷۸' وابن ماجہ: ۳۷۹۱۔

مسند پر بحث:۔ حدیث کی دیگر کتب میں تو یہ روایت "موصولاً" (سند متصل کے ساتھ) ذکر کی گئی ہے لیکن اس سند میں یہ روایت مرسل ہے کیونکہ اس سند میں امام صاحبؒ کے استاذ علی بن اقمر تابعی ہیں' صحابی نہیں اور وہ براہ راست نبی ﷺ سے روایت نقل کر رہے ہیں' معلوم ہوا کہ سند کے اعتبار سے یہ روایت مرسل ہے' تاہم امام صاحبؒ کے نزدیک اور دوسرے بہت سے متقدمین کے نزدیک بھی اس سے حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا بشرطیکہ راوی ثقہ ہو' جبکہ مرسل کی حجیت سے انکار سب سے پہلے امام شافعیؒ نے کیا تھا' ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ کا یہ انکار امام صاحبؒ کے خلاف کسی طرح حجت نہیں ہو سکتا۔

فائدہ:۔ اس حدیث سے "ذکر" کی فضیلت ثابت ہوتی ہے' جس سے بعض اوقات یہ طالب علمانہ اشکال ذہن میں پیدا ہونا مستبعد نہیں رہتا کہ امام صاحبؒ کا مقصد یہاں ایسی روایت کو ذکر کرنا ہے جس سے علم کی فضیلت ثابت ہوتی ہو' اور اس حدیث میں علم کی فضیلت نہیں' ذکر کی فضیلت بیان کی گئی ہے؟ اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں ذکر بول کر علم مراد ہے اور مجازاً ایسا کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں' بالخصوص جبکہ ان دونوں میں کوئی منافات بھی نہیں۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ امام صاحبؒ کی سند سے یہ روایت مختصراً منقول ہے' اس کی تفصیل حدیث کے بعض دوسرے طرق سے ہوتی ہے جن کے مطابق نبی ﷺ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو وہاں دو حلقے لگے ہوئے دیکھے' ایک حلقے کے لوگ ذکر و تلاوت میں مشغول تھے اور دوسرے حلقے کے لوگ علم و تحصیل علم میں مشغول تھے۔ نبی ﷺ نے دونوں کی تحسین فرمائی اور پھر تحصیل علم میں مشغول حلقے کے لوگوں کے پاس جا کر یہ کہتے ہوئے رونق افروز ہو گئے کہ مجھے بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس دوسرے طریق کو ملانے سے علم کی فضیلت بھی واضح ہو جاتی ہے اور ذاکرین کی اہمیت بھی برقرار رہتی ہے کہ اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا یہ لوگ مرکز ہوتے ہیں' اس نورانی مجلس کو فرشتے اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر فرماتے ہیں جس سے فرشتوں کی نگاہوں میں ان لوگوں کا مقام و مرتبہ بڑھ جاتا ہے اور فرشتوں کا ان سے محبت کرنا بعید نہیں رہتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَجْعَلُ اللّٰهُ حِكْمَتَهُ فِي قَلْبِهِ

(۱۳۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْمَعُ اللّٰهُ الْعُلَمَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَمْ اَجْعَلْ حِكْمَتِيْ فِيْ قُلُوْبِكُمْ اِلَّا وَاَنَا اُرِيْدُ بِكُمُ الْخَيْرَ اِذْهَبُوْا اِلَى الْجَنَّةِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ عَلٰى مَا كَانَ مِنْكُمْ۔

جس شخص کے دل میں اللہ اپنی حکمت ڈال دے اس کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء کو جمع کر کے فرمائے گا میں نے تمہارے دلوں میں اپنی حکمت کی باتیں صرف اسی لیے ڈالی تھیں کہ میں تمہارے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا تھا' جاؤ' جنت میں داخل ہو جاؤ' میں نے تمہارے گناہوں کو' جو تم پر بوجھ تھے' معاف کر دیا۔

حل لغات: "یجمع" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جمع کرنا "لم اجعل" باب فتح سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی بنانا "ارید" باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی ارادہ کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابوبکر بن ابی عاصم والاصبہانی والطبرانی وابن عساکر والحارثی فی مسندہ ۲۷۵۔

مفہوم: اس حدیث میں اہل علم کی ایک عجیب اور عظیم فضیلت ذکر کی گئی ہے' حقیقت یہ ہے کہ علم اللہ کی صفت ہے اور اسے حاصل کرنے والا صفت خداوندی کے حصول میں کوشاں ہوتا ہے اور "تخلقوا باخلاق اللہ" پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو زیور علم سے مزین کرتا ہے جس کا نتیجہ روز قیامت اس عظیم کرامت کی صورت میں ظاہر ہوگا جس کا زیر بحث حدیث میں ذکر ہوا ہے۔

تاہم یہاں دو چیزیں واضح کرنا اور بھی ضروری ہیں

۱۔ اس حدیث میں "فی قلوبکم" کا لفظ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بارگاہ خداوندی میں اس علم کا اعتبار ہے جو دل کی گہرائیوں میں اثر انداز ہو سکے' کیونکہ اسی سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور "تقویٰ" کا سبب نجات ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) لسانی علوم: یہ علوم اللہ کی طرف سے انسان پر حجت ہوتے ہیں۔

(ب) قلبی علوم: نفع بخش علوم درحقیقت یہی ہوتے ہیں۔

۲۔ اس پہلے نکتے سے اس سوال کا جواب بھی واضح ہو گیا جو بعض دیگر احادیث کو سامنے رکھنے سے پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ نے علماء کو جنت ہی کے لیے پیدا کیا ہے تو پھر سب سے پہلے جہنم میں داخل ہونے والے تین گروہوں میں علماء کا ایک گروہ

کیوں ہوگا؟ ظاہر ہے کہ علم جس کے دل کی گہرائیوں میں رچ بس جائے اسی کو حقیقی معنی میں "عالم" کہا جاسکتا ہے اور زیر بحث حدیث میں اسی کا تذکرہ ہے جبکہ "عالم" کا نام استعمال کرنے والے وہ افراد جو علم کی حقیقت سے ہی بے بہرہ ہوتے ہیں انہیں "عالم" کہنا انصاف کے منافی ہے اور مذکورہ بالا حدیث میں اسی کا تذکرہ ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں اہل علم کا ذکر ہے جبکہ سوال میں ذکر کردہ حدیث گروہ علماء سے متعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق گروہ قراء سے ہے جو نام ونمود اور ریاء وشہرت کی خاطر عوامی محفلوں میں قرآن کریم کی تلاوت جیسے عظیم مقصد کو استعمال کرتے ہیں لیکن اگر اس کے عموم میں "علماء" کو بھی شامل کرلیا جائے تو پھر اس کا جواب وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ تَغْلِيْظِ الْكَذِبِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُتَعَمِّدًا

(٣٧) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا أَوْ قَالَ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف قصداً جھوٹی بات کی نسبت کرنے پر سخت وعید کا بیان

ترجمہ: حضرت صدیق اکبرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے اور کوئی بات کہے جو میں نے نہیں کہی تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

فائدہ: چونکہ کئی احادیث مبارکہ کا مضمون بھی یہی ہے اس لیے ان پر بحث کرنے سے پہلے ان کا ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے۔

(٣٨) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَرَوَاهُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِيْ رُؤْبَةَ شَدَّادِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے اسے جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لینا چاہیے۔

(٣٩) شَدَّادٌ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ قَالَ عَطِيَّةُ وَأَشْهَدُ أَنِّيْ لَمْ أَكْذِبْ عَلٰى أَبِيْ سَعِيْدٍ وَأَنَّ أَبَا سَعِيْدٍ لَمْ يَكْذِبْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے ہی ایک دوسری سند کے ساتھ یہی روایت مذکور ہے جس کے آخر میں ہے کہ راوی عطیہ کہتے ہیں کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ پر جھوٹ نہیں باندھ رہا اور حضرت ابوسعید خدریؓ نے نبی ﷺ پر جھوٹ نہیں باندھا (یعنی یہ روایت صحیح اور سچی ہے)

[۱۰۰] اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: یہ روایت بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور اس کا ترجمہ بھی حسب سابق ہے۔

حل عبارت: "کذب" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جھوٹ بولنا۔ "متعمدا" باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی جان بوجھ کر کوئی کام کرنا' ترکیبی اعتبار سے یہ "کذب" کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے "فلیتبوأ" باب تفعل سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تیار کرنا' بنالینا "مقعد" اس کی جمع "مقاعد" آتی ہے بمعنی بیٹھنے کی جگہ۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ۱۱۰' وابوداؤد: ۳۶۵۱' والترمذي: ۲۶۵۹' وابن ماجه: ۳۰' واحمد والدارمي وغيرهم

مفہوم: ا۔ متعدد طرق کو دیکھ کر محدثین نے اس حدیث کے خبر متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے' کیونکہ بعض محققین کی تحقیق کے مطابق اس حدیث کو ساٹھ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبی ﷺ سے نقل کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں' جبکہ بعض محققین کی تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث کو نبی ﷺ سے کم از کم دو سو صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔

۲۔ اس مضمون کی جتنی روایات کا ترجمہ اوپر گزرا' بنیادی طور پر ان میں نقل حدیث کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ حدیث نقل کرتے ہوئے اس بات کا مکمل اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ آیا واقعۃً نبی ﷺ نے یہ بات ارشاد بھی فرمائی ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم دانستہ یا نادانستہ طور پر ایک ایسی بات کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کر رہے ہوں جو نبی ﷺ سے ثابت ہی نہیں؟

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے خطباء' علماء اور واعظین بغیر تحقیق کے "حدیث کے نام" پر بہت سی ایسی باتیں بیان کر دیتے ہیں جن پر محدثین نے موضوع ہونے تک کا حکم لگایا ہوتا ہے' پھر جب ان سے کوئی اس حدیث کا حوالہ پوچھ لے تو وہ بغلیں جھانکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک بڑے عالم نے دوران گفتگو یہ حدیث سنائی کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے

سؤر المومن فيه شفاء

ان کی گفتگو مکمل ہونے کے بعد میں نے ان سے انتہائی ادب سے اس کا حوالہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ حوالہ تو مجھے اس کا معلوم نہیں' تم بھی تلاش کرو' میں بھی تلاش کرتا ہوں' وہ دن اور آج کا دن' مجھے آج تک اس حدیث کا حوالہ نہیں مل سکا اور ملا بھی کیونکر؟ کہ ملا علی قاری نے تو اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے' مزید تحقیق کے لیے راقم الحروف کی کتاب "موضوع روایات" میں دیکھیے۔

اس مسئلے کے دو حل ہیں۔

۱۔ علماء خطباء اور واعظین گفتگو سے پہلے گفتگو کی تیاری کریں اور متعلقہ احادیث مبارکہ کی" جو وہ اپنی گفتگو میں ذکر کر سکتے ہیں" تخریج کو اپنے ذہن میں مستحضر رکھیں اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ ہماری گفتگو میں وزن پیدا ہو جائے گا اور دوسرا یہ کہ ہم اپنی بات مکمل اعتماد اور مضبوطی سے اپنے مخاطبین کے سامنے پیش کر سکیں گے گو کہ ہمارے یہاں "تقریر" کی اس طرح تیاری کرنے کا رواج نہیں ہے اور اسی وجہ سے ہماری یہ بات بہت سے احباب کے لیے اچنبھے کی تجویز ہوگی لیکن بہرحال! یہ ایک مثبت قدم ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر ہم نے اس بات کو ضروری ذکر کرنا ہو تو اسے "حدیث" کے حوالے سے ذکر کرنے کی بجائے جنرل گفتگو کے طور پر ذکر کر دیا جائے' نبی ﷺ کی طرف اسے منسوب نہ کیا جائے' بلکہ صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ بعض کتابوں میں یہ بات بھی نظر سے گزری ہے' یا اس طرح کا کوئی اور جملہ اختیار کر کے بات بھی کہہ دی جائے اور نبی ﷺ کی طرف اسے منسوب کرنے سے بھی اپنے آپ کو بچا لیا جائے۔

اس سلسلے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ائمہ حدیث کی احتیاط قرار تحسین کے قابل ہے اور امت کے لیے بہترین نمونے کی حیثیت رکھتی ہے اسی احتیاط کی بناء پر بہت سے وہ صحابہ کرامؓ جنہیں دوسرے صحابہ کرامؓ کی نسبت سفر و حضر میں نبی ﷺ کی ہم نشینی و رفاقت کا شرف زیادہ حاصل ہے' کثرت کے ساتھ روایات نقل کرتے ہوئے نہیں ملتے' ذخیرۂ حدیث میں ان کی مرویات کی تعداد بہت کم ملتی ہیں جس کی وجہ سوائے احتیاط کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتی۔

۳۔ اس حدیث میں "فلیتبوا" کا جو لفظ آیا ہے' محدثین نے اس کے دو معنی بیان فرمائے ہیں۔

(الف) لفظاً تو یہ انشاء ہے کیونکہ امر کا صیغہ ہے لیکن معنی اخبار ہے یعنی نبی ﷺ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ میری طرف جان بوجھ کر کسی ایسی بات کو منسوب کرنے والا شخص' جو میں نے نہیں کہی' خبردار رہے کہ میں شب معراج اس کا ٹھکانہ جہنم میں دیکھ کر آیا ہوں۔

(ب) لفظاً تو یہ انشاء ہے لیکن معنی بددعاء ہے کہ اے اللہ! تو اس کا ٹھکانہ جہنم میں بنا دے' غور طلب بات یہ ہے کہ احادیث مبارکہ کی نشر و اشاعت پر نبی ﷺ نے جیسی عظیم دعا فرمائی تھی۔

نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا واداھا کما سمعھا۔

اس کے غلط استعمال پر اتنی ہی تہدیدی وعید بھی ارشاد فرمائی' تاکہ توازن برقرار رہ سکے۔

کیونکہ حدیث نبی ﷺ کے اقوال اور افعال و احوال کا نام ہے جن کے ذریعے دینی معاملات میں حجت پکڑی جاتی ہے' اب اگر کوئی شخص کسی دینی مسئلہ میں نبی ﷺ کی طرف غلط طور پر کوئی بات منسوب کرتا ہے تو وہ درحقیقت دین میں اضافہ کا سبب بنتا ہے' حالانکہ دین تو نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں مکمل کر دیا گیا تھا۔

۴۔ اس حدیث کے پیش نظر محدثین کرام نے موضوع اور غیر موضوع روایات میں امتیاز پیدا کرنے کے لیے بڑی محنت اور مشقت برداشت فرمائی، علم حدیث کی حفاظت کے لیے باقاعدہ ایک علم وضع کیا گیا جس کا نام "علم اسماء الرجال" ہے کھرے اور کھوٹے کے اس امتیاز میں انہیں جلتے بھی نتنے پڑے، اپنے گھربار سے بے گھر ہوکر رہنا پڑا اور مشکلات بھی جھیلنا پڑیں، کسی نے انہیں قید کرنے کا عندیہ دیا، کسی نے ان کے گھروں کو آگ لگا دی اور کسی نے انہیں ذہنی و جسمانی اذیتوں میں مبتلا کیا، لیکن ان کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہیں آئی، وہ جس راوی کے متعلق شرح صدر کے ساتھ یہ یقین رکھتے تھے کہ یہ جھوٹا ہے اور جھوٹی حدیثیں گھڑتا ہے انہوں نے برملا اس پر بے لاگ تنقید کی جسے سن کر متعلقہ راوی نے اپنی عزت بچانے کے لیے انہیں جانی و مالی نقصان پہنچایا۔

ان ناگفتہ بہ حالات میں محدثین کرام نے علم حدیث کے گرد حفاظتی دیوار کھڑی کی اور اپنے خون پسینے سے اس کی آبیاری کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہر حدیث کے بارے میں یہ تفصیلات موجود ہیں کہ یہ صحیح ہے یا ضعیف؟ موضوع ہے یا اس کی اصل موجود ہے؟ اللہ تعالیٰ محدثین کی ان عظیم کاوشوں پر پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور بیان حدیث میں ہمیں بھی ان جیسی احتیاط قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کتاب الطہارۃ
طہارت کا بیان

بَابُ مَا يُنْهٰى عَنِ الْبَوْلِ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ

(۴۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ۔

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی سے وضو کرے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس سے ملتا جلتا ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں ملاحظہ فرمالیں۔

(۴۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ الصَّوَّافِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُبَالَ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يُغْتَسَلَ مِنْهُ اَوْ يُتَوَضَّأَ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے کہ بعد میں اس سے غسل یا وضو کرے۔

حل عبارات: "لا یبولن" باب نصر سے نہی معروف بانون ثقیلہ کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پیشاب کرنا "الدائم" ٹھہرا ہوا بعض روایات میں اس کی جگہ "راکد" کا لفظ آیا ہے لیکن دونوں کی مراد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ "یتوضا" باب تفعل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وضو کرنا۔

تخریج حدیث: أخرجه ابن ماجه: ٣٠٤، والنسائي: ٥٧، ومسلم: ٦٥٦ (٢٨١)، وأبوداؤد: ٦٩، والترمذي: ٦٨، والبخاري: ٢٣٩.

مفہوم: ۱۔ اس حدیث مبارکہ میں حضور نبی کریم سرور دو عالم ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے اور پھر اس سے وضو یا غسل کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اگر اس میں پیشاب کیا جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اس ناپاک پانی کی چھینٹیں پیشاب کرنے والے کے جسم اور کپڑوں کو بھی ناپاک کر دیں گی اور یوں بھی پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنے کو نبی ﷺ نے عذاب قبر کا سبب قرار دیا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں اس کی تصریح موجود ہے' ظاہر ہے کہ جب وہ پانی ناپاک ہو گیا تو اب اس سے وضو یا غسل کرنا بھی ممکن نہیں ہو گا۔

گویا ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کا سب سے بڑا نقصان تو یہ ہوا کہ اس سے جسم اور کپڑے ناپاک ہونے کے ساتھ ساتھ عذاب قبر کا بھی اندیشہ پیدا ہو گیا اور دوسرا نقصان یہ ہوا کہ اگر وہ اس پانی میں پیشاب نہ کرتا اور وہ پانی پاک صاف ہوتا تو اس سے وضو یا غسل کیا جا سکتا تھا لیکن اب ایسا کرنا ممکن نہیں رہا۔

اگر اہل عرب کے اس ماحول اور ان حالات کو مدنظر رکھ لیا جائے جو اس وقت سب ہی کو درپیش تھے تو عورت ذہنوں میں پیدا ہونے والا یہ سوال خود بخود ختم ہو جائے گا کہ اس پانی کو استعمال کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عرب پانی کی قلت کا اپنے ابتدائی دور میں بہت زیادہ شکار تھا' پورے پورے شہر میں پینے کے پانی کا صرف ایک کنواں ہوا کرتا تھا' دیگر ضروریات کی تکمیل انتہائی تنگی سے ہوا کرتی تھی' اس لیے پانی کا ایک ایک قطرہ بڑی احتیاط سے خرچ کرنا پڑتا تھا' ایسے میں اگر پانی کی کچھ مقدار کو پیشاب کر کے ضائع کر دیا جائے تو اس کی یقیناً روک تھام کی ضرورت تھی۔

۲۔ فقہاء کرام نے اس حدیث کے تحت یہ بحث بھی چھیڑی ہے کہ پانی کی وہ کتنی مقدار ہے کہ اگر اس میں پیشاب یا کوئی اور نجاست مل جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے اور کتنی مقدار ایسی ہے جس میں پیشاب وغیرہ ملنے سے ناپاکی کا حکم نہیں لگایا جا سکتا؟ بالفاظ دیگر ماء قلیل اور ماء کثیر کا تعین کس طرح ہو گا؟ کیونکہ اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ ماء قلیل نجاست سے بالاتفاق ناپاک ہو جاتا ہے اور ماء کثیر ناپاک نہیں ہوتا' لیکن اس کی مقدار میں اختلاف ہے' چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک قلتین (دو

مٹکوں) کی مقدار سے کم پانی ماء قلیل ہے اور اس کے برابر یا اس سے زیادہ ماء کثیر کے حکم میں ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک وہ پانی ماءِ قلیل کے حکم میں ہے جس میں نجاست گرنے سے اس کے اوصاف ثلاثہ (رنگ، بو اور مزہ) میں سے کوئی ایک وصف تبدیل ہو جائے ورنہ وہ کثیر کے حکم میں ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے مطابق ماءِ کثیر کا اطلاق اس مقدار پر ہوتا ہے کہ اگر اس پانی کو ایک طرف سے حرکت دی جائے تو اس کے دوسرے کنارے میں حرکت اور ہلچل پیدا نہ ہو جس کی تعیین متاخرین نے دہ دردہ سے کی ہے، اس سے کم مقدار پر ماءِ کثیر کا اطلاق نہیں ہو سکتا بلکہ اسے "ماء قلیل" کہا جائے گا جو نجاست گرنے سے ناپاک ہو جائے گا۔

تحقیقی نظر سے اگر دیکھا جائے تو امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مذہب سہولت پر مبنی ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا مذہب احتیاط پر مبنی ہے اور ظاہر ہے کہ دینی معاملات میں احتیاط ہی زیادہ بہتر ہوتی ہے، اس لیے جہاں دہ دردہ سے کم پانی میں نجاست گر جائے اور اس کے علاوہ دوسرا پانی مل سکتا ہو تو امام صاحبؒ کے مذہب پر ہی عمل کرنا چاہیے اور اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا پانی موجود نہ ہو اور اس پانی کے اوصاف ثلاثہ بھی تبدیل نہ ہوئے ہوں تو امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کر کے وضو اور نماز کر لینے والے کو گناہگار یا حرام کا مرتکب نہیں سمجھا جائے گا۔

باقی تفصیلی دلائل کے لیے مطولات کی طرف رجوع کیجیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ سُؤْرِ الْهِرَّةِ

(۴۴) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّأَ ذَاتَ یَوْمٍ فَجَاءَتِ الْهِرَّةُ فَشَرِبَتْ مِنَ الْاِنَاءِ فَتَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْهُ وَرَشَّ مَا بَقِیَ۔

بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی ﷺ وضو فرما رہے تھے کہ ایک بلی آئی اور اس برتن سے پانی پینے لگی جب وہ بلی پانی پی چکی تو نبی ﷺ نے اسی سے وضو مکمل فرمایا اور باقیماندہ پانی چھڑک دیا۔

حل لغات: "توضأ" مجازًا اس سے ارادۂ وضو مراد ہے "ذات یوم" اس میں "ذات" کا لفظ زائد ہے "الھرۃ" بمعنی بلی اس کی تصغیر "ھریرۃ" ہے جس کی طرف حضرت ابوہریرہؓ کی نسبت کی جاتی ہے۔ "فشربت" باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پینا "رش" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھڑکنا "بقی" باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی باقی رہنا۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاري في ... وأبو داود: ٧٦، والترمذي: ٩٢، والنسائي: ٦٨، وابن ماجه: ٣٦٧۔

مفہوم: بعض روایات میں "بلی" کو "سباع" (درندہ) قرار دیا گیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا جھوٹا ناقابل

استعمال قرار پائے لیکن جب دوسری روایات کو سامنے رکھا جاتا ہے تو فوراً نبی ﷺ نے انہیں بار بار گھروں میں آنے والا قرار دیا ہے' اب اگر ان کا جھوٹا ناپاک قرار دے دیا جائے تو لوگ پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے' اس لیے شرعی طور پر یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں اور نبی ﷺ نے یہ فرما دیا۔

انها ليست بنجس

اور اسی اصول کے پیش نظر زیر بحث واقعہ میں نبی ﷺ نے بلی کو برتن میں منہ ڈال کر پانی پینے سے نہیں روکا' بلکہ اسے پانی پینے دیا' اس کے بعد اسی پانی سے وضو فرما لیا' کیونکہ اسے استعمال نہ کرنے میں حرج ہے اور قرآنی فیصلہ ہے۔

ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج

الغرض! یہ بات تو واضح ہے کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے' تاہم اگر اس کی جگہ دوسرا پانی موجود ہو تو اس دوسرے پانی سے وضو کر لینا زیادہ بہتر ہے' کیونکہ اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ نبی ﷺ نے وضو کے بعد بچا ہوا پانی زمین پر چھڑک دیا' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے بیان جواز کے لیے بلی کے جھوٹے پانی سے وضو فرمایا تھا' بیان وجوب کے لیے نہیں کہ بلی کے جھوٹے سے ہی وضو کرنا واجب ہے' ورنہ وضو نہ ہوگا' ظاہر ہے کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَبُولُ قَائِمًا

(١٥٥) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَبُولُ عَلَى سُبَاطَةِ قَوْمٍ قَائِمًا۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو لوگوں کے کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ پر کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حلِ عبارت: "یبول" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی پیشاب کرنا' ترکیبی اعتبار سے یہ مفعول کی حالت کا بیان ہے' "سباطة" سین کے ضمہ کے ساتھ' بمعنی کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٢٢٤' و مسلم: ٦٢٤ (٢٧٣)' و ابوداؤد: ٢٣' والترمذی: ١٣' والنسائی: ٢٦' وابن ماجه: ٣٠٥۔

مفہوم: کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے جواز اور عدم جواز میں تو فقہاء کرام کے درمیان دو رائیں نہیں ہیں بلکہ سب ہی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے' لیکن اس سلسلے کی احادیث میں سطحی نظر

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری مختصرا: ۲۱۱ و مسلم: ۷۹۸ و ابو داؤد: ۱۹۶ والترمذی: ۸۹ والنسائی: ۱۷۸ وابن ماجہ: ۴۹۸

مفہوم: اس حدیث سے فقہاء کرام نے ایک ضابطہ مستنبط کیا ہے جس کا تعلق کھانے اور پینے کی ہر چیز سے ہے اور وہ یہ کہ کھانے پینے کی کسی بھی چیز کو استعمال کرنے سے انسان کا وہ وضو جو اس نے پہلے سے کر رکھا ہو نہیں ٹوٹتا' اور اس ضابطے میں فقہاء کرام نے یہ قید بھی ختم کر دی ہے کہ کھانے یا پینے کی وہ چیز خواہ آگ پر پکائی گئی ہو یا اسے پکانے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسے پکائے بغیر بھی استعمال کیا جا سکتا ہو۔

یہ بات کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا کہ جو چیز آگ پر پکائی جاتی ہو اسے کھانے کے بعد وضو کرنا ضروری ہے پھر ایک وقت آیا کہ یہ حکم اونٹ کے گوشت تک محدود ہو گیا اور بالآخر یہ حکم بھی ختم ہو گیا' مختلف حضرات نے اس کی اپنے اپنے ذوق کے مطابق توجیہات کی ہیں لیکن قدر مشترک بات یہ ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز جب انسان کے معدہ میں پہنچتی ہے تو وہ اپنا اثر چھوڑتی ہے اور انسان کے ذہن میں خرمستیاں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں' اب اگر وہ ایسے تصورات سے کر نماز کے لیے کھڑا ہو جائے تو اس کی توجہ نماز سے ہٹ کر دوسرے امور کی طرف ہو جائے اس لیے اس کے علاج کے طور پر یہ حکم تجویز فرمایا گیا کہ وضو کر لیا جائے تاکہ اس کے اثرات کسی حد تک زائل ہو جائیں۔

پھر چونکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ روزانہ سے چھٹکارا پانا انسانی طاقت سے باہر ہے اس لیے بعد میں اس حکم کی شدت کو ختم کر دیا گیا' تاہم اگر اب بھی کوئی شخص وضو کر لے تو اس میں کوئی حرج والی بات نہیں اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کر لیا جائے' لیکن اگر کسی شخص کو اپنے وضو کے باقی رہنے کا یقین ہو تو اسی وضو سے نماز پڑھ لینا تو اب بھی کسی گناہ کا سبب بننے کی بجائے مستقل وضو کی حالت میں رہنے کے ثواب کا سبب بنے گا۔ ان شاء اللہ

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَا مَسَّتْهُ النَّارُ

۱۱۷۔ اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ مَرَقًا بِلَحْمٍ ثُمَّ صَلّٰى۔

آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کا حکم

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے شوربے میں پکا ہوا گوشت تناول فرمایا اس کے بعد جدید وضو کیے بغیر ہی نماز پڑھ لی۔

حل عبارت: "مرقا" شوربا "لحم" گوشت "صلی" باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے

مسواک کی تاکید کا بیان

ترجمہ: حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ چند صحابہ کرام نبی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے نبی علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر فرمایا کیا بات ہے؟ میں تمہارے دانت پیلے زرد کیوں دیکھ رہا ہوں؟ مسواک کیا کرو، اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ حکم میری امت کو مشقت میں مبتلا کر دے گا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ اسی مضمون کی دوسری روایت میں وضو کے وقت مسواک کا حکم دینے کا ذکر ہے۔

حل عبارات: "اراکم" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی دیکھنا "قلحا" ق کے ضمہ کے ساتھ "قالح" کی جمع ہے بمعنی دانتوں کی زردی اور میلا پن "استاکوا" باب افتعال سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی مسواک کرنا "اشق" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی گراں گزرنا، مشقت و تکلیف والا ہونا "لامرتهم" لام ابتدائیہ برائے تاکید ہے اور صیغہ واحد متکلم بحث فعل ماضی معروف از باب نصر ہے بمعنی حکم کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری تعلیقا فی باب سواك الرطب واليابس للصائم، ومسلم: ۵۸۹ (۲۵۲)، وابوداؤد: [illegible] والنسائی: ۷، وابن ماجه: ۲۸۷، ومالك في الموطا ص ۶۶، واحمد: ۱۱۷۵۱۔

مفہوم: اس حدیث میں فقہاء کرام کی دلچسپی کا لفظ "عند کل وضوء" اور "عند کل صلوٰۃ" ہے کیونکہ اگر پہلا لفظ صحت کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اس میں ہر مرتبہ وضو کرتے وقت مسواک کرنے کی ترغیب کا بیان ہوگا اور اگر دوسرا لفظ صحت کے ساتھ پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے تو اس میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت "خواہ نمازی صف میں کھڑا ہوا ہی کیوں نہ ہو اور اقامت ہی کیوں نہ کہی جا رہی ہو" مسواک کرنے کی ترغیب کا بیان ہوگا۔

قول اول جن فقہاء نے اختیار کیا انہوں نے مسواک کو وضو کی سنت قرار دیا ہے اور جن فقہاء نے قول ثانی کو اختیار کیا انہوں نے مسواک کو نماز کی سنت قرار دیا، قول اول کے فقہاء نے اپنی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اگر مسواک کو نماز کی سنت قرار دیا جائے اور لوگ صف میں کھڑے ہو کر مسواک کرنے لگے تو کمزور مسوڑھوں والے افراد کے مسوڑھوں سے خون نکل آئے گا یوں ان کا وضو ٹوٹ جائے گا اور وہ صفیں چیرتے ہوئے پیچھے واپس آنے کی جدوجہد کریں گے اور نماز میں کھڑے ہوئے کچھ لوگ انہیں صلواتیں سنائیں گے کہ اگر تم نے پیچھے ہی آنا تھا تو آگے بڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ بات تو تکرار سے لڑائی جھگڑے تک بھی پہنچ سکتی ہے اس لیے مسواک کو نماز کی سنت قرار نہیں دینا چاہیے۔

لیکن قول ثانی اختیار کرنے والے فقہاء اس خدشہ کو صحیح تسلیم نہیں کرتے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ مسواک کرنے کی وجہ سے مسوڑھوں سے خون بہت کم نکلتا ہے اور اگر کسی شخص کے مسوڑھے کمزور ہوں اور ان میں سے خون نکلنے کا اندیشہ ہو تو یہ اندیشہ وضو کے دوران بھی تو پیش آ سکتا ہے اور وہاں تو لڑائی جھگڑے کا امکان غالب ہے اس لیے کہ جس سے

مسوڑھوں سے خون نکل رہا ہے وہ اس وقت تک وہاں سے نہیں اٹھے گا جب تک اس کا خون بند نہ ہو جائے اور وہ وضو نہ کر لے اور دوسرے نمازی اسے اٹھانے کے لیے زور لگائیں گے یوں لڑائی جھگڑے کا اندیشہ تو اس صورت میں بھی پایا گیا اس لیے اس بنیاد پر کسی قول کو ترجیح نہیں دی جا سکتی' تاہم ہماری رائے میں احتیاط اسی میں ہے کہ خود تو انسان وضو کے وقت مسواک کرے' کسی دوسرے کو صف میں کھڑے ہو کر مسواک کرتے دیکھے تو اسے نہ ٹوکے بلکہ حال میں ایک آدھ مرتبہ خود بھی سنت سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کر لے تاکہ حدیث کے دونوں لفظوں پر عمل ہو جائے۔

۲۔ اس حدیث میں ہماری دلچسپی کا مرکز تین باتیں ہیں۔

(الف) اس حدیث سے نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ کی اس بے پایاں شفقت اور مہربانی کا اظہار ہوتا ہے جو انہیں اپنی امت کے ہر ہر فرد سے تھی' کیونکہ ان کی شفقت کے دائرہ میں صرف امراء طاقتور اور قریبی لوگ نہیں ہوتے تھے ان کی شفقت کا دائرہ پوری امت کے غرباء اور کمزوروں تک وسیع تھا اور ہر ایک اس دسترخوان رحم و کرم سے اس وقت سے لے کر آج تک فائدہ اٹھا رہا ہے اور قیامت تک اٹھاتا رہے گا۔

ذرا سوچئے! کہ ہم کمزوروں پر کیا یہ کم شفقت ہے کہ نماز تراویح کو فرض قرار نہیں دیا' مسواک کی فرضیت کا حکم نافذ نہیں کیا اور تہجد کی فرضیت منسوخ فرما دی' اگر ان میں سے کوئی ایک چیز بھی امت پر فرض ہو جاتی تو کیا امت کے ہر فرد میں اس حکم کو پورا کرنے کی طاقت تھی؟ یقیناً نہیں اور یہ اسی شفقت و مہربانی کا ثمرہ ہے جو آج ہم جیسے بہت سے مسلمان جھٹ پٹ وضو کر کے نماز میں شامل ہو جاتے ہیں۔

(ب) دور جدید نے مسلمانوں کے سامنے بڑی خوشنما اور دلفریب شکلوں میں بہت سی چیزیں پیش کر کے بہت سی سنتوں سے محروم کرنے کے اسباب وافر مقدار میں پیدا کر دیے ہیں' چنانچہ اس مسواک کو لے لیجئے کہ اب اس کی جگہ ٹوتھ پیسٹ نے لے لی ہے اور کہا یہ جانے لگا ہے کہ لکڑی کی یہ ڈنڈی کیا کر سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ بات پڑھے لکھے جاہل افراد میں سے بھی وہ کر سکتے ہیں جو جدید سائنس سے واقف نہ ہوں' ورنہ اب تو سائنس بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ مسواک کے فائدے کسی ٹوتھ پیسٹ سے حاصل نہیں کیے جا سکتے اور میں تو اتنی بات جانتا ہوں کہ ہوری مسواک کی یہ ڈنڈی چاہے کچھ اور کرے یا نہ کرے' لیکن اتنا ضرور کرے گی کہ ہمیں اپنے پروردگار کی رضا مندی کا پروانہ دلوا دے گی۔ اس عظیم الشان فائدے کے مقابلے میں دنیا کا کوئی ٹوتھ برش اس کا کروڑواں حصہ بھی فائدہ دینے کی طاقت نہیں رکھتا' یہی وجہ ہے کہ ٹوتھ برش خراب ہونے کے بعد پاؤں میں روندا جاتا ہے اور مسواک کا استعمال مکمل ہونے کے بعد اسے کسی اونچی جگہ پر رکھا جاتا ہے' اسے سر راہ پھینکنے سے گریز کیا جاتا ہے' اسے کوڑا کرکٹ کے لفافوں اور جگہوں میں پھینکنے سے احتیاط کی جاتی ہے۔

تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہ سمجھا جائے کہ ہم ٹوتھ پیسٹ کو حرام قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں' کیونکہ حرام تو بڑی دور کی بات ہے' ہمیں تو بغیر دلیل کے کسی چیز کو مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہوئے بھی خوف آتا ہے' البتہ یہ کہنا ہم اپنا حق

سمجھتے ہیں کہ اگر ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنے کا وقت اور موقع آئے تو اس کے بعد سنت کی نیت سے اپنے دانتوں پر مسواک بھی پھیر لینی چاہئے پہلے مسواک کرنے اور بعد میں پیسٹ کرنے میں منہ کو کالا سمجھنے کا وہم پیدا ہوتا ہے کہ لہٰذا اس سے احتیاط ضروری ہے۔

(ج) مسواک کی فضیلت سے متعلق بے شمار طرق سے متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں چنانچہ مسند اعظم کے شارح مولانا محمد حسن سنبھلی نے حاشیہ میں اس کے اسّی طرق کی نشاندہی فرمائی ہے جبکہ یہاں ہم ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کر کے اگلی حدیث کی طرف متوجہ ہوں گے۔ انشاء اللہ

۱۔ حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ مسواک منہ کی پاکیزگی اور اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ (نسائی، احمد، ابن حبان)

۲۔ ایک حدیث میں مسواک کو پیغمبروں کی سنت اور ایک حدیث میں امور فطرت میں سے قرار دیا گیا ہے۔ (ترمذی، نسائی)

۳۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے اتنی کثرت سے مسواک کرنے کی تاکید کی ہے کہ مجھے اپنے مسوڑھے چھل جانے کا خوف پیدا ہو گیا۔ (طبرانی، بیہقی)

۴۔ حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ مسواک کر کے پڑھی جانے والی نماز کو بغیر مسواک کے پڑھی جانے والی نماز پر ستر درجہ فضیلت حاصل ہے۔ (احمد، ابن خزیمہ، حاکم، دارقطنی)

۵۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی مسواک آپ کے کان مبارک پر کاتب کے قلم کی طرح رکھی رہتی تھی (طبرانی) اور اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ کی بھی یہی عادت پختہ ہو گئی تھی۔ (خطیب)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُضُوءِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا

(۱۱۹) حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّهُ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَتَمَضْمَضَ ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَغَسَلَ قَدَمَيْهِ وَقَالَ هَذَا وُضُوءُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔

وضو میں اعضاء کو تین تین بار دھونا

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰؓ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اس طرح وضو فرمایا کہ پہلے اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا پھر تین مرتبہ کلی کی تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا تین مرتبہ چہرے کو دھویا تین مرتبہ ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے سر کا مسح کیا اور اپنے پاؤں کو دھویا اس کے بعد فرمایا کہ یہ ہے جناب رسول اللہ ﷺ کا وضو۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یکجا کیا جا رہا ہے تاکہ دونوں کی وضاحت ایک ہی مرتبہ ہو جائے۔

ہے؟

البتہ یہ بات بھی ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک بڑی تعداد سے "جن میں حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابہ کرام شامل ہیں" مسح راس تین مرتبہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس سلسلے میں امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ گرچہ حضرت عثمان غنیؓ سے تکرار مسح کی روایات اچھی اسناد سے منقول ہیں لیکن وہ روایات حفاظ حدیث کی روایات کے خلاف ہیں، اس لیے وہ اہل علم کے نزدیک حجت نہیں اور اس کا واضح ثبوت ہے جو ہم عنقریب ذکر کر چکے۔

اس لیے جو حضرات تین مرتبہ مسح راس والی روایت نقل کرنے میں امام صاحب کو غلطی پر ٹھہراتے ہیں یا انہیں وہم ہوگیا بلکہ درحقیقت وہ خود غلطی پر ہیں، چنانچہ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ سے اس حدیث میں ایک فحش ترین غلطی ہوئی ہے جسے تمام محدثین نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے اس حدیث کو مندرجہ ذیل سند سے نقل کیا ہے۔

عن مالك بن عرفطة عن عبد خير عن علي۔

اس سند میں انہوں نے دو ناموں میں تصحیف کی ہے چنانچہ انہوں نے "خالد" کی جگہ "مالک" کہہ دیا اور "علقمہ" کی جگہ "عرفطہ" کہہ دیا، اگر یہ غلطی امام ابوحنیفہؒ سے سرزد ہوئی ہوتی تو یہی لوگ انہیں جہالت اور قلت معرفت کے طعنے دیتے اور نہیں تو دین کے دائرے سے ہی نکال دیتے، حالانکہ یہ تقویٰ کی کمی اور خواہشات کی پیروی والی بات ہے۔

حل لغات: "کفیہ" کف کی تثنیہ ہے جس کا معنی ہتھیلی ہے "لفا" اپنے سے ماقبل فعل کے لیے ہر جگہ تمیز واقع ہو رہا ہے "ذراعیہ" ذراع کی تثنیہ ہے جس کو اردو میں قریب قریب مفہوم "بازو" کا لفظ ادا کرتا ہے "دعا" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی منگوانا "الیمنی" ید کی صفت ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے کیونکہ ید مؤنث ہے "اکفا" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی انڈیلنا "ملا" باب فتح سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بھرنا "المرافق" مرفق کی جمع ہے بمعنی کہنی "غرف" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چلو بھرنا "مس" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھونا "طہور" طا کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے بمعنی وضو لیکن وضو کے متعلق اگر واؤ کے زبر سے پڑھا جائے تو اس کا معنی وہ پانی ہوگا جس سے انسان وضو کرتا ہے اور اگر واؤ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو اس سے وضو کا عمل مراد ہوگا "قال عبداللہ" میں قال فعل ہے اور "عبداللہ بن محمد بن یعقوب" اجمالی "من روی عن ابی حنیفة" اس کی تفصیل "فی هذا الحديث قال" کے بیچ متعلق اجمال اور تفصیل مل کر قال کے لیے فاعل ہے، یاد رہے کہ یہاں سے آخر تک کی عبارت امام صاحب کی نہیں بلکہ ایک حنفی فقیہ "جنہوں نے امام صاحبؒ سے اس کتاب کو بالواسطہ نقل کیا ہے اور ان کا نام عبداللہ بن محمد بن یعقوب ہے" کی عبارت ہے۔

"یطوفھا" سر کا اگلا حصہ "لم یبلغن" باب مفاعلہ سے نفی حجد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جدا کرنا "یکوطھا" سے "صحف" باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تصحیف کرنا' یہ اصول حدیث کی ایک اصطلاح ہے جس کا تعارف محدثین کے یہاں اس قسم کی غلطی سے کیا جاتا ہے کہ راوی حدیث سند حدیث کے ناموں میں غلطی کر بیٹھے مثلاً باپ اور بیٹے کا نام بدل دے "السبوہ" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی منسوب کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري منها: ۱۵۹' ومسلم: ۵۳۸ (۲۲۶)' وابوداؤد: ۱۰۶' والترمذي: ۴۸' والنسائي: ۸۴' وابن ماجه ۴۱۲' والطحاوي: ۱۱۳' والطيالسي: ۸۱

مفہوم: اس حدیث سے فقہاء کرام نے متعدد مسائل مستنبط فرمائے ہیں جن میں سے چند ایک کی تفصیل یہاں بیان کر کے شرح حدیث کے حوالے سے بھی ہم کچھ عرض کرنا چاہیں گے۔

۱۔ اس بات پر تو تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ مضمضہ اور استنشاق میں تین کا عدد مسنون ہے لیکن اس کی کیفیت میں اختلاف ہے' چنانچہ امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ وضو کرنے والا آدمی چلو میں ایک مرتبہ پانی لے کر کلی کرے اور اسی میں سے تھوڑا سا پانی ناک میں بھی چڑھا لے' تین مرتبہ اس طرح کر لینے سے سنت بھی ادا ہو جائے گی اور تین کا عدد بھی پورا ہو جائے گا جبکہ امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ کلی کرنے کے لیے الگ پانی ہونا چاہیے اور ناک میں ڈالنے کے لیے الگ پانی ہونا چاہیے تب جا کر سنت ادا ہوگی۔

دونوں کے پاس اپنے اپنے دلائل اور ترجیحات ہیں' لیکن ایک ایسی حقیقت جسے تسلیم کرنے کے بعد یہ اختلاف رائے بھی ختم ہو جاتا ہے' وہ امام ترمذی کا یہ بیان ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی چلو سے مضمضہ اور استنشاق دونوں پر عمل کر لیا جائے تو بھی جائز ہے اور اگر دونوں کے لیے الگ الگ پانی لے لیا جائے تو ہمیں یہ زیادہ محبوب ہے۔ امام شافعی کے اس قول کے بعد اختلاف رائے ختم ہو جاتا ہے۔

۲۔ اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا فرض ہے' البتہ بعض فقہاء کہنیوں کی جڑ کو اس میں شامل نہیں کرتے' اور اکثر فقہاء اسے شامل قرار دیتے ہیں' دوسرے قول میں احتیاط زیادہ ہے۔

۳۔ اس بات پر بھی تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ مسح راس وضو میں فرض ہے لیکن اس کی تعداد میں اختلاف رائے ہے' بعض فقہاء دیگر اعضاء کی طرح سر کا مسح بھی تین مرتبہ کرنا مسنون قرار دیتے ہیں اور بعض فقہاء سر کا ایک ہی مرتبہ مسح کرنا سنت کے مطابق سمجھتے ہیں۔

اس سلسلے کی اگر تمام روایات کو اکٹھا کر لیا جائے جن میں مسح راس کا ذکر ہے' تو اکثر میں ایک' دو' یا تین کی کوئی قید مذکور ہی نہیں ہے' دو مرتبہ مسح کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں' اور جن روایات میں عدد کی قید وارد ہوئی ہے' ان میں سے

ایک مرتبہ والی روایات کو فقہاء کا ایک گروہ اختیار کر لیتا ہے اور تین مرتبہ والی روایات کو دوسرا گروہ، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ تین مرتبہ والی ایک روایت بھی سنداً کمزور نہیں ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ تین مرتبہ مسح راس کی روایت تو خود امام صاحبؒ نے بھی زیر بحث روایت میں ذکر کی ہے تو پھر اس کا کیا مطلب ہے؟ ہمارے نزدیک اس کا واضح ترین جواب یہ ہے کہ یہ تو امام صاحبؒ کی خدا ترسی و حقیقت پسندی کی علامت ہے کہ انہیں جس اسناد سے جو حدیث بھی ملی وہ انہوں نے بلا کم و کاست آگے تک پہنچا دی، یہ دیکھے بغیر کہ اس سلسلے میں وہ خود کیا رائے رکھتے ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ امام صاحبؒ کی رائے بھی کسی حدیث کی بنیاد پر ہی ہوگی اور وہ اس موضوع کی دوسری احادیث کا "جو بظاہر اس سے متضاد ہیں" ایسا محمل پیش کریں گے کہ تضاد کی یہ صورت ختم ہو جائے۔

چنانچہ یہاں بھی امام صاحبؒ کی طرف سے تین مرتبہ والی روایات کی توجیہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر ایک آدمی نے اپنی ہتھیلی میں پانی لے رکھا ہو اور کبھی وہ اپنی ہتھیلی کو انگلیوں کی طرف جھکاتا ہو اور کبھی بازو کی طرف، انگلیوں کی طرف جھکانے کی صورت میں پانی انگلیوں کی طرف چلا جاتا ہو اور بازو کی طرف جھکانے کی صورت میں بازو کی طرف چلا جاتا ہو تو ظاہر ہے کہ کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس نے جتنی مرتبہ اپنی ہتھیلی کو حرکت دی ہے اتنی ہی مرتبہ اس نے نیا پانی لیا ہے، یہی حقیقت ہے مسح راس کی کہ ایک ہی مرتبہ پانی لے کر اسے اگر تین مرتبہ آگے پیچھے پھیر لیا جائے تو اسے تین مرتبہ مسح کرنا نہیں کہیں گے بلکہ اسے ایک ہی مرتبہ مسح کرنا تسلیم کیا جائے گا کیونکہ اگر اسے تین مرتبہ تسلیم کیا جائے تو پھر یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ تینوں مرتبہ ماء جدید لیا گیا ہو، حالانکہ یہ بات ثابت نہیں کی جا سکتی، اس لیے اصل میں تو مسح راس ایک ہی مرتبہ ہے لیکن اگر تین مرتبہ والی روایت پر عمل کرنا ہو تو اس کا طریقہ بھی ہم ذکر کر چکے۔

ایک توجیہ ہماری طرف سے بھی قبول فرماتے ہوئے کہ ایک مرتبہ والی روایات کو بیان فرض پر محمول کر لیا جائے اور تین مرتبہ والی روایات کو بیان سنت پر محمول کر لیا جائے تو یہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ خود فقہ حنفی کی کتابوں میں تکرار مسح کو سنت قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ امام دارقطنیؒ نے اپنی سنن میں اس مضمون کی روایت نقل کرنے کے بعد امام صاحبؒ کا ذکر کر کے ان پر جو جملے کسے ہیں اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ایسا کرنا انہوں نے اپنی عادت بنا چھوڑی تھی، بات بات پر امام صاحبؒ کی شان میں بے ادبی اور ان پر تنقید کرنا ان کا مستقل مشغلہ تھا اور یہ صرف امام دارقطنیؒ ہی کی کیا بات ہے، خطیب بغدادیؒ نے کیا کم کارہائے نمایاں اپنے پیچھے چھوڑے ہیں، ان سب کو بھی اگر چھوڑ دیا جائے تو امام بخاریؒ کا طرز عمل حدیث کے کسی ادنیٰ طالب علم سے بھی مخفی نہیں کہ وہ امام صاحبؒ پر اعتراض بھی کرنا چاہتے ہیں اور نام بھی لینا گوارا نہیں کرتے، اس لیے صرف اتنا کہہ دیتے ہیں "قال بعض الناس" کہ بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے اور اس کے بعد جو پھبتیاں کستے ہیں کہ بے نام خدا

کا اسی طرح امام ترمذی تمام فقہاء کا مذہب بیان کرتے ہوئے ان میں سے ہر ایک کا نام ذکر کرتے ہیں حتیٰ کہ امام صاحب کے شاگرد رشید حضرت عبداللہ بن مبارک تک کا ذکر کرتے ہیں لیکن جب امام ابوحنیفہ کی باری آتی ہے تو "قال بعض اهل الكوفة" کہہ کر گزر جاتے ہیں، بہرحال! اس داستان کو یہیں ختم کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ بات کھنچتی چلی جائے گی تاہم اتنی بات کہنا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ دور تابعین کی ایک مظلوم ترین شخصیت ہیں جن پر آج تک ان بچوں جیسی عقل رکھنے والے بڑے اعتراض کرتے رہتے ہیں۔

بہرحال! سند کے اعتبار سے امام دارقطنی نے امام صاحب پر ثقہ راویوں کی مخالفت کرنے پر تنقید کی ہے، حالانکہ اس اعتراض کی خود محدثین کی نگاہ میں کچھ وقعت نہیں کیونکہ اصول حدیث کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ زیادت ثقہ بالاتفاق مقبول سمجھی جاتی ہے۔

اب یہاں لطف کی بات یہ ہے کہ امام دارقطنی کی نظر تو امام صاحب کی "مخالفت ثقات" کی طرف تو چلی گئی لیکن ان کی نظر مبارک امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ کی "تصحیف" کی طرف نہیں اٹھی، جبکہ امام صاحب پر تو مذکورہ اصول کی روشنی میں اس اعتراض کی حیثیت پرکاہ کے برابر بھی نہیں رہتی، لیکن امام شعبہ پر کیے جانے والا اعتراض ایسا ہے جس سے کوئی خلاصی ممکن نہیں، کیونکہ تمام محدثین نے امام شعبہ کی اس غلطی کو واضح کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند میں "مالک بن عرفطہ" کی بجائے "خالد بن علقمہ" ہے امام شعبہ نے خالد کی بجائے مالک کہہ دیا، علقمہ کی بجائے عرفطہ کہہ دیا، اصول حدیث میں یہ کتنی بڑی غلطی ہو سکتی ہے اس کا اندازہ محدثین بخوبی کر سکتے ہیں، اور اسی ایک نہیں بے شمار غلطیاں "جو کتب صحاح میں بکھری پڑی ہیں" امام شعبہ کی طرف منسوب ہیں لیکن کیا مجال ہے کہ خود امام بخاری بھی "جو امیر المؤمنین فی الحدیث وعللہ" کے معزز لقب سے مشرف ہیں" کسی ایک غلطی کی طرف اشارہ بھی فرما دیں۔ والی اللہ المشتکی۔

* اس حدیث سے صحابہ کرام کا نبی ﷺ کی سنتوں اور طریقہ زندگی سے غیر معمولی شغف اور تعلق بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح انہوں نے نبی ﷺ کی ایک ایک ادا کو محفوظ کرنے اور اسے اسی انداز میں امت تک پہنچانے کے لیے کوششیں فرمائیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر بحث صحابہ کو درمیان سے نکال لیا جائے تو دین کی عمارت ہی منہدم ہو کر رہ جاتی ہے۔

نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ زبانی طور پر کسی بات کو سمجھانے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر سمجھانے کا طریقہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سنت ہے اور یہ کسی بھی بات کو ذہن میں راسخ کرنے کے لیے بڑا کامیاب نسخہ ہے، لہذا ہر استاذ کو چاہیے کہ عملی طور پر وہ بھی اپنے شاگردوں کے سامنے مسائل کو پیش کیا کرے تاکہ مسئلہ کی حقیقت مکمل طور پر واضح ہو جائے۔

(۵۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ أَنَّ عُثْمَانَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَقَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ

اللّٰہِ ﷺ یَتَوَضَّأُ۔

ترجمہ: حضرت حمران "جو سیدنا عثمان غنی ؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں" سے مروی ہے کہ حضرت عثمان غنی ؓ نے ایک موقع پر تین تین مرتبہ اعضاء کو دھو کر وضو فرمایا اور فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حل عبارت: "توضأ ثلاثا ثلاثا" کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ تین تین مرتبہ وضو کیا بلکہ مراد یہ ہے کہ اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھویا۔

تخریج حدیث: قد مضی فی الرقم السابق

مفہوم: ۱۔ اس حدیث کے ضمن میں سب سے پہلے تو یہ بات معلوم ہونا ضروری ہے کہ نبی ﷺ کے وضو کی کیفیت نقل کرنے والے صحابہ کرام ؓ کی تعداد ۲۲ تک پہنچتی ہے جن میں سب سے زیادہ صریح حدیث حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم ؓ کی حدیث ہے۔

یاد رہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ نہیں ہیں کیونکہ ان دونوں میں ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ زیر بحث راوی نے جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کو جہنم رسید کرنے میں حضرت وحشی بن حرب ؓ کی مدد کی تھی اور موخر الذکر کو خواب میں اذان کے کلمات سکھائے گئے تھے۔ یہ وضاحت اس لیے کرنا پڑی کہ "عبداللہ بن زید" ہونا دونوں میں مشترک ہے جس سے بعض اوقات اشتباہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ وضو کے دوران اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھونا افضل ہے، دو مرتبہ دھونا کفایت کر جاتا ہے اور ایک مرتبہ دھونا تو خیر ضروری ہے ہی، اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، تاہم ایک مرتبہ اعضاء وضو کو دھونے کی صورت میں یہ اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ اعضاء وضو مکمل دھل گئے ہوں اور اچھی طرح تر بتر ہو گئے ہوں، فرائض میں اگر ایک بال برابر بھی کمی ہو جائے تو وضو نہیں ہوگا اور جب وضو نہیں ہوگا تو نماز بھی نہیں ہوگی۔

بَابُ الْوُضُوْءِ مَرَّةً مَرَّةً

(۵۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً۔

ایک ایک مرتبہ وضو کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد صاحب ؓ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ وضو میں اپنے اعضاء کو ایک ایک مرتبہ ہی دھویا تھا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ۱۵۷، وابو داؤد: ۱۳۸، والترمذي: ٤٦، والنسائي: ۸۰، وابن ماجه: ٤١١،

کرامؓ نے وضو کیا تو جلدی کی وجہ سے بعض صحابہؓ کی ایڑیاں خشک رہ گئیں اور عرب میں وہ چمکتی ہوئی محسوس ہوئیں نبی ﷺ نے یہ دیکھ کر ارشاد فرمایا "ویل للاعقاب من النار"

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ پاؤں دھوتے وقت اتنی احتیاط کرنا ضروری ہے کہ انسان کی ایڑی بھی خشک نہ رہ جائے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جب ایڑی خشک رہ جانے پر یہ وعید ہے تو پاؤں کا اکثر حصہ یا پورے کا پورا مکمل طور پر خشک رہ جانے کی صورت میں اس وعید کے اندر کتنی شدت پیدا ہو جائے گی۔

اور یہیں سے ان لوگوں کی تردید بھی ہوگئی جو مسح علی القدمین کے قائل ہیں اور پاؤں دھونے کی بجائے ان پر مسح کر لینا جائز سمجھتے ہیں، حالانکہ مسح علی القدمین اور مسح علی الخفین دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، پہلے کے عدم جواز پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اور دوسرے کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں۔

البتہ یہ بات قابل وضاحت رہ گئی کہ خاص طور پر ایڑیوں کے خشک رہ جانے کے ساتھ اس وعید کا کیا تعلق ہے؟ تو اس کا جواب بھی ہماری گزشتہ تقریر سے واضح ہو گیا کہ جس موقع پر نبی ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی، وہ موقع ہی اس کا تقاضا کرتا تھا اور نبی ﷺ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ موقع کی مناسبت سے اصلاح کا پہلو اختیار فرماتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّضحِ

(٥٤) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ ثَقِيفٍ يُقَالُ لَهُ الْحَكَمُ أَوْ أَبُو الْحَكَمِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَخَذَ حَفْنَةً مِنْ مَاءٍ فَنَضَحَهُ فِي مَوَاضِعِ طُهُورِهِ۔

چھڑکاؤ کا بیان

ترجمہ: حکم اپنے والد صاحب کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے وضو کیا اور اس کے بعد ایک چلو بھر کر اپنے اعضاء وضو پر اسے چھڑک لیا۔

تحقیق عبارت: "حفنۃ" چلو بھر پانی "نضحہ" باب فتح سے بمعنی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھڑکنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البيهقي كما في بذل المجهود: ١/ ١٠١ وابوداؤد مثله: ١٦٦ والترمذي: ٥٠ والنسائي: ١٣٤ وابن ماجه: ٤٦١۔

مفہوم: انسانی طبیعت ایسی وسواس واقع ہوئی ہے کہ اس کا کوئی لمحہ وساوس سے خالی نہیں گزرتا اور وسوسہ آنے میں کوئی رکاوٹ بھی حائل نہیں کی جا سکتی اس لیے بعض وہ مسائل جہاں پر وساوس پیش آ سکتے ہیں اور ان وساوس پر عمل کر کے انسان اللہ سے دور ہو سکتا ہے شریعت نے ان کا علاج پہلے ہی بتا دیا ہے۔

چنانچہ یہ ایک شرعی حکم ہے کہ پیشاب کے قطرات سے بچا جائے اور نبی ﷺ نے اکثر عذاب قبر ہونے کی وجہ میں

تخریج حدیث: اخرجہ ابن ماجہ: ۵۵۲ ونسائی: ۱۲۹ ومسلم: ۶۳۹ (۲۷۶) والطحاوی: ۱۱۲ ۔

مفہوم: یہاں سے امام صاحبؒ ان احادیث کو ذکر فرما رہے ہیں جن سے مسح علی الخفین کی مشروعیت اور اس کے اوقات کی تحدید وتعیین کا ثبوت ملتا ہے' یہ سلسلہ حدیث نمبر ۶۸ تک چلا گیا ہے' اس لیے ہم اس موضوع پر قدرے تفصیل سے کلام کر کے اگلی احادیث میں اس کا اعادہ نہیں کریں گے ۔

۱۔ قرآن کریم میں فرائض وضو بیان کرتے ہوئے چوتھا فرض پاؤں دھونا قرار دیا گیا ہے' ظاہر ہے کہ دھونے کا مطلب پانی سے کسی چیز کو تر بتر کرنا ہوتا ہے اور موزوں پر مسح کرنے کا حکم قرآن کریم سے نہیں ملتا کیونکہ ظاہر ہے کہ مسح کا معنی ہے کسی چیز پر گیلا ہاتھ پھیر لینا اور قرآن ایک ہی وقت میں دو چیزوں کا حکم نہیں دے سکتا' اس رائے کو سامنے رکھتے ہوئے بہت سے حضرات موزوں پر مسح کے جواز کے قائل نہیں تھے اور وہ موزوں پر مسح کرنے والوں کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

چنانچہ خود اس کتاب میں حدیث نمبر ۶۳ اور ۶۴ میں حضرت ابن عمرؓ کا ابتداءً اس سے انکار منقول ہے' اس کی پوری تفصیل تو اس کے ترجمہ میں ہی ان شاء اللہ آئے گی' لیکن یہاں صرف اتنا دکھانا ہے کہ قرآن کریم کی آیت وضو کو ظاہر دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کو مسح علی الخفین پر تعجب ہوتا تھا' اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی ابتداً اس کے قائل نہ تھے اور امام مالکؒ تو آخر تک اپنے لیے اس رخصت کا فائدہ نہ اٹھا پائے' گو کہ حضرت ابن عمرؓ اور امام ابوحنیفہؒ بعد میں اس کے قائل ہو گئے تھے' اور فقہ مالکی کی کتابوں میں بھی اس کے جواز کی تصریح موجود ہے۔

۲۔ اصول فقہ کا یہ مشہور ضابطہ اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ خبر مشہور کے ذریعے کتاب اللہ پر اضافہ جائز ہے جسے امام شافعیؒ نسخ سے تعبیر کرتے ہیں اور احناف تخصیص سے' جب خبر مشہور سے زیادت جائز ہے تو خبر متواتر سے بطریق اولیٰ جائز ہوگی کیونکہ خبر مشہور کا درجہ خبر متواتر سے کم ہے۔

۳۔ مسح علی الخفین کی روایات حد تواتر تک پہنچتی ہیں اور ان روایات کو نقل کرنے والے صحابہ کرامؓ کی تعداد اسی ۸۰ سے بھی متجاوز ہے' جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں' ستر صحابہ کرامؓ سے تو اکیلے خواجہ حسن بصریؒ مسح علی الخفین کا جواز نقل کرتے ہیں' اس پر باقی کا حال آپ خود قیاس کر لیجیے۔

ان تین مقدمات کو ملا کر یہ بات واضح ہو گئی کہ چونکہ مسح علی الخفین کی روایات متواتر ہیں اور خبر متواتر سے زیادۃ علی کتاب اللہ جائز ہے لہٰذا مسح علی الخفین بھی جائز ہے' اس سلسلے میں امام صاحبؒ کا احتیاط سے بھرپور یہ جملہ بھی قابل اہمیت کا حامل ہے کہ میں نے مسح علی الخفین کے جواز کا قول اس وقت تک اختیار نہیں کیا جب تک اس سلسلے کی احادیث کثرت کے ساتھ مجھ تک نہ پہنچ گئیں اور یہ مسئلہ مجھ پر نصف النہار کی طرح واضح نہ ہو گیا۔

۴۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسح علی الخفین امت مسلمہ کے لیے ایک رخصت ہے جس سے سردی کے موسم میں خوب فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے گو کہ اس میں بھی عزیمت یہی ہے کہ پاؤں دھوئے جائیں لیکن چونکہ دین آسانی کا نام ہے' اس لیے اگر

میں یہ سہولت بھی رکھی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نبی ﷺ کا اپنا عمل مبارک اس سلسلے میں کیا تھا؟ تاکہ اس کے ذریعے ہم اپنا لائحہ عمل طے کر سکیں، سو اس سلسلے میں روایات کے تتبع سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر نبی ﷺ نے موزے پہن رکھے ہوں تو وضو کرتے وقت پاؤں دھونے کے لیے انہیں اتارا نہیں، بلکہ موزوں پر ہی مسح کر لیا اور اگر موزے نہیں پہنے ہوئے تو انہیں چڑھایا نہیں کہ اس پر مسح کر سکیں، بلکہ پاؤں کو دھو کر اپنا وضو مکمل کر لیا، اس لیے ہمیں بھی یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

۵۔ نبی ﷺ اپنی حیات طیبہ کے آخری دور میں بھی موزوں پر مسح فرماتے رہے تھے جس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ۱۰ھ میں حج فرمایا ہے اور اسی حج کے موقع پر سورۂ مائدہ کی آیت تکمیل دین کا نزول ہوا ہے جس میں تکمیل دین کا اعلان کیا گیا ہے اور اس حج کے صرف اکیاسی دن بعد نبی ﷺ کا انتقال ہو گیا، نبی ﷺ کے انتقال سے صرف چالیس دن پہلے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی ﷜ دولت اسلام سے مالا مال ہوئے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود نبی ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور صحابہ کرام ﷢ ان کی روایت کو بہت اہمیت دیا کرتے تھے کیونکہ ان کی روایت میں کسی قسم کی تنسیخ یا ترمیم کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

۶۔ اب یہاں یہ بات بھی طے کر لینا ضروری ہے کہ آیا موزوں پر مسح کرتے رہنے کی کوئی مدت بھی مقرر ہے یا انسان کی اپنی مرضی پر موقوف ہے، جب تک جی چاہے، موزوں پر مسح کرتا رہے؟ سو اس سلسلے میں فقہاء کرام کی دو رائے ہیں، بعض فقہاء عدم توقیت کے قائل ہیں اور اس سلسلے میں کسی وقت کی تعیین نہیں کرتے جبکہ اکثر فقہاء توقیت کے قائل ہیں، احادیث دونوں طرف موجود ہیں البتہ توقیت والی احادیث زیادہ مضبوط ہونے کی وجہ سے ترجیح کی حامل ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے وضو کر کے نماز پڑھ لی، پھر اسے سردی محسوس ہوئی، اس نے اپنے آپ کو سردی سے بچانے کے لیے موزے پہن لیے، جس وقت اس نے یہ موزے پہنے اس کا وضو بھی برقرار تھا اور یہ آدمی مقیم بھی ہے، سفر کی حالت میں نہیں ہے، نماز کا وقت آنے پر اس نے سوچا کہ موزے اتار کر اگر میں نے پاؤں دھوئے تو سردی زیادہ لگے گی اور یہ سوچ کر اس نے موزوں پر مسح کر لیا تو یہ جائز ہے اور وہ ایک دن رات تک یعنی ۲۴ گھنٹوں تک اس اجازت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اگر وہ مسافر ہے تو ۷۲ گھنٹوں تک اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

یہاں اس بات کو سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ ۲۴ اور ۷۲ گھنٹوں کا حساب وضو ٹوٹنے کے بعد سے شروع ہوگا، موزے پہننے سے نہیں، مثلاً اگر ایک شخص نے ظہر کی نماز کے وقت موزے پہنے اور اس کا وضو عشاء کے وقت تک برقرار رہا، عشاء کے بعد جا کر اس کا وضو ٹوٹا تو اب وہ اگلے دن عشاء کی نماز تک موزوں پر مسح کر سکتا ہے، یہ نہیں کہ ظہر تک مسح کرنے کے بعد اسے وہ موزے اتارنا پڑیں گے اور وضو کر کے نئے سرے سے دوبارہ پہننا پڑیں گے کیونکہ اس میں وضو ٹوٹنے کے وقت کا اعتبار ہے، موزے پہننے کے وقت کا نہیں۔

۷۔ یہاں لفظ "موزہ" کی حقیقت سمجھنا بھی ضروری ہے کیونکہ ہو سکتا ہے بعض لوگ سوتی یا نائلون کے ان موزوں پر

محسوس کرتے ہوں جو عام طور پر بڑے سکولوں میں نیز بڑے دفاتر میں پہن کر جاتے ہیں' اس غلط فہمی کو دور کرنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ دین کے بعض نام نہاد اس میں حد سے زیادہ ہی سہولتیں تلاش کرنا چاہتے ہیں اور اسی تناظر میں وہ عام کپڑے کی جرابیں پہن کر ان پر مسح بھی کر لیتے ہیں اور انہی کو پہن کر نماز بھی پڑھا دیتے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے اور اس طرح مسح کرنے سے وضو کا ایک فرض چھوٹ جاتا ہے اور وضو نہ ہونے کی وجہ سے امام کی نماز نہیں ہوتی اور امام کی نماز نہ ہونے کی وجہ سے مقتدیوں کی بھی نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ بات خوب اچھی طرح طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کتب حدیث وفقہ میں خفین کا لفظ چمڑے کے موزوں کے لیے بولا جاتا ہے' عام جرابوں کے لیے تو یہ لفظ بولا ہی نہیں جاتا اور نہ ہی حدیث میں وہ مراد ہیں' زیادہ سے زیادہ اتنا کہا گیا ہے کہ اگر وہ جرابیں اون کی یا کپڑے کی ہوں تو اتنی موٹی اور مضبوط ہوں کہ جوتی کے بغیر صرف انہی کو پہن کر چلنے سے وہ پھٹ نہ جائیں' لیکن عام طور پر کپڑے کی ایسی جرابیں ملتی ہی نہیں ہیں' باقی اس کی مزید شرائط اور تفصیلات کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمایئے۔

نوٹ: آگے تقریباً دس حدیثیں اسی موضوع سے متعلق نقل کی گئی ہیں' لیکن ہم صرف ان کے ترجمہ اور تخریج پر ہی اکتفاء کریں گے۔

(۵۶) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ وَصَلّٰی خَمْسَ صَلَوَاتٍ۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ وضو کیا' موزوں پر مسح کیا اور اس سے پانچ نمازیں پڑھیں۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه مثله: ۵۱۰۔

(۵۷) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّةَ صَلّٰی خَمْسَ صَلَوَاتٍ بِوُضُوْءٍ وَاحِدٍ وَمَسَحَ عَلٰی خُفَّیْهِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَا رَأَیْنَاكَ صَنَعْتَ هٰذَا قَبْلَ الْیَوْمِ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ عَمْدًا صَنَعْتُهُ یَا عُمَرُ۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ایک ہی وضو سے پانچ نمازیں پڑھیں اور موزوں پر مسح بھی کیا' حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ ہم نے آج سے پہلے تو کبھی آپ کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا؟ تو فرمایا کہ عمر! میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔

حل عبارت: "ما رأینا" باب فتح سے ماضی منفی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی دیکھنا "صنعت" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی عمل کرنا "عمدا صنعته" مفعول کو حصر کے لیے مقدم کیا گیا ہے اور یہ مفعول مصدری بھی ہے' جبکہ "یا عمر" کے ذریعے نداء ہے۔

تخریج: اخرجہ مسلم: ٦٤٢ (٢٧٧)' وابوداؤد: ١٧٢' والترمذی: ٦١' والنسائی: ١٣٣۔

(٥٨) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ اَبِیْ اُمَيَّةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنِیْ مَنْ سَمِعَ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ بَعْدَ مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ۔

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ بجلی ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد نبی ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تخریج: اخرجہ البخاری: ٣٨٧' ومسلم: ٦٢٦ (٢٧٢)' وابوداؤد: ١٥٤' والترمذی: ٩٣' والنسائی: ١١٨' وابن ماجہ: ٥٤٣۔

(٥٩) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّهُ رَاَى جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ تَوَضَّاَ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ فَسَاَلَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنِّیْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَصْنَعُهُ وَاِنَّمَا صَحِبْتُهُ بَعْدَ مَا نَزَلَتِ الْمَائِدَةُ۔

ترجمہ: ہمام بن حارث نے ایک مرتبہ حضرت جریر ؓ کو وضو میں موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے اس کے متعلق دریافت کیا' انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور میں نے نبی ﷺ کی ہم نشینی کا شرف سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد حاصل کیا ہے۔

تخریج حدیث: قد مضی آنفاً۔

(٦٠) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اِبْنِ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِیِّ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَضٰى حَاجَتَهُ ثُمَّ رَجَعَ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ رُوْمِيَّةٌ ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ فَرَفَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ ضِيْقِ كُمَّيْهَا قَالَ الْمُغِيْرَةُ فَجَعَلْتُ اَصُبُّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَاءِ مِنْ اِدَاوَةٍ مَعِیْ فَتَوَضَّاَ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ وَلَمْ يَنْزِعْهُمَا ثُمَّ تَقَدَّمَ وَصَلّٰى۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ وہ نبی ﷺ کے ہمراہ سفر پر نکلے دوران سفر آپ ﷺ قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے قضاء حاجت سے فارغ ہو کر جب نبی ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے جو رومی جبہ زیب بدن کیا ہوا تھا' اس کی آستینیں تنگ تھیں' اس لیے وہ اتر نہ سکا' نبی ﷺ نے آستین کی جگہ سے اسے اوپر اٹھایا' حضرت مغیرہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے پاس موجود ایک برتن سے نبی ﷺ کے ہاتھوں پر پانی ڈالنے لگا' نبی ﷺ نے اسی طرح وضو کیا جیسے آپ ﷺ نماز کے لیے کرتے تھے اور موزوں پر مسح کر لیا انہیں اتارا نہیں' پھر آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔

حلِّ عبارت: "قضی" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پورا کرنا "وعلیه" سے "جبه" کی کیفیت بتانا مقصود نہیں ہے بلکہ واقعہ کی کیفیت بیان کرنا مقصود ہے "الکمین" کم کی جمع ہے بمعنی آستین "اصب" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی انڈیلنا، بہانا "اداوة" برتن "لم ینزعهما" باب ضرب سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اتارنا۔

(٦١) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ وَضَّأْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ رُومِيَّةٌ ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ فَأَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِهَا وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَّةٌ ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ فَأَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ أَسْفَلِ الْجُبَّةِ۔

ترجمہ: اس حدیث کا ترجمہ بعینہ وہی ہے جو گزشتہ حدیث کا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ٣٦٣، ومسلم: ٦٢٩ (٢٧٤)، والنسائي: ١٢٣، وابن ماجه: ٣٨٩۔

(٦٢) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمْسَحُ۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تخریج حدیث: تقدم تخریجه سابقا۔

(٦٣) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي الْجَهْمِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَدِمْتُ عَلَى غَزْوَةٍ فِي الْعِرَاقِ فَإِذَا سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ مَا هَذَا فَقَالَ يَا ابْنَ عُمَرَ إِذَا قَدِمْتَ عَلَى أَبِيكَ فَسَلْهُ عَنْ ذَلِكَ قَالَ فَأَتَيْتُهُ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمْسَحُ فَمَسَحْنَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ قَدِمْتُ الْعِرَاقَ لِلْغَزْوِ فَإِذَا سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ مَا هَذَا قَالَ إِذَا قَدِمْتَ عَلَى عُمَرَ فَسَلْهُ فَقَالَ قَدِمْتُ عَلَى عُمَرَ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمْسَحُ فَمَسَحْنَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ قَدِمْتُ الْعِرَاقَ لِغَزْوَةِ جَلُولَاءَ فَرَأَيْتُ سَعْدَ ابْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ مَا هَذَا يَا سَعْدُ فَقَالَ إِذَا لَقِيتَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَاسْأَلْهُ قَالَ فَلَقِيتُ عُمَرَ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا صَنَعَ فَقَالَ عُمَرُ صَدَقَ سَعْدٌ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَصْنَعُهُ فَصَنَعْنَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ بُعِثْنَا عَلَى غَزْوَةِ الْعِرَاقِ فَرَأَيْتُ سَعْدَ ابْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَأَنْكَرْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لِي إِذَا قَدِمْتَ عَلَى عُمَرَ فَاسْأَلْهُ عَنْ ذَلِكَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَلَمَّا قَدِمْتُ عَلَيْهِ

سَأَلْتُهُ وَذَكَرْتُ لَهُ مَا صَنَعَ سَعْدٌ فَقَالَ عَمُّكَ أَفْقَهُ مِنْكَ رَأَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَمْسَحُ فَمَسَحْنَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک غزوہ کے سلسلے میں عراق آیا تو وہاں حضرت سعد بن مالک کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا، میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب تم اپنے والد صاحب کے پاس واپس پہنچو تو ان سے اس کے متعلق پوچھنا، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں واپس پہنچا تو والد صاحب سے اس کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی علیہ السلام کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے اس لیے ہم بھی مسح کرتے ہیں۔

ایک روایت میں غزوہ کا نام "جلولاء" (مقام کی طرف نسبت ہے) بھی مذکور ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعدؓ کی تصدیق کی اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ تمہارے چچا (حضرت سعدؓ) تم سے زیادہ فقیہ ہیں۔

حل عبارات: "قدمت" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی آنا "اذا" یہ مفاجاتیہ ہے جو "اچانک" کا معنی دیتا ہے "افقہ" اسم تفضیل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی فقیہ ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري ۲۰۲ ومسلم [illegible] واحمد [illegible] وابن خزيمة.

(۶۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ تَنَازَعَ أَبُوهُ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ سَعْدٌ امْسَحْ وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ مَا يُعْجِبُنِي قَالَ سَعْدٌ فَاجْتَمَعْنَا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ عُمَرُ عَمُّكَ أَفْقَهُ مِنْكَ سُنَّةً.

ترجمہ: حضرت سالمؒ سے مروی ہے کہ ان کے والد (حضرت ابن عمرؓ) اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے درمیان موزوں پر مسح کے مسئلے میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا، حضرت سعدؓ فرماتے تھے کہ میں تو مسح کرتا ہوں اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ مجھے تو یہ اچھا نہیں لگتا، حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ اتفاقاً ہم دونوں حضرت عمرؓ کی ایک مجلس میں جمع ہو گئے (وہاں یہ مسئلہ رکھا گیا تو) حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ تمہارے چچا تم سے زیادہ فقیہ ہیں۔

حل عبارات: "تنازع" باب تفاعل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جھگڑنا، اختلاف رائے کرنا "فاجتمعنا" باب افتعال سے ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی اکٹھے ہونا۔

تخریج حدیث: قد مر التخريج آنفا.

(۶۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فِي السَّفَرِ وَلَمْ يُوَقِّتْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کو دوران سفر موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے لیکن

اس موقع پر نبی علیہ السلام نے اس کے لیے کسی وقت کی تعیین نہیں فرمائی تھی۔

حَلِّ عِبَارَت: "لم یوقتہ" باب تفعیل سے نفی جحد معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وقت مقرر کرنا۔

تَخْرِیجِ حَدِیث: اخرجہ ابوداؤد ۱۵۸ وابن ماجہ ۵۵۷ والدارقطنی ۱۹۸/۱ والطحاوی ۱/۷۹۔

(۶۶) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ النَّخَعِیِّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ الْجَدَلِیِّ عَنْ خُزَیْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ فِی الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ لِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَلَیْلَةً وَلِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْهَا لَا یَنْزِعُ خُفَّیْهِ اِذَا لَبِسَهُمَا وَهُوَ مُتَوَضِّیٌٔ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ اَلْمَسْحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمٌ وَلَیْلَةٌ اِنْ شَاءَ اِذَا تَوَضَّاَ قَبْلَ اَنْ یَلْبَسَهُمَا۔

تَرْجَمَة: حضرت خزیمہ بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مقیم آدمی موزوں پر ایک دن اور ایک رات مسح کر سکتا ہے اور مسافر تین دن اور تین راتیں اس دوران وہ اپنے موزوں کو نہ اتارے بشرطیکہ اس نے وضو کی حالت میں انہیں پہنا ہو۔

اور ایک روایت میں مسح علی الخفین کو انسان کی مرضی پر موقوف کیا گیا ہے۔

حَلِّ عِبَارَت: "لبسهما" باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہننا "وهو متوضی" یہ جملہ "لبس" کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے۔

تَخْرِیجِ حَدِیث: اخرجہ ابوداؤد ۱۵۷ والترمذی ۹۵ وابن ماجہ ۵۵۳ واحمد ۲۱۳/۵ والطحاوی ۱/۸۲ وفیہ حدیث علی الآتی فقد اخرجہ مسلم ۶۳۹ (۲۷۶) والنسائی ۱۲۸ والبیہقی فی الکبری ۲۷۶/۱ وعبدالرزاق ۷۸۹ واحمد ۹۶/۱ والطحاوی ۸۱/۱۔

(۶۷) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ سَعِیْدٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ التَّیْمِیِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَیْمُوْنٍ الْاَوْدِیِّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ الْجَدَلِیِّ عَنْ خُزَیْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ سُئِلَ عَنِ الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ قَالَ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةُ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْهِنَّ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَلَیْلَةً۔

تَرْجَمَة: حضرت خزیمہ بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام سے مسح علی الخفین کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات

(۶۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْحَکَمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَیْمِرَةَ عَنْ شُرَیْحِ بْنِ هَانِیءٍ عَنْ عَلِیٍّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ یَمْسَحُ الْمُسَافِرُ عَلَی الْخُفَّیْنِ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْهِنَّ وَالْمُقِیْمُ یَوْمًا وَلَیْلَةً۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بعینہ وہی ہے جو اگلی کا ہے۔

بَابٌ فِي الْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعُودَ

(۲۰۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصِيبُ مِنْ أَهْلِهِ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ فَيَنَامُ وَلَا يُصِيبُ مَاءً فَإِذَا اسْتَيْقَظَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ عَادَ وَاغْتَسَلَ۔

جو بحالت جنابت پھر جماع کرنا چاہے!

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی کسی زوجہ محترمہ کے پاس رات کے ابتدائی حصے میں تشریف لے جاتے، اور پانی کو ہاتھ لگائے بغیر سو جاتے، رات کے آخری حصے میں جب بیدار ہوتے اور ضرورت پر دوبارہ زوجہ محترمہ کے پاس تشریف لاتے تب جا کر غسل فرماتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۱۰) حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصِيبُ أَهْلَهُ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَلَا يُصِيبُ مَاءً فَإِذَا اسْتَيْقَظَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ عَادَ وَاغْتَسَلَ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی کسی زوجہ محترمہ کے پاس رات کے ابتدائی حصے میں تشریف لے جاتے اور پانی کو ہاتھ نہ لگاتے، جب رات کے آخری حصے میں بیدار ہوتے اور دوبارہ جاتے تو فراغت پا کر غسل فرماتے۔

حل لغات: "یصیب" باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، معنی پہنچنا، یہاں کنایۃً مباشرت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور "ولا یصیب ماء" میں یہی لفظ "چھونے" کے معنی میں استعمال ہوا ہے "استیقظ" باب استفعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جاگنا "عاد" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لوٹنا۔

تخریج حدیث: مسند احمد، ابن ماجہ: ۵۸۱، و ابوداؤد: ۲۲۸، و ترمذی: ۱۱۸۔

مفہوم: اس حدیث سے فقہاء کرام نے یہ ضابطہ مستنبط کیا ہے کہ متعدد مرتبہ کی جنابت ایک مرتبہ غسل کرنے سے دور ہو جاتی ہے، یہ ضروری نہیں کہ جنابت کے اسباب جتنی مرتبہ لاحق ہوں غسل بھی اتنی ہی مرتبہ کیا جائے، یہ شریعت کی طرف سے ملنے والی ایک عظیم سہولت ہے۔

البتہ یہاں یہ اشکال بعض لوگوں کی طرف سے کیا جاتا ہے اور یہ اشکال اس وقت زیادہ قوی ہو جاتا ہے جب بخاری شریف کی اس روایت کو بھی اس کے ساتھ ملا لیا جائے کہ نبی علیہ السلام ایک ہی رات میں اپنی تمام ازواج مطہرات

کے حقوق ادا فرمادیا کرتے تھے' ظاہر ہے کہ غیر مسلم اسے عیاشی پر محمول کر کے پیغمبر اسلام کی عصمت پر حملہ کرتے ہیں' اس لیے اس کی حقیقت واضح کرنا ضروری ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ نبی ﷺ کی پوری حیات طیبہ میں آپ کا یہ معمول مبارک رہا ہے کہ آپ ﷺ روزانہ نماز عصر کے بعد ازواج مطہرات کے پاس جا کر ان کی مزاج پرسی فرمایا کرتے تھے اور ضروریات کے متعلق پوچھ کر ان کی ضروریات پوری فرماتے تھے۔

شب باشی کے لیے آپ ﷺ نے باری مقرر کر رکھی تھی اور ہر زوجہ محترمہ کے یہاں ایک رات گزارا کرتے تھے' یہ معمول بھی زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا' البتہ مرض الوفات کے ایام ازواج مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں گزارے۔

آپ ﷺ نے پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ ایک ہی رات میں تمام ازواج مطہرات کے حقوق ادا فرمائے اور باری باری ہر ایک کے پاس تشریف لے گئے' یہ آپ ﷺ کا معمول مبارک نہ تھا' ایک جزوی واقعہ تھا جسے نقل کرنے والے مرچ مصالحے لگا کر چٹخارے لے کر بیان کرتے ہیں اور اہل اسلام کو طعنے دیتے ہیں کہ تمہارے پیغمبر ایسے تھے۔ والعیاذ باللہ۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ محدثین کرام آپس میں اس موضوع پر متفق تھے کہ نبی ﷺ کو چالیس جنتی مردوں کے برابر طاقت دی گئی تھی' ظاہر ہے کہ ہر جنتی مرد کو سو مردوں کے برابر طاقت عطاء کی جائے گی' گویا دنیا کے سو مرد جنت کے ایک مرد کے برابر ہیں۔ اب چونکہ نبی ﷺ کو چالیس جنتی جوانوں کے برابر طاقت دی گئی تھی تو چالیس کو سو سے ضرب دینے پر چار ہزار کی تعداد حاصل ہوئی' گویا نبی ﷺ اکیلے چار ہزار مردوں پر بھاری تھے اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ ہر شخص کو بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے تو چار ہزار کو چار سے ضرب دینے پر سولہ ہزار کا عدد حاصل ہوا' گویا نبی ﷺ کو جو مردانہ طاقت عطاء کی گئی ہے' وہ سولہ ہزار خواتین کو ان کے حقوق ادا کر سکتی ہے' یہاں صرف نو پر اتنا شور مچایا جاتا ہے کہ بہت بڑا جرم محسوس ہونے لگے۔

یہیں سے تعدد ازدواج پر کیے جانے والے اعتراض کا جواب بھی مل گیا اور ایک ہی رات میں کئی بیویاں سے' یا ایک ہی بیوی سے متعدد مرتبہ مباشرت پر کیے جانے والے واہیات کا جواب بھی نکل آیا۔

(۱۷۱) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ. کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّنَامَ وَھُوَ جُنُبٌ تَوَضَّأَ وُضُوْءَہٗ لِلصَّلٰوۃِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ اگر حالت جنابت میں نبی ﷺ سونے کا ارادہ فرماتے تو اس سے قبل نماز جیسا وضو فرمالیا کرتے تھے۔

مُفْهُوْم: "اراد" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ارادہ کرنا "ان ینام" میں "ان" مصدریہ ہے اور اصل عبارت یہ ہے "اذا اراد النوم" "وضوءہ" مفعول مطلق ہے اور منصوب بنزع الخافض ہے اصل عبارت یہ ہے "توضا مثل وضوءہ للصلوۃ"

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۲۸۸ ومسلم: ۶۹۹ (۳۰۵) وابوداؤد: ۲۲۴ والترمذی: ۱۲۰ والنسائی: ۲۵۹ وابن ماجہ: ۵۸۱

مفہوم: اس حدیث کی وضاحت طبرانی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت میمونہ بنت سعدؓ کے حوالے سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نبی ﷺ سے یہ سوال پوچھا کہ کیا حالت جنابت میں آدمی یونہی سو سکتا ہے؟ فرمایا مجھے یہ پسند نہیں کہ وہ وضو کیے بغیر سو جائے کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر وہ اسی طرح فوت ہو گیا تو جبریل اس کے پاس نہیں آئیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں موت آنا اچھی چیز نہیں ہے لیکن عوام میں یہ جو بات مشہور ہے کہ حالت جنابت میں مرنے والا حرام موت مرا اور گنہگار ہوا اس کی کوئی حقیقت نہیں یہ سب اصل اور بے سروپا بات ہے جس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔

اور اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ باب نبوت کے بند ہونے کے بعد گو زمین پر جبریل کی آمد رفت بند نہیں ہوئی بلکہ وہ حکم رب کی تکمیل و تعمیل کے لیے اب بھی زمین پر آتے جاتے رہتے ہیں۔

۲۔ فقہاء کرام نے اس حدیث کے تحت فرمایا ہے کہ اختیاری طور پر جنابت لاحق ہونے کی صورت میں وضو کر لینا مستحب ہے لیکن اگر کوئی شخص اسی حال میں وضو کیے بغیر ہی سو جائے تب بھی وہ گنہگار نہیں ہوگا ہاں اگر طلوع فجر تک وہ اسی حالت میں پڑا رہا اور نماز کا وقت گزرتا رہا تا آنکہ طلوع آفتاب بھی ہو گیا تو اس پر فرشتوں کی طرف سے لعنت پڑنا شروع ہو جاتی ہے اس لیے پہلی فرصت میں غسل اپنے آپ کو پاک کر لینا زیادہ بہتر ہے۔

بَابُ الْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ

(۷۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَقِيَهُ فَمَدَّ يَدَهُ اِلَيْهِ فَقَبَضَهَا عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا لَكَ قَالَ اِنِّيْ جُنُبٌ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرِنَا يَدَكَ فَاِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيْسَ بِنَجَسٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ۔

مومن نجس نہیں ہوا کرتا

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ مصافحہ کے لیے میری طرف بڑھایا لیکن میں نے اپنا

کترا گئے، نبی ﷺ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ میں حالت ناپاکی میں ہوں، فرمایا اپنے ہاتھ دکھاؤ، مومن کبھی ناپاک نہیں ہوتا۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۷۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَدَّ يَدَهُ إِلَيْهِ فَأَمْسَكَهَا عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ گزشتہ حدیث کے ترجمے کے قریب ہی ہے۔

حل عبارت: "مالک" میں ما استفہامیہ ہے اور کَ ضمیر مجرور متصل ہے۔ "ارنا" باب افعال سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی دکھانا۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاري طهارة: ۲۸۳، ومسلم ۸۲۵ (۳۷۱) وابن ماجه ۵۳۵، والنسائي ۲۶۹، والترمذي: ۱۲۱۔

مفہوم: اس حدیث کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے زمانہ جاہلیت کے اس تصور کو سمجھنا ضروری ہے جو وہ ناپاکی کی حالت لاحق ہونے والے مرد و عورت کے ساتھ روا رکھتے تھے، عورت کے ساتھ ہونے والا سلوک تو بہت ہی بدتر تھا کہ اسے اچھوت سمجھ کر گھر کی ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا جاتا تھا، اس کے قریب بیٹھنا تو دور کی بات اس کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز تک ناپاک سمجھی جاتی تھی، مرد بھی ناپاکی کی حالت میں کسی کو چھوتا یا ہاتھ لگاتا دوسرے کو ناپاک کرنے کے مترادف سمجھتے تھے، اسی تصور کی بناء پر حضرت حذیفہؓ نے اور دوسری روایات کے مطابق حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی ﷺ سے مصافحہ کرنے سے گریز کیا اور مجلس سے کھسک گئے، مبادا یہ کہ نبی ﷺ کے ہاتھ بھی ناپاک ہو جائیں۔

نبی ﷺ نے اس خیال کی اصلاح کس عجیب طریقے سے فرمائی کہ اس کے بعد کسی کے ذہن میں اس کے حوالے سے کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی اور اس سے یہ اصول نکل آتا ہے کہ جنابت ایک نجاست حکمیہ ہے جس سے تلاوت قرآن اور دخول مسجد کے علاوہ کوئی دوسرا کام ممنوع قرار نہیں، یہ نجاست انسان کے ہاتھوں، پیروں یا دوسرے جسم میں اس طرح سرایت نہیں کر جاتی کہ اگر وہ ہاتھ پیر کسی اور کو لگ جائیں تو وہ بھی ناپاک ہو جائیں۔

زیر بحث حدیث کے اس حصہ "ان المؤمن لا ینجس" سے معلوم ہوا کہ کافر نجس ہوتا ہے اور اس کی یہ نجاست حکمی نہیں بلکہ حقیقی ہے، یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔

"یا ایها الذین آمنوا انما المشرکون نجس"

بَابُ الْمَرْأَةُ تَرٰى فِي مَنَامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ

(۷۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ أُمَّ سُلَيْمٍ أَنَّهَا سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرٰى مَا يَرَى الرَّجُلُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَغْتَسِلُ۔

اگر عورت خواب میں اس کیفیت سے دوچار ہو جس کا سامنا مرد کو ہوتا ہے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ام سلیمؓ نے ایک مرتبہ نبی ﷺ سے پوچھا کہ اگر مرد کی طرح عورت بھی خواب میں ناپاک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ بھی غسل کرے گی۔

حل عبارات: "تری" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی دیکھنا' مراد احتلام ہو جانا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۱۳۰' ومسلم: ۷۱۰ (۳۱۱)' وابوداؤد: ۲۳۷' والترمذی: ۱۲۲' والنسائی: ۱۹۵ وابن ماجہ: ۶۰۰۔

مفہوم: اس حدیث کے مضمون میں اس وقت زیادہ وضاحت پیدا ہو جاتی ہے جب دوسری روایات سے اس کی تفصیل معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ انصار کی ایک خاتون نے ''جن کا نام روایات میں حضرت ام سلیمؓ مذکور ہے'' نبی ﷺ سے جب عورت کو احتلام ہو جانے کی صورت میں اس کا شرعی حکم دریافت کیا تو وہاں موجود ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا ام سلیم! تم پر افسوس ہے' تم نے تو ساری عورتوں کو رسوا کر کے رکھ دیا' بھلا عورتوں کو احتلام کہاں ہوتا ہے؟ نبی ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ پھر بچہ اپنی ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے۔

اس مضمون کی مزید وضاحت مسلم شریف کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کے مطابق مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے جبکہ عورت کا پانی پتلا اور زرد ہوتا ہے' ان میں سے جو غالب آ جائے بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے۔

حضرت ام سلمہؓ یا بعض روایات کے مطابق حضرت عائشہؓ کا تعجب اس بناء پر ہے کہ عورتوں کو ایسا نہیں ہوتا اور سائلہ کا سوال امکان کی بناء پر ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں غسل کرنے کا حکم مرد و عورت دونوں کی طرف یکساں متوجہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَمَّامِ

(۷۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِئْسَ الْبَيْتُ الْحَمَّامُ فَإِنَّهُ بَيْتٌ لَا يَسْتُرُ

بَابُ فَرْكِ الْمَنِيِّ

(٧٧) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

کپڑے سے منی کو کھرچ دینے کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ ﷞ فرماتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کے کپڑوں سے مادۂ منویہ کو کھرچ دیا کرتی تھی۔

حل لغات: "افرک" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی کھرچنا۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاري ٢٢٩، ومسلم ٦٦٨ (٢٨٨)، وأبوداؤد ٣٧٢، والترمذي ١١٦، والنسائي ٢٩٧، وابن ماجه ٥٣٧۔

مفہوم: نسل انسانی کی بقاء اور ترویج کے لیے اللہ نے انسانی جسم میں توالد و تناسل کے جو سبب پیدا فرمائے ہیں ان میں سے ایک اہم سبب مادۂ منویہ بھی ہے جو انسانی نسل کے وجود کے آنے کا سبب بنتا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت بہت سے نوجوان اس کی شدت اور حدت سے تنگ آ کر کبھی کسی صنف مخالف کو اپنے جذبات کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں، کبھی اپنے ہم جنس کو آتش شوق میں جلا دیتے ہیں اور کبھی اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو برباد کر لیتے ہیں، انہی حقائق کو سامنے رکھ کر اسلام نے "نکاح" کی ترغیب پیش کی ہے۔

فقہاء کرام کا اس بات میں اختلاف رہا ہے کہ یہ مادۂ حیات پاک ہے یا ناپاک؟ چنانچہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی رائے اس کی طہارت کی ہے اور امام ابوحنیفہ و امام مالک اس کی نجاست کے قائل ہیں، اول الذکر حضرات کی دلیل یہ ہے کہ دارقطنی کی روایت کے مطابق حضرت ابن عباس ﷠ سے کسی نے اس کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ منی کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کپڑے کو تھوک لگ جائے، ظاہر ہے کہ تھوک ناپاک ہے اور نہ ہی کپڑے کو ناپاک کرتا ہے اسی طرح یہ بھی ناپاک ہے اور نہ ہی کپڑے کو ناپاک کرے گا۔

جبکہ مؤخر الذکر حضرات کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں نجاست (مادۂ منویہ) لگے کپڑے دھونے یا کھرچنے کا ذکر ہے۔ یہاں آ کر ان دو حضرات کے درمیان معمولی سا اختلاف رائے ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ امام صاحب نجاست کے نشانات کپڑے پر لگ جانے کی صورت میں اسے کھرچ دینا بھی جائز سمجھتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جبکہ نجاست گاڑھی ہو اور سے کھرچنا ممکن بھی ہو، جبکہ امام مالک بہر حال اسے دھونا ہی ضروری قرار دیتے تھے۔

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے آخر میں ہم صرف ایک بات کہہ کر فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں اور وہ یہ کہ فقہ کا یہ مسلمہ

فقد طہر۔

جس کھال کو دباغت دی گئی وہ پاک ہو گئی

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کھال کو دباغت دے دی جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔

تحلیل عبارت: "اھاب" کچی کھال کو کہتے ہیں "دبغ" باب فتح سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی دباغت دینا "طھر" باب کرم سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پاک ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ۸۱۲ (۳۶۶)، وابن ماجه: ۳۶۰۹، والترمذي: ۱۷۲۸، والنسائي: ۴۲۴۱، والبخاري مثله: ۱۴۹۲ واحمد: ۱۸۹۵۔

مفہوم: اس حدیث کا مفہوم سمجھنے سے پہلے دباغت کی تعریف ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ جو یہ ہے

"ھی ازالة ما فی الجلد من النتن والفساد"

"کھال میں موجود بدبو اور گندگی کو دور کرنا۔"

دباغت کی فقہاء نے دو قسمیں لکھی ہیں۔ (۱) دباغت حقیقی (۲) دباغت حکمی۔ ان دونوں میں فرق یہ لکھا ہے کہ اگر کسی جانور کی کھال اور اس کے چمڑے کو دھوپ میں یا مٹی میں رکھ کر خشک کر لیا جائے تا کہ اس کی بدبو وغیرہ زائل ہو جائے تو اسے دباغت حقیقی کہتے ہیں کیونکہ یہ اس کا غیر مصنوعی طریقہ ہے اور اگر دواؤں اور کیمیکلز کے ذریعے اس کی بدبو وغیرہ کو زائل کیا جائے تو اسے دباغت حکمی کہتے ہیں جیسا کہ آج کل چمڑے اور جوتے کی بڑی بڑی فیکٹریوں میں ہوتا ہے۔

دباغت کی ان دونوں صورتوں سے مردہ جانور کا چمڑا بھی قابل استعمال بنایا جا سکتا ہے حتی کہ کتے کی کھال بھی اس کے ذریعے پاک کی جا سکتی ہے لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ کسی چیز کے پاک ہونے سے اس کا حلال ہونا لازم نہیں آتا' کیونکہ پاک ہونے کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ اگر وہ کھال انسان کے جسم یا کپڑوں کو لگ جائے تو انسان ناپاک نہیں ہو گا اور حلال کا مفہوم یہ ہے کہ اسے کھانا بھی جائز ہو کتے کی کھال دباغت سے پاک تو ہو جاتی ہے' حلال نہیں ہوتی' اور خنزیر کی کھال پاک ہوتی ہے اور نہ ہی حلال' کیونکہ اس کے نجس العین ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔

(۸۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ بِشَاةٍ مَيْتَةٍ لِسَوْدَةَ فَقَالَ مَا عَلَى أَهْلِهَا لَوِ انْتَفَعُوا بِإِهَابِهَا فَسَلَخُوا جِلْدَ الشَّاةِ فَجَعَلُوهُ سِقَاءً فِي الْبَيْتِ حَتَّى صَارَ شَنًّا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کا گزر ایک مردہ بکری پر ہوا جو حضرت سودہ ؓ کی ملکیت میں تھی، نبی ﷺ نے فرمایا اگر اس کے مالک اس سے فائدہ اٹھا لیتے تو کیا حرج تھا؟ چنانچہ انہوں نے اس بکری کی کھال اتار کر گھر میں ایک مشکیزہ کے طور پر رکھ لی تا آنکہ وہ پرانا ہو گیا۔

حل لغات: "مر" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی گزرنا "لسودۃ" کا تعلق "شاۃ" کے ساتھ ہے یعنی وہ بکری حضرت سودہ کی تھی "انتفعوا" باب افتعال سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی فائدہ حاصل کرنا "فسلخوا" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کھینچ لینا "سقاء" مشکیزہ "شنا" پرانا ہو جانا۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۶۶۸۶، ومسلم: ۸۰۲ (۳۶۳)، والنسائی: ۴۲۴۲، واحمد: ۳۲۹/۶۔

مفہوم: گزشتہ تقریر سے اس حدیث کا مضمون بھی خوب واضح ہو گیا۔

(۸۹) ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم عن عبداللہ عن ابی ذر انہ صلی صلوۃ فخففها واکثر الرکوع والسجود فلما انصرف قال له رجل انت صاحب رسول الله ﷺ وتصلی هذه الصلوۃ فقال ابو ذر الم اتم الرکوع والسجود قال بلی قال فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول من سجد لله سجدۃ رفع بها درجۃ فی الجنۃ فما ابالی ان تکون لی درجات او تکتب لی درجات۔

وفی روایۃ عن ابراهیم النخعی عمن حدثه انه رای ابا ذر وهو یصلی صلوۃ خفیفۃ یکثر فیها الرکوع والسجود فلما سلم ابو ذر قال له الرجل تخفف هذه الصلوۃ وقد صحبت رسول الله ﷺ فقال ابو ذر سمعت رسول الله ﷺ یقول من سجد لله سجدۃ رفعه الله بها درجۃ فی الجنۃ فلذلک اکثر فیها السجود۔

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری ؓ نے ایک مرتبہ ہلکی پھلکی نماز پڑھی اور کثرت سے رکوع اور سجدے کیے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک شخص کہنے لگا کہ آپ صحابی رسول ﷺ ہو کر اتنی ہلکی پھلکی نماز پڑھتے ہیں؟ فرمایا کیا میں نے رکوع اور سجدہ مکمل نہیں کیا؟ اس نے کہا کیوں نہیں! فرمایا کہ پھر میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص اللہ

کی رضا کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے اللہ جنت میں اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے میری خواہش ہوئی کہ میرے لیے کئی درجات کا فیصلہ کیا جائے' ایک روایت میں اس جگہ کا نام صراحۃً ربذہ بتایا گیا ہے جہاں حضرت ابوذر غفاری نماز پڑھ رہے تھے۔

حَلِّ لُغَات: "لخففها" باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تخفیف کرنا "اکثر" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی کثرت کرنا "الم اتم" ہمزہ استفہامیہ ہے اور "لم اتم" باب افعال سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی مکمل کرنا۔ "تؤتی" باب ضرب سے مضارع مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی دینا "اکثر" باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی مذکورہ۔

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم ایضا: ۱۰۹۳ (٤٨٨)' والترمذی: ۳۸۸' والنسائی: ۱۱۴۰' وابن ماجہ: ۱۴۲۳' واحمد قریبا من ھذا السیاق: ۲۱۶۳۳۔

مفہوم: اب کتاب الطہارۃ مکمل ہونے کے بعد یہاں سے "کتاب الصلوٰۃ" شروع ہو رہی ہے' جس میں نماز کے متعلق احکام زیر بحث آئیں گے اور ان دونوں کا باہمی ربط واضح ہے کہ جب ایک شخص اپنے آپ کو جسمانی طور پر گندگیوں اور غلاظتوں سے پاک کر چکا تو اب روحانی پاکیزگی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ نماز ہے اس لیے کتاب الطہارۃ کے بعد کتاب الصلوٰۃ کو رکھا۔

• نماز کی فرضیت شب معراج میں ہوئی اور اس کی جملہ تفصیلات تو معلوم ہیں' اس کے لیے دلیل قرآن کریم کی وہ مشہور عالم آیت ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

"واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ"

اور جسے قرآن میں بار بار دہرایا گیا ہے' اسی طرح ترک نماز کی مذمت اور اس پر دی جانے والی وعیدیں بھی جو آیات قرآنی میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں' نماز کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح ذخیرۂ حدیث میں بھی اس نوعیت کی بے شمار احادیث بکھری پڑی ہیں چنانچہ کہیں فرمایا گیا

"اول ما افترض علی امتی الصلوات الخمس' واول ما یرفع اعمالھم الصلوات الخمس' واول ما یسئلون عن الصلوات الخمس" (رواہ الحاکم)

اور کہیں فرمایا کہ

"العھد الذی بیننا وبینھم الصلوۃ فمن ترکھا فقد کفر" (رواہ احمد' والترمذی' والنسائی' وابن ماجہ)

اسی طرح طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر نماز کے وقت اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ یہ اعلان کرتا ہے کہ اے اولاد آدم! اس آگ کی طرف کھڑے ہو جاؤ جس سے تم اپنے نفسوں کو جلا چکے ہو اور اسے نماز کے ذریعے بجھاؤ۔

پاس زائد کپڑے موجود تھے درحقیقت وہ آپ ﷺ کا طریقہ مسنونہ سکھانا چاہتے تھے۔

ایک روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آ کر نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ آدمی ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا کیا تم میں سے ہر شخص کو دو کپڑے میسر ہو سکتے ہیں؟ اور ایک روایت میں ہے کہ تم میں سے ہر ایک شخص کو دو کپڑے نہیں ملتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اسی سے ملتا جلتا ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں لکھ دیتا ہے۔

(۸۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰی فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهٖ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ لِاَبِی الزُّبَیْرِ غَیْرُ الْمَكْتُوْبَةِ قَالَ الْمَكْتُوْبَةُ وَغَیْرُ الْمَكْتُوْبَةِ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اسی طرح کہ اسے اپنے جسم پر اچھی طرح لپیٹ لیا‘ کسی شخص نے راوی حدیث ابوالزبیر سے پوچھا کہ یہ حکم فرض نمازوں کے علاوہ کے لیے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ فرض اور غیر فرض سب کو شامل ہے۔

حل لغات: ”امھم“ باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی امامت کرنا ”یعرفنا“ باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہچان کرانا ”یجد“ باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پانا۔ ”متوشحا“ باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی لپیٹ لینا ”المکتوبة“ باب نصر سے اسم مفعول کا صیغہ واحد مؤنث ہے بمعنی لکھی ہوئی اور مراد فرض نماز ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري: ۳۵۸، ومسلم: ۱۱۴۸ (۵۱۵)، وابوداؤد: ۶۲۵، وابن ماجه: ۱۰۴۷، والنسائي: ۷۶۴۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاري: ۳۵۳، ومسلم: ۱۱۵۶ (۵۱۸)، وابوداؤد: ۶۲۸، والترمذي: ۳۳۹، وابن ماجه: ۱۰۴۹، والنسائي: ۷۶۵۔

مفہوم: اس حدیث میں ایک قمیص یا ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا جواز منقول ہے جو بظاہر گزشتہ حدیث کے ضمن میں کی گئی ہماری تقریر کے خلاف محسوس ہوتا ہے اس لیے کہ صرف قمیص پہن کر نماز پڑھنے سے جسم کے پوشیدہ اعضاء کا مستور رہنا ناممکن ہے بالخصوص رکوع اور سجدے کی حالت میں تو جسم کا مستور رہنا ممکن ہی نہیں؟

اس لیے محدثین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کپڑوں کی بہت وافر مقدار لوگوں کے پاس نہیں ہوتی تھی‘ ظاہر ہے کہ نماز تو فرض ہے اس لیے بیان جواز کے لیے ایک قمیص یا کپڑے میں اسے اچھی طرح جسم پر لپیٹ کر نماز پڑھی گئی۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کے

درمیان اس مسئلے پر اختلاف پایا جاتا ہے حضرت ابی بن کعب فرماتے تھے کہ ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک کپڑے میں کئی نمازیں پڑھی ہیں اور یہ سنت سے ثابت ہے اور حضرت ابن مسعود فرماتے تھے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگوں کے پاس کپڑوں کی قلت ہوتی تھی' جب اللہ نے وسعت اور کشادگی عطا فرمائی ہے تو اب دو کپڑوں میں نماز پڑھنی چاہیے۔

گویا ایک قمیص میں نماز پڑھنا "بیان جواز" کے لیے تھا' لیکن اصل مسئلہ اس توجیہ کی موجودگی میں بھی حل نہیں ہوتا' کیونکہ جب عورت غلیظہ دوران نماز مستور رہے تو نماز کا فاسد ہونا ایک بدیہی بات ہے' پھر بیان جواز چہ معنی دارد؟ اس لیے ناکارہ کے ذہن میں اس کی صاف اور بے غبار صورت یہ آتی ہے کہ اہل عرب جو قمیص پہنتے ہیں وہ ہندوستانی قمیصوں سے دو طرح مختلف ہوتی ہے' ایک تو وہ اس قدر لمبی ہوتی ہے کہ بعض اوقات ٹخنوں سے بھی نیچے جا رہی ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ اس کا گھیرا دونوں طرف سے سلا ہوا ہوتا ہے' آج بھی اہل عرب اسی طرح کی قمیص پہنتے ہیں اور اس صورت میں بے پردگی کا کوئی احتمال نہیں ہوتا' خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ قمیص کا لفظ سن کر ہمارے ذہنوں میں ہندوستانی اور پاکستانی قمیص کا تصور آتا ہے لیکن اگر اسے عرب کے ماحول کے مطابق دیکھا جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

بَابُ فَضْلِ الصَّلٰوةِ فِیْ مَوَاقِیْتِهَا

۱۸۰ | اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ نَافِعٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوةُ فِیْ مَوَاقِیْتِهَا۔

نماز اپنے وقت پر پڑھنے کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا۔

حل عبارت: "العمل" پر الف لام جنس کا ہے اور سوال کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی جنس میں سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ "مواقیتها" میقات کی جمع ہے بمعنی وقت۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري ۵۲۷ ومسلم ۲۵۲ (۸۵) والترمذي ۱۷۳ والنسائي ۶۱۱۔

مفہوم: اس حدیث کے مطابق ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ فضیلت والا عمل کون سا ہے؟ نبی ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ وقت مقررہ پر نماز ادا کرنا' لیکن یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس حدیث میں نماز کو وقت مقررہ پر پڑھنا سب سے افضل عمل قرار دیا گیا ہے جبکہ بعض احادیث میں غریب کو کھانا کھلانا سب سے افضل

عمل قرار دیا گیا ہے' کبھی کسی چیز کو اور کبھی کسی چیز کو' ظاہر بات ہے کہ "سب سے افضل" ہونا تو کسی ایک عمل کی خصوصیت ہو سکتی ہے' مختلف اعمال سب سے افضل کیسے ہو سکتے ہیں؟

شراح حدیث نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ آسان جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو جس حکمت اور بصیرت و دانائی سے مالا مال فرما رکھا تھا' اسے کام میں لا کر موقع محل کے مطابق جواب دینا آپ ﷺ کی خصوصیت بن چکا تھا اور آپ ﷺ سائل کے حالات کو مد نظر رکھ کر اس کے سوال کا جواب ارشاد فرماتے تھے۔

جیسا کہ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی سپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس ایک ہی مرض کے دو یا زیادہ مریض آتے ہیں' ان کا مرض بھی ایک ہوتا ہے اور عوارض بھی ایک جیسے' لیکن ڈاکٹر ان میں سے ہر ایک کے لیے جدا نسخہ لکھتا ہے اور مختلف طریقوں سے علاج کرتا ہے' اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ ان کی طبیعت اور حالات سے واقف ہوتا ہے' اس لیے وہ اس بات کو بہتر طریقے سے سمجھتا ہے کہ کس کے لیے کون سا نسخہ زیادہ بہتر ہے؛

بس اسی طرح سمجھ لیجیے کہ نبی علیہ السلام بھی سائل کے حالات کو مد نظر رکھ کر جواب ارشاد فرمایا کرتے تھے' جس شخص کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ وقت مقررہ پر نماز پڑھنے میں سستی کرتا ہے' اس کے لیے وقت مقررہ پر نماز پڑھنا سب سے افضل عمل قرار دیا اور جس شخص کے متعلق معلوم ہوا کہ اس کی طبیعت مالی و دولت خرچ کرنے میں بے حد تنگ واقع ہوئی ہے' اس کے لیے غریبوں کو کھانا کھلانا سب سے افضل عمل قرار دے دیا' غرضیکہ جہاں جس نوعیت کے جواب کی ضرورت محسوس ہوئی' وہاں وہی جواب ارشاد فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ الْإِسْفَارِ بِالصُّبْحِ

(۱۸۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اَسْفِرُوْا بِالصُّبْحِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلثَّوَابِ۔

اسفار کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا صبح کی نماز خوب روشنی کرکے پڑھا کرو کیونکہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔

حل لغات: "اسفروا" باب افعال سے امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے' معنی روشنی کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۴۲۴ والترمذی: ۱۵۴ وابن ماجه: ۶۷۲ والنسائی: ۵۴۸ واحمد: ۴/۱۴۰۔

مفہوم: بنیادی طور پر نماز فجر کا وقت طلوع صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک رہتا ہے' اس وقت کے درمیان جب بھی نماز فجر ادا کر لیا جائے' خواہ اول وقت میں یا درمیان وقت میں یا آخر میں' وہ ادا ہو جائے گی لیکن طلوع آفتاب

کے بعد پڑھی جانے والی نماز فجر کو ادا نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے قضاء کہا جائے گا۔

گویا نماز فجر کے لیے وقت جواز تو طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے، باقی رہا وقت مستحب، سو وہ اس حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسفار کی حالت میں نماز فجر پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب روشنی چاروں طرف پھیل جائے تب نماز فجر شروع کی جائے، کیونکہ اگر ایسا ہوا اور امام صاحب نے لمبی قراءت شروع کر دی تو سورج نکل آنے کا اندیشہ ہوگا۔

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رات کا جو گہرا مہیب اور تاریک سایہ ہے وہ دور ہونا شروع ہو جائے اور اس کی جگہ روشنی نمودار ہونے لگے تو نماز فجر ادا کر لی جائے تاکہ جب نماز فجر ادا کر کے باہر نکلیں تو خوب اچھی طرح روشنی ہو چکی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ تَفُوْتُهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ

(۸۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنْ اَبِيْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ بُرَيْدَةَ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ بُرَيْدَةَ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ فِيْ يَوْمِ غَيْمٍ اِنَّهُ مَنْ فَاتَهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ.

نماز عصر کے فوت ہو جانے پر وعید کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز عصر جلدی ادا کر لیا کرو۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جس دن ابر چھایا ہوا ہو اس دن نماز عصر جلدی پڑھ لیا کرو، کیونکہ جس شخص کی نماز عصر فوت ہو جائے یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے گویا اس کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس حدیث کے آخری جملے سے ملتا جلتا ہے، اس لیے اس کا ترجمہ نہیں لکھا جاتا ہے۔

(۸۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنْ اَبِيْ بُرَيْدَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلَهُ وَمَالَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کی نماز عصر فوت ہو جائے گویا اس سے اس کے اہل خانہ اور اس کا مال و دولت چھین لیا گیا۔

حَلِّ عِبَارَتْ: "بکروا" باب تفعیل سے امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی جلدی کرنا۔ "غیم" بادل کو کہتے ہیں۔ "فاتہ" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رہ جانا، فوت ہو جانا۔ "تغرب" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ڈوب جانا۔ "حبط" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد

مذکر غائب ہے بمعنی ضائع ہو جانا "وتر" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا مذکر صیغہ ہے بمعنی ہلاک ہو جانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري: ٥٥٢، والنسائي: ٤٧٨، وابن ماجه: ٦٩٤، واحمد: ٥/٤٢٩، وله احاديث في معناه كثيرة

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاري: ٥٥٣، ومسلم: ١٤١٩ (٦٢٦)، وابو داؤد: ٤١٤، والترمذي: ١٧٥، والنسائي: ٥١٢، وابن ماجه: ٦٨٥۔

مفہوم: بنیادی طور پر ان دونوں حدیثوں میں نماز عصر کی اہمیت ذہن نشین کرانا مقصود ہے کیونکہ اکثر علماء کرام کی رائے کے مطابق وہ "صلوٰۃ وسطیٰ" جس پر خصوصیت کے ساتھ محافظت کا قرآن کریم میں حکم آیا ہے اس سے نماز عصر ہی مراد ہے اور چونکہ ویسے بھی کاروباری اعتبار سے یہ وقت بہت زیادہ مصروفیت کا ہوتا ہے اس لیے اس کی اہمیت جتلانے کے لیے فرمایا کہ کاروبار میں منہمک ہو کر نماز عصر کی ادائیگی سے غافل نہ ہو جانا اس لیے کہ تم کاروبار کے ذریعے اپنے جس مال و دولت کو بڑھانا چاہتے ہو اس منٹ کے اس مختصر سے عرصے میں تمہارے مال میں اتنا اضافہ نہیں ہوگا جتنی برکت نماز عصر کو ترک کر دینے سے چھین لی جائے گی اس لیے اس میں غفلت مت کرنا خواہ تمہیں اس کی ادائیگی اول وقت میں ہی کرنا پڑے۔

شرح حدیث کے حوالے سے تو اس کی وضاحت یہ ہے لیکن فقہاء کرام کے لیے یہاں ایک الجھن پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ اس حدیث میں نماز عصر کو جلدی پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ بعض دوسری روایات میں تاخیر کا حکم بھی دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ بیک وقت دونوں طرح کی روایات پر عمل نہیں ہو سکتا اس لیے جو فقہاء تعجیل عصر کے قائل ہیں وہ تاخیر پر دلالت کرنے والی روایات میں توجیہ کرتے ہیں اور جو فقہاء تاخیر عصر کے قائل ہیں وہ تعجیل پر دلالت کرنے والی روایات میں تاویل کرتے ہیں۔

لیکن اس کا بہترین حل ذخیرۂ حدیث میں اس موضوع کی احادیث میں خود ہی مل جاتا ہے چنانچہ خود بخاری میں بھی جہاں تعجیل عصر کی روایت نقل کی گئی ہے وہاں "فی یوم غیم" کی قید موجود ہے جس سے یہ مسئلہ مکمل طور پر حل ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں کسی کی بھی دو رائیں نہیں ہیں کہ جس دن آسمان ابر آلود ہو اس دن نماز عصر جلدی پڑھ لی جائے گویا تعجیل عصر کا حکم "یوم غیم" کے ساتھ خاص ہے اور عام حالات میں تاخیر عصر ہی مسنون ہے۔

لیکن یاد رہے کہ نماز عصر کا وقت شروع ہو جانے کے بعد اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ وقت مکروہ شروع ہو جائے اور سورج پیلا پڑنا شروع ہو جائے ذخیرۂ حدیث میں اس کی سخت مذمت کی گئی ہے اور اسے منافقین کا طرز عمل قرار دیا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام: بنیادی طور پر اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے چار اصول بیان فرمائے ہیں اسی لیے ہم نے ہر جز کی الگ الگ تخریج کی ہے اور مجموعے کو سامنے رکھ کر محققین کا حوالہ بھی دیا ہے' اور اسی بنا پر ہم چار نکات سے بحث کریں گے۔

ا۔ نبی ﷺ نے پہلا اصول تو یہ بیان فرمایا کہ نمازِ فجر اور نمازِ عصر کے بعد نماز نہیں پڑھنی چاہیے' ظاہر ہے کہ یہ ممانعت نوافل سے متعلق ہی ہو سکتی ہے' فرائض کو یہ ممانعت شامل نہیں' خواہ وہ اسی دن کی فرض نماز ہو' یا ماضی کی کسی نماز کو قضاء کیا جا رہا ہے۔

یہ دو وقت تو خاص طور پر نوافل کے ساتھ خاص ہیں' جن میں سے پہلے وقت میں دیگر احادیث مبارکہ کو سامنے رکھ کر تھوڑی توسیع کر دی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ فجر کی اذان کے بعد جو دو رکعتیں سنت مؤکدہ کے طور پر ادا کی جاتی ہیں ان کے بعد ہی سے نوافل میں مشغولیت سے انسان اپنے آپ کو روک لے۔

اس کے علاوہ تین اوقات ایسے ہیں جن میں نوافل کے ساتھ ساتھ فرائض کی بھی ممانعت ہے۔

(۱) طلوعِ آفتاب کے وقت

(۲) زوالِ آفتاب کے وقت۔

(۳) غروبِ آفتاب کے وقت۔

اول الذکر اوقات میں نوافل کی ممانعت کی جو حکمتیں شراح نے بیان کی ہیں' وہ سب اپنی جگہ صحیح ہیں' لیکن ناکارہ کے ذہن میں یہ توجیہ آتی ہے کہ نمازِ فجر کے بعد عام طور پر لوگوں کے معمولات دو طرح کے ہوتے ہیں' بعض لوگ سو جاتے ہیں جیسا کہ گرمیوں میں اکثر ہوتا ہے اور بعض اپنے دفاتر' مدارس اور سکول جانے کے لیے تیاری کرتے ہیں' اب اگر انسان نوافل میں مشغول ہو جائے تو معمولاتِ زندگی میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے جو شریعت کا منشاء کسی صورت نہیں ہو سکتا' یہی وجہ ہے کہ طلوعِ آفتاب کے بعد نوافل کی اجازت ہو جاتی ہے۔

اور نمازِ عصر کے بعد کاروباری مصروفیات کا لحاظ رکھ کر شریعت نے انسانی طبیعت اور اس کے تقاضوں کا لحاظ رکھا ہے' یقیناً اتنی باریک بینی جو عبادات سے لے کر زندگی کے ہر گوشے کو حاوی ہو' اسلام کے علاوہ کسی دین و مذہب میں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی۔

اور مؤخر الذکر اوقات میں چونکہ شمس پرستوں اور آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اور اسلام کا یہ ایک غیر منسوخ اصول ہے۔

من تشبه بقوم فهو منهم

یہ اصول بھی منسوخ ہوا ہے اور نہ ہی کسی خاص چیز کے ساتھ اس کی تخصیص ہے' بلکہ یہ ایک عام حکم ہے اور ہر

اس صورت کو شامل ہے جس میں کسی بھی قوم کے ساتھ کسی بھی طرز کی مشابہت پائی جائے۔

۲۔ زیر بحث حدیث میں دوسرا حکم روزہ سے متعلق دیا گیا ہے جس کی افادیت و اہمیت دنیا بھر کے تمام ادیان میں مسلم ہے اور بعض لوگ تو اس میں اس حد تک غلو کرتے ہیں کہ چپ کا روزہ رکھ لیتے ہیں' اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے' اور اس میں بھی اسلام نے اعتدال کی تعلیم دی ہے اور اس سلسلے میں سب سے پہلا اصول تو یہ مقرر کر دیا کہ روزانہ روزہ رکھنے کی ممانعت کر دی اور فرما دیا کہ جو روزانہ روزہ رکھتا ہے' وہ ایسے ہے جیسے اس نے روزہ رکھا ہی نہیں' دوسرا اصول یہ مقرر کر دیا کہ بغیر کچھ کھائے پیئے کئی کئی دن کا مسلسل روزہ رکھنے سے منع کر دیا جیسا کہ پہلے بعض لوگ اسے بڑی عبادت سمجھ کر کئی کئی دن کھائے پیئے بغیر روزہ رکھا کرتے تھے اور تیسرا یہ اصول مقرر کر دیا کہ اگر کوئی شخص بہت زیادہ روزے رکھنا چاہتا ہے تو پورے مہینے میں تین روزے رکھ لے ورنہ ہفتہ میں دو روزے رکھ لے ورنہ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن روزہ رکھ لے اور اس آخری صورت کی یہ فضیلت بیان فرما دی کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہی طریقہ کار تھا۔

چوتھا اصول یہ بیان فرمایا کہ عیدین اور ایام تشریق کے روزے نہ رکھے جائیں' اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ حرام کا مرتکب ہو گا' بظاہر اس شدت کی وجہ یہ ہے کہ توہم پرست اور عقیدے کے کمزور افراد کا یہ خیال ہوتا ہے کہ جس دن کوئی بھی روزہ نہیں رکھتا' اگر ہم نے بھی نہ رکھا تو کون سا کمال کیا' اصل کمال تو اس صورت میں ہو گا کہ جب سب کھا پی رہے ہوں' ہم اس وقت روزے سے ہوں' اور عام طور پر پورے سال میں ایسے ایام یہی ہوتے ہیں' اس لیے وہ ان دنوں میں روزہ رکھنا باعث کمال سمجھتے ہیں۔

شریعت نے اس خیال کی نفی اور تردید کرنے کے لیے مختلف جہتوں میں احکام جاری کیے ہیں' چنانچہ کہیں ان ایام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضیافت کے ایام قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ کی مہمان نوازی قبول کرو اور کہیں فرمایا کہ یہ تو کھانے پینے اور میاں بیوی کے لیے ایک دوسرے سے قریب ہونے کے دن ہیں۔

۳۔ مساجد اللہ کی تجلیات کا خصوصی مرکز ہوتی ہیں' اس میں مسجد کے چھوٹا بڑا ہونے یا دور اور قریب ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' جو اللہ بڑی مسجد میں ہوتا ہے وہی چھوٹی مسجد میں بھی ہوتا ہے' اور جو اللہ دور کی مسجد میں ہوتا ہے' وہی خدا قریب کی مسجد میں ہوتا ہے' اب یہ اپنے اپنے ذہن کی بات ہے کہ ہم اللہ کو ڈھونڈنے اور راضی کرنے کے لیے کسی بڑی اور دور کی مسجد کا انتخاب کرتے ہیں یا چھوٹی اور قریب کی مسجد سے' تا کہ بمراد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

اسی خیال کی اصلاح کے لیے یہ حکم ارشاد فرمایا گیا اور اس میں سے تین مسجدوں کا استثناء کیا گیا' مسجد حرام کا تو اس لیے کہ مسلمان وہاں جا کر طواف کرتے' سعی کرتے اور اپنے نفس امارہ پر چھریاں چلاتے ہیں اور یوں بھی وہ مسلمانوں کا قبلہ ہے' مسجد اقصیٰ کا اس لیے کہ وہ مسلمانوں کا قبلہ اول اور تمام ادیان و مذاہب میں یکساں اہمیت کا حامل

ہے اور مسجد نبوی کا اس لیے کہ اس سے مسلمانوں کے جذبہ عشق و محبت کی تکمیل ہوتی ہے۔

اور مراد رسول ﷺ کی باریکیوں کو سمجھنے والے حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ منشاء نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے ملاقات یا کسی تجارتی سلسلے میں کسی ایسی جگہ گیا ہوا ہو جہاں کوئی مشہور مسجد ہو، اس کا اصل مقصد تو ملاقات یا تجارت ہو لیکن وہاں آمد کا فائدہ اٹھا کر کسی تاریخی مسجد کی زیارت کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۴۔ عورت کے وجود کو بالخصوص جبکہ وہ بیوی کے درجے میں ہو کر مرد کے انتہائی قریب اور اس کے روز و شب سے واقف ہو خود خالق کائنات نے آزمائش اور امتحان کا ذریعہ قرار دیا، اسی وجہ سے سرکار دو عالم ﷺ نے اس صنف نازک کی عفت و عصمت اور طہارت و پاکدامنی کو بچانے کے لیے بڑے دور رس اور اہم احکام صادر فرمائے۔

انہی احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ عورت محرم کے بغیر ہرگز سفر پر نہ جائے، خواہ اس کا اکیلے ہی سفر پر روانہ ہونے کا ارادہ ہو یا کسی غیر محرم کے ساتھ، دونوں صورتوں میں اس کی سختی سے ممانعت کی گئی اور یہ ممانعت کسی اندیشے کی بناء پر نہیں کی جا رہی بلکہ ان حالات اور واقعات کو مدنظر رکھ کر یہ حکم دیا گیا ہے جو اب بھی اس حکم کی پرواہ نہ کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں حتی کہ گزشتہ سالوں میں سفر حج کے دوران بھی ایک ایسا ہی ناگفتہ بہ واقعہ پیش آیا تھا، بعد میں سعودی حکومت نے اس پر پابندی لگا دی لیکن سنا ہے کہ ابھی چند دن پہلے یہ پابندی پھر اٹھا لی گئی ہے، اللہ کرے کہ یہ نہ ہو اور یہ ایک افواہ کی حد تک ہی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَدْءِ الْأَذَانِ

(۹۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ مَرَّ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَرَآهُ حَزِينًا وَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَعِمَ تَجْتَمِعُ إِلَيْهِ فَانْطَلَقَ حَزِينًا بِمَا رَأَى مِنْ حُزْنِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَتَرَكَ طَعَامَهُ وَمَا كَانَ يَجْتَمِعُ إِلَيْهِ وَدَخَلَ مَسْجِدَهُ يُصَلِّي فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ نَعَسَ فَأَتَاهُ آتٍ فِي النَّوْمِ فَقَالَ هَلْ عَلِمْتَ مِمَّا حَزِنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا قَالَ فَهُوَ لِهٰذَا التَّأْذِينِ فَأْتِهِ فَمُرْهُ أَنْ يَأْمُرَ بِلَالًا أَنْ يُؤَذِّنَ فَعَلَّمَهُ الْأَذَانَ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ مَرَّتَيْنِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مَرَّتَيْنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ مَرَّتَيْنِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ مَرَّتَيْنِ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ عَلَّمَهُ الْإِقَامَةَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَقَالَ فِي آخِرِهِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَأَذَانِ النَّاسِ وَإِقَامَتِهِمْ فَأَقْبَلَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَعَدَ عَلَى بَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَمَرَّ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ اسْتَأْذِنْ لِي وَقَدْ رَأَى مِثْلَ ذٰلِكَ فَأَخْبَرَ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ ثُمَّ اسْتَأْذَنَ الْأَنْصَارِيُّ فَدَخَلَ فَأَخْبَرَ بِالَّذِي رَأَى فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مِثْلَ ذٰلِكَ فَأْمُرْ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِذٰلِكَ۔

صدیق اکبرؓ نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا' چنانچہ انہوں نے نبی ﷺ کو اس سے مطلع کر کے نصاری کے لیے اجازت مانگی' چنانچہ نصاری نے اندر آ کر خواب کا سارا واقعہ سنایا' نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر نے بھی ہمیں ایسی ہی بات بتائی ہے' پھر نبی ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اسی طرح اذان دینے کا حکم دیا' اور ایک روایت میں ہے کہ بلال کو یہ الفاظ اسی طرح سکھا دو۔

حَلِّ لُغَات: "حزینة" فعیلة کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے بمعنی "غمگین" "تجمع" باب فتح سے مضارع مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی اکٹھا ہونا "نعس" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اونگھ آنا "فقه" باب ضرب سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی آنا "أمره" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی حکم دینا "یؤذن" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اذان دینا' اطلاع دینا "اخبرنا" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی خبر دینا۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاري مختصراً: ٦٠٤' وأبو داود كذلك: ٤٩٩' والترمذي: ١٨٩۔

مفہوم: اس حدیث میں نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع کرنے کے لیے اذان کے مروجہ طریقہ کی ابتداء بیان کی گئی ہے کہ اس کا آغاز کیسے ہوا؟ سو اس سلسلے میں اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ اذان کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا' مکہ مکرمہ میں چونکہ کفار کا غلبہ تھا اس لیے مسلمان چھپ چھپ کر عبادات کیا کرتے تھے ظاہر ہے کہ اس صورت میں اذان کہنا ممکن ہی نہیں تھا۔

لیکن مدینہ منورہ بھی آتے ہی فیصلہ نہیں ہو گیا بلکہ نبی ﷺ نے اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ نماز کا وقت آنے پر اس کی اطلاع لوگوں تک کیسے پہنچائی جائے؟ مشورہ میں مختلف آراء سامنے آئیں لیکن ان میں سے ہر رائے یہودیوں' عیسائیوں' آتش پرستوں یا کسی بھی غیر مسلم قوم کے طرز عمل سے مشابہ تھی' جو ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کو کسی صورت قبول نہیں ہو سکتا تھا' اس لیے مجلس فی الحال "الصلوٰۃ جامعۃ" کے اعلان پر اتفاق رائے سے برخاست ہو گئی۔

اس کے بعد خواب کا وہ واقعہ پیش آیا جو زیر بحث حدیث میں مذکور ہے اور حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ "جنہوں نے یہ عظیم خواب دیکھا تھا" نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب سنایا اب اس خواب کے مطابق جب حضرت بلالؓ نے پہلی اذان دی "جو نماز فجر کے لیے تھی" تو حضرت فاروق اعظمؓ بھی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے بھی یہ خواب دیکھا ہے اور زیر بحث حدیث کے مطابق سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھی یہی خواب دیکھا تھا' اس وقت سے لے کر اب تک اذان نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع کے طور پر مشہور ہے۔

فقہاء کرام نے اس حدیث سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے لیکن میں انہیں مطولات کے سپرد کر کے سردست اس نکتے پر بحث کرنا چاہوں گا کہ ابتداء اذان سے متعلق جتنی بھی روایات ذخیرہ حدیث میں ملتی ہیں ان سب

میں ایک بات قدر مشترک کے طور پر ضرور پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ اذان کا آغاز ایک صحابی کے خواب سے ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت تو خود سرکار دو عالم ﷺ موجود تھے اور وحی کا سلسلہ بھی جاری تھا، پھر وحی کے ذریعے کلمات اذان کی تلقین کیوں نہیں کر دی گئی؟ یا خود نبی علیہ السلام کو خواب میں کلمات اذان کیوں نہ سکھا دیے گئے؟ ایک صحابی اور وہ بھی غیر معروف و غیر مشہور کے ذریعے اس کی تلقین کیوں عمل میں آئی؟

اس سوال کے یوں تو بہت سے جواب دیے جا سکتے ہیں لیکن یہ بات تو بہت ہی واضح ہے کہ عظمت صحابہ کی اس سے بڑی کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ شعائر اللہ میں سے ایک اہم شعار ان کے خواب کی بنیاد پر قائم کیا گیا، دوسری بات یہ بھی ہے کہ نبی علیہ السلام چونکہ امام الانبیاء تھے اور آپ ﷺ دنیا کی پیشوائی و رہنمائی کے لیے تشریف لائے تھے اور پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ نبی علیہ السلام نے نماز کے لیے اذان کہی ہو کیونکہ امام بہرحال امام ہوتا ہے، البتہ صحابہ کرام چونکہ نبی علیہ السلام کی موجودگی میں امامت کرنا خود بے ادبی سمجھتے تھے اس لیے اذان میں ان کا حصہ شامل ہونا ایک طبعی بات تھی اس لیے خواب اسی کو دکھایا گیا جو اذان دے سکے اور جس کے بارے میں ازل سے طے ہو کہ اس نے امامت نہیں کرنی ہے اسے خواب بھی نہیں دکھایا گیا۔

پھر یہاں ایک اور اہم پہلو بھی ہے کہ اس موضوع کی روایات میں نبی علیہ السلام کا یہ جملہ بھی نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔

انها لرؤیا حق

گویا محض صحابی کے خواب پر ہی اس کا دارومدار نہیں بلکہ نبی علیہ السلام کی تصدیق پر اس کا دارومدار ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر نبی علیہ السلام اس خواب کی تصدیق نہ فرماتے تو کبھی بھی ان کلمات کو اذان کا درجہ نہ ملتا۔ واللہ اعلم

(۹۶) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللهِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ قَالَ مِثْلَ مَا يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول مبارک تھا کہ مؤذن جب اذان دیتا تو نبی علیہ السلام بھی وہی جملے کہتے جو مؤذن کہتا تھا۔

تحقیق ترکیب: "اذا" حرف شرط ہے "اذن" شرط اور "قال" جزا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۶۱۱ ومسلم ۸۴۸ (۳۸۳) وابوداؤد ۵۲۲ والترمذی ۲۰۸ وابن ماجه ۷۲۰ والنسائی: ۶۷۳ واحمد ۳/۶

مفہوم: اس حدیث میں تو نبی علیہ السلام کا یہ معمول مبارک ذکر کیا گیا ہے کہ وہ کلمات اذان سن کر مؤذن کے جواب میں اسی کے کہے ہوئے کلمات دہرایا کرتے تھے جبکہ اس مضمون کی دوسری احادیث میں پوری امت کے لیے حکم مذکور ہے کہ جب مؤذن کو اذان کہتے ہوئے سنا تو اس کے کہے ہوئے کلمات تم بھی دہرایا کرو۔

حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح سن کر "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھنا بھی احادیث سے ثابت ہے یوں بھی اگر عقلی طور پر غور کر کے دیکھا جائے تو مؤذن کا حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن اگر سننے والا بھی حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہنا شروع کر دے تو سوال یہ ہوگا کہ وہ کون سی نماز اور کونسی کامیابی کی طرف بلا رہا ہے جو مؤذن کی دعوت میں نہیں ہے اس لیے اس کے جواب میں "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کہنا ہی قرین قیاس ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ بار الٰہا! آپ کا یہ منادی تو مجھے نماز اور کامیابی کی طرف بلا رہا ہے اور شیطان مجھے ان سے دور کر رہا ہے اب آپ ہی کی مدد اور طاقت میری دستگیری کر سکتی ہے کیونکہ میں تو بہت ہی عاجز اور بے بس ہوں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا

(٩٢) اَبُوْ حَنِيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ اَبِيْ اَوْفٰى يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا وَلَوْ كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ بَنَى اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔

اس شخص کے اجر کا بیان جو اللہ کے لیے مسجد بنائے

ترجمہ: امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جو شخص تعمیر مسجد میں حصہ لے اگرچہ قطا پرندے کے گھونسلے کے برابر ہی ہو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔

تحقیق عبارت: "بنی" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تعمیر کرنا' بنانا "کمفحص" اس کی جمع "مفاحص" آتی ہے اور اس کا اطلاق اس جگہ پر ہوتا ہے جہاں پرندہ انڈے دیتا ہے عام طور پر ایسی جگہ چونکہ گھونسلا ہی ہوتی ہے اس لیے ہم نے اس کا حاصل ترجمہ گھونسلا کیا ہے "قطاۃ" ایک خاص قسم کا پرندہ جس کا اردو ترجمہ "بھٹ تیتر" کیا جاتا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ٧٣٨، والبخاري مثله: ٤٥٠، ومسلم ١١٨٩ (٥٣٣)، والترمذي: ٣١٨، والنسائي: ٦٨٩ واحمد ٢١٥٧۔

مفہوم: اس حدیث میں تعمیر مسجد میں حصہ لینے کی فضیلت کا بیان ہے لیکن اس کی وضاحت سے قبل اس حدیث کی سند کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے کیونکہ مشہور کتب حدیث میں سند حدیث کے اعتبار سے اس سے زیادہ عالی سند روایت کا ملنا ناممکن ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اس حدیث میں نبی ﷺ اور امام صاحبؒ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے یعنی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ اور چونکہ امام صاحبؒ نے سماع کی تصریح کی ہے اس لیے رؤیت اور روایت دونوں اکٹھے ہو جانے سے یہ امام صاحبؒ کی تابعیت کی ایک اور دلیل ہے۔

باقی رہا مضمون حدیث سو وہ ترجمہ سے ہی واضح ہے کہ جنت میں اپنے لیے محل اور کوٹھی تعمیر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کا گھر تعمیر کیا جائے اور اس میں بھی یہ ضروری نہیں کہ مسجد کی مکمل تعمیر اکیلا ایک شخص ہی کرے بلکہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس میں جو شخص جتنا حصہ بھی ڈال دے گا، ارکان خداوندی سے امید ہے جنت کے ایک پورے محل کا فیصلہ اس شخص کے حق میں کر دیا جائے گا اب سوچا جا سکتا ہے کہ تھوڑا حصہ شامل کرنے پر یہ ثواب ہے تو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے پر کتنا ثواب ہوگا، اس لیے تعمیر مساجد میں حصہ لے کر اس ثواب کو حاصل کرنے کی ضرور کوشش کیجیے خواہ ایک چھکڑی کے ذریعے کیوں نہ ہو۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ اِنْشَادِ الضَّالَّةِ فِي الْمَسْجِدِ

(۹۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ جَمَلًا فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ لَا وَجَدْتَ وَفِيْ رِوَايَةٍ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ بَعِيْرًا فَقَالَ لَا وَجَدْتَ اِنَّ هٰذِهِ الْبُيُوْتَ بُنِيَتْ لِمَا بُنِيَتْ لَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَجُلًا اَطْلَعَ رَاْسَهٗ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَنْ دَعَا اِلَى الْجَمَلِ الْاَحْمَرِ فَقَالَ لَهٗ ﷺ لَا وَجَدْتَ اِنَّمَا بُنِيَتْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهٗ۔

مسجد میں گمشدہ چیزوں کا اعلان کرنے کی ممانعت

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں ایک آدمی کو گمشدہ اونٹ کا اعلان کرتے ہوئے سنا تو فرمایا اللہ کرے تجھے تیرا اونٹ نہ ملے اور ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ یہ گھر تو اس مقصد کے لیے ہیں جس کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں اپنا سر داخل کیا اور کہنے لگا کہ مجھے میرے سرخ اونٹ کا پتہ کون بتائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کرے وہ تجھے نہ ملے، یہ مسجدیں تو اس مقصد کے لیے ہیں جس کے لیے بنائی گئی ہیں۔

حَلِّ عِبَارَت: "ینشد" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تلاش کرنا، شعر پڑھنا "بنیت لما بنیت" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی بنانا "ما" حرف جر "ما" موصول اور آگے پھر یہی صیغہ ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه النسائي في الصغرى ۷۱۸، وابن ماجه ۷۶۵، وأبوداؤد ۴۷۲، ومسلم ۱۲۶۲، ۱۲۶۰، وأحمد ۲۳۴۲۵، وابن خزيمة ۱۳۰۲، وابن حبان ۱۶۵۲، والطيالسي ۸۰۴، وعبدالرزاق ۱۷۲۱۔

مفہوم: شہروں میں تو اس چیز کا رواج شہری تمدن نے ختم کر دیا ہے لیکن دیہی علاقوں میں یہ رواج اب بھی موجود ہے کہ جس کی کوئی گائے، بھینس، کتا، بکری گم ہو جائے وہ مسجد میں آ کر لاؤڈ اسپیکر پر چیخ چیخ کر اپنے متعلقہ جانور کی

اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اس چیز میں کوتاہی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت کسی کا ہاتھ چہرے کی طرف ہوتا ہے' کسی نے کانوں کو پکڑا ہوا ہوتا ہے' کسی نے اپنی انگلیاں انتہائی محنت و مشقت اور مجاہدہ سے پوری طرح کھول کر رکھی ہوتی ہیں اور کوئی یہی محنت انگلیاں بند کرنے میں صرف کر رہا ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی طریقہ بھی سنت کے مطابق نہیں ہے' سنت یہ ہے کہ ہاتھ کا رخ قبلہ کی طرف' انگلیاں سیدھی' نہ بہت زیادہ کشادہ اور نہ بہت زیادہ تنگ اور دو کان کی لو کے برابر ہو جائیں۔ واللہ اعلم

(۱۹۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِالْجَبَّارِ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ التَّكْبِيْرِ وَيُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَيَسَارِهِ۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ؑ کو تکبیر کہتے وقت رفع یدین کرتے ہوئے اور اختتام نماز پر دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حل عبارت: "رایت" فعل بافاعل ہے اور "یرفع یدیہ" سے آخر تک مفعول بہ کی حالت کا بیان ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۹۹۷ ومسلم: ۱۳۱۵ (۵۸۲) والنسائي: ۱۳۱۷ وابن ماجه: ۹۱۵ واحمد: ۱/ ۱۸۰

مفہوم: اس حدیث کے تحت فقہاء کرام نے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ اور رفع یدین ایک دوسرے کے متقارن ہونے چاہئیں یا کسی ایک کو مقدم ہونا چاہیے؟ اور اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ اختتام نماز پر سلام ایک مرتبہ پھیرنا چاہیے یا دو مرتبہ؟ لیکن ہم یہاں اس دوسرے مسئلے پر فقہی اعتبار سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے کیونکہ سوائے امام مالکؒ کے تینوں ائمہ دونوں طرف ہی سلام پھیرنے کے قائل ہیں۔

البتہ اول الذکر مسئلے میں فقہاء احناف کے یہاں خود دو رائیں پائی جاتی ہیں' چنانچہ بعض مقارنت کے قائل ہیں اور طرفین کی رائے یہ ہے کہ پہلے رفع یدین کرے' اس کے بعد تکبیر کہے اور ان کے پاس اس کی دلیل بڑی عجیب و غریب ہے جس سے ان کی دقت نظر اور باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

چنانچہ ان کی دلیل یہ ہے کہ جس بندۂ مسلم نے مسجد میں آ کر امام کی اقتداء کی نیت کی اور نماز میں داخل ہونے کے لیے ہاتھ اٹھائے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اس نے صرف ہاتھ اٹھائے ہیں بلکہ اس نے اللہ کے علاوہ ہر چیز سے ہاتھ اٹھا لیے ہیں اور وہ یہ اقرار کر رہا ہے کہ کبریائی اور عظمت کا حق دار کوئی غیر اللہ نہیں ہو سکتا اور جب اس نے تکبیر کہی تو اس کبریائی اور عظمت کو اللہ کے لیے ثابت کیا جس کی نفی رفع یدین کر کے وہ غیر اللہ سے کر چکا تھا' اس کا مطلب یہ ہوا کہ رفع یدین میں نفی ہے اور تکبیر میں اثبات اور یہ اصول ہے کہ نفی اثبات پر مقدم ہوتی ہے' اس لیے رفع یدین پہلے ہونا چاہیے اور تکبیر تحریمہ بعد میں کہنی چاہیے۔

باقی رہا حدیث کا دوسرا جزء' جس کے مطابق اختتام نماز پر دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام پھیرنا چاہیے سو

اس کی حکمت یہ ہے کہ مسجد اللہ کا گھر اور فرشتوں کی محبوب جگہ ہے جسے فرشتے گھیرے رہتے ہیں اور جب مسجد میں نماز ہو رہی ہو تو ان کے شوق میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ مسلمانوں کے دائیں بائیں منتظر ہوتے ہیں جب مسلمان دائیں طرف سلام پھیرتے ہیں تو فرشتے اس کا جواب دیتے ہیں اور جب بائیں طرف سلام پھیرتے ہیں تب بھی وہ جواب دیتے ہیں اور فرشتے معصوم ہوتے ہیں اور معصوم کی دعا رد نہیں ہوتی لہذا ہمیں اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونا چاہیے اور اس کی صورت یہی ہے کہ ایک طرف سلام پھیرنے پر اکتفاء کی بجائے دونوں طرف سلام پھیرا جائے اور فرشتوں کی نیت بھی کر لی جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الْيَدَيْنِ

[۹۶] أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ أَنَّهُ قَالَ فِيْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَعْرَابِيٌّ لَمْ يُصَلِّ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ صَلٰوةً قَبْلَهَا قَطُّ أَهُوَ أَعْلَمُ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ وَأَصْحَابِهِ حَفِظَ وَلَمْ يَحْفَظُوْا يَعْنِيْ رَفْعَ الْيَدَيْنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ أَنَّهُ ذُكِرَ حَدِيْثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مَا صَلّٰى صَلٰوةً قَبْلَهَا أَهُوَ أَعْلَمُ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ ذُكِرَ عِنْدَهُ حَدِيْثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ رَفَعَ يَدَيْهِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ السُّجُوْدِ فَقَالَ هُوَ أَعْرَابِيٌّ لَا يَعْرِفُ الْإِسْلَامَ لَمْ يُصَلِّ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا صَلٰوةً وَاحِدَةً وَقَدْ حَدَّثَنِيْ مَنْ لَا أُحْصِيْ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّهُ رَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ بَدْءِ الصَّلٰوةِ فَقَطْ وَحَكَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَبْدُاللّٰهِ عَالِمٌ بِشَرَائِعِ الْإِسْلَامِ وَحُدُوْدِهِ مُتَفَقِّدٌ لِأَحْوَالِ النَّبِيِّ ﷺ مُلَازِمٌ لَهُ فِيْ إِقَامَتِهِ وَفِيْ أَسْفَارِهِ وَقَدْ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مَا لَا يُحْصٰى۔

رفع یدین کا بیان

ترجمہ: حماد سے منقول ہے کہ ابراہیم نخعیؒ حضرت وائل بن حجرؓ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ دیہات میں رہنے والے صحابی تھے نبی ﷺ کے ساتھ انہیں اس سے پہلے کوئی نماز پڑھنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا کیا عبداللہ بن مسعود اور ان جیسے دوسرے صحابہؓ سے بڑے عالم ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے رفع یدین کا مسئلہ یاد کر لیا ہو اور حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ یاد نہ کر سکے ہوں؟

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ابراہیم نخعیؒ کے سامنے حدیث وائل بن حجرؓ کا ذکر کیا گیا کہ انہوں نے نبی ﷺ کو رکوع اور سجود کے وقت رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے تو فرمایا کہ وہ دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے بارے میں مکمل معرفت نہ رکھتے تھے نبی ﷺ کے ساتھ صرف ایک نماز پڑھ سکے تھے اور مجھے اتنے راویوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث پہنچائی ہے کہ میں انہیں شمار نہیں کر سکتا کہ حضرت ابن مسعودؓ صرف ابتداء نماز میں رفع

بیان کیا کرتے تھے اور اسے نبی علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے نقل کیا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود اسلام کے شرائع و حدود سے واقف تھے نبی علیہ السلام کے احوال کی جستجو میں رہا کرتے تھے ان کے ساتھ سفر و حضر میں چمٹے رہا کرتے تھے اور نبی علیہ السلام کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھنے کا شرف رکھتے تھے۔

حل لغات: "اعرابی" دیہات میں رہنے والا "لم یعقل" باب تفعیل سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تھا، پڑھنا "حفظ" اس کی "ھو" ضمیر کا مرجع وائل بن حجر ہیں "لا احصی" باب افعال سے نفی فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی شمار کرنا "متفقد" باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی جستجو کرنا تلاش کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ابی شیبه ۱/۲۶۷ ومحمد فی الموطا والدارقطنی وابو یعلی والطحاوی ۱/۲۲۸، ۲۲۹۔

مفہوم: اس حدیث میں رفع یدین کا مشہور اور معرکۃ الآراء مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ آیا رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ گو کہ اس مسئلے پر قدیماً و حدیثاً اتنے مناظرے ہو چکے اتنی تصنیفات منظر عام پر آ چکیں اور اتنے مجادلے ہو چکے کہ جن کی کوئی انتہا نہیں، حالانکہ فقہاء کرام کا یہ اختلاف صرف اولیٰ اور عدم اولیٰ کی حد تک تھا، جواز اور عدم جواز تک اس کا دائرہ وسیع نہ تھا لیکن اس میں دو وجہ سے شدت پیدا ہوئی، ایک تو یہ کہ محدثین کا ایک اہم طبقہ اس میں کود پڑا اور اس نے اپنی رائے کو ثابت کرنے کے لیے دھڑا دھڑ احادیث جمع کرنا شروع کر دیں اور دوسرا عدم برداشت یعنی ایک دوسرے کی بات سننے کا حوصلہ ختم ہو گیا اور ہم نے اس مسئلے کو ایمان و کفر کا مسئلہ بنا لیا، رہی سہی کسر غیر مقلدین نے آ کر پوری کر دی۔

اس لیے میں اس مسئلے پر تو بحث نہیں کروں گا کیونکہ فریقین کے پاس دلائل موجود ہیں اور مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا اہم اسے بنا دیا گیا ہے البتہ زیر بحث حدیث کے مضمون پر کچھ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اس حدیث کی ابتداء میں ابراہیم نخعی نے حضرت وائل بن حجر پر جو تبصرہ کیا ہے وہ ان کی شان سے بعید ہے کہ وہ صرف عدم رفع یدین کو ثابت کرنے کے لیے ایک صحابی کو اعرابی اور دیہاتی ہونے کا طعنہ دے رہے ہیں؟

ہمیں اس بات سے اختلاف نہیں ہے کہ خود ابراہیم نخعی ایک جلیل القدر فقیہ اور بزرگ ہیں، ہمیں اس بات سے بھی اختلاف نہیں کہ ایک مرتبہ کے واقعہ کو پوری زندگی کے معاملات کی بنیاد نہیں سمجھا جا سکتا، ہم اس بات کو بھی سر آنکھوں پر رکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کو بارگاہ نبوت میں خصوصی تقرب حاصل تھا۔

لیکن کیا آپ اس بات سے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ایک غیر صحابی کسی صحابی کو دیہاتی ہونے کا طعنہ دے، وہ ان کی

بات کو محض کوئی مجبوری سمجھ کر ہضم کر لیا جائے؟ کیا آپ کے ذہن میں یہ خیال نہیں آتا کہ آخر وہ ایک نماز جو حضرت وائل بن حجر نے نبی ﷺ کی اقتداء میں ادا کی، نبی ﷺ نے صرف اسی میں کیوں رفع یدین کیا؟ اور کیا اس سے پہلے یا اس کے بعد نبی ﷺ نے کبھی رفع یدین نہیں کیا؟ کیا آپ کے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ حضرت وائل بن حجر اس مسئلے کی روایت میں منفرد نہیں بلکہ صحابہ کرام ﷺ کی ایک بڑی تعداد اس مضمون کی روایات نقل کرتی ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ ہم ترک رفع کے قائل ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں احتیاط کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے بالخصوص جبکہ حضرت وائل بن حجر کوئی عام آدمی نہ تھے بلکہ حضر موت کے بادشاہ کے بیٹے اور شہزادے تھے، نبی ﷺ نے ان کی تشریف آوری پر ان کے ساتھ خصوصی شفقت کا اظہار فرمایا اور سیدنا امیر معاویہ ﷜ کو انہیں رخصت کرنے کے لیے ساتھ بھیجا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اجْتِمَاعِ أَبِي حَنِيفَةَ وَالْأَوْزَاعِيِّ

(۹۷) سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ اجْتَمَعَ أَبُو حَنِيفَةَ وَالْأَوْزَاعِيُّ فِي دَارِ الْحَنَّاطِينَ بِمَكَّةَ فَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ لِأَبِي حَنِيفَةَ مَا بَالُكُمْ لَا تَرْفَعُونَ أَيْدِيَكُمْ فِي الصَّلٰوةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لِأَجْلِ أَنَّهُ لَمْ يَصِحَّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيهِ شَيْءٌ فَقَالَ كَيْفَ لَا يَصِحُّ وَقَدْ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَعِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ فَقَالَ لَهُ أَبُو حَنِيفَةَ فَحَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرٰهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَلَا يَعُودُ لِشَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ أُحَدِّثُكَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ وَتَقُولُ حَدَّثَنِي حَمَّادٌ عَنْ إِبْرٰهِيمَ فَقَالَ لَهُ أَبُو حَنِيفَةَ كَانَ حَمَّادٌ أَفْقَهَ مِنَ الزُّهْرِيِّ وَكَانَ إِبْرٰهِيمُ أَفْقَهَ مِنْ سَالِمٍ وَعَلْقَمَةُ لَيْسَ بِدُونِ ابْنِ عُمَرَ فِي الْفِقْهِ وَإِنْ كَانَتْ لِابْنِ عُمَرَ صُحْبَةٌ وَلَهُ فَضْلُ صُحْبَةٍ فَالْأَسْوَدُ لَهُ فَضْلٌ كَثِيرٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ فَسَكَتَ.

ترجمہ: حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ کے دار الحناطین میں امام ابو حنیفہ﷫ اور امام اوزاعی﷫ اکٹھے ہو گئے، امام اوزاعی﷫ نے امام ابو حنیفہ﷫ سے کہا کہ آپ لوگ نماز میں رکوع کرتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ امام صاحب﷫ نے فرمایا اس لیے کہ اس سلسلے میں نبی ﷺ کی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے، امام اوزاعی﷫ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ مجھے خود امام زہری﷫ نے سالم کے واسطے سے حضرت ابن عمر﷜ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نماز شروع کرتے وقت، رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کے برعکس ہمارے پاس یہ حدیث اس سند سے موجود ہے "حدثنا حماد عن ابراهيم عن علقمة والاسود عن ابن مسعود" کہ جناب رسول اللہ ﷺ صرف ابتداء نماز میں رفع یدین کیا کرتے تھے امام اوزاعیؒ یہ سن کر فرمانے لگے کہ میں آپ کے سامنے "عن الزهري عن سالم عن ابيه" کہتا ہوں اور آپ "حدثني حماد عن ابراهيم" کہتے ہیں (آپ کی سند سے زیادہ میری سند قوی اور مشہور ہے) تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ حماد زہری سے بڑے فقیہ تھے ابراہیم نخعی سالم سے بڑے فقیہ تھے علقمہ فقہ کے معاملے میں ابن عمرؓ سے کم نہ تھے گو کہ حضرت ابن عمرؓ کو نبی ﷺ کی صحابیت کا شرف حاصل ہے لیکن اسود کو بہت سے دوسرے فضائل حاصل ہیں اور عبداللہ بن مسعودؓ تو عبداللہ بن مسعودؓ ہیں یہ سن کر امام اوزاعیؒ خاموش ہو گئے۔

حل عبارات: "لم يصح" باب ضرب سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی صحیح ہونا "لا يعود" باب نصر سے مضارع منفی معروف کا صیغہ مذکورہ ہے بمعنی لوٹنا "احدثك" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی حدیث بیان کرنا "افقه" باب کرم سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی فقیہ ہونا "فسكت" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی خاموش ہونا۔

تخریج حدیث: نقل هذه الحكاية ابن الهمام في فتح القدير والشيخ ظفر احمد العثماني في اعلاء السنن.

مفہوم: اس واقعے میں بھی رفع یدین کا مسئلہ نقل کیا گیا ہے جس کی وضاحت گزشتہ حدیث کے ضمن میں گزر چکی ہے مزید تفصیلات کے لیے مطولات اور خاص اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کی طرف رجوع فرمایئے

(۹۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ طَرِيْفٍ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ

اَلْوُضُوْءُ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ وَالتَّكْبِيْرُ تَحْرِيْمُهَا وَالتَّسْلِيْمُ تَحْلِيْلُهَا وَفِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ فَسَلِّمْ وَلَا تُجْزِئُ صَلٰوةٌ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَعَهَا غَيْرُهَا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى عَنِ الْمُقْرِئِ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ بِمِثْلِهِ وَزَادَ فِيْ اٰخِرِهِ قُلْتُ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ مَا يَعْنِيْ بِقَوْلِهِ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ فَسَلِّمْ فَقَالَ يَعْنِي التَّشَهُّدَ قَالَ الْمُقْرِئُ صَدَقَ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ نَحْوَهُ وَزَادَ فِيْ اٰخِرِهِ وَلَا تُجْزِئُ صَلٰوةٌ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَعَهَا شَيْءٌ۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وضو نماز کی کنجی ہے تکبیر کے ذریعے حلال چیزیں بھی نماز میں حرام ہو جاتی ہیں اور سلام کے ذریعے حلال ہو جاتی ہیں اور ہر دو رکعت پر سلام پڑھا کرو اور کوئی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اس میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت نہ ملائی جائے ایک سند سے ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرنے سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا تشہد۔

حَلِّ عِبَارَت: "مفتاح" اس کی جمع "مفاتیح" آتی ہے بمعنی کنجی چابی "فسلم" باب تفعیل سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی سلام پھیرنا "لا تجزی" باب افعال سے مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی کافی ہونا۔

تخریج حدیث: الحديث مشتمل على جزئين فالأول منهما:

أخرجه الترمذي: ٣، وأبو داود: ٦١، وابن ماجه: ٢٧٥، والطيالسي: ٢٤٣، والدارقطني ... ٩٩ والحديث الثاني

مفہوم: ۱۔ اس حدیث میں وضو کو نماز کی کنجی قرار دیا گیا ہے گویا وضو کے ذریعے انسان نماز کے تالے کو کھولتا ہے اس کی نظیر وہ روایت ہے جس میں "لا الہ الا اللہ" کو جنت کی کنجی قرار دیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی جنت کا دروازہ کھول کر اس میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کے پاس کلمہ توحید کی چابی کا ہونا ضروری ہے ورنہ وہ تالا نہیں کھول سکے گا۔

یہاں اس بات کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ جس طرح ہر چابی کے لیے دندانوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے' اس کے بغیر وہ چابی کسی کام کی نہیں ہوتی' اسی طرح فرائض وضو کی حیثیت وضو کے دندانوں کی سی ہے جن کی تکمیل ہونی ضروری ہے۔

۲۔ نماز شروع کرنے سے پہلے انسان کے لیے کسی حلال چیز کی ممانعت نہیں ہے خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو چلنے بولنے سے ہو' پڑھنے لکھنے سے ہو یا کسی اور کام سے' لیکن ادھر اس نے صف میں کھڑے ہو کر اللہ کی کبریائی کا اقرار کیا' ادھر اس کے لیے ہر حلال چیز ممنوع ہوئی' اب وہ کچھ کھا پی سکتا ہے اور نہ ہنس بول سکتا ہے' نہ چل پھر سکتا ہے نہ کسی سے بات چیت کر سکتا ہے' نہ لکھ پڑھ سکتا ہے اور نہ کسی کی بیمارپرسی کر سکتا ہے' اس لیے کہ اب وہ ایک ایسی عظیم الشان ہستی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہے جس نے تن تنہا نظام کائنات کو بکھیرا' خود ہی سنبھالا اور کسی کے تعاون کے بغیر خود ہی چلا رہا ہے' ایسی عظیم ہستی کے سامنے کھڑے ہو کر تو انسان کو دائیں بائیں کن انکھیوں سے بھی دیکھنا اپنے لیے باعث جرم و شرم سمجھنا چاہیے۔

یہ کیفیت اس وقت تک رہے گی جب تک اس بارگاہ عالی میں حاضری رہے گی' جب رخصتی کا وقت آئے گا تو سلامتی کا پیغام لیے ہر نمازی اپنی اپنی جگہ لوٹ جائے گا اور سلامتی کا یہ پیغام ملتے ہی ساری پابندیاں ختم ہو جائیں گی' نماز کی حالت میں ممنوع قرار دی جانے والی چیزیں پھر سے حلال ہو جائیں گی اور نمازی کے لیے ان کا استعمال پھر سے جائز ہو جائے گا۔

۳۔ ہر دو رکعتوں پر سلام سے مراد تشہد ہے جو کہ قعدہ اولیٰ ہونے کی صورت میں واجب اور قعدہ اخیرہ ہونے کی صورت میں فرض ہے اسی لیے ہم نے اس کا ترجمہ "سلام پھیرنا" کی بجائے "سلام پڑھنا" کیا ہے اور سلام بول کر تشہد مراد لینا دلالت تضمنی ہے کیونکہ سلام تشہد کا جزو ہے اور جزو معنی موضوع لہ پر لفظ کی دلالت تضمنی کہلاتی ہے۔

بَابُ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِقِرَاءَۃٍ وَلَوْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ

(۹۹) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ نَادٰی مُنَادِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَدِیْنَۃِ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِقِرَاءَۃٍ وَلَوْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔

قراءت کے بغیر نماز نہیں ہوتی' خواہ صرف سورۂ فاتحہ ہی ہو

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کے منادی نے مدینہ منورہ میں یہ اعلان کیا کہ قراءت کے بغیر نماز نہیں ہوتی' اگرچہ وہ سورۂ فاتحہ ہی کیوں نہ ہو۔

حل لغات: "نادی" باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' معنی آواز لگانا' منادی کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ مسند الحصکفی' ابوداؤد: ۸۱۹' ۸۲۰' والحاکم فی المستدرک: ۲۳۹' وابن ماجہ: ۸۳۹۔

وبمعنی الحدیث فقد اخرجہ البخاری: ۷۵۶' ومسلم: ۸۷۴ (۳۹۱)' وابوداؤد: ۸۲۲' والترمذی: ۲۴۷' وابن ماجہ: ۸۳۷' والنسائی: ۹۱۰۔

مفہوم: یہ حدیث بھی نماز کے ایک اہم ترین مسئلہ قراءت خلف الامام سے متعلق ہے' جس میں فقہاء کرام کا اختلاف انتہائی شدت اختیار کر گیا ہے' حالانکہ اس مسئلے میں بھی اتنی شدت کا پیدا ہو جانا اچھا نہیں تھا اور یہ بات خارج از امکان بھی نہیں تھی کہ اس موضوع کی تمام احادیث کو سامنے رکھ کر ایک ایسا اصول وضع کر لیا جاتا جو ان سب کو شامل ہوتا جیسے کہ بعض فقہاء کرام نے اس سلسلے میں یہ فرمایا ہے کہ اگر مقتدی کے لیے قراءت فاتحہ کرنا ضروری ہے تو سری نمازوں میں' اور ضروری نہیں تو جہری نمازوں میں یا جیسے کہ بعض حضرات نے یہ رائے پیش کی ہے کہ مقتدی تو امام کے پیچھے خاموش رہے' صرف امام قراءت کرے۔

بہرحال! میں اس مسئلے کو طول دیے بغیر صرف ایک بات کہہ کر اس حدیث کی وضاحت کو مکمل کر دوں گا اور وہ یہ کہ قراءت خلف الامام کے قائلین کی سب سے مضبوط ترین دلیل زیر بحث حدیث ہی ہے' لیکن اس میں "خلف الامام" کی قید نہیں ہے' بلکہ صرف تنہائی مذکور ہے۔

لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب

اس حدیث کے جتنے بھی طرق ذخیرۂ حدیث سے مل سکتے ہیں' انہیں جمع کر لیجئے' ان میں سے کسی ایک میں بھی "خلف الامام" کی قید نہیں ملے گی' اس کے باوجود اسے "مقتدی" کے ساتھ متعلق کرنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے' یہ فیصلہ آپ خود کر لیجئے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْجَهْرِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۱۰۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ لَا يَجْهَرُوْنَ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

نماز میں بسم اللہ اونچی آواز سے نہیں پڑھی جاتی

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرات شیخینؓ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کو نماز میں اونچی آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے اس لیے اس کا ترجمہ یہیں لکھا جاتا ہے۔

(۱۰۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ اَنَّهُ صَلّٰى خَلْفَ اِمَامٍ فَجَهَرَ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اِحْبِسْ عَنَّا نَغْمَتَكَ هٰذِهٖ فَاِنِّيْ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَخَلْفَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْهُمْ يَجْهَرُوْنَ بِهَا وَهٰذَا صَحَابِيٌّ قَالَ الْحَارِثِيُّ وَرَوَتْ جَمَاعَةٌ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قِيْلَ وَهُوَ الصَّوَابُ لِاَنَّ هٰذَا الْخَبَرَ مَشْهُوْرٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ۔

ترجمہ: یزید بن عبداللہ بن مغفل سے مروی ہے کہ ان کے والد صاحبؓ نے ایک مرتبہ امام کے پیچھے نماز پڑھی تو اس نے بسم اللہ کو اونچی آواز سے پڑھا، نماز سے فارغ ہو کر حضرت عبداللہ کہنے لگے بندۂ خدا! اپنی یہ آواز ہم سے دور ہی رکھو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور خلفاءِ ثلاثہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے لیکن کسی کو بلند آواز سے بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا، اور یہ عبداللہ صحابی ہیں۔

حارثی کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ سے ایک بڑی جماعت نے یہ حدیث اس سند سے نقل کی ہے "عن ابی سفیان، عن یزید، عن ابیہ عن النبی ﷺ" اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے مروی ہو کر مشہور ہے۔

حل لغات: "لا یجھرون" باب فتح سے مضارع منفی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی آواز بلند کرنا "احبس" باب ضرب سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی روکنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري: ٧٤٣، ومسلم: ٣٩٩(٨٩)، وابوداؤد: ٧٨٢، والترمذي: ٢٤٦، والنسائي: ٩٠٨، وابن ماجه: ٨١٣، واحمد: ١٧٩/٣، والطحاوي: ١١٦٢، والدارقطني: ٣١٥/١، والبيهقي في الكبرى: ٥١/٢۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه الترمذي: ٢٤٤، وابن ماجه: ٨١٥، والطحاوي: ١١٦٦۔

مفہوم: اس بات پر تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ قراءت شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ کے علاوہ بسم اللہ بھی پڑھنی

چاہیے لیکن اس کی کیفیت میں اختلاف رائے ہے چنانچہ بعض حضرات جہراً کے قائل ہیں اور بعض سراً کے یوں تو ہر ایک کے پاس دلائل ہیں تاہم اتنی بات سب کے یہاں مسلم ہے کہ جہر بسم اللہ پر دلالت کرنے والی احادیث سند کے اعتبار سے نہایت ضعیف ہیں اور امام دارقطنیؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس سلسلے کی ایک بھی حدیث پایہ صحت تک نہیں پہنچتی حتیٰ کہ خود امام ترمذیؒ جو شوافع کے بڑے پرجوش وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں ان تک نے اس سلسلے کی ایک روایت نقل کر کے اس کی سند کو کمزور قرار دیا ہے اور سر تسمیہ پر دلالت کرنے والی حدیث پر وہ بھی "حسن" کا حکم لگائے بغیر نہیں رہ سکے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ

(۲۶۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَدِيٍّ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الْعِشَاءَ وَقَرَأَ بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ۔

نمازِ عشاء میں پڑھی جانے والی سورت کا بیان

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے اس میں "والتین والزیتون" کی تلاوت فرمائی۔

تخریج الحدیث: اخرجه البخاری: ۷۶۹ ومسلم: ۱۰۳۸ (۴۶۴) والترمذی: ۳۱۰ والنسائی: ۱۰۰۱ وابن ماجه: ۸۳۴۔

فائدہ: اس حدیث میں نبی ﷺ کے نمازِ عشاء میں سورۂ والتین پڑھنے کا جو ذکر کیا گیا ہے یہ نبی ﷺ کا دائمی معمول نہیں تھا اور نہ ہی آپ ﷺ اس پر التزام فرمایا کرتے تھے بلکہ جہاں سے چاہتے وہیں سے تلاوت شروع فرما دیتے۔

اب یہ صحابہ کرامؓ کا ذوق تھا کہ جب وہ نبی ﷺ کا ذکر کرتے تھے تو بہت سی ایسی چیزوں کو بھی ذکر کر دیتے تھے جو ہم جیسے سطحی نظر رکھنے والوں کی نگاہ میں معمولی محسوس ہوتی ہیں لیکن ایسی ہی چیزوں سے ان کے مقامِ عشق و محبت کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ واضح اور اہم باتیں تو سب ہی یاد رکھتے ہیں لیکن چھوٹی چھوٹی باتیں اکثر لوگ بھول جاتے ہیں یہی وجہ تھی کہ بعض صحابہ کرامؓ کی مرویات کی تعداد دوسرے صحابہ کرامؓ کی مرویات سے بڑھ جاتی تھی چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ جو ۷ھ میں مسلمان ہوئے اور صرف چار سال تک نبی ﷺ کی ہم نشینی کا شرف پایا لیکن ان کی مرویات کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ

(۲۶۳) أَبُو حَنِيفَةَ وَمِسْعَرٌ عَنْ زِيَادٍ عَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي إِحْدَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ۔

فجر میں قراءت کا بیان

ترجمہ: حضرت قطبہ بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فجر کی دو میں سے ایک رکعت میں یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے وَالنَّخْلَ بَاسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ۔

تحقیق عبارت: "رکعتی الفجر" اصل میں "رکعتین" تھا، نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے گر گیا۔

تخریج حدیث: أخرجه النسائي ٩٥١، وابن ماجه ٨١٦، والترمذي ٣٠٦، ومسلم ١٠٢٥ (٤٥٧)، وأحمد ١٩١١٠، والطيالسي ١٢٥٦، والحميدي ٨٢٥، والدارمي ١٣٠١، والبخاري في خلق أفعال العباد ٣٨، وابن خزيمة ٥٢٧۔

مفہوم: یہ آیت جس کا اس حدیث میں حوالہ دیا گیا ہے سورۂ ق کی "جو چھبیسویں پارے کی سورت ہے" آیت ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی ﷺ نماز فجر کی ایک رکعت میں صرف یہی ایک آیت پڑھا کرتے تھے بلکہ یہاں جزء سے کل کی طرف اشارہ ہے اور مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ اس سورت کی تلاوت فرماتے تھے جس میں مذکورہ آیت آتی ہے۔

اس حدیث میں دن کی تخصیص تو نہیں البتہ بعض دوسری مستند احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن نبی ﷺ پہلی رکعت میں سورۂ السجدہ اور دوسری رکعت میں سورۃ الدھر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے بعض روایات سے اس کے علاوہ بھی کچھ اور مقامات کی تلاوت کا ذکر ملتا ہے۔

اسی لیے فقہاء احناف نے اس موضوع کی تمام روایات کو اکٹھا کر کے مفصلات کے درمیان تین درجوں کی تقسیم کر دی۔

۱۔ طوال مفصل: سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک نماز فجر اور نماز عشاء۔

۲۔ اوساط مفصل: سورۂ بروج سے سورۂ زلزال تک نماز ظہر اور نماز عصر۔

۳۔ قصار مفصل: سورۂ زلزال سے آخر قرآن تک نماز مغرب۔

بَابٌ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ قِرَاءَةٌ لِّمَنْ خَلْفَهٗ

(۱۰۸) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُوْسٰى عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَجُلًا قَرَأَ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ وَاَوْمَأَ اِلَيْهِ رَجُلٌ فَنَهَاهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَتَنْهَانِيْ اَنْ اَقْرَأَ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَتَذَاكَرَا ذٰلِكَ حَتّٰى سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْإِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ جَابِرٌ قَرَأَ رَجُلٌ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَنَهَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ فَقَرَأَ رَجُلٌ خَلْفَهٗ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ اَيُّكُمْ قَرَأَ خَلْفِيْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْإِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهٗ

قراءة۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ صَلوٰةِ الظُّهْرِ أَوِ الْعَصْرِ فَقَالَ مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى فَسَكَتَ الْقَوْمُ حَتَّى سَأَلَ عَنْ ذٰلِكَ مِرَارًا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ أَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُكَ تُنَازِعُنِي أَوْ تُخَالِجُنِي الْقُرْآنَ۔

امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت اس ہی کی قراءت ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر کی نماز میں نبی ﷺ کے پیچھے قراءت کی ایک آدمی نے اس کی طرف اشارہ کر کے اسے اس کرنے سے روکا (لیکن وہ نہ مانا) اور نماز سے فارغ ہو کر کہنے لگا کہ کیا تم مجھے نبی ﷺ کے پیچھے قراءت کرنے سے روکتے ہو؟ یہ بحث ان دونوں کے درمیان اتنی بڑھ گئی کہ نبی ﷺ کے کانوں تک بھی اس کی آواز پہنچ گئی، نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو وہ سمجھ لے کہ امام کی قراءت اس ہی کی قراءت ہے۔

ایک روایت میں خود نبی ﷺ کا قراءت سے منع کرنا مذکور ہے اور ایک روایت میں نماز کے بعد یہ سوال بھی مذکور ہے کہ میرے پیچھے تم میں سے کس نے کھڑے ہو کر قراءت کی ہے؟ ایک روایت میں یہ سوال ہے کہ تم میں سے کس نے "سبح اسم ربک الاعلیٰ" والی سورت پڑھی ہے؟ لوگ خاموش رہے، یہاں تک کہ نبی ﷺ نے بار بار اس سوال کو دہرایا، تو لوگوں میں سے ایک آدمی بولا یا رسول اللہ! میں نے پڑھی ہے، فرمایا میں تمہیں دیکھ رہا تھا کہ تم قرآن کے معاملے میں مجھ سے جھگڑ رہے تھے۔

تحقیق عبارت: "اومأ" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اشارہ کرنا "اتنهانی" الف برائے استفہام باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی روکنا "تذاکرا" باب تفاعل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے بمعنی مذاکرہ کرنا، تکرار کرنا "تنازعنی" باب مفاعلہ سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی جھگڑا کرنا۔

تخریج حدیث: الحدیث مشتمل علی اربعة اجزاء فالاول منها.

اخرجه الطحاوی: ١٢٥٩، وابن ماجه: ٨٥٠، والدارقطنی: ١/٣٢٣.

والجزء الثانی منه: اخرجه الحاکم فی المستدرک بهذا السیاق۔

والجزء الثالث منه: اخرجه ابوداؤد بلفظ: ٨٢٦، والترمذی: ٣١٢، والنسائی: ٩١٠۔

والجزء الرابع منه: اخرجه البخاری فی جزء القراءة: ٩٦، ومسلم: ٨٨٧ (٣٩٨)، وابوداؤد: ٨٢٨، والنسائی: ٩١٩۔

مفہوم: اس حدیث میں قراءت خلف الامام کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جس کی وضاحت گزشتہ صفحات میں آپ کے سامنے آچکی ہے اس لیے یہاں اس کا تکرار کرنے سے اجتناب کروں گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَسْخِ التَّطْبِيْقِ

(۱۰۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ يَعْفُوْرٍ عَبْدِيٍّ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُطَبِّقُ ثُمَّ اُمِرْنَا بِالرُّكَبِ۔

تطبیق کے منسوخ ہونے کا بیان

ترجمہ: حضرت سعد بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں ہمیں تطبیق کا حکم دیا جاتا تھا پھر ہمیں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

حل لغات: "نطبق" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی تطبیق کرنا (اس کا تفصیلی طریقہ مفہوم میں ملاحظہ فرمائیے) "امرنا" باب نصر سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی حکم دیا "بالرکب" رکبۃ کی جمع ہے بمعنی گھٹنا۔

تخریج حدیث: اخرجه النسائي: ۱۰۳۱، والحازمي: ۷۹۰، ومسلم: ۱۱۹٦ (۵۳۵) وابوداؤد: ۸٦۷، والترمذي: ۲۵۹، وابن ماجه: ۸۷۳۔

مفہوم: چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات جناب رسول اللہ ﷺ کے ذریعے لوگوں کو معلوم ہوتے تھے اس لیے احکامات خداوندی میں تبدیلی معلوم ہونے کا ذریعہ بھی جناب رسول اللہ ﷺ ہی تھے یہی وجہ ہے کہ جب تک آپ ﷺ اس دنیا میں رونق افروز رہے احکامات اور ان میں تبدیلی بھی ہوتی رہی اور اس کا امکان بھی باقی رہا' لیکن جب نبی ﷺ دنیا سے وصال فرما گئے تو نظام الٰہیہ میں تبدیلی اور نسخ کی گنجائش نہ رہی اور آپ ﷺ کے بعد کسی حکم کو منسوخ قرار دینا موقوف ہو گیا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک حکم تبدیل ہو جاتا' وہ تبدیلی کچھ لوگوں کے علم میں آجاتی اور کچھ لوگ اس سے ناواقف رہتے' جو لوگ ناواقف رہتے تھے بعض اوقات وہ اپنی معلومات ہی کو مستند سمجھتے تھے اور بعض حضرات دوسروں کی معلومات کو قبول کر لیا کرتے تھے۔

اس تمہید کو سامنے رکھ کر یہ بات سمجھئے کہ ابتداء میں رکوع کا طریقہ یہ تھا کہ رکوع کرنے والا اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے بیچ میں رکھ لیتا تھا' اور اسی کیفیت میں تسبیحات رکوع پڑھ کر کھڑا ہو جاتا' کچھ عرصہ تک یہ طریقہ اسی طرح چلتا رہا' بعد میں جناب رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے اس طریقے کو' جسے تطبیق کہا جاتا ہے" منسوخ قرار دے دیا اور فرمایا کہ آج کے بعد اس طرح رکوع کرنے کی بجائے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر رکوع کیا کرو۔

لیکن نسخ کا یہ حکم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم میں نہیں آیا اور وہ آخر دم تک تطبیق ہی کے طریقے سے رکوع کرتے رہے اور اس سلسلے میں کسی کی بھی بات ماننے سے انکار کر دیا، بعد میں اس سے بھی زیادہ عجیب ہوا اور وہ یہ کہ امت کے تمام مشہور اماموں نے نسخ کے قول کو ثابت سمجھتے ہوئے تطبیق کو منسوخ قرار دیا اور اب پوری امت میں رکوع کا ایک ہی طریقہ متفق علیہ ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ

(٦٠٦) اِبْنُ اَبِي السَّمِيْحِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ رَأَيْتُ اَبَا حَنِيْفَةَ يَسْأَلُ عَطَاءً عَنِ الْاِمَامِ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اَيَقُوْلُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ قَالَ مَا عَلَيْهِ اَنْ يَقُوْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ رَوٰى عَنِ ابْنِ عُمَرَ صَلّٰى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَالَ رَجُلٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ مَنْ ذَا الْمُتَكَلِّمُ بِهٰذِهِ قَالَهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ الرَّجُلُ اَنَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ وَالَّذِيْ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ لَقَدْ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَّثَلٰثِيْنَ مَلَكًا يَبْتَدِرُوْنَ اَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا لَكَ وَاَوَّلُ مَنْ يَرْفَعُهَا۔

جب رکوع سے سر اٹھائے تو کیا کہے؟

ترجمہ: ابن ابی السمیح بن طلحہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو عطاء سے یہ سوال پوچھتے ہوئے دیکھا ہے کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہہ لے تو اس کے بعد ربنا لک الحمد بھی کہے گا؟ فرمایا کہ امام پر یہ کہنا ضروری نہیں، پھر انہوں نے دلیل کے طور پر حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت پیش کی کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا اور سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو ایک آدمی نے یہ جملہ کہا "ربنا لک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ"۔

جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کہ یہ جملہ کس نے کہا تھا؟ نبی ﷺ نے یہ سوال تین مرتبہ دہرایا تب وہ آدمی بولا کہ اے اللہ کے نبی! میں نے یہ جملہ کہا تھا، فرمایا کہ اس ذات کی قسم! جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو اس کی طرف جھپٹتے ہوئے دیکھا کہ کون اس کا ثواب پہلے لکھے اور کون اسے سب سے پہلے اوپر لے جائے۔

حل عبارت: "روی" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، بمعنی روایت کرنا، اور اس میں "ھو" ضمیر کا فاعل "عطاء" ہیں۔ "یبتدرون" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے، بمعنی سبقت لے جانا، آگے بڑھنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۷۹۹، ابوداؤد: ۷۷۰، والنسائی: ۱۰۶۳۔

مفہوم: دراصل امام ابوحنیفہؒ اس بات کے قائل ہیں کہ رکوع سے اٹھتے وقت امام صرف تسمیع پر اکتفاء کرے گا تحمید نہ کہے اس لیے انہوں نے اس روایت کو بطور دلیل کے طور پر پیش کیا ہے دیگر ائمہ کی اس سلسلے میں مختلف آراء مشہور ہیں لیکن ہمیں جو بات ذکر کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اس چھوٹے سے جملے پر اللہ نے کتنا عظیم اور کتنا زیادہ ثواب مقرر فرما رکھا ہے کہ تیس سے زائد فرشتے آپس میں ایک دوسرے پر اس ثواب کے لکھنے میں سبقت کرتے ہیں بندہ بھولا ہے یاد کرنا چاہیے مثلاً ہمیں ہر نماز میں رکوع کے بعد "ربنا لک الحمد" تو کہنا ہی ہوتا ہے اس کے ساتھ "حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ" کا اضافہ کر لیا جائے تو نور علیٰ نور اور سونے پر سہاگہ والی بات ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الرُّكْبَتَيْنِ قَبْلَ الْيَدَيْنِ فِي السُّجُوْدِ

(۱۸۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَامَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ

سجدے میں ہاتھ رکھنے سے پہلے گھٹنے رکھنے کا بیان

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب سجدہ میں جاتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھتے تھے اور جب سجدہ سے اٹھتے تھے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

تخریج الحدیث: اخرجہ الترمذی: ۲۶۸، وابن ماجہ: ۸۸۲، والنسائی: ۱۰۹۰، وابوداؤد: ۸۳۸، والمستدرک: ۱/ ۲۲۶

مفہوم: اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ کے سجدہ کرنے کی کیفیت کو واضح کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ سجدہ میں جاتے ہوئے زمین پر پہلے گھٹنے لگاتے اور پھر ہاتھ رکھتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پہلے ہاتھوں کو اور پھر گھٹنوں کو اٹھایا کرتے تھے اس لیے کہ یہ ترتیب فطرت کے بھی عین مطابق ہے اور اس میں سہولت بھی زیادہ ہے۔

چنانچہ فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ زمین پر جھکتے وقت جو عضو زمین کے جتنا قریب ہو پہلے اس کو زمین پر لگایا جائے اور اس کے بعد قرب کے دوسرے درجے کا خیال رکھا جائے ظاہر ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ زمین سے بہت دور ہوتے ہیں اور گھٹنے اس کی نسبت زیادہ نزدیک ہوتے ہیں اس لیے پہلے گھٹنے زمین پر رکھے پھر ہاتھ رکھے بھاری وجود کے لوگ خاص طور پر اور عمومی قسم کے لوگ عام طور پر اگر اس ترتیب کو بدل دیں تو اس میں پیدا ہونے والی دشواری کا انہیں خود اندازہ ہو جائے گا۔

اسی طرح فطرت کا تقاضا ہے کہ زمین سے سر اٹھاتے وقت چہرہ زمین سے الگ کرنے کے بعد پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں پھر گھٹنے کیونکہ اگر گھٹنے پہلے اٹھا لیے گئے تو انسان کا توازن برقرار نہیں رہ سکے گا اور وہ گر جائے گا نیز سہولت بھی حدیث میں ذکر کردہ طریقے میں ہی ہے اس لیے اس کے مطابق عمل کرنا ہی مسنون ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّجُوْدِ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ

(۱۰۸) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَوْ غَيْرِهِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أُوْحِيَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ پر یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کریں۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اسی جیسا ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں لکھا جاتا ہے۔

(۱۰۹) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْإِنْسَانُ يَسْجُدُ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ جَبْهَتِهِ وَيَدَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَمُقَدَّمِ قَدَمَيْهِ وَإِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَضَعْ كُلَّ عُضْوٍ مَوْضِعَهُ وَإِذَا رَكَعَ فَلَا يُدَبِّحْ تَدْبِيْحَ الْحِمَارِ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرتا ہے (۱) پیشانی (۲،۳) دونوں ہاتھ (۴،۵) دونوں گھٹنے (۶،۷) دونوں پاؤں کے اگلے حصے، اور جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو اپنے ہر عضو کو اس کی جگہ پر رکھ دے اور جب رکوع کرے تو گدھے کی طرح حد سے زیادہ سر نہ جھکائے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۱۰) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِيْ نَضْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمُدَّ رِجْلَيْهِ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ يَسْجُدُ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ جَبْهَتِهِ وَيَدَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَرِجْلَيْهِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمُدَّ صُلْبَهُ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَمُدَّ الرَّجُلُ صُلْبَهُ فِيْ سُجُوْدِهِ۔

ترجمہ: حضرت ابونضرہؒ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو اپنے پاؤں نہ پھیلائے کیونکہ انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرتا ہے، پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں پر، اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے سجدے میں اپنی کمر کو پھیلانے سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۱۱) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ وَلَا أَكُفَّ شَعْرًا وَلَا ثَوْبًا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور نماز میں اپنے بالوں اور کپڑوں کو نہ لپیٹوں۔

کے لیے مضمون مطلق ہے۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۸۲۲، ومسلم: ۲۰۱۱۰۱ (۴۹۳)، وابوداؤد: ۸۹۷، والترمذی: ۲۷۶، والنسائی: ۱۱۰۴، وابن ماجہ: ۸۹۲، واحمد: ۳/۱۶۵۔

مفہوم: انسان جس وقت سجدہ کرتا ہے اس وقت وہ اپنے پروردگار کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے' سجدہ کے علاوہ کسی دوسری کیفیت میں قرب الٰہی کی وہ لذت نصیب نہیں ہو سکتی جو سجدہ میں حاصل ہوتی ہے' اسی لیے سجدہ کے آداب بھی مقرر کیے گئے ہیں۔

چنانچہ ایک ادب تو ابھی گزرا کہ جسم کی سات ہڈیوں کو زمین پر اچھی طرح لگا دیں' سجدہ کے دوران اپنے بالوں یا کپڑوں سے نہ کھیلیں اور ایک ادب یہاں ذکر فرما دیا کہ سجدہ کی حالت میں زمین پر اپنے بازو نہ بچھائے اس لیے کہ سجدے کی حالت میں جب انسان اوندھے منہ زمین پر پڑا ہو اور وہ اپنے بازو زمین پر بچھا لے تو گویا اس نے کتوں جیسی حرکت کی۔

ظاہر ہے کہ اس تشبیہ کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اس کیفیت کی مذمت کی جائے' کیونکہ یہ کیفیت سستی کی علامت ہے اور سستی سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور غافل اللہ کو پسند نہیں' اس لیے سجدہ کی حالت میں اپنے بازو زمین سے اٹھا کر رکھے' انہیں اپنے پہلوؤں سے جدا رکھے اور سنت کے مطابق نماز پڑھے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْقُنُوْتِ فِي الْفَجْرِ

(۲۲۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَقْنُتْ فِي الْفَجْرِ قَطُّ اِلَّا شَهْرًا وَّاحِدًا لَمْ يُرَ قَبْلَ ذٰلِكَ وَلَا بَعْدَهٗ يَدْعُوْ عَلٰى نَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔

صبح کی نماز میں دعاءِ قنوت پڑھنا کیسا ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فجر کی نماز میں سوائے ایک مہینے کے کبھی قنوت نہیں پڑھی' نہ آپ ﷺ کو اس سے پہلے قنوت پڑھتے ہوئے دیکھا گیا اور نہ اس کے بعد' اور مذکورہ مہینے میں آپ ﷺ مشرکین کے کچھ لوگوں پر بددعا کرتے رہے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۲۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ لَمْ يَقْنُتْ اِلَّا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا يَدْعُوْ عَلٰى عُصَيَّةَ وَذَكْوَانَ ثُمَّ لَمْ يَقْنُتْ اِلٰى اَنْ مَاتَ۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے صرف چالیس دن قنوت پڑھی ہے جس میں عصیہ اور ذکوان

بَابُ صِفَةِ الْجُلُوسِ فِي التَّشَهُّدِ

(۱۱۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ اَضْجَعَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَقَعَدَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى

تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کا بیان

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تھے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر لیتے تھے۔

حل لغات: "جلس" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بیٹھنا "اضجع" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی جھکا لینا، بچھا لینا "قعد" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بیٹھنا "نصب" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی کھڑا کرنا، نصب کرنا۔

تخریج حدیث: مسند احمد: ۴/۳۱۶، وابو داؤد: ۷۲۶، والنسائی: ۱۱۶۰۔

مفہوم: اس موضوع کی تمام روایات کا اگر استقصاء کیا جائے تو ہمیں دو قسم کی روایات ملتی ہیں، بعض روایات میں افتراش کا ذکر آتا ہے اور بعض روایات میں تورک کا بیان آتا ہے۔ افتراش کا معنی یہ ہے کہ قعدہ کی حالت میں انسان دائیں پاؤں کو کھڑا کر لے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور تورک کا معنی یہ ہے کہ دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر سرین کے بل بیٹھ جائے۔ ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دینے کے لیے فقہاء کرام نے مختلف راستے اختیار کیے ہیں، چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ قعدۂ اولیٰ میں افتراش اور قعدۂ اخیرہ میں تورک کیا جائے، امام مالک دونوں قعدوں میں تورک کے قائل ہیں اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جس نماز میں ایک قعدہ ہو اس میں تو افتراش کیا جائے اور جس میں دو قعدے ہوں اس نماز کے پہلے قعدے میں افتراش اور دوسرے میں تورک کیا جائے، گویا ان تینوں حضرات نے افتراش اور تورک کے لیے قعدہ کو معیار بنایا ہے جبکہ اس سلسلے میں حنفیہ کا موقف افتراش ہی ہے لیکن ان کی طرف سے ان روایات میں تطبیق کا معیار قعدہ کی بجائے جنس مصلی کو بنایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر نمازی مرد ہو تو وہ بہر صورت افتراش والی حدیث پر عمل کرے گا اور اگر نمازی خاتون ہو تو وہ بہر صورت تورک والی حدیث پر عمل کرے گی کیونکہ اس صورت میں اس کے لیے ستر پوشی زیادہ آسان ہوتی ہے۔

یوں بھی اگر دیکھا جائے تو افتراش والی کیفیت مرد کی مردانگی پر دلالت کرتی ہے اور تورک والی کیفیت مرد کے معذور ہونے یا کم از کم کاہل اور سست ہونے کی علامت لگتی ہے نیز افتراش کی کیفیت میں اس پر نشاط اور چستی کے آثار واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں جبکہ تورک والی کیفیت میں ایسا نہیں ہوتا۔

بَابُ كَيْفَ تَجْلِسُ الْمَرْأَةُ فِي التَّشَهُّدِ

(۱۹۹) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سُئِلَ كَيْفَ كُنَّ النِّسَاءُ يُصَلِّيْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كُنَّ يَتَرَبَّعْنَ ثُمَّ أُمِرْنَ أَنْ يَحْتَفِزْنَ

عورت تشہد میں کس طرح بیٹھے؟

ترجمہ: نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے سوال پوچھا کہ دور نبوت میں خواتین کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے وہ چوکڑی مارتی تھیں پھر انہیں سمٹ کر بیٹھنے کا حکم دیا گیا۔

حل لغات: "النساء" ضمیر جمع "کن" سے بدل واقع ہو رہا ہے "یصلین" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی نماز پڑھنا "یتربعن" باب تفعل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی چوکڑی مارنا "امرن" باب نصر سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی حکم دینا "یحتفزن" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی سمٹ لینا۔

تخریج حدیث: اخرجه الحارثی فی مسنده: ۷۹

مفہوم: آج کل بعض خواتین مردوں کی طرح نماز پڑھنے کو ایک فیشن کے طور پر اختیار کرتی ہیں؛ وہ مردوں ہی کی طرح ہاتھ اٹھانا اور باندھنا، انہی کی طرح رکوع و سجود کرنا اور انہی کی طرح تشہد میں بیٹھنا اسلام کا عطاء کردہ حق مساوات سمجھتی ہیں؛ نہ معلوم کس بیوقوف نے ان کے دماغ میں مساوات کا مفہوم یہ راسخ کر دیا ہے کہ مرد کے جو حقوق ہیں وہی عورت کے حقوق ہیں؛ حالانکہ اگر کوئی موٹی عقل رکھنے والا بھی اپنے ذہن پر معمولی سا زور دے تو بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ مرد اور عورت کے حقوق برابر ہو ہی نہیں سکتے اور ان دونوں کی جسمانی ساخت کا بھی یہی تقاضا ہے۔

رہی مساوات کی بات تو اس کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جس کا جو حق شریعت نے مقرر کیا ہے اسے اس کا وہ حق مل جائے یعنی حقدار کو اس کا حق مل جانا ہی حقیقی مساوات ہے ورنہ افسر و ماتحت، حاکم اور محکوم، مالک اور نوکر سب کی تنخواہ یکساں ہونی چاہیے اور تاریخ گواہ ہے کہ جن ممالک میں یہ قانون رائج ہوا، ان ممالک میں باہمت، باصلاحیت، ذہانت و فطانت کے حامل افراد پیدا ہونا بند ہو گئے اور وہ ممالک بانجھ ہو گئے اور بالآخر یہ نظام بری طرح ناکامی کا شکار ہو کر اپنی موت آپ مر گیا۔

خلاصہ یہ کہ مرد و عورت میں برابری تلاش کرنا ایسے ہی ہے جیسے رات اور دن میں برابری تلاش کرنا، ہاں! ہر ایک کو اس کے مقررہ حقوق مہیا کرنا اسلام کا عظیم ترین کارنامہ ہے، اس لیے مرد و عورت کے طریقہ نماز میں فرق ہونا ان دونوں کی جسمانی ساخت کا بھی تقاضا ہے اور مساوات کے حقیقی مفہوم پر اس سے کوئی زد بھی نہیں پڑتی۔

ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مڑ دیکھنا اور اس کے بعد آنے والا لفظ یمینہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجہ الطحاوی: ۱۵۱۸۔

خلاصۃ الکلام: اس حدیث کے نفس مضمون پر تو گذشتہ حدیث میں بحث ہو چکی البتہ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث مجمل ہے اور اگلی حدیث میں اسی اجمال کی تفصیل مذکور ہے۔

بَابٌ كَيْفَ عَلَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَصْحَابَهُ التَّشَهُّدَ؟

(۱۱۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ نَقُولُ السَّلَامُ عَلَى اللهِ وَفِي رِوَايَةٍ زِيَادَةٌ مِنْ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ السَّلَامُ عَلَى اللهِ السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا تَقُولُوا السَّلَامُ عَلَى اللهِ وَلٰكِنْ قُولُوا التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ إِلَى آخِرِ التَّشَهُّدِ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَّمَهُمُ التَّحِيَّاتِ إِلَى آخِرِ التَّشَهُّدِ وَفِي رِوَايَةٍ مُخْتَصَرًا۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ نَقُولُ إِذَا جَلَسْنَا فِي آخِرِ الصَّلَاةِ السَّلَامُ عَلَى اللهِ السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَعَلَى مَلَائِكَتِهِ نُسَمِّيهِمْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا تَقُولُوا كَذَا وَقُولُوا التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ۔

نبی علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو تشہد کی تعلیم کس طرح دی؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو (التحیات میں یوں) کہہ دیتے السلام علی اللہ (بعض روایات میں من عبادہ کا اضافہ بھی ہے) السلام علی جبرئیل ومیکائیل، ایک مرتبہ نبی علیہ السلام ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تو خود ہی سلام ہے (اس پر سلام چہ معنی دارد؟) اس لیے جب تم میں سے کوئی تشہد کی حالت میں بیٹھے تو یوں کہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود

نہیں ہے اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری ۸۳۱' ومسلم ۸۹۷ (۴۰۲)' وابوداؤد ۹۶۸' والنسائی ۱۱۷۰' وابن ماجه ۸۹۹' والطحاوی ۱۵۱۷۔

مفہوم: اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے کلمات تشہد کا ذکر کیا گیا ہے اس سلسلے کی تمام روایات کا اگر استقصاء کیا جائے تو چوبیس صحابہ کرامؓ کی روایات اس سلسلے میں ہمارے سامنے آتی ہیں جن میں کلمات تشہد کا ذکر ملتا ہے' بعض سے بعض کی تائید ہوتی ہے اور بعض میں دوسرے الفاظ مذکور ہیں' ان صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۲۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۳۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ
۴۔ حضرت جابرؓ	۵۔ حضرت عمر فاروقؓ	۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
۷۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ	۸۔ حضرت سمرہؓ	۹۔ حضرت علی مرتضیٰؓ
۱۰۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ	۱۱۔ حضرت امیر معاویہؓ	۱۲۔ حضرت سلمان فارسیؓ
۱۳۔ حضرت ابوحمید الساعدیؓ	۱۴۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ	۱۵۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ
۱۶۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ	۱۷۔ حضرت انسؓ	۱۸۔ حضرت ابوہریرہؓ
۱۹۔ حضرت فضل بن عباسؓ	۲۰۔ حضرت ام سلمہؓ	۲۱۔ حضرت حذیفہؓ
۲۲۔ حضرت مطلب بن ربیعہؓ	۲۳۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ	۲۴۔ حضرت امام حسینؓ

ان تمام حضرات کے نقل کردہ کلمات تشہد پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو ترجیح دی گئی ہے اور اس ترجیح کی ۲۲ وجوہات بیان کی گئی ہیں جن کا ذکر یہاں تفصیل وتطویل کے زمرے میں داخل ہو جائے گا اس لیے ہم ان وجوہ ترجیح کے بیان کو بڑی کتابوں پر چھوڑتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمَتَيْنِ

(۱۲۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ حَتَّى يُرَى بَيَاضُ وَجْهِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ وَفِي رِوَايَةٍ حَتَّى يُرَى بَيَاضُ خَدِّهِ الْأَيْمَنِ وَعَنْ شِمَالِهِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

دو مرتبہ سلام پھیرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت جب "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہتے تو آپ ﷺ کا رخ انور دکھائی دیتا' اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرتے وقت' اور ایک روایت میں رخسار مبارک کا

نماز کو ہلکی پڑھانے کا حکم

ترجمہ: ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی گھر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ اکٹھے ہوئے نماز کا وقت ہوا تو یہ مالک مکان سے کہنے لگے کہ آپ آگے بڑھ کر نماز پڑھائیے! اس نے انکار کر دیا اور کہنے لگا اے ابوعبدالرحمٰن! آپ آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے چنانچہ انہوں نے آگے بڑھ کر ہلکی پھلکی اور مختصر سی نماز پڑھا دی جس میں انہوں نے رکوع سجدہ مکمل کیا، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو سب لوگ کہنے لگے کہ ابوعبدالرحمٰن نے نبی علیہ السلام کی نماز کو خوب یاد رکھا ہے۔

حل لغات: "اجتمعوا" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی اکٹھا ہونا۔ "اقیمت" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی کھڑا کرنا، اقامت کہنا "تقدم" باب تفعل سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی آگے بڑھنا "ابی" فعل ماضی معروف کا باب فتح سے صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی انکار کرنا۔

تخریج الحدیث: اخرجه البخاري: ۸۱۸، وابن ابي شيبة: ۱/۴۱۲، والطيالسي: ۲۹۵، واحمد مختصرا: ۱۴۲۹۷، وابن ماجه: ۱۰۳۹۔

مفہوم: اس حدیث سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ جماعت صحابہ میں ہر فرد بہت کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتا تھا اور دوسرے کا احترام اور عزت و توقیر اپنے فرائض میں سمجھتا تھا، وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ امامت کا حقدار مجموعی طور پر افضل آدمی ہے، اس فضل و کمال میں تقویٰ و للہیت، قراءت و تجوید اور علم و عمل کے علاوہ دیگر شرائط بھی شامل ہیں۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کوئی معمولی درجے کے یا غیر معروف صحابی نہیں بلکہ صاحب سر النبی ﷺ کے معزز لقب کے تن تنہا وارث ہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں شمار ہوتے ہیں، لیکن یہ حضرات کسی دیانتداری کے ساتھ سمجھتے تھے کہ امامت کا حق ہم سے زیادہ ابن مسعودؓ کو پہنچتا ہے اس لیے خواہ مخواہ امامت کے شوق میں آ کر مصلیٰ امامت پر سوار نہیں ہو گئے جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ امام مسجد کی موجودگی کے باوجود وہ اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مصلیٰ امامت پر سوار ہونا اپنی کامیابی کی علامت سمجھتے ہیں، میں نہیں سمجھ سکا کہ امامت کی ذمہ داریوں کو اتنا ہلکا سمجھنے والے اور اس کے شوق میں غلطاں و سرگرداں رہنے والے کون سا قلعہ سر کرنا چاہتے ہیں جو اس کے بغیر فتح کرنا ممکن نہیں رہتا، اور وہ اسوۂ صحابہ کو کیوں فراموش کر دیتے ہیں؟

نماز ہلکی ہونے پر سوال یہ ہے کہ ان کی وہ عظیم الشان طویل قراءت ہوتی ہے جسے سن کر آدمی اپنے آپ کو نماز میں گم اور محفل قراءت میں زیادہ محسوس کرتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا طرز عمل اس کی بھی پرزور نفی کرتا ہے کیونکہ زیر بحث

حدیث میں تصریح ہے کہ انہوں نے اپنے معاصرین کو اپنے پیچھے مقتدی بن کر کھڑا ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنی ساری تجوید وقراءت کا نزلہ ان پر جھاڑنے کی بجائے مختصر اور ہلکی پھلکی نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ امت کے تمام ائمہ کے نام بھی یہ حضرت ابن مسعودؓ کا پیغام ہے اب دیکھئے اس پر عمل کون کرتا ہے تمام؟

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْحَصِيْرِ

(۱۹۳) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ أَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَوَجَدَهُ يُصَلِّيْ عَلٰى حَصِيْرٍ يَسْجُدُ عَلَيْهِ۔

بوریے پر نماز پڑھنے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی ﷺ کو ایک چٹائی پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس پر آپ سجدہ کر رہے تھے۔

حل عبارات: "دخل" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی داخل ہونا "یصلی" یہ "ہ" ضمیر مفعول کی حالت ہے "حصیر" چٹائی کو کہتے ہیں "یسجد" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سجدہ کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم، ۱۰۵۹، (۵۱۹)، والترمذی، ۳۳۲، وابن ماجہ، ۱۰۲۹۔

مفہوم: دور حاضر کے نرم گرم قالینوں پر سجدہ کرنے والے اب سے صرف پندرہ بیس سال پہلے کی نسلوں والی وہ صفیں بھول گئے ہیں جو کبھی پیشانی پر چبھتی تھیں اور کبھی ان پر گھٹنے ٹکانا مشکل ہوتا تھا، گاؤں دیہاتوں کی بعض مساجد میں اب بھی اس کا لطف اٹھایا جا سکتا ہے، گو کہ قالین اور کارپٹ پر نماز پڑھنے کی ممانعت نہیں کی جا سکتی بالخصوص اس زمانے میں جب کہ طبیعتیں ذرا سی مشقت بھی برداشت کرنے کے قابل نہیں رہیں اور ہمتیں پست ہو کر رہ گئی ہیں، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ مشقت برداشت کر کے جو عبادت کی جائے اس کا لطف اور مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْمَرِيْضِ

(۱۹۴) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى قَاعِدًا وَقَائِمًا وَمُحْتَبِيًا۔

مریض کی نماز کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر بھی نماز پڑھی ہے اور کھڑے ہو کر بھی اور احتباء کی حالت میں بھی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔

(۱۳۵) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِیْ سُفْیَانَ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰی مُحْتَبِیًا مِنْ رَمَدٍ کَانَ بِعَیْنِهٖ۔

ترجمہ: خواجہ حسن بصریؒ سے مرسلاً منقول ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے احتباء کی حالت میں نماز پڑھی گھٹنے میں تکلیف کی وجہ سے۔

حلِّ عبارت: "محتبیا" باب افتعال سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے جس کا معنی احتباء کرنا، اس کی مکمل وضاحت "مفہوم" میں ملاحظہ فرمائیے۔ "رمد" تکلیف کو کہتے ہیں "بعینہ" یوں تو عین کا معنی آنکھ ہوتا ہے لیکن یہاں سیاق و سباق کے پیش نظر یہ معنی یہاں پر پوری طرح منطبق نہیں ہوتا اس لیے یہاں اس کا ترجمہ گھٹنا کیا گیا ہے کیونکہ لفظ عین کا ایک معنی یہ بھی ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ البخاری: ۱۱۔

تخریج حدیث دوم: اخرجہ البخاری: ۳۲۷۔

مفہوم: احتباء کا معنی یہ ہے کہ انسان سرین کے بل بیٹھ جائے اپنی دونوں ٹانگوں کو کھڑا کر لے اور کپڑے یا ہاتھوں کے ذریعے حلقہ بنا لے۔ عام حالات میں اس کیفیت کے ساتھ بیٹھنا بالخصوص جبکہ تہبند یا معمولی چیز رکھی ہو ممنوع ہے کیونکہ اس میں بے پردگی اور کشف ستر کا غالب امکان ہے البتہ عذر کی حالت مستثنیٰ ہے اور اس عذر کی حالت میں نماز بھی اس طرح پڑھ لینا جائز ہے۔

عام طور پر اس کیفیت میں نماز پڑھنے کا سبب یہی عذر گھٹنے کی تکلیف ہی ہو سکتی ہے آنکھ کی تکلیف کا اس کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں بنتا کہ تکلیف آنکھ میں ہو اور گھٹنے کھڑے کر لیے جائیں اس لیے زیر بحث حدیث میں عین کا ترجمہ آنکھ کی بجائے گھٹنا کیا گیا ہے۔

اسی طرح بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی عذر کی حالت پر محمول ہے یا پھر اسے نوافل پر محمول کیا جائے گا کہ نوافل بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھے جا سکتے ہیں لیکن بہرحال اتنی بات ضرور ملتی ہے کہ نبی ﷺ نے بغیر عذر کے احتباء کی حالت میں نماز پڑھی ہے اور نہ ہی بیٹھ کر اس لیے عام حالات میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ہی مسنون ہے۔

بَابُ مَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ اَنْ یُّصَلِّیَ قَائِمًا

(۱۳۶) مُحَمَّدُ بْنُ بَکْرٍ قَاضِی الدَّامِغَانِ قَالَ کَتَبْتُ اِلٰی اَبِیْ حَنِیْفَةَ فِی الْمَرِیْضِ اِذَا ذَهَبَ عَقْلُهٗ کَیْفَ یَعْمَلُ بِهٖ فِیْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَکَتَبَ اِلَیَّ اَخْبَرَنِیْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ مَرِضْتُ فَعَادَنِی النَّبِیُّ ﷺ وَمَعَهٗ اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَقَدْ اُغْمِیَ عَلَیَّ فِیْ مَرَضِیْ وَحَانَتِ الصَّلٰوةُ

ہمسایہ بھوکا پیاسا سو جاتا ہے اور ساتھ والے گھر سے قورمے، بریانی اور مرغن غذاؤں کی خوشبوئیں اٹھتی ہیں، ہمسایہ دس دس دن تک بستر کے ساتھ ہوتا ہے لیکن ساتھ والے خبر لینے کی زحمت تک گوارا نہیں کرتے۔ فالی اللہ المشتکی۔

اس نماز کی اہمیت واضح ہوئی کہ اگر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر بھی نماز پڑھنے کی ہمت ختم ہو گئی ہے تو اشارے سے ہی نماز پڑھ لے لیکن اسے چھوڑے نہیں، صد حیف! کہ ہم تو عین اذان کے وقت ہاتھ میں گیند بلا پکڑ کر اپنی اور قوم کی قسمت سنوارنے کے لیے اور ملک و ملت کا نام روشن کرنے کے لیے فاتحانہ انداز میں نکلتے ہیں، فجر کی نماز کے وقت لیٹول اور ظہر کی نماز کے وقت قیلولہ، عصر اور مغرب میں کرکٹ کے دوران ہوا ڈولا اور عشاء کے وقت کھانے کی خواہش میں بے حد تڑپ کر ہوا بھولا اور منہ بسورتا ہوا بستر میں گھس گیا، یوں ہی صبح و شام تمام ہوتے رہتے ہیں اور زندگی کے معمولات میں فرق نہیں دکھائی دیتا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

بَابٌ اَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ اَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ

(۱۴۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ لَمَّا غُشِيَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقِيْلَ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ حَصِرٌ وَهُوَ بِنَفْسِهِ يَكْرَهُ اَنْ يَقُوْمَ مَقَامَكَ قَالَ اِفْعَلُوْا مَا اٰمُرُكُمْ بِهٖ۔

اہل علم و فضل حضرات امامت کے زیادہ حقدار ہیں

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی علیہ السلام پر بیہوشی طاری ہوئی تو فرمایا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، کسی نے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہیں اور وہ خود بھی آپ کی جگہ کھڑا ہونا اچھا نہیں سمجھتے، نبی علیہ السلام نے فرمایا جو میں نے کہا ہے وہ کرو۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۴۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ لَمَّا اُغْمِيَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقِيْلَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ حَصِرٌ وَهُوَ يَكْرَهُ اَنْ يَقُوْمَ مَقَامَكَ فَقَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ يَا صُوَيْحِبَاتِ يُوْسُفَ وَكَرَّرَ۔

ترجمہ: اس روایت کے آخر میں یہ لفظ زائد ہے اے یوسف کی عورتوں کی طرح بہانے بنانے والیو! اور نبی علیہ السلام نے اپنی بات کا تکرار کیا۔

فائدہ: اگلی روایت اسی مضمون کی تفصیل ہے۔

(۱۴۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا مَرِضَ الْمَرَضَ الَّذِيْ

أَجِدُ فِيهِ خِفَّةً مِنَ الْوَجَعِ فَلَمَّا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ قَالَ لِعَائِشَةَ مُرِي أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَأَرْسَلَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَأْمُرُكَ أَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا أَنِّي شَيْخٌ كَبِيرٌ رَقِيقٌ وَإِنِّي مَتَى لَا أَرَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي مَقَامِهِ أَرِقُّ لِذَلِكَ فَاخْتَصِمِي أَنْتِ وَحَفْصَةُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَيُرْسِلُ إِلَى عُمَرَ فَيُصَلِّي بِهِمْ فَفَعَلَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ مُرِي أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَلَمَّا نُودِيَ بِالصَّلَاةِ سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ الْمُؤَذِّنَ وَهُوَ يَقُولُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ارْفَعُونِي فَقَالَتْ عَائِشَةُ قَدْ أَمَرْتَ أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ وَأَنْتَ فِي عُذْرٍ قَالَ ارْفَعُونِي فَإِنَّهُ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَرَفَعْتُهُ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَقَدَمَاهُ تَخُطَّانِ الْأَرْضَ فَلَمَّا سَمِعَ أَبُو بَكْرٍ حِسَّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ تَأَخَّرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ جَالِسًا فَيُكَبِّرُ وَيُكَبِّرُ أَبُو بَكْرٍ بِتَكْبِيرِ النَّبِيِّ ﷺ وَيُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِيرِ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى فَرَغَ ثُمَّ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ غَيْرَ تِلْكَ الصَّلَاةِ حَتَّى قُبِضَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ الْإِمَامَ وَالنَّبِيُّ ﷺ وَجِعٌ حَتَّى قُبِضَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو ایک دن درد کی شدت میں کچھ کمی محسوس کی، جب نماز کا وقت آیا تو حضرت عائشہ سے فرمایا ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، حضرت عائشہ نے حضرت ابوبکر صدیق کی طرف ایک قاصد کے ذریعے یہ پیغام بھیج دیا کہ نبی ﷺ آپ کو نماز پڑھانے کا حکم دے رہے ہیں، انہوں نے جواباً کہلا بھیجا کہ میں بہت بوڑھا اور دل کا کمزور ہوں، جب میں نبی ﷺ کو ان کی جگہ پر نہ دیکھوں گا تو مجھ پر اور رقت طاری ہو جائے گی، اس لیے تم اور حفصہ دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کرو کہ وہ عمر کے پاس لوگوں کو نماز پڑھانے کا پیغام بھیج دیں، جب حضرت عائشہ اور حفصہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا تو فرمایا تم تو یوسف کی عورتوں کی طرح ہو، ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

جب اذان شروع ہوئی اور نبی ﷺ نے مؤذن کو "حی علی الصلوٰۃ" کہتے ہوئے سنا تو فرمایا مجھے اٹھاؤ، حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ میں ابوبکر کو نماز پڑھانے کا کہہ چکی ہوں اور آپ حالت عذر میں ہیں، فرمایا مجھے اٹھاؤ کیونکہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے دو آدمیوں کے درمیان آپ کو اٹھایا، آپ کے قدم مبارک زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔

جب حضرت ابوبکر کو نبی ﷺ کے مبارک قدموں کی آہٹ کا احساس ہوا تو وہ پیچھے ہٹنے لگے، نبی ﷺ نے انہیں اشارہ کیا اور ان کی بائیں جانب آ کر بیٹھ گئے، اب نبی ﷺ تکبیر کہتے تھے اور نبی ﷺ کی تکبیر پر حضرت ابوبکر تکبیر کہتے تھے اور

پھر اگر وہ بچہ اپنی پیشانی سے گندگی کے اس داغ کو مٹانے کے لیے اپنے آپ کو زیورِ علم سے آراستہ کرتا ہے،
قرآن کریم پڑھنا سیکھتا ہے، اس کے معانی و مفاہیم پر دسترس حاصل کرتا ہے اور دینی رہنمائی سے نئی زندگی کا آغاز کرتا
ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے ایک ناکردہ جرم کی پاداش میں طنز و تشنیع کے تیر اپنے سینے پر جھیلنا پڑیں۔
ولد الزنا کی امامت سے اگر ہمارے ذہن میں یہ تصور ابھرتا ہے کہ گناہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کو
یونہی مصلّیٰ امامت پر کھڑا کر دینا جائز ہے تو یہ تصور غلط ہے، ولد الزنا کی امامت کا جواز بھی انہی شرائط پر موقوف ہے
جن شرائط پر ایک عام آدمی کی امامت موقوف ہوتی ہے۔

بَابُ الْاِثْنَيْنِ جَمَاعَةٌ

(۲۳۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى بِرَجُلٍ فَصَلّٰى خَلْفَهُ وَامْرَاَةٌ
خَلْفَ ذٰلِكَ صَلّٰى بِهِمْ جَمَاعَةً۔

دو آدمی بھی جماعت کے حکم میں ہوتے ہیں

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھی، وہ آدمی
نبی ﷺ کے پیچھے کھڑا ہوا اور ایک عورت اس کے پیچھے کھڑی ہوئی اور نبی ﷺ نے ان سب کو جماعت کے ساتھ نماز
پڑھائی۔

حلِ عبارت: "صلی" کے صلے میں اگر باء والا آ جائے تو اس کا معنی نماز پڑھنا نہیں ہوتا بلکہ نماز پڑھانا ہوتا ہے۔

تخریجِ حدیث: اخرجہ البخاری ما فی معناہ ۷۲۷ والنسائی: ۸۷۰ وابن ماجہ: ۹۷۵

مفہوم: کتب حدیث کے تتبع و استقراء سے اس نوعیت کے تین واقعات ہمارے علم میں آئے ہیں۔
۱۔ اس قسم کے ایک واقعہ میں نبی ﷺ کے پیچھے کھڑے ہونے والے مرد کا نام حضرت علی مرتضیٰؓ آتا ہے اور خاتون کا نام
حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ آتا ہے۔
۲۔ دوسرے واقعے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا ذکر آتا ہے۔
۳۔ تیسرے واقعے میں حضرت انسؓ اور ان کی والدہ حضرت ام سلیمؓ کا ذکر آتا ہے۔
زیرِ بحث حدیث میں ان تینوں میں سے جو واقعہ بھی مراد ہو اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ مقتدی اکیلا ہونے کی صورت میں
پچھلی صف میں کھڑا ہونے کی بجائے امام کے ساتھ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوتا ہے جیسا کہ آگے بھی آ رہا ہے تو پھر یہاں ایسا
کیوں نہیں کیا گیا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو میں سے ایک خرابی تو بہرحال لازم آ رہی تھی، یا تو وہ خرابی جس کا
سوال میں تذکرہ کیا گیا ہے، یا پھر خاتون کو بھی مرد کے ساتھ کھڑا کر دیا جاتا جس صورت میں محاذاۃ مرأۃ لازم آتی، پچھلی

خرابی سے نماز مکروہ ہوتی ہے اور دوسری خرابی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اس لیے امون علیہم کے طور پر کراہت والی صورت کو گوارا کر لیتے ہیں تاکہ فساد نماز والی صورت سے بچا جا سکے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَصِلُ الصُّفُوفَ

(۲۴۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الَّذِينَ يَصِلُونَ الصُّفُوفَ۔

صفوں کے ملانے والوں کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر رحمت بھیجتے ہیں جو صفوں کو ملاتے ہیں۔

حل لغات: "يُصَلُّونَ" اور "يَصِلُونَ" میں فرق ہے اول الذکر باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی دعاء رحمت کرنا، نزول رحمت کرنا اور ثانی الذکر باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ملانا "الصفوف" صف کی جمع ہے۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابن ماجہ ۹۹۵ وابوداؤد ۶۷۶۔

مفہوم: صفوں کی درستگی نماز کے لیے بہت ضروری ہے خود جناب رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرنے سے پہلے صفوں کی درستگی کا اہتمام فرماتے تھے اور آپ ﷺ کے اس اہتمام کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ نمازیوں کی صفیں تیر کی طرح سیدھی ہو جاتی تھیں اور ان میں ایسا سیدھا پن ہوتا تھا کہ اگر کوئی آدمی ان سے تیر کو سیدھا کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔

اس قدر بلیغ اہتمام کے بعد ایک دن نبی ﷺ نے بطور تنبیہ ارشاد فرمایا کہ اپنی صفیں سیدھی رکھا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا فرما دے گا۔

سردی کے موسم میں یہ منظر بکثرت دیکھنے میں آتا ہے کہ مسجد کا ہال مکمل طور پر خالی ہوتا ہے اور صحن دھوپ سے بھرا ہونے کی وجہ سے لوگوں سے بھی بھرا ہوتا ہے دھوپ کی حرارت سے فائدہ اٹھانے کی خاطر کوئی شخص بھی اپنی جگہ سے ہلنے کے لیے تیار نہیں ہوتا ائمہ و خطباء مساجد مائیک پر اپنا گلا پھاڑ پھاڑ کر ان سے اندر کا حصہ پورا کرنے کی درخواست کر رہے ہوتے ہیں لیکن نمازی حضرات ذہنی جمود یا جہالت کا مصداق بن کر اپنی جگہ جمے ہوتے ہیں کچھ لوگوں کو عقب سے امام پر ترس آ جاتا ہے تو وہ مریلوں کی طرح رینگ رینگ کر آگے بڑھتے ہیں اور خالی جگہ پر کرنے کی بجائے اپنے ساتھ دو چار آدمی کی ایک نئی صف بنا بیٹھتے ہیں۔

یقیناً ایسے لوگ اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعاء مغفرت سے محروم رہتے ہیں سوچنے والی بات ہے کہ نماز پڑھ کر

۱۔ نفاق سے براءت یعنی ایسی عادت برداشت کرنے والا شخص حقیقی منافق نہیں ہو سکتا۔

۲۔ شرک سے براءت یعنی ایسی عادت برداشت کرنے والا شخص حقیقی مشرک بھی نہیں ہو سکتا۔

اور بعض احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم سے آزادی کا فیصلہ فرما دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو خصوصیت کے ساتھ ان دونوں نمازوں اور عمومیت کے ساتھ تمام نمازوں پر مداومت کی توفیق عطاء فرمائے اور ان پر کیے گئے اجر و ثواب کے وعدے کو ہمارے حق میں بھی قبول فرمائے، آمین۔

بَابُ خُرُوْجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ

(۶۳۵) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ فِي الْخُرُوْجِ لِصَلٰوةِ الْعِشَاءِ وَالْفَجْرِ لِلنِّسَاءِ، فَقَالَ رَجُلٌ إِذًا يَتَّخِذُوْنَهُ دَغَلًا فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ أُخْبِرُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَتَقُوْلُ هٰذَا۔

خواتین کے مساجد میں آنے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں کو بھی نماز فجر اور عشاء میں آنے کی اجازت دے رکھی تھی، ایک آدمی نے حضرت ابن عمر سے کہا کہ اس طرح تو یہ عورتیں اسے اپنے لیے دخل بنا لیں گی؟ تو فرمایا کہ میں تمہیں نبی ﷺ کے حوالے سے حدیث سنا رہا ہوں اور تم اس کے مقابلے میں اپنی بات کہہ رہے ہو۔

حَلِّ عِبَارَت: "رخص" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رخصت دینا "یتخذونہ" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی پکڑنا، ایک روایت میں جمع مؤنث کا صیغہ بھی آیا ہے "دغلا" بمعنی مکر و فریب یعنی حیلہ بہانہ۔

تخریجِ حدیث: اخرجہ مسلم: ۹۹۹ (۴۴۲) والبخاری مختصرا: ۸۶۵ و ابوداؤد: ۵۶۸ والترمذی: ۵۷۰ وابن ماجہ: ۱۶۔

مفہوم: بنیادی طور پر خواتین کو چند قیودات کی پابندی کے ساتھ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے لیے آنے کی اجازت ہے لیکن اگر ان قیود و شرائط کی پابندی کا خیال نہ رکھا جائے تو ظاہر ہے کہ اس اجازت پر پابندی لگائی جائے گی۔

چنانچہ ان شرائط میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مسجد میں بے پردہ مت آئیں۔

۲۔ چیلے اور بجنے والے زیور پہن کر اور عطر یا خوشبو میں اپنے آپ کو بسا کر مت آئیں۔

۳۔ مخلوط ہو کر نہ آئیں بلکہ علیحدہ آئیں۔

۴۔ مردوں کے ساتھ گھلنے ملنے نہ پائیں۔

۵۔ راستے میں کسی اوباش کے تنگ کرنے کا خطرہ ہو تو گھر ہی میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیں۔

یہ اور اس جیسی دیگر شرائط کی موجودگی میں خواتین مسجد میں آسکتی ہیں یہی وجہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے بلال نے اس معاملے میں ان سے تکرار کی کوشش کی تو انہوں نے اسے حدیث سے معارضہ تصور کیا اور کتب حدیث کے مطابق انہوں نے اسی موقع پر قسم کھالی کہ میں آئندہ تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا کیونکہ تو حدیث کا مقابلہ کرتا ہے اور یہ بات میری غیرت ایمانی برداشت نہیں کر سکتی چنانچہ پھر اس کے بعد انہوں نے زندگی بھر اپنے بیٹے سے بات نہیں کی' معلوم ہوا کہ حدیث کے مقابلے میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی رائے کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ اِذَا حَضَرَ الْعِشَاءُ وَالْعَشَاءُ

(۲۲۶) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا نُوْدِیَ بِالْعِشَاءِ وَاُدْنِیَ الْعَشَاءُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ۔

جب رات کا کھانا اور نماز عشاء اکٹھے ہو جائیں تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر عشاء کی اذان ہو چکی ہو اور مؤذن اقامت کہہ چکا ہو (بھوک شدید لگی ہوئی ہو اور کھانا آجائے) تو پہلے کھانا کھالو۔

حل لغات: "العشاء" عین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا نماز عشاء اور عین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا رات کا کھانا "فابدءوا" باب فتح سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ابتداء کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه النسائی: ۸۵۴' والترمذی: ۳۵۳' والبخاری: ۵۴۶۵' ومسلم: ۱۲۴۱ (۵۵۷) وابن ماجه: ۹۳۳۔

مختصر تشریح: یہ مسئلہ بھی معلوم ہوتا ہے جو اپنی زندگی میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور دلیل کے طور پر اس حدیث کو پیش کر کے اپنے تئیں مطمئن ہو جاتا ہے اور چودھری کی بات یہ ہے کہ منکرین حدیث بھی پورے ذخیرۂ حدیث کا انکار کر دینے پر تلا ہوا ہونے کے باوجود اس حدیث کا انکار نہیں کرتے کیونکہ اس حدیث سے ان کے ذاتی مفادات پر کوئی زد نہیں پڑتی بلکہ الٹا حفاظت ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو اس حدیث کو بیان جواز اور بیان رخصت کے پہلو سے کسی صورت آگے نہیں بڑھایا جا سکتا اور امر کا صیغہ دیکھ کر اس کے وجوب پر استدلال کرنے کا دھوکہ بھی نہیں دیا جا سکتا چنانچہ فقہاء

محدثین نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ یہ حکم شدت جوع پر محمول ہے کہ اگر بھوک اتنی زیادہ لگی ہوئی ہو کہ برداشت کرنا مشکل ہو رہا ہو اور اس حالت میں کوئی بھی کام صحیح طور پر ہونے کا امکان نہ ہو تو نماز کھڑی ہونے کے باوجود اسے پہلے کھانا کھا لینا جائز ہے جو کسی نہ کسی حد تک گزارے کا کام دے دیں اور انسان کی بھوک کسی حد تک کم ہو جائے اس کے بعد وہ نماز پڑھ لے اور بعد ازاں اپنی بھوک کو مٹا لے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي وَحْدَهُ ثُمَّ يُدْرِكُ الْجَمَاعَةَ

(۱۳۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ جَابِرِ بْنِ الْأَسْوَدِ أَوِ الْأَسْوَدِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلَيْنِ صَلَّيَا الظُّهْرَ فِي بُيُوتِهِمَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُمَا يَرَيَانِ أَنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا ثُمَّ أَتَيَا الْمَسْجِدَ فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الصَّلٰوةِ فَقَعَدَا نَاحِيَةً مِنَ الْمَسْجِدِ وَهُمَا يَرَيَانِ أَنَّ الصَّلٰوةَ لَا تَحِلُّ لَهُمَا فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَرَآهُمَا أَرْسَلَ إِلَيْهِمَا فَجِيءَ بِهِمَا وَفَرَائِصُهُمَا تُرْعَدُ مَخَافَةَ أَنْ يَكُونَ قَدْ حَدَثَ فِي أَمْرِهِمَا شَيْءٌ فَسَأَلَهُمَا فَأَخْبَرَاهُ الْخَبَرَ فَقَالَ إِذَا فَعَلْتُمَا ذٰلِكَ فَصَلِّيَا مَعَ النَّاسِ وَاجْعَلَا الْأُولٰى هِيَ الْفَرِيضَةَ۔

وَقَدْ رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ جَمَاعَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ فَقَالُوا عَنِ الْهَيْثَمِ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ

اگر کوئی شخص تنہا فرض پڑھ آئے اور پھر جماعت پالے تو وہ کیا کرے؟

ترجمہ: مروی ہے کہ دو آدمیوں نے دور نبوت میں ظہر کی نماز اپنے گھر میں پڑھ لی، ان کا گمان یہ تھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں، پھر وہ دونوں مسجد میں آئے تو نبی ﷺ نماز پڑھا رہے تھے، وہ دونوں مسجد کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے اور ان کا خیال یہ تھا کہ اب دوبارہ نماز پڑھنا ان کے لیے جائز نہیں، جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے اور انہیں بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہیں بلوایا، جب ان دونوں کو لایا گیا تو ان کے اعضاء جسم تھر تھر کانپ رہے تھے اس خوف سے کہ ان دونوں کے معاملے میں کوئی نیا حکم نہ آ گیا ہو، نبی ﷺ نے ان سے حقیقت حال پوچھی تو ان دونوں نے ساری بات بتا دی، نبی ﷺ نے فرمایا جب ایسا ہو جائے تو لوگوں کے ساتھ بھی نماز پڑھ لیا کرو اور پہلی نماز کو ہی فرض سمجھا کرو۔

یہ حدیث ایک جماعت نے امام صاحب ؒ سے ہیثم سے بھی مرفوعاً نقل کی ہے۔

حل عبارت: "صلیا" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے بمعنی نماز پڑھنا "یریان" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی دیکھنا مراد خیال کرنا ہے "فجیء" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آنا چونکہ اس کے ساتھ "ب" آ رہی ہے اس لیے یہاں مراد لانا ہوگا "فرائصهما" کندھوں کے درمیان گوشت کے حصے کو کہتے ہیں "ترعد" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے

یعنی کو پڑھا۔ "فصلیا" یہ باب تفعیل سے امر معروف کا صیغہ تثنیہ مذکر حاضر ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه النسائي ۸۵۸ والترمذي ۲۱۹ وأحمد ۱۷۴۷۴ والطيالسي ۱۲۴۷ وأبو داود ۵۷۵ والدارمي ۱۳۷۴ وابن خزيمة ۱۲۷۹

مفہوم: اس حدیث سے فقہاء کرام نے یہ اصول نکالا ہے کہ ایک ہی دن کی ایک ہی فرض نماز دو مرتبہ نہیں پڑھی جا سکتی جب بھی وہ نماز پہلی مرتبہ خصوصی نیت کے ساتھ پڑھی جائے گی خواہ انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر وہ ادا ہو جائے گی اس کے بعد اگر اسی دن کی وہی نماز دوبارہ پڑھی جائے تو اس پر فرائض کا ثواب کسی صورت نہیں مل سکتا بلکہ اس نماز کو نفل شمار کیا جائے گا اور اس پر نوافل کا ہی ثواب مرتب ہو گا یہی وجہ ہے کہ ایک شخص کے لیے ایک وقت دو مسجدوں میں امامت کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ پہلے ظہر کی نماز مثلاً ایک مسجد میں پڑھائے پھر اسی ظہر کی نماز جا کر دوسری مسجد میں پڑھا دے کیونکہ اس صورت میں پہلی مسجد کے مقتدیوں کی تو نماز صحیح ہو جائے گی لیکن دوسری مسجد کے مقتدیوں کی نماز صحیح نہ ہو گی کیونکہ یہ "اقتداء المفترض بالمتنفل" ہے اور یہ ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

(۱۲۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوا يَرُوحُونَ فِي الْجُمُعَةِ وَقَدْ عَرِقُوا وَتَلَطَّخُوا بِالطِّينِ فَقِيلَ لَهُمْ مَنْ رَاحَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ۔

وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ النَّاسُ عُمَّالَ أَنْفُسِهِمْ وَكَانُوا يَرُوحُونَ تُخَالِطُهُمُ الْعَرَقُ وَالتُّرَابُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا حَضَرْتُمُ الْجُمُعَةَ فَاغْتَسِلُوا۔

جمعہ کے دن غسل کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ لوگ دوسرے پہر جمعہ کے لیے روانہ ہوتے تھے تو کیچڑ میں لتھڑے ہونے کی وجہ سے بدبو پیدا ہونے لگی اس لیے انہیں یہ حکم دیا گیا کہ جو شخص جمعہ کے لیے روانہ ہونا چاہے وہ غسل کر کے آئے اور ایک روایت میں ہے کہ لوگ اپنی زمینوں کو (کھیتی باڑی کے ذریعے) خود ہی آباد رکھتے تھے اور جب جمعہ کے لیے روانہ ہوتے تو پسینہ اور مٹی میں لت پت ہوتے تھے اس موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز جمعہ کے لیے آیا کرو تو غسل کر کے آیا کرو۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۲۹) أَبُو حَنِيفَةَ وَالثَّوْرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى مَنْ أَتَى الْجُمُعَةَ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن غسل کرنا اس شخص پر واجب

خطبے سے پہلے بیٹھنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن جب منبر پر رونق افروز ہوتے تو خطبے سے قبل تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۴۸۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ رَجُلاً حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ عَنْ خُطْبَةِ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ لَهُ أَمَا تَقْرَأُ سُورَةَ الْجُمُعَةِ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لَا أَعْلَمُ قَالَ فَاقْرَأْ عَلَيْهِ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے جمعہ کے دن نبی ﷺ کے خطبے کی کیفیت کے متعلق دریافت کیا انہوں نے فرمایا کیا تم نے سورۂ جمعہ نہیں پڑھ رکھی؟ اس نے کہا کیوں نہیں! لیکن میں سمجھ نہیں سکا، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اسے یہ آیت پڑھ کر سنائی کہ جب وہ تجارت یا لہو ولعب کی کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ اٹھتے ہیں اور آپ ﷺ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔

حل لغات: "قعد" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بیٹھنا "جلسة خفيفة" موصوف صفت مل کر "جلس" کے لیے مفعول مطلق واقع ہو رہا ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجه ابوداؤد: ۱۰۹۲۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن ماجه: ۱۱۰۸۔

مفہوم: ۱۔ خطبے سے قبل تھوڑی دیر بیٹھنا اذان کی وجہ سے ہونے کا بھی امکان ہے جیسا کہ آج کل حرمین شریفین میں بھی یہ طریقہ رائج ہے۔

۲۔ سورۂ جمعہ کی آیت میں لفظ "قائما" سے استدلال کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

۳۔ سنن ابن ماجہ کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ جب منبر پر رونق افروز ہوتے تو سلام کرتے تھے جیسے کہ حرمین شریفین میں اب تک یہی طریقہ رائج ہے اور اس کی تائید مسند احمد میں حضرت براء بن عازبؓ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید الاضحیٰ کے موقع پر ہم لوگ عیدگاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی ﷺ آ گئے اور نبی ﷺ نے لوگوں کو سلام کیا۔ (مسند احمد: ۱۸۶۸۲)

۴۔ جمعہ کے دن نماز جمعہ کی مناسبت اور اہمیت سے لوگوں کا ایک بڑا اجتماع ہوتا ہے جسے دیکھ کر عید کا احساس ہوتا ہے اسی مناسبت سے "خطبۂ جمعہ" مشروع کیا گیا ہے تا کہ عوام الناس تک دین کی ضروری اور اہم تعلیمات سادہ اور سہل انداز میں پہنچائی جائیں۔ عقائد کی اصلاح، مالی معاملات میں امانت و دیانتداری کی اہمیت، معاشرتی و اخلاقی رہنمائی اور آداب عبادات

لوگوں پر واضح کیے جا سکیں۔

لیکن آہستہ آہستہ خطباء نے اس رنگ سے ہٹنا شروع کر دیا اور اب چند ایک ملک مثلاً مصر اور دوسرے بہت سے ممالک میں عموماً ہر خطیب نے اپنی پسند کا ایک عربی خطبہ منتخب کر لیا ہے اور وہ ہر جمعہ کو اپنے رٹے ہوئے الفاظ لوگوں کو آکر سنا دیتا ہے اور مندرجہ بالا ضروریات کی تکمیل کے لیے اردو کی تقریر کا اضافہ کر لیا گیا ہے لیکن اس اضافے کے باوجود بہت سے خطباء اپنے اصل مقاصد کی تکمیل سے محروم رہے اور انہوں نے اپنی اذان چند مشہور خطباء اور مصنفین کی لکھی ہوئی خطبات اور اصلاحی صحافت کے چند علمبردار اخبارات و رسائل تک ہی محدود رکھی حالانکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر عوام کی ذہن سازی کرنا کچھ مشکل نہ تھا البتہ اس کے لیے مشنری جذبہ اور لگن پیدا کرنا یقیناً کارے دارد۔

بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ

(۳۶۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْمُفَضَّلِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ الْكُوفِيِّ عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ يُوسُفَ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ سُورَةَ الْجُمُعَةِ وَالْمُنَافِقِينَ.

جمعہ کی نماز میں کیا پڑھا جائے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۳۶۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَيَوْمِ الْجُمُعَةِ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ عیدین کے موقع پر اور جمعہ کے دن "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور "ھل اتاک حدیث الغاشیۃ" کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

تحقیق عبارت: "فی العیدین ویوم الجمعۃ" معطوف اور معطوف علیہ حرف جر کی وجہ سے مجرور ہو کر "یقرأ" فعل و فاعل کے متعلق ہوں گے اور ضابطہ کے مطابق یہ اعراب تقدیری ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ مسلم: ۲۰۳۷ (۸۷۹) وابوداؤد: ۱۰۷۵ والترمذی: ۵۲۰ والنسائی: ۱۴۲۲ وابن ماجہ: ۱۱۱۸ واحمد: ۱۹۹۳۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ مسلم: ۲۰۲۸ (۸۷۸) وابوداؤد: ۱۱۲۲ والنسائی: ۱۴۲۳ وابن ماجہ: ۱۲۸۱۔

مَفْهُومْ: ان دونوں حدیثوں کا تعلق یوم جمعہ کی نماز فجر سے نہیں بلکہ نماز جمعہ کے ساتھ ہے کیونکہ جمعہ کے دن نماز فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر کی تلاوت سنت سے ثابت ہونے کا ذکر کتب حدیث میں مکمل سند کے ساتھ ملتا ہے اس لیے ان سورتوں کا "جن کا ذکر زیر بحث حدیثوں میں آیا ہے" تعلق نماز جمعہ کے ساتھ ہی ہے۔

اول الذکر دو سورتوں میں سے پہلی سورت کے انتخاب کی وجہ تو اس کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس کا نام ہی سورۂ جمعہ ہے اور دوسری سورت کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے اجتماع میں مخلص اور منافق دونوں طرح کے لوگ ہوتے تھے اس سے مخلصین کو یہ پیغام مل جاتا کہ منافقین مارِ آستین ہیں ان سے بچ کر رہنا اور منافقین کو یہ پیغام مل جاتا کہ تمہارے دلوں میں آنے والے خیالات اور زبانوں پر چلنے والے الفاظ سے ہم بذریعہ وحی مطلع ہو جاتے ہیں اس لیے ہمیں لاعلم مت سمجھنا۔

اور مؤخر الذکر دو سورتوں میں سے سورۂ اعلیٰ کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کائنات رنگ و بو میں بسنے والے ہر عاقل کے لیے کامیابی اور فوز و فلاح کا ایک دستور اور اصول متعین طور پر بتا دیا گیا ہے انسان اس دستور کو فراموش نہ کر بیٹھے اس لیے اکثر اس سورت کو منتخب کیا جاتا اور سورۂ غاشیہ کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قیامت کے دن اہل جنت اور اہل جہنم کے دو گروہ اپنی اپنی علامتوں اور چہرے بشرے سے ہی شناخت کیے جا سکیں گے ان کے بعد عذاب و ثواب کا معیار الگ ہوگا اب تم یہ سوچ لو کہ ان دونوں میں سے کس گروہ کے ساتھ شامل ہونا تمہیں پسند ہے؟ نیز یہ کہ تمہیں کس قسم کا انجام پسند ہے؟ ہر جمعہ اس سورت کی تلاوت سے اپنے انجام کے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت پر زور دینا مقصود ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ مَنْ مَاتَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ

[١٤٤] أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ طَارِقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ لَيْلَةِ جُمُعَةٍ إِلَّا وَيَنْظُرُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى خَلْقِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يَغْفِرُ لِكُلِّ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا۔

شب جمعہ میں فوت ہونے والے کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر شب جمعہ کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر تین مرتبہ نظر کرم فرماتے ہیں اور ہر اس آدمی کی بخشش فرما دیتے ہیں جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس کے قریب قریب ہے۔

[١٤٥] أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الْخَثْعَمِيِّ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وُقِيَ عَذَابَ الْقَبْرِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جمعہ کے دن فوت ہوا اسے عذاب قبر سے بچا لیا جائے گا۔

حل لغات: "ما" نفی ہے اور "الا" برائے استثناء اس سے کلام میں حصر پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے "ینظر" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی دیکھنا "یغفر" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بخش دینا "مات" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مر جانا "وقی" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بچانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري: ص٢٣٦ وليا لحديث الثاني فقد اخرجه الترمذي: ١٠٧٤ وابو يعلى: ٤١٠٣ وابن عدي: ٢٠٤٣ وعبدالرزاق: ٥٥٩٦ واحمد: ٦٥٨٢۔

مقصود: بظاہری طور پر پہلی حدیث میں شب جمعہ کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے اور دوسری حدیث میں یوم جمعہ کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے لیکن ضمنی طور پر شرک کی مذمت پر بھی یہیں سے روشنی پڑ جاتی ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی بھی نوعیت میں کسی بھی شخص یا چیز کو شریک سمجھتا ہے وہ اللہ کی اس نظر کرم سے محروم رہتا ہے جس سے باقی ساری مخلوق خدا مستفید ہوتی ہے اور یہیں سے عذاب قبر کا ثبوت بھی مل گیا جس کا بعض لوگ نادانی سے انکار کر دیتے ہیں۔

شب جمعہ اور یوم جمعہ کے فضائل کو ایک طرف رکھتے ہوئے یہاں اس سوال کو حل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آخر ان کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ کسی اور دن ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ تو اس کا ایک جواب تو سیدھا سادھا ہے کہ اگر کسی اور دن کی یہ فضیلت ہوتی تب بھی سائل کا سوال برقرار رہتا کہ اس حکم کی اس دن کے ساتھ تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس لیے ایک اعتبار سے یہ سوال ہی بے موقع ہے۔

اور دوسرا جواب "جو ذرا پیچیدار ہے اور اسے عام طور پر "تحقیقی جواب" کے شاندار خطاب سے نوازا جاتا ہے" یہ ہے کہ جمعہ کے دن اللہ کے حکم سے جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور آتش جہنم کو بھڑکانا موقوف کر دیا جاتا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ پروردگار کا دریائے رحمت جوش میں ہوتا ہے اسی کا مظاہرہ ان دو صورتوں میں ہوتا ہے کہ ایک تو ہر مؤمن کی بخشش کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے اور دوسرا ہر مرنے والے کو عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے کیونکہ عذاب قبر، عذاب جہنم کا نمونہ ہے اور عذاب جہنم کو موقوف کر دیا گیا ہے لہٰذا عذاب قبر کو بھی موقوف کر دیا جائے گا لیکن اگر ایک دن اور رات گزرنے کے بعد عذاب قبر کو شروع کر دیا جائے تو اس سے بندے کو زیادہ تکلیف ہوگی اور وہ ذہنی طور پر بھی اذیت محسوس کرے گا اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ جو ابتداءً عذاب قبر سے محفوظ رہا وہ بعد میں بھی اس میں مبتلا نہیں کیا جائے گا گویا اس دن فوت ہونا انسان کی سعادت و نجابت اور کامیابی کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم

ہیں جس سے جسم اچھی طرح ڈھانپا جا سکے۔

تخریج: اخرجه البخاري: ۹۸۱، ومسلم: ۲۰۵۶ (۸۹۰) وابوداؤد: ۱۱۳۶، والترمذي: ۵۳۹، والنسائي: ۱۵۵۹، وابن ماجه: ۱۳۰۷۔

مفہوم: ہر قوم میں خوشی اور تہوار کے خصوصی ایام ہوتے ہیں جن میں چاروں طرف مسرت وشادمانی کا رقص دکھائی دیتا ہے، ہر شخص کسی نہ کسی طریقے سے اپنی خوشی کا اظہار کر رہا ہوتا ہے اور ہر شخص مہمان نوازی کے لیے اپنے مہمانوں کے سامنے بچھا جاتا ہے، اس موقع پر بچوں اور بڑوں کی خوشی کا پیمانہ بھی مختلف ہوتا ہے، اسی طرح اسلام میں بھی خوشی کے دو تہوار رکھے گئے ہیں جن میں سے ایک کا نام عید الفطر اور دوسرے کا نام عید الاضحیٰ ہے۔

لیکن اسلام اور دوسرے مذاہب کے تہواروں میں یہ فرق ہے کہ دیگر مذاہب کے پیروکار تو اپنے تہوار کے موقع پر بڑی خوشی دکھائی دیتے ہیں مگر اپنے معبود کے خوش ہونے کا وہ بھی اعتقاد نہیں رکھتے جبکہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو ایسا تہوار عطاء کیا ہے جس میں بندے بھی خوش ہوتے ہیں اور بندوں کو پیدا کرنے والا بھی خوش ہوتا ہے اور وہ اپنی خوشی کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ اپنے بندوں کے تمام اعمال کو صاف کر دیتا ہے، ان کی قربانیوں اور محنتوں کو قبول کر لیتا ہے اور وہ اس سے جو بھی دعاء کرتے ہیں، وہ انہیں شرف قبولیت عطاء فرماتا ہے، پھر ایسے مبارک موقع سے خواتین کیوں پیچھے رہیں؟ اور انہیں کیوں محروم رکھا جائے؟ اس لیے آداب و شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز عید میں ان کی حاضری کو انتہائی اہم قرار دیا گیا ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَ الْعِيدِ وَلَا بَعْدَهَا

(۱۸۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْعِيدِ إِلَى الْمُصَلَّى فَلَمْ يُصَلِّ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَلَا بَعْدَهَا شَيْئًا۔

نماز عید سے پہلے یا بعد میں نوافل نہ پڑھنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ عید کے دن عید گاہ کی طرف نکلے تو آپ ﷺ نے نہ تو عید سے پہلے نوافل پڑھے اور نہ عید کے بعد۔

حل عبارت: "المصلی" عید گاہ "لم یصل" باب تفعیل سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، معنی نماز پڑھنا "الصلوۃ" پر الف لام عہد ذہنی کا ہے اور مراد نماز عید ہے۔

تخریج: اخرجه البخاري: ۹۸۹، ومسلم: ۲۰۵۷ (۸۸۴) وابوداؤد: ۱۱۵۹، والترمذي: ۵۳۸، والنسائي: ۱۵۸۸، وابن ماجه: ۱۲۹۱۔

خلاصۂ کلام: انسان نماز کی صورت میں پروردگار عالم کی عبادت کے جس ابدالی طریقے کو اختیار کرتا ہے بنیادی طور پر اس کے دو حصے ہیں ایک حصہ میں فرائض آتے ہیں اور دوسرے میں نوافل، فرائض کی ادائیگی درحقیقت ذات الٰہی کے حقوق کی ادائیگی ہے اور نوافل کے ذریعے انسان اپنے پروردگار کا قرب حاصل کرتا ہے اسی لیے انہیں عظمت الٰہی کے حقوق میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ نوافل حق محبت کی ادائیگی کا دوسرا نام ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ عاشق اپنے محبوب کے ساتھ جس درجے کی محبت رکھتا ہے وہ اسی قدر اپنے محبوب کا قرب حاصل کرنے کے لیے بے چین ہوتا ہے اور اس کے لیے بڑی سے بڑی رکاوٹ کو اپنی نظر میں نہیں لاتا۔

سرکار دو عالم ﷺ کے معمولات میں کثرت نوافل کا جو تذکرہ ملتا ہے یہی اس سے زیادہ واضح اور عاشقانہ توجیہ نہیں ہو سکتی اب اسے سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ جب نبی ﷺ نماز عید سے پہلے اور بعد میں نوافل نہیں پڑھتے تو بعد میں کسی اور تفریق کا لبادہ اوڑھ کر ریا کاری کا واضح ثبوت پیش کرنے کے لیے کسی کو بھی ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

رہی یہ بات کہ اس میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید کی انفرادیت کو برقرار رکھنا مقصود ہے یہی وجہ ہے کہ اس سے پہلے اذان ہے نہ اقامت نیز خطبہ عید بھی نماز کے بعد ہے نماز سے پہلے نہیں اسی مناسبت سے نماز عید سے قبل یا بعد میں نوافل پڑھنا مسنون قرار نہیں دیا گیا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْصِيرِ الصَّلٰوةِ فِي السَّفَرِ

(۱۴۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الظُّهْرَ اَرْبَعًا وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ۔

سفر میں نماز کو مختصر کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ذوالحلیفہ میں ظہر کی چار اور عصر کی دو رکعتیں پڑھی ہیں۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔

(۱۵۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ لَا يَزِيْدُوْنَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرات شیخینؓ سفر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اس سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

(۱۵۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ أُتِيَ فَقِيلَ صَلَّى عُثْمَانُ بِمِنًى أَرْبَعًا فَقَالَ: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ حَضَرَ الصَّلٰوةَ مَعَ عُثْمَانَ فَصَلّٰى مَعَهُ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَقِيلَ لَهُ اسْتَرْجَعْتَ وَقُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ صَلَّيْتَ أَرْبَعًا؟ قَالَ: فَخِلَافَةٌ ثُمَّ قَالَ: وَكَانَ أَوَّلُ مَنْ أَتَمَّهَا أَرْبَعًا بِمِنًى۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ایام حج میں حضرت عثمان غنیؓ نے منیٰ کے میدان میں چار رکعتیں پڑھائی ہیں، یہ سن کر حضرت ابن مسعودؓ کی زبان سے نکلا "انا للہ وانا الیہ راجعون" میں نے تو نبی ﷺ کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھی ہیں اور حضرات شیخین کے ساتھ بھی یہاں دو رکعتیں ہی پڑھی ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ منیٰ میں موجود تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا، تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ چار رکعتیں ہی پڑھیں، کسی نے ان سے کہا کہ ابھی تو آپ نے اس پر "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا تھا اور اس پر اعتراض کیا تھا اور اب خود ہی چار رکعتیں پڑھ لیں؟ فرمایا خلافت کے ادب کی خاطر میں نے ایسا کیا، پھر فرمایا کہ منیٰ میں سب سے پہلے چار رکعتیں مکمل پڑھنے والے حضرت عثمانؓ تھے۔

تحلیل عبارت: "الظهر والعصر" معطوف اور معطوف علیہ مل کر "صلیا" کے لیے مفعول بہ ہے "اربعا" اور "رکعتین" تمیز واقع ہو رہے ہیں "لا یزیدون" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی اضافہ کرنا "حضر الصلوٰة" میں فاعل "ھو" ضمیر ہے جس کا مرجع حضرت ابن مسعودؓ ہیں "استرجعت" باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ۱۰۸۴ ومسلم: ۱۵۸۱ (۶۹۵) وابوداؤد: ۱۹۶۰ والترمذی: ۵۴۶ والنسائی: ۱۴۴۰۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه النسائی: ۱۴۵۲ وابن ماجه: ۱۰۶۷ والترمذی: ۵۴۴ والبخاری: ۱۱۰۲۔

تخریج حدیث ثالث: اخرجه البخاری: ۱۰۸۴ وابوداؤد: ۱۹۶۰ ومسلم: ۱۵۸۱ (۶۹۵)

مفہوم: ان احادیث مبارکہ کی وضاحت سے قبل یہ اصول بھی طرح ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر موقع کی مناسبت سے جو اصول اور قوانین انسانیت کی فوز و فلاح کے لیے بنائے ہیں ان میں انسانوں کی سہولت اور راحت کا خیال اولین ترجیح کے طور پر رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ مقیم کے لیے اتمام نماز عزیمت ہے اور مسافر کے لیے قصر عزیمت ہے کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے اپنے بندوں پر مہربانی ہے جسے قبول کرنا ہر شخص کی خواہش ہونی چاہیے لہذا مسافر اتمام نہیں کر سکتا اور مقیم قصر نہیں کر سکتا۔

اس کے علاوہ ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص ۸ ذوالحجہ سے پہلے ایام حج میں چند دن مکہ مکرمہ میں

اقامت گزیں رہتا ہے تو وہ بھی عرفات اور مزدلفہ سب جگہ مقیم ہی شمار ہوگا۔ درست ہے کہ ان دو اصولوں کو مدنظر رکھ کر زیر بحث حدیثوں کی وضاحت ملاحظہ فرمائیے۔

1۔ نبی ﷺ ایک دن سفر پر روانہ ہوئے، ظہر کی نماز تو مدینہ منورہ میں ہی پڑھی اور سب سے پہلی وہ نماز جو دوران سفر پڑھی گئی عصر کی نماز تھی جو ذوالحلیفہ میں ادا کی گئی کہ وہ اہل مدینہ کی میقات بھی ہے اور مدینہ منورہ سے صرف چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے لیکن یہاں ایک الجھن پیدا ہوتی ہے جسے حل کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ چھ میل کا فاصلہ تو کوئی ایسا فاصلہ نہیں ہے جس کا سفر کسی بھی امام کے قول کے مطابق کسی شخص کو مسافر قرار دے سکے، پھر نبی ﷺ کا ذوالحلیفہ میں نماز عصر کو قصر کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ سو صراحۃً تو اس کا جواب کہیں بھی نظر سے نہیں گزرا اور نہ ہی یہ سوال کہیں چھیڑا گیا ہے البتہ اس کا ایک جواب امام بخاری کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے اور ایک جواب حافظ ابن حجر کی عبارت سے کشید ہو سکتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کی تخریج جس باب کے تحت کی ہے وہ ہے "باب یقصر اذا خرج من موضعہ" گویا امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قصر کا تعلق مسافت سے نہیں بلکہ ارادۂ سفر کے ساتھ گھر سے نکل آنے پر ہے اور اس کی تائید میں انہوں نے تعلیقاً حضرت علی کا ایک قول بھی پیش کیا ہے جس کے مطابق کوئی شخص کسی علاقے میں اس وقت تک مقیم نہیں ہو سکتا جب تک وہ شہر کے اس حصے میں نہ پہنچ جائے جہاں سے لوگوں کے مکانات نظر آتے ہوں، جب اقامت کا یہ حکم ہے تو سفر کا حکم بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ جب سفر شروع ہو جائے تو قصر کا حکم متوجہ ہو جائے گا اور جب اقامت شروع ہو جائے تو اتمام کا حکم متوجہ ہو جائے گا، زیر بحث حدیث اسی کی دلیل ہے اور اسی وجہ سے نبی ﷺ نے صرف چھ میل کی مسافت پر قصر نماز ادا کی۔ واللہ اعلم۔

2۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت عثمان غنی کے واقعے میں دو باتیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

(الف) جب نبی ﷺ اور حضرات شیخین اور خود حضرت عثمان غنی اپنی خلافت کے ابتدائی زمانے میں دوران حج قصر نماز پڑھتے رہے تو پھر یکایک انہوں نے چار رکعتیں کیوں پڑھنا شروع کر دیں؟ گو کہ علماء کرام نے اس کے متعدد جوابات دیے ہیں لیکن راقم نے جن اصول کی طرف تمہید میں اشارہ کیا ہے اگر اسے مدنظر رکھا جائے تو یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ حضرت عثمان غنی آٹھ ذی الحجہ سے چند دن پہلے مکہ مکرمہ پہنچ کر اقامت گزیں ہو گئے ہوں، اس مناسبت سے منیٰ وغیرہ میں بھی مقیم ہی سمجھا جائے گا، اس لیے ان کا اتمام کرنا کسی طرح قابل اعتراض نہیں رہتا۔

(ب) حضرت ابن مسعود کا رویہ بھی بظاہر عجیب سا محسوس ہوتا ہے کہ ایک طرف تو وہ حضرت عثمان غنی کے عمل پر نکیر اور اس پر افسوس کا اظہار کر رہے ہیں اور دوسری طرف خود ہی ان کے پیچھے منیٰ کے میدان میں مکمل نماز بھی پڑھ رہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی ایک رخ کو بھی غلط کہنے سے متعین نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر ذرا گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو

اضافہ فرمایا ہے اور وہ وتر ہے۔

فائدہ: اگلی روایت بھی اسی مضمون سے تعلق رکھتی ہے۔

(۱۵۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيًّا ؓ عَنِ الْوِتْرِ أَحَقٌّ هُوَ قَالَ أَمَّا كَحَقِّ الصَّلٰوةِ فَلَا وَلٰكِنْ سُنَّةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَلَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَتْرُكَهُ.

ترجمہ: عاصم بن ضمرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وتر کے متعلق دریافت کیا کہ آیا وتر برحق ہیں؟ فرمایا کہ فرض نماز کی طرح تو اس کی حقیقت نہیں ہے البتہ یہ جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اس لیے کسی کو اس کا ترک کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔

حل لغات: "زادکم" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی زائد ہونا، اضافہ کرنا۔ "فحافظوا" باب مفاعلہ سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی پابندی کرنا۔ "احق" ہمزہ برائے استفہام ہے نفس کلمہ کا نہیں۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ ابوداؤد منہ ۱۴۱۸، والترمذی ۴۵۲، وابن ماجہ ۱۱۶۸، وبہذا السیاق اخرجہ ابن ابی شیبۃ واحمد، کما ذکرہ الشوکانی فی النیل۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ الترمذی: ۴۵۴، والنسائی: ۱۶۷۷، وابن ماجہ: ۱۱۶۹۔

مفہوم: وتر کے واجب اور سنت ہونے میں فقہاء کرام کا جو اختلاف کتب فقہ میں مذکور ہے، وہ اپنی جگہ اہمیت کا حامل اور تفصیل کا متقاضی ہے جسے مطولات کے حوالے کر کے میں یہاں صرف اتنی بات کہنا چاہتا ہوں کہ اس حقیقت سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ شب معراج کے موقع پر اللہ کی طرف سے حضور نبی مکرم، سرور دو عالم ﷺ پر ابتداءً پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں جو بالآخر پانچ پر آ کر رک گئی تھیں اور یہ فیصلہ کر دیا گیا تھا کہ بظاہر تو یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن جو شخص یہ پانچ نمازیں پڑھ لے گا، میں یہ سمجھوں گا کہ اس نے پچاس نمازیں پڑھی ہیں اور اسے پچاس ہی کا اجر و ثواب عطاء کروں گا۔

ظاہر ہے کہ اس حقیقت کی موجودگی میں نماز وتر کو فرائض کے برابر تو درجہ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس طرح فرائض کی تعداد پانچ سے بڑھ کر چھ ہو جائے گی جو خلاف حقیقت ہے اور یہی مطلب ہے حضرت علی مرتضیٰ کے اس قول کا "اما کحق الصلوٰۃ فلا" البتہ چونکہ اس کی اہمیت اور نبی ﷺ کی اس پر مواظبت بھی کتب حدیث سے ثابت ہے اس لیے یوں کہا جائے گا کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے، اگر اس کا وجوب کسی آیت قرآنی سے ثابت ہوتا تو اس کا درجہ فرائض کے برابر ہوتا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي الْوِتْرِ؟

(۱۵۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِي الْأُولَى سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنَ الْوِتْرِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ۔

وتر میں کیا پڑھا جائے؟

ترجمہ: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے، پہلی رکعت میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" کی تلاوت فرماتے، دوسری میں "قل یا ایہا الکافرون" اور تیسری میں "قل ھو اللہ احد" پڑھتے تھے۔

(۱۵۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زُبَيْدٍ بْنِ الْحَارِثِ الْيَامِيِّ عَنْ أَبِي عُمَرَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي وِتْرِهِ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ فِي الثَّانِيَةِ وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ فِي الثَّالِثَةِ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْوِتْرِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا يَعْنِي قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ فَهٰكَذَا فِي قِرَاءَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ۔ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْوِتْرِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ يَقْرَأُ فِيهَا سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ۔

ترجمہ: اس روایت کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

حل لغات: "یوتر" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وتر پڑھنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابن ماجہ: ۱۱۷۳، والنسائی ۱۷۰۰، والترمذی ۴۶۲، وابوداؤد ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۶۔

مفہوم: اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ رکعات وتر میں نبی ﷺ کون سی سورتیں تلاوت فرماتے تھے؟ یاد رہے کہ زیر بحث حدیث میں جن تین سورتوں کا ذکر ہے نبی ﷺ کا معمول مبارک اکثر انہی تین سورتوں کو پڑھنے کا تھا اور اسی کی نقل میں آج تک ائمہ حرمین شریفین ماہ مقدس رمضان میں تراویح کے بعد جب وتر پڑھاتے ہیں تو اکثر انہی سورتوں کو پڑھتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ان

کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھنا جائز ہی نہیں۔

۲۔ رکعات وتر کی تعداد پر بھی اس حدیث سے روشنی پڑتی ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر حنفیہ اور حنابلہ دونوں کا اتفاق ہے البتہ یہاں آ کر دونوں میں اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے کہ حنفیہ تینوں رکعتیں اکٹھی پڑھتے ہیں اور حنابلہ دو رکعتوں پر سلام پھیرنے کے بعد پھر الگ سے ایک رکعت پڑھتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ ہر فقیہ اپنی فقہی رائے کی بنیاد کسی نہ کسی مرفوع یا موقوف روایت پر ہی رکھتا ہے اس لیے ہم اس باب میں کسی کو مطعون کیے بغیر ایک بات تو یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ رمضان المبارک میں حرمین شریفین حاضری کی سعادت عطاء فرما دیں تو محض اس اختلاف رائے کی وجہ سے وہاں کے باجماعت وتروں سے اپنے آپ کو محروم رکھنا بڑی محرومی اور بد نصیبی کی بات ہوگی اسی طرح ائمہ حرمین کے پیچھے ادا کیے جانے والے وتروں کو یہاں آ کر قضاء کرنے کا خیال بھی لانا عتاب الٰہی کا سبب بن سکتا ہے اور دوسری بات یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ اصل مقصد نماز پڑھنا ہے نماز سے دور کرنا نہیں اور اس قسم کے اختلافات وسعت کی دلیل ہوتے ہیں نہ کہ تنگی کا سبب، اس لیے ان میں تنگ نظری کا رویہ رکھنا کسی کے لیے بھی کسی طور پر مناسب نہیں ہے۔

بَابُ لَا فَصْلَ فِي الْوِتْرِ

(۱۵۷) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا فَصْلَ فِي الْوِتْرِ۔

وتر میں فصل نہ ہونے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری ﷜ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وتر میں فصل نہیں ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه الطحاوي مطولا: ۱/۲۸۸، والطبراني في الكبير: ۲۲/۲۷۸، والنسائي: ۳/۱۷۲، وابن ماجه: ۱۱۹۲۔

فائدہ: اس مسئلہ پر کسی قدر تفصیلی بحث گزشتہ حدیث کے ضمن میں گزر چکی ہے تکرار سے بچنے کے لیے دوبارہ اسے تحریر نہیں کیا جا رہا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَأَوْسَطَهُ وَآخِرَهُ

(۱۵۸) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْوِتْرُ أَوَّلَ اللَّيْلِ مَسْخَطَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَأَكْلُ السَّحُوْرِ مَرْضَاةٌ لِلرَّحْمٰنِ۔

رات کے ابتدائی، درمیانے اور آخری حصے میں وتر کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر﷠ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رات کے ابتدائی حصے میں وتر پڑھ لینا شیطان کو ناراض کرنے کا سبب ہے اور سحری کھانا رحمان کو راضی کرنے کا سبب ہے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۵۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوَّلَ اللَّيْلِ وَاَوْسَطَهٗ وَاٰخِرَهٗ لِكَيْ يَكُوْنَ وُسْعًا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ ذٰلِكَ اَخَذُوْا بِهٖ كَانَ صَوَابًا غَيْرَ اَنَّهٗ مَنْ طَمِعَ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَلْيَجْعَلْ وِتْرَهٗ فِيْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَاِنَّ ذٰلِكَ اَفْضَلُ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو وَاَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّهُمَا قَالَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ اَحْيَانًا اَوَّلَ اللَّيْلِ وَاَوْسَطَهٗ وَاٰخِرَهٗ لِيَكُوْنَ سَعَةً لِلْمُسْلِمِيْنَ۔

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری﷜ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے رات کے ابتدائی حصے میں بھی وتر پڑھے ہیں اور درمیان اور آخر میں بھی، تاکہ مسلمانوں پر وسعت رہے اور جس پر بھی وہ عمل کریں، وہ صحیح ہو، البتہ جو شخص قیام اللیل کی خواہش رکھتا ہو، اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ وتر رات کے آخری حصے میں پڑھے کہ یہ زیادہ افضل ہے۔

حل لغات: "اوسطہ" بضم الہمزہ وکسر حا اگر میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھیں تو اسم فاعل کا صیغہ ہوگا اور کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو اسم آلہ کا صیغہ ہوگا، دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، یعنی منصوب ہے مفعول ہونے کی وجہ سے اور فعل موخر ہے "اخذوا"۔ "طمع" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، بمعنی امید رکھنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ الحصکفی فی مسند ابی حنیفة ... ۱۴۸۱ وابن ماجة: ۱۱۸۷ ... واحمد ... ۱۷۰۹۹ والطبرانی فی المعجم الکبیر: ۱۷/ ۲۴۴ (۶۷۹) و (۶۸۰، ۶۸۲)۔

مفہوم: جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے آپ کی عبادت کے دو رخ سامنے آتے ہیں۔

۱۔ بعض مواقع پر آپ ﷺ کی عبادت اتنی طویل ہوتی تھی کہ قدم مبارک ورم آلود ہو جاتے جیسا کہ حدیث نمبر ۱۳۱ میں آتا ہے۔

۲۔ بعض مواقع پر نبی ﷺ کی عبادت مختصر اور مختلف اوقات میں پھیل جاتی تھی۔

پہلی صورت کا تعلق ان مواقع سے ہے جہاں نبی ﷺ کا عمل اپنی ذات کے لیے ہوتا تھا، امت کو اس میں اجمالی طور پر تاکید کے ساتھ شامل کرنا آپ کا مقصد نہیں ہوتا تھا اور دوسری صورت کا تعلق ان مواقع سے ہے جہاں آپ ﷺ اجمالی طور پر امت کو تاکید کے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے، اس اجتماعیت کے پہلو کو برقرار رکھنے کے لیے آپ

ﷺ اس میں تخفیف بھی فرما دیتے تھے اور اگر گنجائش ہوتی تو اسے مختلف اوقات میں ادا کر کے اس کی وسعت کو بھی واضح فرما دیتے جیسے عشاء کی نماز کا وقت ہے کہ بعض اوقات جلدی پڑھ لی بعض اوقات زیادہ تاخیر سے اور بعض اوقات اتنی تاخیر سے کہ لوگوں پر نیند کا غلبہ ہونے لگا۔

نماز وتر کے اوقات میں بھی اسی شفقت کا پہلو کارفرما ہے کہ جس شخص کو جس وقت سہولت ہو وہ اسی وقت اسے ادا کرے اور اس الجھن میں نہ رہے کہ رات کے ابتدائی حصے میں پڑھے یا درمیانی حصے میں یا آخری حصے میں، رات کے جس حصے میں بھی یہ ادا کر لیے جائیں ان پر مرتب ہونے والا اجر وثواب کسی کمی کے بغیر اس کے نامہ اعمال میں درج ہو جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ نَقَصَ صَلٰوتَهٗ اَوْ زَادَ

(١٦٠) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى صَلٰوةً اِمَّا الظُّهْرَ وَاِمَّا الْعَصْرَ فَزَادَ اَوْ نَقَصَ فَلَمَّا فَرَغَ وَسَلَّمَ قِيْلَ لَهٗ اَحَدَثَ فِي الصَّلٰوةِ اَمْ نَسِيْتَ قَالَ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا اَنْسَيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ ثُمَّ حَوَّلَ وَجْهَهٗ اِلَى الْقِبْلَةِ وَسَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ وَتَشَهَّدَ فِيْهِمَا ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ۔

نماز میں کمی بیشی ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز پڑھائی یا تو وہ ظہر کی نماز تھی یا عصر کی اور اس میں آپ ﷺ سے کچھ کمی بیشی ہو گئی، جب نبی ﷺ نے فارغ ہو کر سلام پھیرا تو کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا نماز کے احکام میں کوئی تبدیلی آ گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ فرمایا جس طرح تم بھول جاتے ہو اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں، اس لیے جب میں بھول جایا کروں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو، پھر آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف اپنا چہرہ پھیرا، سجدۂ سہو کیا اور تشہد پڑھ کر دائیں اور بائیں طرف سلام پھیر دیا۔

حل عبارت: "اما الظهر واما العصر" شك من الراوي "نقص" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کمی کرنا "احدث" الهمزہ برائے استفہام اور "حدث" باب نصر سے مذکور صیغہ ہے بمعنی چیز کا نو پید ہونا "انسيت" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بھول جانا "فذكروني" باب تفعیل سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی یاد دہانی کرانا "حول" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پھیرنا، گھمانا۔

تخریج: اخرجه البخاري: ٤٠١، ومسلم: ١٢٧٤، (٥٧٢)، وابوداؤد: ١٠٢٠، والترمذي: ٣٩٢، والنسائي:

۱۲۲٤، وابن ماجہ: ۱۲۱۱۔

مَفْهُوْمٌ: کتب حدیث میں یہ واقعہ "قصۂ ذوالیدین" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ جن صاحب نے نبی ﷺ کو سہو کے اس واقعے پر متوجہ کیا ان کا مشہور نام ذوالیدین ہی تھا گو کہ اصل نام میں مختلف اقوال ملتے ہیں، زیر بحث حدیث سے متعلق درج ذیل مسائل قابل توجہ ہیں۔

۱۔ کتب حدیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں دوران نماز سہو کا واقعہ پانچ مرتبہ پیش آیا، ظاہر ہے کہ یہ مقدار بہت بڑی نہیں ہے اور نہ ہی سہو کا لاحق ہونا منافی رسالت ہے بلکہ انسان ہونے کے ناطے ایسا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ تو دوران نماز کی بات ہے، ایک مرتبہ تو ایسا بھی ہوا کہ نبی ﷺ کے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ آپ ﷺ نے فلاں نماز پڑھی بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ مسند احمد میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کو نماز مغرب پڑھ کر خیال آیا تو لوگوں سے پوچھا کہ میں نے عصر کی نماز بھی پڑھی ہے یا نہیں؟ لوگوں نے بتایا نہیں، تو نبی ﷺ نے نماز عصر پڑھی، اس کے بعد نماز مغرب دوبارہ دہرائی۔ (مسند احمد: ۲٤۰۰۰)

بہرحال! دوران نماز سہو کے پانچ واقعات حسب ذیل ہیں۔

(الف) ایک مرتبہ نماز پڑھاتے ہوئے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھا دینے کا واقعہ پیش آیا۔ (ب) ایک مرتبہ چار رکعت والی نماز میں دو رکعتوں پر سلام پھیر دینے کا واقعہ پیش آیا۔ (ج) ایک مرتبہ قعدۂ اولیٰ چھوڑ دینے کا واقعہ پیش آیا۔ (د) ایک مرتبہ قراءت میں سہو لاحق ہوا۔ (ہ) ایک مرتبہ نماز مغرب میں قعدۂ اولیٰ پر سلام پھیر دینے کا واقعہ پیش آیا۔

زیر بحث واقعہ کا تعلق پہلی صورت کے ساتھ ہے۔

۲۔ واقعے کی حد تک تو اس میں کچھ اشکال نہیں ہے لیکن فقہی اعتبار سے اس میں فقہاء کے لیے یہ الجھن ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اندازے کے مطابق نماز مکمل کرنے کے بعد جب سلام پھیرا تو ایک صحابی نے کلام کیا، نبی ﷺ نے اس کا جواب دیا اور دیگر روایات کے مطابق دوسرے صحابہ کرام ؓ سے بھی سائل کی تصدیق کی، اس کے بعد اسی نماز کو سجدۂ سہو کر کے مکمل بھی کر لیا، دوران نماز اتنی طویل گفتگو سے کیونکر کسی کی بھی نماز فاسد نہیں ہوئی؟ تو اس الجھن کا واضح حل یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں جس طرح سلام کا جواب دینا دوران نماز جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا جیسا کہ آگے آ رہا ہے، اسی طرح کلام اور گفتگو کی بھی اجازت تھی اور جو بعد میں منسوخ ہو گیا جیسا کہ آگے آ رہا ہے اسی طرح کلام اور گفتگو کی بھی اجازت تھی جو بعد میں ختم کر دی گئی، یہ واقعہ اجازت ختم ہونے سے پہلے پیش آیا تھا اس لیے اس پر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سَجْدَةِ صٓ

(۱۹۹) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ عِيَاضٍ الْأَشْعَرِيِّ عَنْ أَبِي مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ فِي صٓ.

سورۂ صٓ میں سجدہ کا بیان

تَرْجَمَہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سورۂ ص میں سجدۂ تلاوت کیا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ۱۰۶۹، والترمذي: ۵۷۷، وابو داود: ۱۴۰۹، والنسائي: ۹۵۸۔

مفہوم حدیث: پورے قرآن کریم میں چودہ آیات مبارکہ ایسی ہیں کہ جب کوئی شخص ان کی تلاوت کرے یا ان کی تلاوت سنے تو اس پر فوراً یا موقع ملنے پر سجدہ کرنا شرعاً واجب ہے، اس سجدہ کو "سجدۂ تلاوت" کہتے ہیں، یہاں ہم ان آیات کو تو بیان نہیں کریں گے تاکہ وجوب سجدہ نہ ہو جائے کیونکہ وہ آیات سب ہی کو معلوم ہیں، البتہ ایک مختصر سا تجزیہ ضرور پیش کریں گے۔

سجدۂ تلاوت کی آیات پر جب غور کیا جاتا ہے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان آیات میں یا تو اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس کی تعمیل میں بندہ اس آیت کو پڑھتے ہی یا موقع ملتے ہی فوراً بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہو جاتا ہے، یا اللہ کے برگزیدہ اور نیک بندوں، معصوم فرشتوں اور زمین و آسمان کی عظیم مخلوقات کے تعبداً یا شکراً سربسجود ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے جسے پڑھ اور سن کر بندہ ان کی پیروی کرتے ہوئے خود بھی اپنی جبین نیاز کو جھکا دیتا ہے، یا پھر متکبرین کے انکار سجدہ کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے زمرے میں داخل ہونے سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے بندہ فوراً سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

سورۂ ص میں جو آیت سجدہ آئی ہے، اس میں خلیفۃ اللہ حضرت داؤد علیہ السلام کے توبۃً سجدہ ریز ہونے کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ اللہ کے مخلص اور برگزیدہ بندے تھے، چونکہ اس موقع پر نبی علیہ السلام نے سجدۂ تلاوت کیا تھا اس لیے ہمارے لیے بھی لازمی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ "سورۂ ص کا سجدہ ضروری نہیں" نبی علیہ السلام کے عمل کی روشنی میں واجب العمل نہیں رہتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَسْخِ الْكَلَامِ فِي الصَّلٰوةِ

(۱۶۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ لَمَّا قَدِمَ مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَةِ سَلَّمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ سُخْطِ نِقْمَةِ اللّٰهِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَا ذَاكَ قَالَ سَلَّمْتُ عَلَيْكَ فَلَمْ تَرُدَّ عَلَيَّ قَالَ اِنَّ فِي الصَّلٰوةِ لَشُغْلًا فَاِنْ قُلْتَ تَرُدُّ السَّلَامَ عَلٰى اَحَدٍ مِنْ بَنِيْهِ۔

نماز میں بات چیت کے نسخ کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب سرزمین حبش سے واپس آئے تو انہوں نے نبی علیہ السلام (کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ) کو سلام کیا، اس وقت نبی علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے اس لیے سلام کا جواب نہیں دیا، نبی علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں نعمت خداوندی کی ناراضگی پر اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، نبی علیہ السلام نے فرمایا کیا مطلب؟ عرض کیا کہ میں نے آپ کو سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہیں دیا (میں سمجھا کہ شاید آپ کسی بات پر ناراض ہیں) فرمایا دراصل نماز

کی مصروفیت ہوتی ہے (ورنہ تم سے کوئی ناراضگی نہیں) ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس دن کے بعد سے ہم میں سے کسی نے بھی دوران نماز سلام کا جواب نہیں دیا۔

حَلِّ عِبَارَت: "قدم" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آنا "لم یرد" باب نصر سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ مذکر ہے بمعنی لوٹانا، مراد جواب دینا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ۱۱۹۹ و مسلم: ۱۲۰۱ (۵۳۸) و ابو داؤد ۹۲۳ والنسائي ۱۲۲۱ و احمد ۳۸۸۴

مفہوم: سرزمین حبشہ کی طرف مسلمانوں نے دو مرتبہ ہجرت کی، پہلی مرتبہ ماہ رجب ۵ نبوت میں چند مرد و عورت وہاں پہنچے اور اسی سال شوال یا رمضان کے مہینے میں یہ افواہ سن کر واپس آ گئے کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے لیکن جب حقیقت حال وہاں پہنچ کر معلوم ہوئی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو ایک دن بعد ہی دوبارہ حبشہ چلے گئے اور باقی صحابہ بھی آہستہ آہستہ پہلے کی نسبت زیادہ تعداد میں ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گئے اور ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پر ان کی واپسی ہوئی، تاہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ غزوۂ بدر سے پہلے ہی مدینہ منورہ واپس پہنچ چکے تھے اور مستند ترین روایت سے غزوۂ بدر میں ان کی شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔

زیر بحث حدیث میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے ہماری تحقیق کے مطابق اس کا تعلق حبشہ سے پہلی واپسی کے ساتھ نہیں ہے جو مکہ مکرمہ کو ہوئی تھی بلکہ اس کا تعلق حبشہ سے دوسری واپسی کے ساتھ ہے جو مدینہ منورہ کو ہوئی تھی اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

گو کہ اس پر بے شمار دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن ان میں سے ایک دلیل تو انتہائی واضح ہے اور وہ یہ کہ دوران نماز سلام و کلام کی ممانعت قرآن کریم کے اس حکم سے کی گئی تھی۔

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔

اور تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی اور حضرت ابن مسعودؓ کی دوسری واپسی بھی مدینہ منورہ کی طرف ہی ہوئی تھی لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کی طرف پہلی مرتبہ واپسی کے وقت پیش نہیں آیا تھا جبکہ شوافع اسے مکہ مکرمہ کا واقعہ قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَنْ صَلّٰى وَفِيْ جَنْبِهِ امْرَأَةٌ

(۱۶۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ وَاَنَا نَائِمَةٌ اِلٰى جَنْبِهِ وَجَانِبُ الثَّوْبِ وَبَاقِيْهِ عَلَيَّ۔

اس شخص کا بیان جو نماز پڑھے اور اس کے پہلو میں عورت ہو

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ رات کو اٹھ کر نماز پڑھتے' میں آپ کے پہلو میں لیٹی ہوتی تھی اور کپڑے کا ایک حصہ مجھ پر ہوتا تھا۔

حل لغات: "وانا نائمة" میں واؤ حالیہ ہے جو متکلم کی حالت کو بیان کر رہا ہے' فاعل یا مفعول کی حالت یہاں بیان نہیں کی جا رہی۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري ش: ۳۸۳، ۵۱۲، ومسلم ۱۱۴۷ (۵۱۲)، وابوداؤد: ۷۱۱، وابن ماجه: ۹۵۸، والنسائی: ۷۶۰۔

مفہوم: فقہاء کرام کے لیے اس حدیث میں دلچسپی کا پہلو یہ ہے کہ بعض روایات سے یہ جو معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے آگے سے اگر کوئی عورت گزر جائے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے' اس حدیث سے وہ روایات منسوخ قرار پاتی ہیں کیونکہ یہاں تو حضرت عائشہؓ کا گزرنا مذکور نہیں جو صرف ایک لمحے میں ہی ہو جاتا ہے بلکہ نبی ﷺ کے پہلو میں استراحت کا ذکر ہے جس کا عرصہ طویل ہوتا ہے' جب اس صورت میں نماز نہیں ٹوٹتی تو پہلی صورت میں صرف مرور سے ہی کیوں ٹوٹ جائے گی؟

لیکن ہمارے لیے اس میں دلچسپی کے دو پہلو بہت اہم ہیں۔

۱۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا خود شب بیداری کرنا اور اپنی اہلیہ محترمہ کو اس کے لیے مجبور نہ کرنا' تہجدی کا لبادہ اوڑھنے والے ان تمام افراد کو اس طرز زندگی پر نظر ثانی کی دعوت دے رہا ہے جو دو نفلی عبادات کے سلسلے میں اپنے اہل خانہ پر سختی کے ساتھ روا رکھتے ہیں اور اسے بہت بڑی نیکی سمجھتے ہیں۔

۲۔ پیغمبر اسلام ﷺ پر عسرت کا ایسا دور جس نے آپ ﷺ کے دامن صبر پر کبھی شکن نہیں آنے دیا اور آپ کے جذبات شکر کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا کہ میاں بیوی کے پاس اوڑھنے کے لیے صرف ایک چادر ہوتی تھی جس کا ایک حصہ اہلیہ محترمہ پر ہوتا اور ایک حصہ آپ ﷺ کے جسد اطہر پر ہوتا' اس پر بھی دل جذبات شکر سے لبریز اور زبان اظہار شکر سے مشغول ہوا کرتی تھی۔

پھر اہل خانہ کا خیال رکھنا اور ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنا اس پر مستزاد تھا' یہی وجہ ہے کہ اہلیہ محترمہ کی ضرورت کا احساس کر کے چادر کا ایک حصہ ان پر بھی ڈال دیتے تھے' خود ہی ساری چادر اپنے جسم پر لپیٹ کر اہلیہ محترمہ کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا کرتے تھے' وائے افسوس! کہ آج ہم اپنے اہل خانہ کو سب کچھ دینے کے باوجود وقت اور شفقت ہی نہیں دے پا رہے اور احساس ذمہ داری کو اپنے قریب بھی پھٹکنے کی اجازت دینا جرم سمجھنے لگے ہیں۔

بَابُ اِذَا نَابَ شَيْءٌ فِي الصَّلٰوةِ

۱۹۶۔ اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سَنَّ فِي الصَّلٰوةِ اِذَا نَابَهُمْ وَهُمْ فِيْهَا التَّسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ۔

اگر نماز میں کوئی امر نادر پیش آجائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نماز میں کوئی امر نادر پیش آنے پر امام کو مطلع کرنے کے لیے نبی ﷺ نے یہ طریقہ مقرر فرمایا ہے کہ مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں مخصوص انداز میں تالی بجائیں۔

حلِ عبارات: "سن" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی طریقہ مقرر کرنا "نابھم" باب نصر سے مذکر واحد غائب ہے بمعنی حادثہ پیش آنا امر نادر پیش آنا۔ "التصفیق" تالی بجانے کا ایک مخصوص انداز۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری ۱۲۰۴ ومسلم ۹۵۶ (۴۲۲) وابوداؤد ۹۳۹ والترمذی ۳۶۹ وابن ماجہ ۱۰۳۵ والنسائی ۱۲۰۷۔

مفہوم: چونکہ نماز میں کسی بھی قسم کی گفتگو کرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے اور اس مسئلے کی حیثیت ایک فقہی اصول کی سی ہے اس لیے ایک سادہ سی بات کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہونا یقینی ہے کہ اگر دوران نماز امام صاحب سے کوئی غلطی ہو جائے مثلاً وہ ایک رکعت پڑھا کر بیٹھ جائیں یا دو رکعتیں پڑھنے کے بعد کھڑے ہو جائیں یا تین رکعت والی نماز میں دو رکعتوں پر سلام پھیرنے کی کوشش کریں یا کوئی اور صورت پیدا ہو جائے تو امام کو کیسے مطلع کریں؟

جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کا حل یہ بتایا کہ اگر مردوں کو امام صاحب کی کسی غلطی کا احساس ہو جائے تو وہ "سبحان اللہ" کہہ کر اسے غلطی کا احساس دلا سکتے ہیں اور امام ان کے اس لقمے کو قبول کر کے اپنی غلطی کا تدارک کر سکتا ہے تاہم نماز کے آخر میں اسے سجدہ سہو کرنا ہوگا اور اگر مردوں کو اس کا احساس نہ ہو سکے اور جماعت میں خواتین بھی شامل ہوں تو وہ بھی امام کو اس غلطی کا احساس دلا سکتی ہیں لیکن "سبحان اللہ" کہہ کر نہیں بلکہ اس طرح کہ سیدھے ہاتھ کی انگلیوں کو الٹے ہاتھ کی پشت پر ماریں جس سے سننے والے کے کانوں تک آواز پہنچ جائے، بلکہ آواز ہی تالی بجا دیں اسے "تصفیق" کہا جاتا ہے اور اس کی مشروعیت صرف خواتین کے لیے ہے مردوں کے لیے نہیں۔

اگر امام نے مردوں کی تسبیح یا عورتوں کی تصفیق سن کر دوران نماز ہی اپنی غلطی کی اصلاح کر لی اور بعد میں سجدہ سہو کر لیا تو نماز صحیح ہو جائے گی اور یہ ایک ایسی بے غبار صورت ہوگی جس میں زبان سے کلام بھی نہیں کرنا پڑے گا، امام کو اس کی غلطی کا احساس بھی دلا دیا جائے گا اور کسی کی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ وَمَا لَا يَقْطَعُ

(۲۶۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّهُ سَاَلَ عَائِشَةَ عَمَّا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَتْ يَا اَهْلَ الْعِرَاقِ تَزْعُمُوْنَ اَنَّ الْحِمَارَ وَالْكَلْبَ وَالسِّنَّوْرَ يَقْطَعُوْنَ الصَّلٰوةَ فَقَرَنْتُمُوْنَا بِهِمْ اِدْرَؤُا مَا اسْتَطَعْتَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ وَاَنَا نَائِمَةٌ اِلٰى جَنْبِهٖ عَلَيْهِ ثَوْبٌ جَانِبُهٗ عَلَيَّ۔

کونسی چیز نماز کو توڑتی ہے اور کونسی نہیں

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے ایک مرتبہ اسود بن یزید نے سوال پوچھا کہ کن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟ انہوں نے فرمایا اے اہل عراق! تم یہ سمجھتے ہو کہ گدھا، کتا اور بلی (نمازی کے آگے سے گزر کر اس کی) نماز کو توڑ دیتے ہیں اور تم ہم عورتوں کو بھی ان کے ساتھ ملاتے ہو، جہاں تک ممکن ہو آگے سے گزرنے والے کو روکو، حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور میں آپ ﷺ کے پہلو میں لیٹی ہوتی تھی اور آپ ﷺ پر جو کپڑا ہوتا تھا اس کا ایک حصہ مجھ پر ہوتا تھا۔

حل لغات: "تزعمون" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی گمان کرنا "یقطعون" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی توڑنا "قرنتمونا" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ملانا "ادرؤا" باب فتح سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ہٹانا، دور کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ۱۱۴۳ (۵۱۲، ۵۱۴) والبخاری: ۵۱۴، ۵۱۰۔

مفہوم: نمازی کے آگے سے گزرنے کو احادیث کی روشنی میں بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے اور بعض روایات میں تو یہاں تک وارد ہوا ہے کہ اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو پتہ چل جائے کہ اس پر کتنا گناہ ہوگا تو وہ چالیس..... تک کھڑا رہنے اور انتظار کو نمازی کے آگے سے گزرنے پر ترجیح دے گا' راوی کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ نبی ﷺ نے "چالیس" کے بعد دن، مہینے یا سال میں سے کون سا لفظ استعمال کیا تھا؟

لیکن یہ بھی ایک طے شدہ مسئلہ ہے کہ اس سے نمازی کی نماز فاسد نہیں ہوتی اور وہ بغیر کسی خرابی کے صحیح ہو جاتی ہے خواہ نمازی کے آگے سے کوئی انسان گزرے یا کوئی جانور اور وہ مرد ہو یا عورت، کتا ہو یا گدھا' بہر صورت نماز ہو جاتی ہے۔

اصل میں جسمانی طور پر بعض لوگ بہت کمزور ہوتے ہیں اور عورت کا وجود ہی نہیں، صرف لفظ عورت بھی ان کے لیے آزمائش کا ذریعہ بن جاتا ہے' اس کیفیت کے بہت سے لوگوں پر کسی بھی عورت کا تصور آتے ہی یا اسے دیکھتے ہی ایسا اثر طاری ہو جاتا ہے جس سے بالآخر ان پر غسل واجب ہو جاتا ہے' ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نماز کا برقرار رہنا

کیسے ممکن ہے؟

اس لیے جن روایات میں نمازی کے آگے سے کسی عورت کے گزرنے پر نمازی کی نماز ٹوٹ جانے کا ذکر ملتا ہے ان کا یہ غبار دور صاف ستھرا محمل یہی ہے اور جن روایات میں اس سے صحت نماز پر کوئی اثر بھی پڑنے کا ذکر نہیں ہے اس کا صحیح محمل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اس کمزوری کا شکار نہ ہوں۔

ہماری اس توجیہ کے بعد بعض محدثین کی طرف سے کیے گئے ناسخ منسوخ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی اور دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کی واضح صورت نکل آتی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ إِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ

(۶۶۹) أَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَخَطَبَ فَقَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا تَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَصَلُّوْا وَاحْمَدُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْهُ وَسَبِّحُوْهُ حَتّٰى يَنْجَلِيَ أَيُّهُمَا انْكَسَفَ ثُمَّ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔

سورج کو گہن لگ جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جس دن نبی ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا اسی دن سورج گرہن ہو گیا' نبی ﷺ نے اس موقع پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا شمس و قمر اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' انہیں کسی کی موت سے گہن لگتا ہے اور نہ کسی کی زندگی سے' اس لیے جب تم یہ کیفیت دیکھا کرو تو نماز پڑھا کرو' اور اللہ کی تحمید اور تکبیر و تسبیح بیان کیا کرو' یہاں تک کہ گہن ختم ہو جائے' یہ کہہ کر نبی ﷺ منبر سے اتر آئے اور دو رکعت نماز پڑھائی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۶۷۰) أَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ النَّاسُ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيْمَ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَبَاتَ طَوِيْلًا حَتّٰى ظَنُّوْا أَنَّهُ لَا يَرْكَعُ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهُ قَدْرَ قِيَامِهِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَانَ قِيَامُهُ قَدْرَ رُكُوْعِهِ ثُمَّ سَجَدَ قَدْرَ قِيَامِهِ ثُمَّ جَلَسَ فَكَانَ جُلُوْسُهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَدْرَ سُجُوْدِهِ ثُمَّ سَجَدَ قَدْرَ جُلُوْسِهِ ثُمَّ صَلَّى الرَّكْعَةَ الثَّانِيَةَ فَفَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ مِنْهَا بَكٰى فَاشْتَدَّ بُكَاؤُهُ فَسَمِعْنَاهُ وَهُوَ يَقُوْلُ أَلَمْ تَعِدْنِيْ أَنْ لَا تُعَذِّبَهُمْ وَأَنَا فِيْهِمْ ثُمَّ جَلَسَ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ ثُمَّ

قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِمَا عِبَادَهُ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا
لِحَيَاتِهِ فَإِذَا كَانَ كَذٰلِكَ فَعَلَيْكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أُدْنِيتُ مِنَ الْجَنَّةِ حَتّٰى لَوْ شِئْتُ أَنْ أَتَنَاوَلَ
غُصْنًا مِنْ أَغْصَانِ شَجَرِهَا فَعَلْتُ وَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أُدْنِيتُ مِنَ النَّارِ حَتّٰى جَعَلْتُ أَتَّقِي وَلَقَدْ رَأَيْتُ
سَارِقَ رَسُولِ اللّٰهِ وَفِي رِوَايَةٍ سَارِقَ بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ يُعَذَّبُ بِالنَّارِ وَلَقَدْ رَأَيْتُ فِيهَا عَمْرَو بْنَ
دَعْدَعٍ سَارِقَ الْحَاجِّ بِمِحْجَنِهِ وَلَقَدْ رَأَيْتُ فِيهَا امْرَأَةً أَدْمَاءَ حِمْيَرِيَّةً تُعَذَّبُ فِي هِرَّةٍ لَهَا رَبَطَتْهَا
فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ وَحَشَرَاتِهَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ نَحْوُهُ وَفِيهِ لَقَدْ رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ دَعْدَعٍ سَارِقَ الْحَجِيجِ بِمِحْجَنِهِ فَكَانَ إِذَا خَفِيَ ذَهَبَ
وَإِذَا رَآهُ أَحَدٌ قَالَ إِنَّهُ تَعَلَّقَ بِمِحْجَنِي۔

وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ إِذَا خَفِيَ لَهُ شَيْءٌ ذَهَبَ بِهِ وَإِذَا ظُهِرَ عَلَيْهِ قَالَ إِنَّمَا تَعَلَّقَ بِمِحْجَنِي۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جس دن نبی ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا اسی دن
سورج گرہن ہو گیا، لوگ آپس میں کہنے لگے کہ ابراہیم کے انتقال کی وجہ سے سورج کو گہن لگ گیا، اس موقع پر نبی ﷺ نے
نماز کسوف پڑھاتے ہوئے اتنا طویل قیام کیا کہ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ نبی ﷺ رکوع نہیں کریں گے، پھر آپ ﷺ نے رکوع
کیا جو بقدر قیام تھا، پھر رکوع سے سر اٹھایا تو قومہ بقدر رکوع تھا، پھر سجدہ کیا جو بقدر قومہ تھا، پھر دو سجدوں کے درمیان بیٹھے تو
بقدر سجدہ تھا، پھر دوسرا سجدہ کیا جو بقدر جلسہ تھا۔

پھر دوسری رکعت پڑھائی اور اس میں بھی اسی طرح کیا یہاں تک کہ جب دوسری رکعت کے سجدے میں پہنچے تو رو
پڑے اور یہ آہ و بکا بہت شدید ہو گئی، ہم نے کان لگا کر سنا تو نبی ﷺ یہ فرما رہے تھے کہ اے اللہ! کیا تو نے مجھ سے وعدہ
نہیں کیا تھا کہ میری موجودگی میں تو انہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا، اس کے بعد آپ ﷺ بیٹھ گئے تشہد پڑھا اور نماز
سے فارغ ہو کر صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ شمس و قمر اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جن کے ذریعے
اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، انہیں کسی کی موت سے گہن لگتا ہے اور نہ کسی کی زندگی سے، اس لیے جب ایسی صورت حال
پیش آیا کرے تو نماز کا اہتمام کیا کرو۔

اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ مجھے اسی نماز کے دوران جنت کے اتنا قریب کر دیا گیا کہ اگر میں اس کے درختوں
کی ٹہنیوں میں سے کوئی ٹہنی توڑنا چاہتا تو توڑ سکتا تھا اور میں نے اپنے آپ کو جہنم کے بھی اتنا قریب دیکھا کہ میں ڈرنے
لگا اور میں نے پیغمبر خدا کے گھر میں چوری کرنے والے کو جہنم میں جلتا ہوا دیکھا اور میں نے جہنم میں عمرو بن دعدع کو
بھی دیکھا جو اپنی لاٹھی کے ذریعے حجاج کرام کا سامان چوری کرتا تھا نیز میں نے اس میں قبیلہ حمیر سے تعلق رکھنے والی گندمی

رنگ کی ایک عورت کو بھی دیکھا جسے اپنی ایک بلی کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا جسے اس نے باندھ رکھا تھا' نہ خود اسے کچھ کھلاتی تھی اور نہ ہی اسے چھوڑتی تھی کہ وہ خود ہی زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لے۔

ایک دوسری روایت میں اسی طرح کا مضمون آیا ہے جس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جب عمرو بن دعدع کو کوئی نہ دیکھ پاتا تو وہ اس کا ساز و سامان اٹھا کر لے جاتا اور اگر کوئی اسے دیکھ لیتا تو وہ یہ بہانہ بنا دیتا کہ یہ سامان میری لاٹھی سے چپک کر آ گیا ہے۔

حَلِّ عِبَارَت: "انکسفت" باب انفعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی گہن لگ جانا "ینجلی" مذکورہ باب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی روشن ہو جانا "اشتد" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی شدید ہونا "یخوف" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ڈرانا' خوفزدہ کرنا "ادنیت" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی قریب کرنا "ادماء" فعلاء کے وزن پر مؤنث ہے بمعنی گندمی رنگ "ربطتها" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی باندھنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري: ١٠٤٣، ومسلم: ٢١٢٢ (٩١٥)' وابو داؤد: ١١٩١' والنسائي: ١٥٠٢' وابن ماجه: ١٢٦٢۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاري مختصراً: ١٠٤٦' ومسلم: ٢١٠٢ (٩٠٤)' وابو داؤد: ١١٩٤' والنسائي: ١٤٨٢' وابن ماجه: ١٢٦٥' واحمد بهذا السياق: ٦٤٨٣' وعبد الرزاق: ٤٩٣٨' وابن ابي شيبة: ٢/٤٦٧' وابن خزيمة: ٩٠١۔

مَفْهُومِ: نمازِ کسوف کے حوالے سے فقہاء کرام نے ان حدیثوں سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے لیکن یہاں ہم شرح حدیث کے حوالے سے چند امور کے ذکر پر اکتفاء کریں گے۔

ا۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کے یہاں یہ بات بہت مشہور تھی کہ سورج گرہن اور چاند گرہن ہونا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا فوت ہو گیا ہے' اسی خیال کا اظہار انہوں نے نبی ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کے انتقال پر کیا جن کی والدہ نجاشی شاہ حبشہ کی طرف سے بطور ہدیہ کے آنے والی باندی حضرت ماریہ قبطیہ ؓ تھیں' نبی ﷺ نے فوراً اس خیال کی تردید فرما دی۔

۲۔ سورج اور چاند اللہ کی دو نشانیاں اور نظام کائنات کے دو اہم ترین پرزے ہیں' مظاہر پرست لوگ ان کی پوجا بھی کرتے ہیں اور ان کی عظیم جسامت تو ویسے ہی واضح ہے' روشنی کے ان دو میناروں کو کلی یا جزوی طور پر بے نور کر کے بندوں کو یہ سبق سکھانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ سب جان شمس و قمر مستحق عبادت اور معبود کیونکر ہو سکتے ہیں؟ جبکہ یہ اتنے عاجز ہیں کہ اپنے آپ کو بے نور ہونے سے بچا نہیں سکتے اور وہ ذات کس قدر طاقتور اور قادر ہو گی جو اتنی عظیم چیزوں کی روشنی چھین لینے میں کسی ہچکچاہٹ اور پریشانی کا شکار نہیں ہوتی' پھر اس ذات کو چھوڑ کر ان مظاہر کی عبادت کرنا انصاف کے

منافی ہو گا یا نہیں؟

۳۔ دنیا میں آج تک سورج اور چاند گرہن ہوتا چلا آ رہا ہے لیکن اب یہ فیشن بن چکا ہے کہ سائنسدان اس کے ذریعے نئی سائنسی معلومات حاصل کریں اور عام آدمی "اگر اس کے پاس فرصت ہو" تو دوربین وغیرہ کے ذریعے اس کا نظارہ کر لے اور اس پر اپنی حیرت کا اظہار کر کے متعجب ہو جائے اس حقیقت کو فراموش کر کے طاق نسیاں میں رکھا جا چکا کہ چاند اور سورج کا بے نور ہونا قیامت کا پیش خیمہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ کہ اسی وجہ سے نبی ﷺ اس موقع پر گھبرا جاتے تھے اور فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے آلات جدیدہ کی ایجاد کے بعد کئی دن قبل سورج اور چاند گرہن کی تاریخ اور وقت معلوم ہونے کے باوجود مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کبھی صلوٰۃ کسوف یا خسوف کی جماعت ہوتے ہوئے دیکھی ہو اس پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ عرب میں ایک شخص "سارق الحاج" کے نام سے مشہور گزرا ہے اس کا اصل نام "عمرو بن ودیع" تھا اس کے پاس ایک لاٹھی ہوتی تھی جس کے سرے پر اس نے دھاری دار لوہا لگا رکھا تھا اس کا قاعدہ یہ ہوتا تھا کہ جب وہ زمین پر اپنی لاٹھی گھسیٹتے ہوئے چلتا تھا تو بہت سی چیزیں اس کی لاٹھی کے ساتھ ہی گھسٹتی ہوئی چلی آتی تھیں اگر کوئی آدمی شور مچاتا تو وہ یہ کہہ کر معذرت کر لیتا کہ مجھے پتہ نہیں چل سکا یہ میری لاٹھی کے ساتھ گھسٹتی ہوئی آ گئی ہے اور یہ کہہ کر وہ چیز اس کے مالک کو لوٹا دیتا اور اگر کوئی آدمی کسی طرف سے بھی نہ بولتا تو وہ اسی طرح کرتے کرتے اس چیز کو اپنے گھر لے جاتا۔

وہ شخص ان کاموں میں اتنا دلیر ہو چکا تھا کہ اللہ کے مہمان حجاج کرام کو بھی نہیں بخشتا تھا بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ایام حج ہی تو اس کی اصل کمائی اور محنت کے دن ہوتے تھے تو کچھ بے جا نہیں ہو گا اللہ نے اس عمل کی پاداش میں اسے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کا نوالہ بنا دیا اور سرکار دو عالم ﷺ کو دکھا بھی دیا کہ وہ جہنم میں جل رہا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی حرکتیں کرنے والے ہر شخص کا یہی انجام ہو گا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلٰوةِ الْاِسْتِخَارَةِ

(۳۶۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَاصِحٍ عَنْ يَحْيٰى عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

استخارہ کی نماز کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمیں استخارہ کی تعلیم اس طرح دیا کرتے تھے جیسے قرآن کریم کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت اسی مضمون کی وضاحت ہے۔

(٢٦٩) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُعَلِّمُنَا

الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْاَمْرِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَمْرًا فَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ

الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ فَاِنَّكَ

تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَتَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا الْاَمْرُ خَيْرًا لِيْ فِيْ

مَعِيْشَتِيْ وَخَيْرًا لِّيْ فِيْ عَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَيَسِّرْهُ لِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْهِ۔

وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ وَاِنْ كَانَ غَيْرَهُ فَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِيْ بِهٖ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملہ میں ہمیں استخارہ کی تعلیم اس طرح دیا کرتے تھے جیسے قرآن کریم کی کوئی سورت سکھاتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وضو کرے اور فرائض کے علاوہ دو رکعتیں (نفلی طور پر) پڑھ کر یہ دعاء کرے کہ اے اللہ! میں آپ سے آپ کے علم کے ذریعے خیر کا طلب گار ہوں اور آپ کی قدرت سے اس کام پر قدرت کا خواستگار ہوں اور آپ سے آپ کا فضل چاہتا ہوں کیونکہ آپ سب کچھ جانتے ہیں میں کچھ بھی نہیں جانتا آپ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور مجھے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں اور آپ تو علام الغیوب ہیں۔

اے اللہ! اگر یہ کام میرے لیے معاشی طور پر اور انجام کار کے اعتبار سے اچھا ہے تو اسے میرے لیے آسان فرما اور اسے مبارک فرما اور اگر نہیں تو پھر میرے لیے خیر مقدر فرما جہاں بھی ہو اور پھر اس پر مجھے راضی بھی کر دے۔

حَلِّ عِبَارَت: "استخیرک" باب استفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی خیر طلب کرنا "استقدرک" بھی یہی صیغہ ہے بمعنی قدرت طلب کرنا "فاقدر" باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی مقدر کرنا "رضنی" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی راضی کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ١١٦٢، وابوداود: ١٥٣٨، والترمذي: ٤٨٠، وابن ماجه: ١٣٨٣، والنسائي: ٣٢٥٣۔

مفہوم: اس حدیث کا تعلق نماز استخارہ سے ہے جس سے فقہاء کرام نے بہت سے مسائل مستنبط کیے ہیں لیکن یہاں ہم شرح حدیث کے حوالے سے چند باتیں ذکر کرنے پر ہی اکتفاء کریں گے۔

١۔ استخارہ کے ذریعے بندے اور اس کے رب کے درمیان تعلق کو مضبوط کرنا اصل مقصد ہے۔

٢۔ استخارہ وہاں کیا جاتا ہے جہاں کسی کام کے بارے انسان کشمکش کا شکار ہو اور اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا ہو کہ اسے کیا کرنا چاہیے اگر کوئی ایک رخ متعین ہو تو وہاں استخارہ کے بجائے دعاء کرنی چاہیے۔

اس فتح مکہ کا تعلق اس تاریخی واقعہ سے ہے جو تاریخ عالم میں ایک انوکھی انفرادیت کا مقام رکھتا ہے کیونکہ دنیا نے اس سے پہلے دارا، سکندر، اور رستم و سہراب کے قصے پڑھے تھے اور ان کی سفاکی و بربریت کو خود دیکھا تھا لیکن یہ انوکھا واقعہ تھا کہ جس میں فاتح مفتوح سے زیادہ عجز و انکساری دکھا رہا تھا جس میں فاتح نے دنیا کے سامنے جنگ کی ایک نئی اور تاریخی تقلید طرح ڈالی اور جس میں فاتح نے اپنے مفتوحوں کو بجائے قیدیوں کے درجے پر لے جانے کی بجائے انہیں انسانیت ہی کے مرتبے پر اپنے جیسا انسان سمجھا اور اسی کے مطابق برتاؤ کیا۔

۲۔ سنت سے ثبوت کے لیے کسی عمل کی نسبت اگر صحیح سند کے ساتھ نبی ﷺ کی طرف ایک مرتبہ بھی ثابت ہو جائے تو اسے کافی سمجھا جاتا ہے اور اس سے یہ کہنا جائز ہوتا ہے کہ یہ عمل سنت ہے، یہ علاحدہ بات ہے کہ فقہاء کرام اپنی بولی میں اسے مستحب یا جائز ہی قرار دیں اس لیے کہ وہ ان کی اصطلاح ہے۔

نماز چاشت کا تعلق بھی اسی نوعیت کے ساتھ ہے کہ بعض تابعین سے منقول ہے کہ چاشت کی نماز نبی ﷺ کے حوالے سے صرف حضرت ام ہانیؓ نے نقل کی ہے اور یہ کہ نبی ﷺ نے بھی اپنی زندگی میں ایک آدھ مرتبہ ہی یہ نماز پڑھی ہے لیکن تتبع اور استقراء سے اس مضمون کی بہت سی روایات صحیح ثابت ہو چکی ہیں اور مذکورہ تابعین کے قول کو ان کے علم پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے لیکن بہرحال اگر ان ہی کی بات کو بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ چاشت کی نماز سنت سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْعَمَلِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ

(۱۷۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ قَامَ وَنَامَ وَإِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ الْأَوَاخِرُ شَدَّ الْمِئْزَرَ وَأَحْيَا اللَّيْلَ۔

رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں محنت کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب ماہ رمضان شروع ہوتا تو نبی ﷺ قیام بھی کرتے اور نیند بھی کرتے اور جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپ ﷺ کمر کس لیتے اور رات جاگا کرتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی قیام اللیل سے ہی متعلق ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِيَامِ عَامَّةَ اللَّيْلِ

(۱۷۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُومُ عَامَّةَ اللَّيْلِ حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقَالَ لَهُ أَصْحَابُهُ أَلَيْسَ قَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔

رات کے اکثر حصے میں قیام کا بیان

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ رات کو اکثر حصہ قیام فرماتے تھے حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک ورم آلود ہو جاتے' ایک مرتبہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہوں کو معاف نہیں فرما دیا؟ (یعنی اتنی محنت کا فائدہ کیا ہے جبکہ آپ کے تو سارے گناہ معاف ہو چکے؟) فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

حل عبارات: "احیاء" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی زندہ کرنا "المئزر" تہبند' کنایۃً عبادت میں محنت مراد ہے "تاحی" باب افعال سے مذکر کا صیغہ ہے' بمعنی زندہ کرنا "تورمت" باب تفعل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے' بمعنی ورم آلود ہو جانا' سوج جانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري: ٢٠٢٤، ومسلم: ٢٧٨٧ (١١٧٤)، وابوداؤد: ١٣٧٦، والترمذي: ٧٩٦، والنسائي: ١٦٤٠، وابن ماجه: ١٧٦٨، واحمد: ٢٤١٣٢، وابن خزيمة: ٢٢١٤۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاري: ١١٣٠، ومسلم: ٧١٢٤ (٢٨١٩)، والترمذي: ٤١٢، وابن ماجه: ١٤١٩، والنسائي: ١٦٤٥۔

مفہوم: ماہ مقدس رمضان سعادتوں اور برکتوں سے بھرپور اللہ کا عظیم مہمان ہے جس کی مہمان نوازی کرنا ہر اس شخص کے ذمے ضروری ہے جو اس نعمت کو پائے' اس عظیم مہینے میں سرکار دو عالم ﷺ کے معمولات یکسر بدل جاتے تھے چنانچہ قرآن کریم کا دور اسی مہینے کے معمولات میں سے تھا' حضرت ابن عباس﷜ کے بقول ماہ مقدس میں آپ ﷺ کی سخاوت تیز آندھی سے بھی زیادہ تیزی سے لوگوں پر ہوتی تھی' رات رات بھر عبادات میں مشغول رہنا اور دن کو مخلوق سے کٹ کر اعتکاف کی حالت میں بیٹھے رہنا' یہ سب آپ کے معروف رمضان کے اہم معمولات میں سے تھا' لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ امت مرحومہ کے رمضان اور غیر رمضان میں امتیاز صرف سحری اور افطاری کے دسترخوان پر بھانت بھانت کی اشیائے خورد و نوش سے ہی ہوتا ہے ورنہ زندگی کی ڈگر میں کوئی فرق اور تبدیلی محسوس نہیں ہوتی۔

بلکہ اگر رمضان کی بات بھی ایک طرف رکھ کر ایک دوسرے پہلو سے اس پر غور کیا جائے تو عام دنوں میں بھی سرکار دو عالم ﷺ کی جہد مسلسل ایک چیلنج انقلاب محسوس ہوتی ہے کیونکہ ایک طرف تو یہ حقیقت تھی کہ اللہ نے آپ کو گناہوں سے پاک اور معصوم پیدا کیا تھا' اور اگر تقاضائے بشریت کوئی معمولی سی لغزش سرزد ہو بھی گئی ہو تو اس کے لیے "ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر" کا اعلان فرما دیا تھا اور دوسری طرف آپ کے قلب سلیم میں جذبات شکر کا وہ بحر بیکراں موجزن تھا جو آپ ﷺ کو ہر وقت اپنے پروردگار کے حضور حاضر رکھتا تھا' گویا عبادت الٰہی میں اس قدر استغراق اور بارگاہ الٰہی میں اس قدر حاضری کے باوجود آپ ﷺ اپنی عبادت پر بھی فخر نہ فرماتے تھے اور

يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ أَمَّا اِثْنَتَانِ فَإِنِّي أَنْهَاكَ عَنْهُمَا وَأَمَّا وَاحِدَةٌ فَإِنِّي آمُرُكَ بِهَا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُ بِهَا قَالَ مَا هِيَ تِلْكَ الْخِصَالُ الثَّلٰثُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ لَا تَمُوْتَنَّ وَعَلَيْكَ دَيْنٌ إِلَّا دَيْنٌ تَدَعُ بِهِ وَفَاءً وَلَا تُسَمِّعَنَّ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ يُسَمَّعُ بِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا سَمَّعْتَ بِهِ قِصَاصًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا وَأَمَّا الَّذِي آمُرُكَ بِهِ كَمَا أَمَرَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَا الْفَجْرِ فَلَا تَدَعْهُمَا فَإِنَّ فِيْهِمَا الرَّغَائِبَ.

سنت فجر کا بیان

ترجمہ: ابن الحر سے حمران کے متعلق منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب بھی ملاقات ہوتی تو مجلس میں ان کے سب سے زیادہ قریب حمران ہی ہوتے، ایک دن حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا حمران! میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے اس دوام اور مداومت کا مقصود اپنے لیے بھلائی کا حصول ہے؟ عرض کیا جی حضرت! فرمایا یاد رکھو! میں تمہیں دو باتوں سے روکتا ہوں اور ایک کام کے کرنے کا حکم دیتا ہوں، کیونکہ میں نے نبی ﷺ کو اس کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے، حمران نے عرض کیا کہ اے ابو عبدالرحمٰن! وہ تین عادتیں کون سی ہیں؟ فرمایا تمہیں اس حال میں موت نہ آئے کہ تم پر کسی قسم کا کوئی قرض ہو الا یہ کہ اس کی ادائیگی کا انتظام موجود ہو، کسی آیت کی تلاوت سے اپنی شہرت کے متلاشی نہ بنا ورنہ قیامت کے دن قصاص کے طور پر تمہاری بھی اسی طرح تشہیر کی جائے گی اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور جس چیز کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں نبی ﷺ نے مجھے بھی اس کا حکم دیا تھا اور وہ ہے فجر کی دو رکعتیں کہ انہیں کبھی نہ چھوڑیں کیونکہ اس میں رغبت کے بہت سے اسباب موجود ہیں۔

فائدہ: اگلی روایت میں اس مضمون کے ایک جزء کی وضاحت ہے۔

(۱۷۵) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ مُعَاهَدَةً مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نوافل میں فجر کی دو سنتوں سے زیادہ کسی کی رعایت اور خیال نہیں کرتے تھے۔

حل لغات: "ما لقی" باب سمع سے فعل ماضی مثبت مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ملاقات کرنا "انہاک" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی روکنا "تدع" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی چھوڑنا "لا تسمعن" باب تفعیل سے نہی معروف بانون ثقیلہ کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی شہرت کے لیے کوئی کام کرنا "اشد" کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اسم تفضیل کا صیغہ ہے، اس کا استعمال "من" کے

گیا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اس شک کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کا عام معمول مبارک فجر کی سنتیں مختصر پڑھنے کا تھا کیونکہ سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کوئی لمبی سورتیں نہیں ہیں جنہیں پڑھنے میں کوئی زیادہ وقت لگے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فجر کی سنتوں میں ان دونوں سورتوں کا پڑھنا مسنون ہے۔

لیکن یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سنن و نوافل کی ادائیگی انفرادی طور پر ہوتی ہے اور ان میں بلند آواز سے قراءت بھی نہیں کی جاتی' پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کیونکر پتہ چلا کہ نبی علیہ السلام ایک مہینے تک یہی دو سورتیں فجر کی سنتوں میں پڑھتے رہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تعلیم و تعلم کے نظریے سے نبی علیہ السلام کا سری فرض نمازوں میں ایک دو آیتوں کا جہراً تلاوت کرنا روایات صحیحہ سے ثابت ہے تو پھر سنن و نوافل میں اس کے ثبوت میں کیا قباحت ہو سکتی ہے اور ایک آدھ آیت سے بھی سورت اور پارے کا تعین کرنا ممکن ہے بالخصوص جبکہ وہ آخری پارے کی سورتیں ہوں' اس لیے یہ امکان نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے قرب نبوی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ اندازہ لگا لیا ہو اور اس کے لیے انہیں سورت کی ایک آدھ آیت کا اشارہ ہی کافی ہو۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ وَجَلَسَ فِيْ مَكَانِهٖ

(۲۷۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا صَلَّى الصُّبْحَ لَمْ يَبْرَحْ عَنْ مَكَانِهٖ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَتَبْيَضَّ۔

نماز فجر کے بعد اپنی جگہ بیٹھے رہنے کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو سورج نکلنے اور اس کی روشنی پھیل جانے تک اپنی جگہ سے نہ ہٹتے تھے۔

حل لغات: "لم یبرح" یوں تو یہ باب فتح سے نفی حجد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے لیکن افعال ناقصہ میں جو "ما برح" آتا ہے وہ اسی سے ہے جس کا معنی ہے ہمیشہ رہنا "تبیض" باب افعلال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی سفید ہونا' روشن ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ۱۵۲۶ (۶۷۰) والترمذی: ۵۸۵ وھو من الثنائیات لابی حنیفة۔

مفہوم: نماز اشراق جو طلوع آفتاب کے چند منٹ بعد ادا کی جاتی ہے' کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے جس کا اہتمام کرنے والے افراد کی تعداد روز بروز گھٹتی جا رہی ہے اور اب تو صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ بہت سے لوگوں کو نماز اشراق کا پتہ ہی نہیں اور جنہیں پتہ ہے وہ عافیت اسی میں سمجھتے ہیں کہ اپنی زبان کو تالا لگا کر رکھیں اور اس عمل سے اپنے

آپ کو دور رکھنے کے لیے اپنے اعضاء و جوارح پر بھی مضبوط پہرہ بٹھا دیں، حالانکہ اس روایت سے نہ صرف یہ کہ اس کا ثبوت ملتا ہے بلکہ نبی علیہ السلام کا روزانہ کا معمول ہونا بھی واضح ہوتا ہے۔

اب فقہاء کرام کی درجہ بندی میں آپ اسے سنت کہیے یا مستحب قرار دیجئے، میں تو اس فرق سے بالاتر ہو کر صرف ایک ہی درخواست کرنا چاہوں گا کہ اگر نماز فجر کے بعد اپنی نماز کی جگہ پر طلوع آفتاب تک بیٹھنا مشکل معلوم ہو تو اپنے گھر جانے میں اور وہیں پر وقت مقررہ میں نماز اشراق کی نیت سے دو رکعت ہی پڑھ لینے میں پروردگار عالم سے اسی ثواب کی امید رکھنی چاہیے جو مسجد میں پڑھنے پر ملتا۔ واللّٰہ اعلم

بَابُ مَنْ صَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ بَعْدَ الْعِشَاءِ

(۷۷۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْعِشَاءِ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَبْلَ اَنْ يَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ عَدَلْنَ بِمِثْلِهِنَّ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔

بعد عشاء چار رکعات نفل پڑھنا

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص نماز عشاء کے بعد مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے چار رکعت نفل پڑھ لے تو وہ اس کے لیے شب قدر میں پڑھنے کے برابر ہو جائیں گے۔

(۷۷۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى اَرْبَعًا بَعْدَ الْعِشَاءِ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِتَسْلِيْمٍ يَقْرَأُ فِي الْاُوْلٰى بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَتَنْزِيْلُ السَّجْدَةِ وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَحٰمٓ الدُّخَانِ وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّالِثَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَيٰسٓ وَفِي الرَّكْعَةِ الْاَخِيْرَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَتَبَارَكَ الْمُلْكُ كُتِبَ لَهٗ كَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَشُفِّعَ لَهٗ فِي اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلِّهِمْ مِمَّنْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ وَاُجِيْرَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَرُوِيَ مَوْقُوْفًا عَنِ ابْنِ عُمَرَ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص نماز عشاء کے بعد چار رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ان کے درمیان سلام نہ پھیرے، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ سجدہ کی تلاوت کرے، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ دخان پڑھے، تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ یٰس پڑھے اور آخری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ ملک کی تلاوت کرے تو اس کے لیے شب قدر میں قیام کرنے کا ثواب لکھا جائے گا اور اس کے اہل خانہ میں سے جس جس کے لیے جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہوگا ان کے حق میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی اور اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا۔

تحقیق عبارت: "عدلن" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی برابر ہونا "شفع"

باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سفارش قبول کر لینا "وجبت" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی واجب ہونا' ثابت ہونا "اجیر" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بچا لینا۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ الهیثمی فی المجمع: ۲/۲۳۱' والطبرانی' وابن کثیر' والمتقی کذا فی الکنز: ۸۹۸۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ الهیثمی: ۲۲۰/۹' والطبرانی فی الکبیر: ۱۲۲۴۰' والبیهقی: ۴۳۸۹۔

مفہوم: ان دونوں روایتوں کا تعلق سلسلہ فضائل سے ہے اور ان میں نماز عشاء کے بعد چار رکعت نوافل کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ میں جب نماز عشاء کے فرائض اور واجبات وسنن کی تعداد پر غور کرتا ہوں تو ہمیں بچپن ہی سے یہ پڑھایا گیا ہے کہ نماز عشاء کی سترہ رکعتیں ہوتی ہیں' ان میں فرائض اور وتر کی سات رکعتوں کے علاوہ دس رکعتیں بطور سنت اور نفل کے پڑھی جاتی ہیں' چار سنتیں فرضوں سے پہلے اور دو فرضوں کے بعد اسی طرح دو نفل وتروں سے پہلے اور دو وتروں کے بعد' بعض اوقات میں یہ سوچتا تھا کہ نوافل کی تعداد چار مقرر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اس حدیث پر مطلع ہونے کے بعد یہ حقیقت تو آشکارا ہو گئی کہ بنیادی طور پر شب قدر کی عبادت کے برابر ثواب کا حصول ہے۔

لیکن دوسری روایت سے "جس میں اس کا مکمل تفصیلی طریقہ مذکور ہے" یہ الجھن پیدا ہو گئی کہ اس میں تو چاروں رکعتیں اکٹھی پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ ہم ان نوافل کو دو دو کر کے پڑھتے ہیں؟ اسی لیے اللہ نے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ دوسری حدیث میں اس تفصیلی طریقے پر عمل کرنے کے تین فائدے مذکور ہیں اور پہلی حدیث میں ایک فائدہ' ہم عامیوں جیسا دوسری حدیث پر عمل کرتے ہوئے چار رکعتوں میں سورۂ سجدہ' سورۂ دخان' سورۂ یٰس اور سورۂ ملک تو روزانہ نہیں پڑھ سکتا' البتہ چار رکعتیں ضرور پڑھ سکتا ہے اور اس حدیث میں اکٹھے یا الگ الگ پڑھنے کی کوئی قید نہیں اس لیے عوام کے لیے پہلی حدیث پر عمل کر لینا ہی بہت بڑی بات ہے اور خواص میں سے بھی جو خواص ہیں وہ دوسری حدیث پر عمل کر کے اپنی سعادت مندی کا مظاہرہ کریں گے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ

(۱۸۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي بَعْدَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ۔

نماز ظہر کے بعد دو رکعت ادا کرنا

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷠ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نماز ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

تخریج حدیث اخرجہ الترمذی منہ: ۴۳۶' وابوداؤد: ۹۵۵' ومسلم: ۱۹۰۸ (۷۲۹)' والبخاری' ۱۱۸۰۔

مفہوم: روایات سے نماز ظہر کے بعد پڑھی جانے والی دو سنتوں پر نبی علیہ السلام کی مواظبت ثابت ہے بلکہ بعض روایات سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی وجہ سے نبی علیہ السلام یہ دو سنتیں نماز ظہر کے بعد نہ پڑھ سکے تو نماز عصر کے بعد انہیں قضاء فرمایا چونکہ نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنا ممنوع ہیں اس لیے بعض لوگوں کو اس سے اشتباہ پیدا ہو گیا اور وہ اس واقعے سے استدلال کرتے ہوئے نماز عصر کے بعد بھی نوافل ادا کرنے لگے حالانکہ اس کی حقیقت وہی ہے جو ابھی مذکور ہوئی اور اس واقعے کے ذریعے نماز عصر کے بعد نوافل کی اجازت دینا مقصود نہیں تھا بلکہ نماز ظہر کے بعد والی دو سنتوں کی اہمیت بتانا مقصود تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلٰوةِ فِي الْبُيُوْتِ

(۱۸۸) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلُّوْا فِي بُيُوْتِكُمْ وَلَا تَجْعَلُوْهَا قُبُوْرًا۔

گھروں میں نفل نماز پڑھنے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو اور انہیں قبرستان مت بناؤ۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۴۳۲ ومسلم: ۱۸۲۱ (۷۷۷) وابوداؤد: ۱۰۴۳ والترمذی: ۴۵۱ والنسائی: ۱۵۹۹ وابن ماجہ: ۱۳۷۷۔

مفہوم: قدیم آسمانی مذاہب میں عبادات کے جو بھی طریقے مقرر تھے انہیں بروئے کار لانے اور ان پر عمل کرنے کے لیے جو مخصوص عبادت گاہیں قائم کی جاتی تھیں صرف انہی میں عبادت کرنا ہوتا تھا اپنے گھر یا کسی اور جگہ پر عبادت کا فریضہ ادا نہیں کیا جا سکتا تھا جیسے گرجا، صومعہ، کلیسا اور مندر وغیرہ لیکن اسلامی شریعت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں عبادت کی ادائیگی کے لیے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے انسان جہاں بھی ہو ساری زمین اس کے لیے مسجد اور طہور ہے وہ اس کی مٹی سے تیمم اور اس کی سطح پر سجدہ کر سکتا ہے چنانچہ خود نبی علیہ السلام نے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے اعتبار سے اپنی جن خصوصیات کا خود اظہار فرمایا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے

وجعلت لي الأرض مسجدا وطهورا

اسی مناسبت سے گھروں میں بھی عبادت کا جواز ثابت ہو گیا جس کا ایک فائدہ اگر خواتین کو ہوا تو دو فائدے مردوں کو ہوئے ایک تو یہ کہ اگر کوئی شخص ایسا بیمار ہو جائے کہ وہ مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اب عبادت سے بھی اس کی چھٹی ہو گئی بلکہ اپنے گھر میں ہی وہ اپنی سہولت کے مطابق نماز پڑھ لے اور دوسرا یہ کہ نوافل، سنن اور نماز تہجد وغیرہ کا اہتمام ہر شخص اپنے گھر میں اپنی منشاء کے مطابق کر سکتا ہے۔

اور اگر ذرا سی باریک بینی کے ساتھ اس حدیث کو پڑھا جائے تو یہ ایک اعتبار سے پیغمبر اسلام ﷺ کا تمام مسلمانوں کو ایک عالمی پیغام ہے کہ اپنی نماز اور عبادت کو صرف مسجد کی چار دیواری تک محدود کرنے کی بجائے اس کا دائرہ اپنے گھروں تک وسیع کر دو تاکہ نئی نسل جب اپنے گھر میں اس کثرت سے نیکی کو ہوتے ہوئے دیکھے تو وہ اس کے ذہن میں نقش ہو جائے اور اس کے معمولات کا لازمی حصہ بن جائے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الْكَعْبَةِ

(۱۸۱) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَأَلْتُ بِلَالًا أَيْنَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْكَعْبَةِ وَكَمْ صَلّٰى قَالَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ بَيْنَ الْعَمُوْدَيْنِ اللَّذَيْنِ يَلِيَانِ بَابَ الْكَعْبَةِ وَبَيْتُ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ أَعْمِدَةٍ۔

خانۂ کعبہ میں نماز پڑھنا

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ میں داخل ہو کر کہاں نماز پڑھی تھی اور کتنی رکعتیں پڑھی تھیں؟ انہوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے ان دو ستونوں کے درمیان جو باب کعبہ کے قریب ہیں کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھی تھیں اور بیت اللہ ان دنوں چھ ستونوں پر استوار تھا۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۸۲) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْكَعْبَةِ يَوْمَ دَخَلَهَا فَقَالَ صَلّٰى فِي الْكَعْبَةِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَقَالَ لَهُ أَرِنِي الْمَكَانَ الَّذِي صَلّٰى فِيْهِ فَبَعَثَ مَعَهُ ابْنَهُ ثُمَّ ذَهَبَ تَحْتَ الْأُسْطُوَانَةِ بِحِيَالِ الْجِذْعَةِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فِي الْكَعْبَةِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قُلْتُ لَهُ أَرِنِي الْمَكَانَ الَّذِي صَلّٰى فِيْهِ فَبَعَثَ مَعِيَ ابْنَهُ فَأَرَانِي الْأُسْطُوَانَةَ الْوُسْطٰى تَحْتَ الْجِذْعَةِ۔

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ جب نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تھے تو کیا وہاں نماز پڑھی تھی؟ فرمایا آپ ﷺ نے خانہ کعبہ میں چار رکعتیں پڑھی تھیں، اس شخص نے اور ایک روایت کے مطابق سعید بن جبیرؒ نے عرض کیا کہ مجھے وہ جگہ دکھا دیجئے جہاں نبی ﷺ نے نماز پڑھی تھی تو حضرت ابن عمرؓ نے ان کے ساتھ اپنے بیٹے کو بھیج دیا، وہ انہیں کھجور کے درخت کی جڑ کے سامنے والے ستون کے نیچے لے گئے۔

حل لغات: "یلی" باب حسب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قریب ہونا "اعمدة" عماد کی جمع ہے بمعنی ستون "الجذعة" کھجور کے درخت کی جڑ۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري معلقا ۵۰۴ وابوداؤد ۲۰۲۳ ومسلم ۱۳۲۹/۳۲۳۰ والنسائي ۶۹۳ وابن ماجه ۳۰۶۳

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن حبان مختصرا واحمد والطبراني والبخاري: ۴۷۵،۴۷۶

فائدہ: خانہ کعبہ مرکز توحید ہی نہیں مرکز عالم بھی ہے، روز فتح جلال و عظمت و حشمت جمال بھی ہے، وہ بھی عجیب وقت ہو گا جب کعبہ میں کعبہ کا رب داخل ہوا ہو گا جب سرچشمہ جلال وجمال میں تجلی جلال وجمال نے نزول اجلال فرمایا ہو گا، اس روز کعبہ کی مراد پوری ہوئی ہو گی اور اس کا تحقق کس قدر اس سے ہے کہ ان حقائق سے ہے جو تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں کہ کس طرح اہل مکہ نے مرکز توحید کو مرکز شرک و بت پرستی بنا رکھا تھا، ان کی ضیاء پاشیوں کو بت پرستی کے اندھیرے نے ماند کر رکھا تھا اور ابراہیم و اسماعیل کی تصویریں بنا کر ان کے ہاتھوں میں پانسے کے تیر پکڑا کر انہوں نے کعبہ کے قلب وجگر پر چھریاں چلائی تھیں، اس لیے جب بلالؓ کے نعرۂ توحید کی صدا کعبہ نے اپنے اوپر سے گونجتی سنی تھی جو تخلیق عالم کو دیا تھا اسے وہ دولت ابراہیمی پلوٹنے کا موقع ملا اور اس کے چہرے کی وہ پرانی تازگی عود کر آئی جو عرصہ دراز سے مفقود ہو چکی تھی۔

اب رہی یہ بات کہ خانہ کعبہ میں داخل ہو کر سرکار دو عالم ﷺ نے نماز پڑھی تھی یا نہیں؟ سو اس مسئلے میں دونوں ہی پہلو ہیں، فتح مکہ کے موقع پر نماز پڑھنا راجح ہے جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ، حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ وغیرہ سے مروی ہے اور حجۃ الوداع کے موقع پر صرف تکبیر و تہلیل پر اکتفاء کرنا راجح ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا اصرار ہے، اس توجیہ کی موجودگی میں کسی ایک حدیث کو بھی چھوڑنا نہیں پڑتا اور خلاف واقعہ بات تسلیم کرنا بھی لازم نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَنْ مَاتَ وَلَهُ وَلَدَانِ أَوْ ثَلٰثَةٌ

(۶۸۱) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوْتُ لَهُ ثَلٰثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى الْجَنَّةَ فَقَالَ عُمَرُ وَاثْنَانِ فَقَالَ ﷺ وَاثْنَانِ۔

اگر کسی شخص کے دو یا تین بیٹے فوت ہو جائیں

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے تین بیٹے فوت ہو جائیں (اور وہ ان پر صبر کرے) تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اگر دو ہوں تو؟ فرمایا دو ہوں تب بھی یہی حکم ہے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۴۸۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّكَ لَتَرَى السِّقْطَ مُحْبَنْطِئًا يُقَالُ لَهُ اُدْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ لَهُ لَا حَتّٰى يَدْخُلَ اَبَوَايَ۔

ترجمہ: ایک شامی صحابی کے حوالے سے نبی ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ تم قبل از وقت پیدا ہو کر مر جانے والے بچے کو بگڑا ہوا کسی کو تلاش کرتے ہوئے دیکھو گے اس سے کہا جائے گا کہ جاؤ جنت میں چلے جاؤ وہ کہے گا کہ میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک میرے والدین جنت میں نہ چلے جائیں۔

حلِ عبارت: "السقط" نا تمام بچہ یا قبل از وقت پیدا ہونے والا بچہ "محبنطئا" یعنی جھگڑالو پریشان ہو کر تلاش کرنے والا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري ۱۲۴۹ ومسلم ۶۶۹۸، ۲۶۳۲ والترمذي ۱۰۶۰ والنسائي ۱۸۷۷ وابن ماجه ۱۶۰۶۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن ماجه منفرداً ۱۶۰۸۔

مفہوم: رحمت الٰہیہ کے جوش مارتے سمندر کی یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے جسے ہر وہ لوگ ضرور ملحوظ رکھیں جن کا کوئی بچہ کمسنی کی عمر میں ہی اللہ کے پاس چلا گیا ہو اور وہ اس پر صابر رہے ہوں تقدیر خداوندی پر اعتراض کرنے سے بچتے رہے ہوں اور اس بات کی خوب احتیاط کی ہو کہ ان کی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکلنے پائے جو ان کے رب کو پسند نہ ہو۔

یوں تو اس مضمون کی روایات کو اگر اکٹھا کیا جائے تو تیس سے زیادہ روایات جمع ہو سکتی ہیں جن کا مضمون اسی کے قریب قریب ہے لیکن ان میں سے ایک روایت کو یہاں ذکر کرنا میرے جذبات کی ترجمانی کے لیے ضروری ہے جو حضرت ابن عباس﷛ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں سے جس شخص نے دو ذخیرے (بچے) آگے بھیجے ہوں اللہ اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا یہ سن کر حضرت عائشہ﷞ نے عرض کیا اگر کوئی شخص ایک ہی ذخیرہ آگے بھیج سکا ہو تو کیا حکم ہے؟ فرمایا اس کا بھی یہی حکم ہے حضرت عائشہ﷞ نے پھر عرض کیا اگر کسی کے پاس کوئی ذخیرہ ہی نہ ہو (وہ بے اولاد ہو) تو کیا حکم ہے؟ فرمایا پھر اپنی امت کا ذخیرہ میں خود ہوں گا اور انہیں مجھ جیسا کوئی نہ ملے گا۔ (مسند احمد، ترمذی، شعب الایمان)

یقیناً انہیں ان جیسا کوئی نہیں ملے گا جس کی شفقت امت پر اتنی زیادہ ہو کہ ایک حقیقی ماں اپنی حقیقی اولاد پر وہ شفقت نہ کر سکے جس کی رافت و رحمت کا اظہار خالق کائنات خود کرتا ہو اور جو اپنی امت کو ہر موقع پر یاد رکھے افسوس صد افسوس کہ امت ہر موقع پر انہیں فراموش کر دیتی ہے ان کے احکام کو پس پشت ڈال دیتی ہے بلکہ بعض اوقات ان کے طریقوں کا مذاق اڑانے سے بھی نہیں چوکتی ان کی شفقت اور ہماری شقاوت میں زمین آسمان کا یہ تفاوت اور فاصلہ کیا ہمیں کچھ سوچنے پر مجبور کرے گا؟

سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہے۔

لیکن ہمیں اس بات کا بھی فراخدلی سے اعتراف کرنا چاہیے کہ ان آیات و روایات کے اصل مقصد کو جس کی طرف ہم اشارہ بھی کر رہے ہیں پس پشت ڈال کر اہل اسلام نے انہیں اپنے گناہوں اور جرائم پر جری ہونے کا بہانہ بنا یا اور اپنے گناہوں پر ان آیات و روایات کا پردہ ڈالنے لگے جو یقیناً ایک غلط اور ناجائز عمل ہے اس لیے کہ رحمت خداوندی سے مایوس نہ ہونا ایک الگ چیز ہے اور گناہوں پر جری ہونا چیزے دیگر است۔

اول کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی گنہگار اپنے گناہوں کے پہاڑ کو نہ دیکھے اللہ کی رحمت کی وسعت کو دیکھے اور دوسرے کا مقصد یہ ہے کہ ہم جو مرضی کرتے پھریں، ہمیں اللہ کی رحمت سے بخشش کی امید ہاتھ سے نہیں چھوڑنی چاہیے شتان بینہما۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَمْلِ الْجَنَائِزِ

(۲۸۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ نِسْطَاسٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تُحْمَلَ بِجَوَانِبِ السَّرِيرِ فَمَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ فَهُوَ نَافِلَةٌ۔

جنازے کو کس طرح اٹھایا جائے

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کو چارپائی کے کناروں سے اٹھائیں (جب چاروں طرف سے کندھا دے چکیں تو) اس پر جو زائد ہو گا وہ نفل شمار ہوگا۔

حل لغات: "تحمل" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے، معنی اٹھانا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابن ماجہ ۱۴۷۸

مفہوم: سند کے اعتبار سے تو یہ روایت موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ یہ ضابطہ محقق ثابت ہے کہ جب کوئی صحابی کسی بات کو بیان کرتے وقت "من السنۃ" یا اس سے ملتا جلتا کوئی لفظ کہیں تو اسے مرفوع سمجھا جائے گا گو کہ بظاہر وہ موقوف ہی ہو۔

اور متن کے اعتبار سے بھی یہ روایت واضح ہے کہ جس چارپائی پر میت کو رکھا گیا ہو اگر کوئی آدمی اسے کندھا دینا چاہے تو اس کا سنت طریقہ یہی ہے کہ اس کے چاروں پایوں سے کندھا دیا جائے، درمیان سے نہیں، نیز اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اگر کسی شخص نے درمیان سے کندھا دیا تو اس نے غلط کیا یا اس کا یہ عمل ناجائز تھا بلکہ اصل مقصد سنت طریقے کی نشاندہی ہے۔

اس سلسلے میں ایک روایت نظر سے گزری ہے جس کی سند پر تحقیق کرنے کا موقع نہیں ملا لیکن اگر اس کی سند

اَرْبَعًا حَتّٰی قُبِضَ قَالَ عُمَرُ فَکَبِّرُوْا اَرْبَعًا۔

نمازِ جنازہ میں کتنی تکبیرات ہیں؟

ترجمہ: ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ان سے تکبیراتِ جنازہ کے عدد کے بارے سوال کیا اور فرمایا یہ دیکھو کہ نبی ﷺ نے جو آخری نماز جنازہ پڑھائی تھی اس پر کتنی تکبیریں کہی تھیں؟ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہی تھیں یہاں تک کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا' اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بس پھر اب چار تکبیریں ہی کہا کرو۔

حلِّ عبارت: "جمع" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جمع ہونا' مراد یہاں جمع کرنا ہے "قبض" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی فوت ہو جانا' روح قبض ہو جانا "فکبروا" باب تفعیل سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی تکبیر کہنا۔

تخریجِ حدیث: اخرجہ الطحاوی مفصلا: ۲۷۷۴' والبیہقی' وابن عبدالبر کما فی البیان تحت الحدیث: ۲۲۴۔

مقصود: گو کہ محدثین نے اس حدیث کو کتاب الجنائز کی روایات میں جگہ دی ہے لیکن راقم الحروف کا ذوق اسے مناقب فاروق اعظمؓ میں شمار کرنے پر مصر ہے اور اسے فقہاء کے علی الرغم اس حدیث کو فراست فاروقی میں سرفہرست رکھنے پر اصرار ہے' جس پر اس کے پاس کوئی نقلی دلیل نہیں' البتہ جذباتی تعلق اور قلبی وارفتگی اس کی مجبوری ہے اور تبویب حدیث میں ہر شخص آزاد ہے' یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ایک ہی حدیث کو مختلف ابواب کے تحت ذکر کیا ہے۔

ذرا ٹھنڈے دل سے اس نکتے پر غور فرمایئے کہ فاروق اعظمؓ مستقبل میں جھانک کر ان کے مسائل سمجھنے کی کس عظیم فراست کے امین تھے' آخر یہ ان کی فراست ہی تھی کہ قرآن کریم حضرت صدیق اکبرؓ کے حکم پر یکجا جمع کیا گیا' آخر یہ ان کی فراست ہی تھی جس نے دنیا کی سپر پاور روم و ایران کی حکومتوں کو ان کے قدموں میں لا ڈالا تھا' آخر یہ ان کی فراست ہی تھی جو مستقبل کا ادراک کر کے ارکانِ شوریٰ کو اختلافی مسائل میں ایک رائے قائم کرنے اور اس پر متفق ہونے میں مدد کرتی تھی' زیر بحث واقعہ اس کی ایک چھوٹی سی مثال ہے اور کتب حدیث و سیرت فاروقی اس نوعیت کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْمَيِّتِ

(۱۹۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا صَلّٰى عَلَى الْمَيِّتِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا۔

نمازِ جنازہ کی دعاء کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب کسی میت کی نماز جنازہ پڑھاتے تو یہ دعا پڑھتے اے اللہ! ہمارے زندہ اور فوت شدہ موجود اور غیر موجود چھوٹے اور بڑے مرد و عورت کی مغفرت فرما دے۔

تخریج حدیث: أخرجه الترمذي: ١٠٢٤، وأبوداؤد: ٣٢٠١، وابن ماجه: ١٤٩٨، والنسائي: ١٩٨٨، وأحمد: ٢/٣٦٨۔

مفہوم: مذاہب عالم پر اگر غور کیا جائے تو ہر مذہب میں مرنے والے کے ساتھ جدا معاملہ کیا جاتا ہے' کوئی مرنے والے کو آگ لگاتا ہے' کوئی اس کی لاش کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر پرندوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دیتا ہے اور کوئی سمندر کے پانی میں میت کی لاش کو بہا دیتا ہے جبکہ اسلام اپنے پیروکاروں کو میت کی لاش کا بھی احترام سکھاتا ہے اور اسے عزت و آبرو کے ساتھ اگلے جہان رخصت کرنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے' ظاہر ہے کہ میت کو غسل دینا' کفن کی چادروں میں لپیٹنا' اس کی نماز جنازہ پڑھنا' اس کی چارپائی کو کندھوں پر اٹھا کر لیجانا' قبرستان پہنچ کر قبر میں اسے اتارنا' قبلہ رخ کرنا اور "بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ" کہہ کر اسے سپردِ خاک کرنا وغیرہ یہ سب طریقے اسے ایک شانِ امتیازی دیتے ہیں جو کسی اور مذہب کے پیروکار کو میسر نہیں۔

پھر نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی اس دعاء کے الفاظ پر اگر غور کیا جائے" جسے نماز جنازہ پڑھتے وقت کئی جدید تعلیم یافتہ ان پڑھ بورڈ پر لکھا ہوا دیکھ کر پڑھ رہے ہوتے ہیں" تو حیرت ہوتی ہے کہ اس مختصر دعاء میں کس خوبی کے ساتھ سب کو شامل کیا گیا ہے اور کسے چھوڑا گیا ہے' پھر اگر اس کے ساتھ ترمذی' ابوداؤد اور مسند احمد کا وہ اضافہ بھی ملا لیا جائے جو صحیح سند سے ثابت ہے۔

"اللّٰهم من احييته منا فاحيه على الاسلام ومن توفيته منا فتوفه على الايمان۔"

تو بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس دعاء میں زندہ اور مردہ' نماز جنازہ میں شرکت کرنے والے اور کسی وجہ سے اس میں شرکت سے رہ جانے والے چھوٹے اور بڑے مرد و عورت سب ہی تو شامل ہیں اور سب ہی کے لیے اسلام پر زندگی اور ایمان پر موت کی درخواست کی گئی ہے۔

اور اس سے بھی آگے بڑھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعاء میں زندوں کا ذکر پہلے آیا ہے اور مرنے والوں کا ذکر بعد میں' حالانکہ یہ دعاء نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے اور جنازہ مردے کا ہوتا ہے لہٰذا مردہ کا پہلے ذکر کرنا چاہیے؟ لیکن ایسا نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ نماز جنازہ درحقیقت بارگاہِ خداوندی میں مردے کی سفارش ہے اور سفارش کرنے والے آدمی کا منظورِ نظر ہونا ضروری ہے اور منظورِ نظر ہونے کے لیے اس کے دامن کو تمام عیوب سے پاک ہونا چاہیے' اس لیے نماز جنازہ پڑھنے والا پہلے اپنے آپ کو منظورِ نظر بنانے کے لیے خود اپنے گناہوں کی معافی

مانگتا ہے اور اس کے بعد دوسروں کے حق میں سفارش کرتا ہے، جس سے سفارش میں ایک قسم کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور قبولیت کی صورت میں اس سے میت کا بھلا ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي اللَّحْدِ

(۱۹۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أُلْحِدَ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَأُخِذَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَنُصِبَ عَلَيْهِ اللَّبِنُ نَصْبًا۔

لحد کا بیان

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے لیے لحد بنائی گئی تھی اور قبلہ رخ کی طرف سے آپ ﷺ کو لٹایا گیا اور اس کے بعد قبر مبارک پر کچی اینٹیں نصب کر دی گئیں۔

حل لغات: "الحد" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لحد بنانا۔ "نصب" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی نصب کرنا۔ "اللبن" باء کے کسرہ کے ساتھ ہے بمعنی کچی اینٹ، اور باء کے فتحہ کے ساتھ جس کا معنی دودھ ہوتا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ۱۵۵۶، ومسلم: ۲۲۱۰ (۹۶۶)، والنسائی: ۲۰۰۹، وابن حبان: ۶۶۳۵

مفہوم: امام الانبیاء، سرور کون و مکاں، نبی آخر الزماں، شفیع امم، تاجدار حرم صاحب حوض کوثر، مقصود کل کائنات، سردار دو عالم ﷺ نے جس دن اس جہان فانی سے پردہ فرمایا، جاں نثاران نبوت کو اس دن قیامت صغریٰ کا منظر دکھائی دے رہا تھا، مدینے کے در و دیوار پر حسرت برس رہی تھی، زمین و آسمان آنسو بہا رہے تھے، ہر کوئی اپنی ذات سے بیگانہ اور بے خود ہو چکا تھا، ہر شخص شدت جذبات سے مغلوب دکھائی دیتا تھا، اس حسرت و مظلومیت میں مردوں کے ساتھ بچے بھی شامل تھے، پردہ نشین خواتین بھی خون کے آنسو بہا رہی تھیں، بوڑھوں پر سراسیمگی طاری تھی اور جوان اپنے آپ کو سنبھالنے سے عاجز تھے لیکن یہ ایک حکم الٰہی تھا جس نے بہرحال پورا ہو کر رہنا تھا، اس لیے صدیق اکبرؓ اس اعلان میں حق بجانب تھے کہ جو شخص حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ دیکھ لے کہ آج وہ ہم سے رخصت ہو گئے ہیں اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ آج بھی حی و قیوم موجود ہے۔

مدینہ منورہ میں دو صحابی قبریں کھودنے کے لیے مشہور تھے، حضرت ابو طلحہؓ جو بغلی قبر بنانے میں بہت مشہور تھے جسے لحد بھی کہا جاتا ہے اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ جو دوسری طرح قبر کھودنے میں ماہر تھے جسے شق کہا جاتا ہے، اختلاف رائے پر طے پایا کہ ان دونوں حضرات کے پاس آدمی بھیجے جائیں، جو پہلے آ جائے وہ اپنے طریقے کے مطابق حجرۂ عائشہؓ میں قبر بنا دے، یہ سعادت حضرت ابو طلحہؓ کے حصے میں آئی تھی اور نبی ﷺ کا یہ فرمان پورا ہونا مقدر تھا "اللحد لنا

"والشق لغیرنا" اس لیے وہ پہلے آ گئے اور انہیں قبر مبارک بنانے کی سعادت حاصل ہو گئی۔

قبر تیار ہونے کے بعد نبی ﷺ کے جسم اطہر کو سر کی طرف سے قبر میں داخل کیا گیا اور لحد کو بند کرنے کے لیے نو عدد کچی اینٹیں استعمال کی گئیں اور پھر مٹی ڈال کر قبر مبارک کو برابر کیا گیا۔

اللهم صل عليه وآته الوسيلة وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته وارزقنا شفاعته۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّؤَالِ فِي الْقَبْرِ

(۱۹۹۳) ثنا خيثمة عن علقمة عن رجل عن سعد بن عبادة قال قال رسول الله ﷺ اذا وضع المؤمن في قبره اتاه الملك فاجلسه فقال من ربك فيقول الله قال ومن نبيك فيقول محمد قال وما دينك قال الاسلام قال فيفسح له في قبره ويرى مقعده من الجنة فاذا كان كافرا اجلسه الملك فقال من ربك فيقول هاه لا ادري كالمضل شيئا فيقول من نبيك فيقول هاه لا ادري كالمضل شيئا فيقال ما دينك فيقول هاه لا ادري كالمضل شيئا فيضيق عليه قبره ويرى مقعده من النار فيضربه ضربة يسمعها كل شيء الا الثقلين الجن والانس ثم قرأ رسول الله ﷺ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ۔

قبر میں سوال وجواب کا بیان

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کسی مومن کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جو اسے اٹھا کر بٹھاتا ہے اور اس سے سوال کرتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے اللہ، وہ اگلا سوال کرتا ہے کہ تیرے نبی کون ہیں؟ وہ جواب دیتا ہے محمد ﷺ، وہ اگلا سوال کرتا ہے کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے اسلام، اس پر اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے اور اسے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے۔

اور اگر مرنے والا کافر ہو تب بھی فرشتہ آ کر اسے بٹھاتا ہے اور اس سے یہی سوال پوچھتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے ہائے افسوس! مجھے کچھ پتہ نہیں، اس کے جواب سے ایسا محسوس ہوگا گویا اس سے کوئی چیز گم ہو گئی ہے، پھر اگلے دونوں سوال جواب بھی اسی طرح ہوتے ہیں، اس کے بعد اس کی قبر کو تنگ کر دیا جاتا ہے اور اسے جہنم میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے اور اسے فرشتہ ایک ضرب اتنی زور سے لگاتا ہے کہ اس کی آواز جن و انس کے علاوہ ساری مخلوق سنتی ہے، پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں ثابت شدہ قول (کلمہ توحید) پر ثابت قدم رکھتا ہے اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ہے۔

فائدہ: اگلی روایت میں بھی سوال و جواب قبر ہی کا ذکر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَبْرِ ثَلٰثُ أُمُوْرٍ

[۱۹۱] أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيءٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: فِي الْقَبْرِ ثَلٰثٌ: سُؤَالٌ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى وَدَرَجَاتٌ فِي الْجِنَانِ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ عِنْدَ رَأْسِهٖ۔

قبر میں تین چیزیں ہوں گی

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے قبر میں پیش آنے والی تین چیزوں کی وضاحت یوں فرمائی کہ ایک تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے متعلق سوال ہوگا، دوسری چیز درجات جنت کے حوالے سے ہوگی اور تیسری چیز تمہارے سر کے پاس تلاوت قرآن ہوگی۔

حل مشکل لغات: "فاجلسہ" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بٹھانا۔ "یفسح" باب فتح سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کشادہ کرنا۔ "فی القبر ثلث" میں "ثلث" مبتدا مؤخر ہے اور "فی القبر" اپنے متعلق سے مل کر خبر مقدم ہے، اصل عبارت "ثلث فی القبر" ہے۔ "سوال" کا اس جملے سے صرف وضاحت کا تعلق ہے۔

تخریج حدیث: أما الحديث الأول فقد أخرجه البخاري مختصرا: ۱۳۶۸، ومسلم: ۲۸۶۶ (۱۸۷۰)، وأبوداؤد: ۳۲۳۱، والنسائي: ۲۰۵۲، والترمذي: ۱۰۷۱، وأما الثاني فقد أخرجه البخاري: ۷۵۳، ۷۵۴۔

فائدہ: قبر کی زندگی کیسی ہوگی اور انسان اس میں کیسے گزارا کرے گا؟ اس کی مکمل تفصیلات تو قرآن و سنت میں نہیں ملتی ہیں، البتہ مذکورہ بالا تفصیلات سے اس پر کچھ روشنی ضرور پڑتی ہے، وقتی طور پر آنکھ بند ہوگی تب ساری تفصیلات کا حق الیقین حاصل ہو جائے گا اور ابھی تو صرف اتنی بات جانتے ہوں کہ ہم اپنے درمیان موجود زندہ و متحرک ایک ننھے معصوم بچے کے خیالات کو نہیں جان سکتے، ہم اس حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے کہ آیا وہ بیٹھے بیٹھے وہ کس بات پر مسکرانا شروع کر دیتا ہے؟ کس بات پر اپنے ہاتھوں کو ہلانا شروع کر دیتا ہے اور سب کی موجودگی میں بلا وجہ یکدم کیوں رونا شروع کر دیتا ہے؟ تو جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے ہم اس کی مکمل حقیقت تک کیسے رسائی حاصل کر سکتے ہیں؟

ہماری معلومات کا حال تو اتنا پتلا ہے کہ ہمارے سامنے ہمارا کوئی عزیز سو رہا ہوتا ہے، سوتے سوتے بعض اوقات وہ زور زور سے ہنسنا شروع کر دیتا ہے اور بعض اوقات چیخیں مارنا شروع کر دیتا ہے، کبھی رو رہا ہے اور کبھی ہاتھ پاؤں چلاتا ہے، ہم اپنے سامنے موجود اپنے عزیز کے ان افعال کی حقیقت تک نہیں پہنچ پاتے تو حیات برزخ کی حقیقت ہماری

زمینداروں کی زمین' کاشتکاروں کی کھیتی باڑی' سائنسدانوں کی ایجادات اور دانشوروں کی عقل کی ان دیکھی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہے اور دیدۂ عبرت رکھنے والا اس شہر خموشاں میں آ کر اپنی زندگی کے زیر و بم کا جائزہ لیتا ہے' اپنا موازنہ اس شہر کے مکینوں کے ساتھ کرتا ہے اور اپنے مستقبل کے زاویے کا تعین کرتا ہے' یاد آخرت اور فکر آخرت کو اپنے دماغ پر سوار کر کے دوسرے تمام تفکرات کی غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کرتا ہے اور دنیا کی بے ثباتی کا یقین اپنے قلب و جگر میں راسخ کرتا ہے' اسی لیے ہنگامہ آرائیوں کے شہر سے نکل کر سناٹے اور ویرانے کے اس شہر میں آمد و رفت کو نہ صرف یہ کہ جائز قرار دیا گیا بلکہ ترغیب بھی دی گئی۔

لیکن ہم نے قبرستان کے جنگل میں منگل کا سماں پیدا کرنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیں اور بالآخر ہم اس مقصد کو فراموش کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے جس کی خاطر یہاں آنے کی ترغیب سرکار دو عالم ﷺ نے دی تھی' اب یہ جگہ شہر خموشاں نہیں رہی' اب یہاں بھی میلے کی قباحت' قوالوں کی آواز' گھنگھروؤں کی جھنکار اور سازندوں کے ساز اپنے رنگ جما رہے ہیں' اب یہاں رہنے والوں کو بھی موسیقی کی صورت میں ''روح کی غذا'' فراہم کی جا رہی ہے کیونکہ یہ لوگ اب ''جسم کی غذا'' تو استعمال نہیں کر سکتے۔ فیا اسفی علی تلک الاحوال۔

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْمَقَابِرِ

(۷۹۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْمَقَابِرِ قَالَ السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ نَسْأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔

قبرستان جا کر کیا دعاء کرے؟

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب قبرستان جاتے تو وہاں جا کر یہ کہتے اے شہر خموشاں کے مسلمانو! تم پر سلام ہو' ان شاء اللہ ہم بھی تم سے آ کر ملنے والے ہیں' ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

لغات: ''المقابر'' مقبرۃ کی جمع ہے بمعنی قبرستان ''لاحقون'' باب سمع سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر ہے بمعنی ملنا' ملحق ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم: ۲۲۵۷ (۹۷۵)' وابوداؤد: ۳۲۳۷' والنسائی: ۲۰۴۱' وابن ماجہ: ۱۵۴۷۔

مفہوم: محدثین کرام نے اس حدیث کے تحت ''سماع موتی'' کی بحث چھیڑی ہے اور اس کے تحت دلائل اور جواب دلائل کا ایک طولانی سلسلہ انہوں نے اختیار کیا ہے' میں اس موضوع پر اختصار کے ساتھ اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس

طرح اس حیات دنیوی میں انسان زبردستی کسی کو کوئی بات سنانا چاہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے اس ارادے میں کامیاب نہ ہو جائے یا ایسے ہی بے بیچے کسی آدمی کو زبردستی بولنے یا چلنے پر مجبور کیا جائے' گویا کسی کو سنانا سننے والے کا اختیاری فعل نہیں بلکہ سنانے والے کا اختیاری فعل ہے جبکہ سننا سامع کا اختیاری فعل ہے۔

دنیا کا یہی اصول ہے اور ہر انسان اس بات کو سمجھ سکتا ہے' اسی طرح حیات برزخی میں بھی یہی اصول ہے کہ کسی کے سنانے سے مردے سننے پر مجبور ہو جائیں' ایسی بات نہیں' البتہ خود سننے کا انہیں اختیار ہے جس طرح دیکھنے کا اختیار ہے اور ہاتھ پاؤں ہلانے کا اختیار نہیں' بالفاظ دیگر مردوں کو سماع' رؤیت اور تکلم وغیرہ جو "لازمی" چیزیں ہیں وہ تو حاصل ہیں لیکن زندوں کو اسماع و ارادات وغیرہ "متعدی" چیزوں پر قدرت نہیں ہے۔

اگر اس تقریر کو سامنے رکھ لیا جائے تو آیات قرآنیہ بھی اپنی جگہ منطبق ہو جاتی ہیں اور اس موضوع کی احادیث میں باہم ایک دوسرے کے ساتھ اور آیات قرآنیہ کے ساتھ بھی کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرِّكَازِ

(۱۹۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرِّكَازُ مَا رَكَزَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْمَعَادِنِ الَّذِي يَنْبُتُ فِي الْأَرْضِ۔

رکاز کا حکم

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "رکاز" اس خزانے کو کہتے ہیں جو اللہ نے کانوں میں چھپا رکھا ہو اور جو زمین کی نشوونما سے بڑھتا ہو۔

حل عبارت: "رکز" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی گاڑنا "المعادن" معدن کی جمع ہے بمعنی کان۔

تخریج حدیث: اخرجه البیهقی فی سننه: ٧٤٢٨/٤' والهندی: ١٦٠٩٦،٥' وابو یعلی: ٦٦٠٩۔

فائدہ: "کتاب الصلوٰۃ" کے بعد "کتاب الزکوٰۃ" کا عنوان قائم کرنے کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ چونکہ قرآن کریم میں ان دونوں کا ذکر ایک ساتھ بے شمار مرتبہ کیا گیا ہے اس لیے اس "ساتھ" کو یہاں بھی برقرار رکھنا مناسب معلوم ہوا' اور

دوسری وجہ سمجھنے کے لیے ایک تمہید کا سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس دنیا میں جو شخص کسی کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہے اس کی دو وجہیں ہوتی ہیں یا تو حاکمیت یا پھر محبوبیت بھی وجہ ہے کہ نچلا طبقہ اپنے سے اوپر والے طبقے کی اور ملازم اپنے آقا کی اطاعت اس کی حاکمیت کی وجہ سے کرتا ہے اور محب اپنے محبوب کی ہر بات آنکھیں بند کر کے اس کی محبوبیت کی وجہ سے مان لیتا ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مظہر ہے اور زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا مظہر ہے کیونکہ محبوبیت کے لیے جو اوصاف و کمالات ضروری ہیں وہ بھی اس میں علی وجہ الکمال پائے جاتے ہیں اور حاکمیت کی تمام شرائط بھی اس میں علی وجہ الاتم موجود ہیں اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرنے کے لیے نماز کو مشروع کیا گیا اور اپنی محکومیت اور اللہ کی حاکمیت کا اقرار کرنے کے لیے زکوٰۃ کا نظام متعارف کرایا گیا۔

اظہار محبوبیت کے لیے مال کا ہونا ضروری نہیں بلکہ بدن ہی کافی ہے جبکہ اظہار محکومیت کے لیے مال بھی ضروری ہے کیونکہ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو دوسرے کا محکوم اسی صورت میں سمجھے گا جبکہ وہ مال و دولت میں اس سے کم تر ہو بصورت دیگر وہ محکومیت کا اقرار نہیں کر سکتا' اور ظاہر ہے کہ بدن مقدم ہے مال سے' لہٰذا جس میں فقط بدن کا استعمال ہو اسے مقدم ہونا چاہیے اور جس میں فقط مال کا استعمال ہو اسے مؤخر ہونا چاہیے۔

اس تقریر سے کتاب الصلوٰۃ کی وجہ تقدیم اور کتاب الزکوٰۃ کی وجہ تاخیر بھی ظاہر ہوگئی اور ان دونوں کے درمیان ربط بھی واضح ہو گیا کہ دونوں اطاعت الٰہی کے ذرائع ہیں' پہلا محبوبیت کی صورت میں اور دوسرا محکومیت کی صورت میں' اس لیے ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوا۔

انسان کو بغیر کسی محنت و مشقت اور تجارت کے یوں ہی کسی گڑھے یا غار سے بیٹھے بٹھائے ملت کا خزانہ ہاتھ لگ جائے تو اسے "رکاز" کہتے ہیں' اللہ کی طرف سے یہ ضابطہ مقرر کیا گیا ہے کہ اس بے محنت کے مال میں دوسرے غریبوں کو بھی شامل کیا جائے اور کل مال کے پانچ حصے کر کے چار حصے اپنے پاس رکھ کر صرف ایک حصہ اللہ کے نام پر دے دیا جائے مثلاً اگر ایک سو تولے سونے کا خزانہ ہاتھ لگ جائے تو صرف ۲۰ تولے سونا غریبوں میں تقسیم کر کے باقی ۸۰ تولے سونا اپنی ضروریات میں خرچ کرے' یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں فرمایا گیا ہے "وفی الرکاز الخمس"

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ کُلِّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ

(۱۹۹) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کُلُّ مَعْرُوْفٍ فَعَلْتَهٗ اِلٰی غَنِیٍّ وَّفَقِیْرٍ صَدَقَةٌ۔

بھلائی کا ہر کام صدقہ ہے

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر وہ نیکی جو تم کسی غنی یا فقیر کے ساتھ کرو وہ صدقہ ہے۔

حل لغات: "کل معروف" مبتداء ہے اور "صدقة" اس کی خبر، درمیان کا جملہ "معروف" کی صفت کے طور پر آیا ہے "صنعته" ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے مجہول ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاري (٦٠٢١) ومسلم ٢٣٢٨ (١٠٠٥)

مفہوم: قرآن و حدیث میں فرض زکوٰۃ کے علاوہ نفلی طور پر صدقات و خیرات کی بھی خوب ترغیب وارد ہوئی ہے اور اس کے فضائل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، کہیں یہ فرمایا گیا ہے کہ راہ خدا میں ایک خرچ کرنے پر سات سو ثواب ملتا ہے اور کہیں فرمایا گیا ہے کہ صدقہ و خیرات کرنے سے مصائب ٹلتے ہیں اور پریشانیاں دور ہوتی ہیں، یا اور اس طرح کے فضائل پڑھ اور سن کر ایک غریب آدمی جزوی طور پر احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ صدقہ و خیرات کرنے کے لیے میرے پاس تو کچھ ہے نہیں لہٰذا میں اس ثواب سے محروم رہوں گا اور یہ سمجھنے میں وہ ایک حد تک حق بجانب بھی ہوتا ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی امت کے غرباء کو بھی ایک ایسا طریقہ بتا دیا جسے اختیار کر کے وہ روپے پیسے راہ خدا میں خرچ کرنے کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں اور اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ مال و دولت کے ذریعے جو صدقہ کیا جاتا ہے وہ کسی غریب آدمی کو دیا جاتا ہے اور اس طریقے میں امیر و غریب کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ایک غریب آدمی ایک امیر آدمی کے ذریعے بھی صدقہ کا ثواب حاصل کر سکتا ہے اور وہ طریقہ ہے بھلائی کرنا، نیکی کرنا۔

انسان جس کے ساتھ بھی کوئی نیکی کرتا ہے مثلاً اسے راستہ بتا دیا، گھر سے کھانا لا کر دے دیا، کوئی اچھا مشورہ دے دیا، کوئی علمی یا دینی بات بتا دی، شریعت نے اس نوعیت کی تمام چیزوں کو صدقہ شمار کیا ہے یعنی ان کاموں پر بھی وہی ثواب ملے گا جو کسی کو روپے پیسے خرچ کرنے پر ملتا ہے کیونکہ ان کاموں میں جس طرح ایک غریب آدمی کو دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے ایک امیر آدمی کو بھی اسی طرح ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات زیادہ ہوتی ہے۔

دیکھئے! کوئی نیکی چھوٹ نہ جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَبُوْلِ الْهَدِيَّةِ مِمَّنْ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ

(۲۰۰) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُصُدِّقَ عَلٰى بَرِيْرَةَ بِلَحْمٍ فَرَآهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ.

اگر کسی کو صدقہ کے طور پر کوئی چیز دی گئی ہو تو اس کی طرف سے ہدیہ قبول کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ بریرہ کے پاس صدقہ کا گوشت آیا، نبی ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ یہ اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

حل لغات و عبارت: "تصدق" باب تفعل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی صدقہ کرنا۔ "بریرہ" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی کا نام ہے۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۲۴۹۲ ومسلم: ۲۷۷۲ (۱۵۰۴)

مفہوم: فقہاء کرام نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ تبدیل ملک سے حکم بدل جاتا ہے، اسی وجہ سے کہ صدقہ کی چیز نبی ﷺ نہیں کھایا کرتے تھے لیکن جب پہلے وہ کسی کی ملک میں آ جاتی اور وہ اپنی طرف سے بطور ہدیہ کے پیش کرتا تو نبی ﷺ اسے قبول فرما لیا کرتے تھے۔

لیکن ہماری نظر میں اس موقع پر حضرت بریرہ کے ذاتی احوال سے متعلق کچھ عرض کرنا زیادہ ضروری ہے تاکہ حدیث کا پس منظر مکمل طور پر واضح ہو جائے۔ سو اصل بات تو واضح ہے کہ حضرت بریرہ ایک باندی تھیں، ان کے آقا نے ایک مرتبہ انہیں بیچنا چاہا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو انہوں نے حضرت بریرہ کو خریدنے کا ارادہ کر لیا لیکن اس موقع پر ان کے آقا نے یہ شرط لگا دی کہ میں اسے بیچ تو دوں گا لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کا جو ترکہ ہو گا وہ سب مجھے ملے گا، چونکہ قانونی طور پر یہ چیز اس کے حق میں نہیں جاتی تھی اس لیے انہوں نے پہلے تو اس سودے کو اس شرط کے ساتھ مشروط کر دیا، حضرت عائشہ کو پتہ چلا تو انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا، نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم اسے خرید لو، ان لوگوں کو اس کی "ولاء" نہیں مل سکتی کیونکہ یہ اس شخص کا حق ہوتی ہے جو غلام کو آزاد کرے، چونکہ وہ لوگ اسے آزاد نہیں کر رہے اس لیے وہ اس کے حقدار بھی نہیں، پھر آپ ﷺ نے اس مناسبت سے ایک خطبہ بھی ارشاد فرمایا۔

حضرت عائشہ نے انہیں خرید لیا اور کچھ عرصے کے بعد ان کا نکاح حضرت مغیث سے کر دیا گیا لیکن یہ نکاح پائیدار نہ رہ سکا کیونکہ حضرت بریرہ شکل و صورت میں بہت زیادہ خوبصورت تھیں اور حضرت مغیث قبول صورت نہ تھے اس لیے جب حضرت عائشہ نے انہیں آزاد کیا تو انہوں نے فوراً اعلان کر دیا کہ میں مغیث کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور اسلامی قانون کے مطابق اگر کوئی باندی آزاد ہوتے وقت اپنا یہ اختیار استعمال کر لے تو خود بخود اسے چھوڑنے پر مجبور ہوتا ہے چنانچہ ان دونوں کے درمیان جدائی ہو گئی۔

حضرت بریرہ تو غلامی اور شوہر سے آزادی حاصل کر کے دوہری خوشی سے سرشار ہو گئیں لیکن ان کے خاوند ان کی جدائی کے غم میں بے قرار ہو گئے اور مدینہ کی گلی کوچوں میں ان کے پیچھے پیچھے یہ درخواست لے کر پھرنے لگے کہ

تخریج حدیث: الحديث الأول: اخرجه البخاري: ١٨٩٤، ومسلم: ٢٧٠٧ (١١٥١)، والترمذي: ٧٦٤، والنسائي: ٢٢١٦، وابن ماجه: ١٦٣٨، والحديث الثاني: اخرجه البخاري: ١٨٩٦.

مفہوم: کتاب الزکوۃ کے بعد یہاں سے کتاب الصوم شروع ہو رہی ہے جس میں روزے کے فضائل و احکام اور اس کے آداب و مسائل ذکر کیے جائیں گے، اس سلسلے میں سب سے پہلے روزے کی فضیلت سے متعلق دو حدیثیں لائے ہیں جن میں سے پہلی حدیث تو بہت ہی مشہور ہے کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے لیکن روزہ میرے لیے ہے، اس حدیث کو پڑھتے ہی میرے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ کیا صرف روزہ اللہ کے لیے ہے؟ نماز اور زکوۃ و حج وغیرہ دیگر عبادات سب بندے کے لیے ہیں؟ کیا انسان کا کوئی عمل غیر اللہ کے لیے بھی ہونا چاہیے؟ اگر آپ اس کا یہ جواب دیں کہ لفظ حدیث میں لام برائے انتفاع ہے تو میں سوال کروں گا کہ بندے کو اس کے اعمال کا فائدہ ہونا تو سمجھ میں آ گیا کہ اسے آخرت میں ثواب ملے گا اور وہ جنت میں داخل ہو گا لیکن روزے میں اللہ کا کیا فائدہ ہے جو اسے خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف منسوب کیا؟

محدثین کرام نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں، صرف حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مختلف حضرات سے اس کے دس معانی نقل کیے ہیں لیکن ہماری نظر میں امام قرطبیؒ کا بیان کردہ معنی حدیث کے مفہوم کو قریب و صحیح کر دیتا ہے، جواب کی تقریر یہ ہے کہ عبادات خواہ کسی بھی نوعیت کی ہوں، سب اللہ ہی کے لیے ہوتی ہیں اور ان کا بنیادی مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے، زیر بحث حدیث میں جو روزہ اور غیر روزہ کی تقسیم کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر عبادات خواہ ان کی نوعیت کچھ بھی ہو، بندوں کے احوال کے مناسب ہیں اور روزہ اللہ کی صفات سے مطابقت رکھتا ہے کیونکہ کھانے پینے وغیرہ سے بے نیازی اللہ کی صفت ہے، روزہ رکھنے والا اس کی نقالی کرتا ہے تو پروردگار اس نقالی کی قدر دانی کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ تو میرا کام ہے اور یہ تو میری صفت ہے، اسے اختیار کرنے پر میں اپنے بندے کو گنتی و شمار کے تمام اعداد کو پس پشت ڈال کر عطاء فرماؤں گا، جبکہ زکوۃ، نماز اور حج بندوں کی صفات کے مناسب ہیں اس لیے انہیں بندوں کی طرف منسوب کر کے عبادات کے ثواب کا جو معیار ہے کہ ایک نیکی پر کم از کم دس اور زیادہ سے زیادہ سات سو پر محمول کر لیا گیا، گویا تقدیری عبارت اس طرح ہوئی "كل عمل ابن آدم مناسب له الا الصوم فانه مناسب لي فانا اجزي به"۔

۲۔ اس تقریر کے مطابق "فانا اجزی بہ" مضارع معروف کا صیغہ ہو گا اور اگر اسے مجہول پڑھا جائے تو معنی ہو گا کہ روزہ دار کو روزہ کا ثواب حور و غلمان اور جنت کی نہروں اور نعمتوں کی صورت میں نہیں دیا جائے گا بلکہ اس کا بدلہ یہ ہو گا کہ میں اللہ اس کا ہو جاؤں گا اور اللہ جس کا ہو جائے پوری کائنات اسی کی ہو جاتی ہے، اس دوسری صورت میں روزے کی عظمت اور فضیلت مزید نکھر کر سامنے آتی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ

(۴۰۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيِّ عَنْ رَجُلٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِهِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ مُرْ قَوْمَكَ فَلْيَصُومُوا هٰذَا الْيَوْمَ، قَالَ إِنَّهُمْ قَدْ طَعِمُوا، قَالَ وَإِنْ كَانُوا قَدْ طَعِمُوا۔

عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا بیان

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمن حمیریؒ سے مرسلاً منقول ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یوم عاشوراء کے دن اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ آج کے دن کا روزہ رکھیں، انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو کھانا کھا چکے؟ فرمایا: اگرچہ کھا پی چکے ہوں تب بھی بقیہ دن روزہ داروں کی طرح گزاریں۔

حل لغات: "مُر" باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی حکم دینا۔ "طعموا" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کھانا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابن ابی شیبۃ وھو الصحیح والبخاری ما یدل علیہ ۲۰۰۷ ومسلم ۲۶۶۹، ۲۶۷۳ وابن ماجہ ۱۷۳۵۔

مفہوم: ۱۔ اس حدیث میں "ایک صحابی" کا ذکر آیا ہے، اس مضمون کی دوسری روایات کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت امیر معاویہؓ تھے جنہیں یوم عاشوراء کا روزہ رکھنے کے لیے منادی کا حکم دیا گیا تھا۔

۲۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمیں عاشوراء کا روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور ترغیب دیتے تھے، جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو فرمایا کہ جو چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے چھوڑ دے۔

۳۔ دس محرم کا روزہ واقعہ کربلا کی وجہ سے رکھنا مسنون و مشروع نہیں ہوا کیونکہ واقعہ کربلا تو جناب رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے تقریباً نصف صدی بعد واقع ہوا ہے، نبی ﷺ کی حیات طیبہ تو کجا سیدنا علی مرتضیٰؓ کی زندگی میں بھی اس کا دور دور تک کوئی تصور موجود نہ تھا، اس لیے اس مناسبت سے روزہ کے مستحب ہونے کی کوئی وجہ نہیں بنتی، البتہ یہ واقعہ اس دن پیش آنے والے اہم ترین واقعات میں ضرور شمار کیا جائے گا۔

دس محرم کا روزہ مشروع ہونے کی ایک وجہ تو صراحۃً احادیث میں آتی ہے کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات ملی تھی اور دشمن خدا ملعون فرعون غرق آب ہوا تھا، اس کے شکرانے کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم نے روزہ رکھا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ نے بھی روزہ رکھا اور اس کے ساتھ ایک اور روزہ ملانے کی ترغیب بھی دی۔

اور دوسری وجہ اس حدیث کی صحت پر موقوف ہے جو عام طور پر بیان کی جاتی ہے اور فی الحال میرے سامنے اس کا کوئی مستند حوالہ بھی موجود نہیں ہے جس کے مطابق قیامت دس محرم کو آئے گی اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس دن کا روزہ رکھنے کی حکمت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کسی سال دس محرم کو قیامت قائم ہو گئی جائے تو انسان روزے سے ہو تا کہ افطاری کے لیے کوثر کے پانی اور جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو سکے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ نے عرض کیا کہ سرکار اس وقت تک تو لوگ کھا پی چکے ہوں گے اس لیے روزہ نہیں رکھ سکیں گے؟ تو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا مغرب کے وقت تک کے لیے اب کھانا پینا بند کر دیں اور روزہ داروں کے ساتھ مشابہت اختیار کر لیں تا کہ اپنی استطاعت کے مطابق روزہ داروں میں شامل ضرور ہو جائیں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِيَامِ أَيَّامِ الْبِيْضِ

(۲۰۱) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ مُوْسَى ابْنِ طَلْحَةَ عَنِ ابْنِ الْحَوْتَكِيَّةِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِأَرْنَبٍ فَأَمَرَ أَصْحَابَهُ فَأَكَلُوْا وَقَالَ لِلَّذِيْ جَاءَ بِهَا مَالَكَ لَا تَأْكُلُ مِنْهَا قَالَ إِنِّيْ صَائِمٌ قَالَ وَمَا صَوْمُكَ قَالَ تَطَوُّعٌ قَالَ فَهَلَّا الْبِيْضَ

ایام بیض کے روزوں کا بیان

تَرْجَمَہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک خرگوش لایا گیا آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا اور انھوں نے اسے کھا لیا، نبی ﷺ نے خرگوش لانے والے سے پوچھا کہ آپ کیوں نہیں کھا رہے؟ اس نے کہا کہ میں روزے سے ہوں، نبی ﷺ نے پوچھا کیسا روزہ؟ عرض کیا نفلی! فرمایا اگر نفلی روزہ رکھنا تھا تو ایام بیض میں کیوں نہ رکھا؟

حَلِّ عِبَارَت: "اُتی" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی "آنا" لیکن چونکہ اس کے صلے میں باء آ رہی ہے اس لیے اس کا معنی "لانا" ہو گا۔ "مالک" میں "ما" حرف استفہام ہے اور "لک" ضمیر مجرور متصل ہے۔

تَخْرِیْجِ حَدِیْث: اخرجه النسائي: ۲۴۲۳، ۲۴۲۱، ۲۴۲۷، ۲۴۲۱ واحمد: ۱۸۵۱۶۔

مَفْهُوْم: اس حدیث میں ایام بیض میں روزہ رکھنے کی ترغیب کا واضح ثبوت موجود ہے اور اس مضمون کی دوسری بہت سی روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، رہی یہ بات کہ ایام بیض سے کیا مراد ہے؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس سے مراد چاند کے اعتبار سے ہر مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ ہوتی ہے اور ان ایام کو ایام بیض کہتے ہیں۔

ان ایام میں روزہ رکھنا فقہاء کی رائے کے اعتبار سے مستحب اور احادیث کی رو سے سنت سے ثابت ہے اور اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ سے ایک وجہ تو بالکل ظاہر ہے کہ شریعت کے اصول کے مطابق ایک نیکی کا ثواب کم از

کم از کم دس گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے اور مہینے میں تیس دن ہوتے ہیں، ہر روزہ دس دن کی کفایت کرتا ہے اور صرف تین روزے رکھنے سے پورے مہینے روزے رکھنے کا ثواب بندے کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔

بَابُ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُوْرِكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ

(۲۰۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ بِلَالًا يُنَادِيْ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَاِنَّهٗ يُؤَذِّنُ وَقَدْ حَلَّتِ الصَّلٰوةُ۔

بلال کی اذان تمہیں سحری سے نہ روک دے

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بلال رات کو سحری کی اذان دیتے ہیں، اس لیے تم ان کی اذان کے بعد بھی کھاتے پیتے رہا کرو، یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دے دیں کیونکہ وہ نماز کا وقت ہونے کے بعد اذان دیتے ہیں۔

حل لغات: "ینادی" باب مفاعلہ سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، بمعنی آواز لگانا، مراد اذان دینا ہے۔ "حلت" باب نصر یا ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے، بمعنی وقت داخل ہونا، یا حلال ہو جانا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۱۹۱۸، ۱۹۱۹، والنسائی: ۶۳۸، والترمذی: ۲۰۳، ومسلم: ۲۵۳۶ [۱۰۹۲]

مفہوم: جس شخص کو حرمین شریفین کے سفر کا اتفاق ہوا ہو، اسے معلوم ہوگا کہ وہاں عام دنوں میں بھی اور رمضان میں بھی ایک اذان تہجد کے لیے ہوتی ہے اور ایک نماز فجر کے لیے، پہلی اذان کے وقت طلوع صبح صادق کا پایا جانا کسی صورت ممکن نہیں اور دوسری اذان طلوع صبح صادق ہی کی اطلاع ہوتی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے دور باسعادت میں بھی ماہ رمضان میں دو اذانیں ہوتی تھیں جن میں سے دوسری اذان تو اسی مقصد کے لیے ہوتی تھی جس کا ابھی ذکر ہوا لیکن پہلی اذان تہجد کے لیے نہیں ہوتی تھی بلکہ تہجد میں مشغول رہنے والوں کو سحری کے لیے متوجہ کرنے کی خاطر ہوتی تھی تاکہ وہ تہجد میں مشغول رہ کر سحری کھانے سے نہ رہ جائیں اور پھر سارا دن گزارنا ان کے لیے مشکل ہو جائے، یا اگر کوئی سو رہا ہو تو وہ جاگ کر اپنے لیے سحری وغیرہ کا انتظام کر لے۔

حرمین شریفین میں جو دو اذانیں ہوتی ہیں، ان میں سے اگر پہلی اذان کو "اذان تہجد" کی بجائے "اذان سحور" قرار دے دیا جائے تو احادیث سے مطابقت بھی ہو جائے گی اور یہ اعتراض بھی دور ہو جائے گا کہ اذان تو صرف پنج وقتہ فرض نمازوں کے لیے مشروع ہے، صلوٰۃ الکسوف، صلوٰۃ الاستسقاء، صلوٰۃ الجنازہ اور صلوٰۃ العیدین میں سے کسی کے

ہے بھی مشروع نہیں تو کیا نماز تہجد کا درجہ ان نمازوں سے بڑھ کر ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں، اس لیے پہلی اذان کے لیے تہجد کی بجائے کوئی اور قید لگا کر تنبیہ کی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

بَابُ الْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ

(۲۰۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي السَّوَّارِ وَيُقَالُ لَهُ أَبُو السَّوَّارِ وَهُوَ السُّلَمِيُّ عَنْ أَبِي حَاضِرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ احْتَجَمَ بِالْقَاحَةِ وَهُوَ صَائِمٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ احْتَجَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْقَاحَةِ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ وَلَوْ كَانَ خَبِيثًا مَا أَعْطَاهُ۔

روزے دار کے لیے سینگی لگوانے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے روزے کی حالت میں "قاحہ" نامی جگہ میں سینگی لگوائی، ایک روایت میں حالت احرام کا بھی ذکر ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے سینگی لگانے والے کو اس کی مزدوری بھی دی، اگر یہ حرام ہوتی تو نبی ﷺ اسے کبھی مزدوری نہ دیتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۰۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ احْتَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ مَا قَالَ أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمانے کے بعد "کہ سینگی لگانے والے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا" خود سینگی لگوائی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۰۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَسًا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے روزہ کی حالت میں سینگی لگوائی، ایک دوسری سند سے یہ روایت مرسلاً بھی مروی ہے۔

تحقیق عبارت: "احتجم" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سینگی لگوانا۔ "القاحة" مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ "خبیثا" یعنی حرام، اردو والا خبیث مراد نہیں ہے۔ "افطر" باب

افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی افطار کر لینا۔

تخریج حدیث اول و ثالث: اخرجهما البخاري: ۱۹۳۸، وابوداؤد: ۲۳۷۲، والترمذي: ۷۷۷، وابن ماجه: ۱۶۸۲،
وابن حبان: ۳۵۳۱، ۳۵۳۲، ۳۵۳۶، واحمد: ۱۸۴۹۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه الدار قطني: ۲۲۸۶، كما في قبيل تحت حديث: ۱۹۳۸

مفہوم: انسان کے جسم میں جو خون گردش کرتا ہے اس کی گردش انسان کو متحرک و توانا رکھتی ہے جس کے لیے خون کی صفائی ضروری ہے۔ ماضی میں جسم سے گندہ خون نکالنے کا ایک خاص طریقہ ہوتا تھا جسے ''حجامت'' کہا جاتا تھا اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کندھوں کے درمیان ایک خاص قسم کی رگ ہوتی ہے جس کی شناخت اس پیشے سے تعلق رکھنے والے ماہر لوگوں کو ہی ہوتی تھی، وہ اس رگ کو نشتر یا چاقو سے چاک کرتے اور اس کے اوپر جانور کا کوئی سینگ رکھ کر اس حصے سے نکلنے والے خون کو منہ سے چوستے، سینگ کے ایک طرف سے خون اس میں داخل ہوتا اور دوسرے سوراخ سے منہ کے ذریعے خون کھینچ جاتا، اس طریقے سے جسم میں موجود جتنا بھی گندہ خون ہوتا تھا، نکال لیا جاتا تھا اس کی اجرت بھی دی جاتی تھی اور جسمانی صحت برقرار رکھنے کے لیے اس کا رواج بھی تھا۔

ظاہر ہے کہ اس طریقے میں یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں خون چوسنے والے کے منہ میں خون نہ چلا جائے، یا جس کا خون نکالا جا رہا ہے زیادہ مقدار میں خون نکلنے کی وجہ سے کہیں وہ ضعف اور کمزوری کا شکار نہ ہو جائے اس لیے ابتداء میں روزے کی حالت میں یہ عمل کرنے اور کروانے والے کا روزہ فاسد سمجھا جاتا تھا لیکن بعد میں اس حکم میں نرمی کر دی گئی کیونکہ اس عمل کے ذریعے جسم سے خون نکلتا ہے اور جسم سے کوئی چیز نکلنے پر روزہ نہیں ٹوٹتا، داخل ہونے پر روزہ ٹوٹتا ہے باقی اگر مذکورہ اندیشہ وقوع پذیر ہو جائے تو اس صورت میں روزے کا فساد ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الصَّائِمِ يُصْبِحُ جُنُبًا أَوْ يُقَبِّلُ نِسَاءَهُ

(۴۰۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ يُصْبِحُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جُنُبًا مِنْ غَيْرِ احْتِلَامٍ ثُمَّ يُتِمُّ صَوْمَهُ.

روزہ دار اگر صبح کو ناپاکی کی حالت میں اٹھے یا اپنی بیوی کو بوسہ دے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ ماہ رمضان میں بعض اوقات صبح کو اٹھتے تو بغیر خواب دیکھے آپ ﷺ کو غسل کی ضرورت ہوتی، پھر آپ ﷺ اپنا روزہ مکمل کر لیتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۴۱۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ

ﷺ يَخْرُجُ إِلَى صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ مَاءً مِنْ غُسْلِ جَنَابَةٍ وَجِمَاعٍ ثُمَّ يَظَلُّ صَائِمًا

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے لیے تشریف لے جاتے اور آپ ﷺ کے سر مبارک سے مباشرت کے سبب غسل جنابت کے پانی کے قطرات ٹپک رہے ہوتے تھے پھر آپ ﷺ دن بھر روزہ سے رہتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(٢١١) أَبُو حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْرُجُ إِلَى الْفَجْرِ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ وَيَظَلُّ صَائِمًا۔

وَبِسَنَدِهٖ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُقَبِّلُ نِسَاءَهٗ فِي رَمَضَانَ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بعینہٖ گزشتہ روایت والا ہے البتہ اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ نبی ﷺ ماہ رمضان میں اپنی ازواج مطہرات کا بوسہ لے لیا کرتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون اس آخری حدیث سے مطابقت رکھتا ہے۔

(٢١٢) أَبُو حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصِيْبُ مِنْ وَجْهِهَا وَهُوَ صَائِمٌ تَعْنِي الْقُبْلَةَ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں ان کے چہرے کا بوسہ لیا کرتے تھے۔

(٢١٣) أَبُو حَنِيْفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بعینہٖ گزشتہ روایت والا ہے۔

حل لغات: "یصیب" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہنچ کرنا "یقطر" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی قطرے ٹپکنا "یقبل" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بوسہ لینا۔ "یظل" مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی عمل کرنا

تخریج حدیث اول: اخرجہ البخاری ١٩٢٥ ومسلم ٢٥٩٢ (١١٠٩) وابوداؤد ٢٣٨٨ وابن حبان ٣٤٨٦۔

تخریج حدیث ثانی و ثالث: اخرجهما الطحاوی ٣٢٨٠ وابن ماجه بمعناه ١٧٠٢ وابن حبان ٣٤٩٠۔

تخریج حدیث رابع و خامس: اخرجهما البخاری ١٩٢٩ ومسلم ٢٥٨٧ (١١٠٦) وابوداؤد ٢٣٨٦ والترمذی ٧٢٩ وابن ماجه ١٦٨٧۔

مفہوم: ان پانچ حدیثوں میں جو دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں وہ تو واضح ہیں کہ اگر انسان حالت جنابت میں سحری کھا

کر یا سحری کھائے بغیر روزے کی نیت کرے تو اس کا روزہ صحیح ہوگا کیونکہ روزے کی نیت کے لیے طہارت شرط نہیں ہے اور حدیث میں صبح سے مراد سحری ہی کا وقت ہے دن کے نو دس بجے کا وقت مراد نہیں اور دوسرا یہ کہ روزے کی حالت میں اگر شوہر اپنی بیوی کا یا والدین اپنے بچے کا بوسہ لیں تو اس سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا بشرطیکہ بوسہ بوسہ ہی رہے' وسوسہ نہ بن جائے۔

لیکن مجھے جس نکتہ کی طرف آپ کو متوجہ کرنا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیاء اور خصوصاً سید الانبیاء جناب رسول اللہ ﷺ کی شیطان اور اس کے حملوں سے حفاظت کا غیر معمولی نظام ہے کہ جس طرح شیطان کو نبی ﷺ کی شکل وصورت اختیار کر کے کسی کو دھوکہ دینے پر دسترس نہیں دی گئی اسی طرح اس بات پر بھی قدرت نہیں دی گئی کہ وہ سرکار دو عالم ﷺ کو خواب میں کوئی ایسی کیفیت دکھا سکے جس کے بعد انسان پر غسل واجب ہو جاتا ہے' لہٰذا جس ذات کی حفاظت اس درجے احتیاط کے ساتھ کی جاتی ہو' اس کی تعلیمات وافکار اور اس کے احکام کی حفاظت کے لیے کس درجے احتیاط کی گئی ہوگی' لیکن جسے "انکار حدیث" کا روگ لگ گیا ہو اس کے مرض کا کوئی علاج نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رُخْصَةِ الْإِفْطَارِ فِي السَّفَرِ

(۲۹۴) اَبُو حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ ابْنِ حَبِيْبٍ الصَّيْرَفِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلَيْلَتَيْنِ خَلَتَا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰى اَتٰى قُدَيْدًا فَشَكَا النَّاسُ اِلَيْهِ الْجَهْدَ فَاَفْطَرَ فَلَمْ يَزَلْ مُفْطِرًا حَتّٰى اَتٰى مَكَّةَ۔

سفر میں روزہ کھولنے کی اجازت کا بیان

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ رمضان کی دو راتیں گزرنے کے بعد مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے' راستے میں بھی روزہ رکھا لیکن جب مقام قدید میں پہنچے تو کچھ لوگوں نے مشقت کی شکایت کی' نبی ﷺ نے روزہ چھوڑ دیا اور مکہ مکرمہ پہنچنے تک مسلسل افطار فرماتے رہے۔

(۲۹۵) اَبُو حَنِيْفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِيُّ ﷺ فِي رَمَضَانَ يُرِيْدُ مَكَّةَ فَصَامَ وَصَامَ النَّاسُ مَعَهُ۔

وَفِي رِوَايَةٍ خَرَجَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فِي رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى بَعْضِ الطَّرِيْقِ فَشَكَا النَّاسُ اِلَيْهِ الْجَهْدَ فَاَفْطَرَ فَلَمْ يَزَلْ مُفْطِرًا حَتّٰى اَتٰى مَكَّةَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ سَافَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ يُرِيْدُ مَكَّةَ فَصَامَ وَصَامَ الْمُسْلِمُوْنَ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ شَكَا بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ الْجَهْدَ فَدَعَا بِمَاءٍ فَاَفْطَرَ وَاَفْطَرَ الْمُسْلِمُوْنَ۔

ترجمہ: اس روایت کا ترجمہ بھی گزر چکا ہے البتہ اس کے آخر میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے پانی منگوا کر اسے پی لیا اور یوں روزہ توڑ دیا اور صحابہ نے بھی اپنا روزہ توڑ دیا۔

حل لغات: "حلت" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی نازل ہونا مراد گزر جانا ہے "قدید" مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اسی سے ملتا جلتا لفظ "کدید" ہے یہ ایک دوسری جگہ کا نام ہے "الجهد" بمعنی مشقت۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري مثلهما ٤٢٧٦ ومسلم ٢٦٠٨ (١١١٣) والترمذي: ٧١٠ والنسائي: ٢٢٦٥۔

مفہوم: دوران سفر روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں برابر ہیں رکھنے سے ثواب میں اضافہ نہیں ہو جائے گا بلکہ ایک روایت کے مطابق تو اسے کوئی خاص نیکی شمار ہی نہیں کیا گیا اور نہ رکھنے سے آدمی گنہگار نہیں ہو جائے گا کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے ملنے والی ایک سہولت ہے اور سہولت سے فائدہ اٹھانے میں کوئی قباحت نہیں ہوتی بلکہ امام ابو حاتم بن حبان نے تو اپنی سند سے یہ روایت بھی نقل کی ہے۔

"ان الله يحب ان تؤتى رخصه كما يحب ان تؤتى عزائمه" (ابن حبان: ٣٥٦٨)

دراصل یہی وہ نکتہ تھا جو فتح مکہ کے اس سفر میں نبی ﷺ لوگوں کو ذہن نشین کرانا چاہتے تھے اور یہی وہ حقیقت پسندی تھی جو آپ ﷺ نے مرض الوفات میں تقریباً سترہ نمازیں اپنے گھر میں ادا فرمائیں اور اسی بناء پر سرکار دو عالم ﷺ سردی کے موسم میں موزوں پر مسح بھی فرما لیا کرتے تھے تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ رخصت پر عمل کرنا کوئی گناہ نہیں، اللہ کی طرف سے ملنے والی سہولت کا صحیح استعمال ہے اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حضرات رخصت پر عمل کرنا گناہ سمجھتے ہیں اور عزیمت کو چھوڑنا ان پر ناگوار گزرتا ہے، انسان کو کسی عمل اور اس کے عام طریقے سے لگاؤ ہونا ایک فطری بات ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن رخصت پر عمل کرنے کو اچھا نہ سمجھنا چیزے دیگر است۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ صَوْمِ الصَّمْتِ وَالْوِصَالِ

(٣٦٦) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ عَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ صَوْمِ الْوِصَالِ وَصَوْمِ الصَّمْتِ۔

صوم وصال اور خاموشی کا روزہ ممنوع ہے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے صوم وصال اور چپ کے روزے سے منع فرمایا ہے۔

[۴۷۷] أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنِ الْمُهَاجِرِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صَوْمِ الصَّمْتِ وَصَوْمِ الْوِصَالِ۔

ترجمہ: اس روایت کا ترجمہ بھی بعینہٖ یہی ہے۔

تخریج حدیث: اخرجهما البخاري في خبر زيادة صوم الصمت: ١٩٦٢' ومسلم: ٢٥٧٢ (١١٠٥)' وابوداؤد: ٢٣٦٠' والترمذي: ٧٧٨۔

خلاصۂ کلام: شریعت اسلامیہ نے ہر اس عمل کی حوصلہ شکنی کی ہے جو انسان کو دوسروں سے انوکھا اور ایک عجیب و غریب مخلوق ثابت کرے' اسی وجہ سے گو کہ دوسری شریعتوں میں چپ کا روزہ جائز تھا' شریعت نے اس کی حوصلہ شکنی کی' اس سے جہاں یہ مقصد حاصل ہوا' وہیں یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ چپ کا روزہ رکھنا کوئی عبادت نہیں ہے' اگر کوئی آدمی چپ کا روزہ رکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ عام لوگ تو کھانے پینے وغیرہ سے رکتے ہیں' میں نے ایسا روزہ رکھا ہے کہ میں بولنے تک سے باز آ گیا ہوں اور ایسا کر کے میں نے کوئی تیر مار لیا ہے تو اس کی یہ خام خیالی اور کج فہمی ہے' اس لیے کہ اگر گونگا بننا نیکی کا کام ہے تو پھر آدمی کو بہرا' اندھا' لولا' لنگڑا اور اپاہج بھی بننا چاہیے تاکہ نیکی کا کامل درجہ تو حاصل ہو۔

اسی طرح شریعت نے "صوم وصال" سے بھی منع فرمایا ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل کئی دن اس طرح روزہ رکھنا کہ درمیان میں افطار نہ کرے' مثلاً کوئی شخص مہینے کی پہلی تاریخ کو نفلی روزے کی نیت کرے' غروب آفتاب ہونے پر افطار نہ کرے' رات بھی کھائے پیے بغیر گزار دے' اور اگلے دن پھر روزے کی نیت کر لے اور کئی دن تک اسی طرح کرتا چلا جائے' شریعت نے اس کی بھی حوصلہ شکنی کی ہے اس لیے کہ شریعت کے احکام ایسے ہیں جن پر ہر آدمی آسانی سے عمل کر سکتا ہے' جبکہ اس عمل پر ہر آدمی کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کرنا ناممکن ہے' نیز یہ عمل مسلمانوں کو ان ہندو جوگیوں اور ان عیسائی راہبوں سے مشابہت دے دیتا ہے جو کئی کئی دن تک ایک ہی کیفیت میں عبادت کرتے رہتے ہیں یا اس طرح تسلسل کے ساتھ روزے رکھتے ہیں' اور اسے کار ثواب سمجھتے ہیں۔

امت کو صوم وصال سے منع کیا گیا ہے تاہم رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرنے کی اللہ کی طرف سے خصوصی اجازت تھی جس کا صحابہ کرام ؓ کے استفسار پر نبی ﷺ نے ایک مرتبہ اظہار بھی فرمایا تھا کہ مجھے میرا پروردگار خود ہی سیراب کر دیتا ہے اور مجھے بھوک پیاس محسوس ہی نہیں ہوتی اس لیے میں خود تو تسلسل کے ساتھ روزے رکھ لیتا ہوں لیکن چونکہ تم میری طرح نہیں ہو اور تمہارا معاملہ اس سے جدا ہے اس لیے تمہیں اس سے روکتا ہوں۔

شرح حدیث کے حوالے سے تو بات یہاں آ کر مکمل ہو گئی لیکن اس تفصیل سے میرا ذہن ایک نکتے کی طرف متوجہ ہو گیا جس کا اشارہ مجھے امام ابن حبانؒ کی ایک عبارت سے ملا' اس کے لیے میں ان کا شکر گزار اور ان کے لیے دعا گو ہوں' وہ نکتہ یہ ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم ﷺ کئی کئی دن تک کھائے پیے بغیر گزار لیتے

تھے کیونکہ ان کا رب انہیں کھلا پلا کر خود ہی سیراب کر دیتا تھا' پھر غزوۂ خندق کے حوالے سے جو یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ بھوک کی شدت سے نبی ﷺ نے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھ رکھے تھے' یہ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟ آخر جو ذات اپنے محبوب کو صوم وصال کی صورت میں سیراب رکھتا تھا' معاذ اللہ غزوۂ خندق کے موقع پر وہ کہیں چلا گیا تھا؟ اس موقع پر پتھر باندھنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟

گو کہ محدثین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے مختلف جوابات دیے ہیں' لیکن امام ابن حبان کی رائے یہ ہے "جس کی حیثیت صرف ایک نکتے کی ہے" کہ اصل بات یہ ہے کہ غزوۂ خندق کا واقعہ نقل کرنے والوں سے تصحیف ہو گئی ہے اور انہوں نے لفظ "حجز" کو لفظ "حجر" بنا کر آگے نقل کر دیا جس سے پتھر باندھنے کا مفہوم پیدا ہو گیا' حالانکہ صحیح لفظ "حجز" تھا جس کا معنی ازار بند ہے' اس کے باندھنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ النَّهْيِ عَنْ صِيَامِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ

(۴۹۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ صِيَامِ ثَلَاثَةِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ وَبِهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ صِيَامِ الْيَوْمِ الَّذِيْ يُشَكُّ فِيْهِ مِنْ رَمَضَانَ۔

ایام تشریق کا روزہ رکھنا منع ہے

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے (عیدین کے علاوہ) ایام تشریق کے (باقی) تین دنوں کا روزہ رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے اور اسی سند سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے یوم شک کا روزہ رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

حل لغات: "ایام التشریق" وہ ایام ہیں جن میں تکبیرات تشریق پڑھی جاتی ہیں یعنی ۹ ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک "یشک" باب نصر سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' معنی شک ہونا۔

تخریج حدیث: الحدیث مشتمل علی جزئین۔

اما الاول فقد اخرج مثلہ مسلم: ۲۶۷۷۔

واما الثانی: فقد اخرجہ ابوداؤد: ۲۳۳۴' وابن ماجہ: ۱۶۴۵' والترمذی: ۶۸۶' والنسائی: ۲۱۹۰ وهو للبخاری فی کتاب الصوم باب ۱۱ معلقا

خلاصۂ کلام: اس حدیث کے پہلے جزء کی وضاحت تو گزشتہ حدیث کے ذیل میں کی گئی تقریر کے ابتدائی حصے سے ہی ہو جاتی ہے' تاہم دوسرا جزء قابل وضاحت محسوس ہوتا ہے جس میں "یوم الشک" کا روزہ رکھنے سے ممانعت کا حکم آیا ہے' دراصل یوم الشک سے مراد ماہ شعبان کی تیس تاریخ ہے جس کے بارے بعض اوقات ذہن میں شک پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید آج شعبان کی تیس تاریخ نہ ہو بلکہ رمضان کی پہلی تاریخ ہو' لیکن چونکہ پورے ملک میں کہیں سے چاند نظر آنے کی اطلاع

نہیں آئی اور رمضان کا اعلان بھی نہیں ہوا اس سے ہو سکتا ہے کہ آج شعبان کی تیس تاریخ ہی ہو۔

بعض لوگ اس موقع پر یہ نیت کر کے روزہ رکھ لیتے ہیں کہ آج اگر رمضان کی پہلی تاریخ ہوگئی ہے تو یہ ہمارا رمضان کا روزہ ہے ورنہ نفلی روزہ ہے، یہ سب باتیں غلط ہیں اور صاحب شریعت ﷺ نے ان کی تردید کی ہے اس لیے ان کا سب سے بہترین حل یہی ہے کہ شریعت کی اس ہدایت پر عمل کیا جائے جو اس نے اس موقع کے لیے دی ہے اور اس دن کا روزہ نہ رکھا جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ نَذَرَ اَنْ يَعْتَكِفَ قَبْلَ اَنْ يُسْلِمَ

[۲۱۹] اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ نَذَرْتُ اَنْ اَعْتَكِفَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا اَسْلَمْتُ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَوْفِ بِنَذْرِكَ۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے اگر کوئی شخص اعتکاف کی منت مان لے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں میں نے زمانہ جاہلیت میں منت مانی تھی کہ مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو نبی ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا فرمایا اپنی منت پوری کرو۔

حل لغات: "نذرت" باب نصر اور ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی منت ماننا "اعتکف" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی اعتکاف کرنا "اوف" باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی پورا کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ۲۰۴۲، ومسلم: ۴۲۹۳ و۱۶۵۶، واحمد: ۲/۳۷، وابوداؤد: ۳۳۲۵ والترمذي: ۱۵۳۹، والنسائي: ۳۸۵۲، وابن ماجه: ۲۱۲۹، وابن حبان: ۴۳۸۰۔

مفہوم: اس حدیث کی بنیاد ایک اصول پر ہے جو اسی کتاب میں عنقریب "کتاب الایمان والنذور" میں ان شاء اللہ آئے گا۔ مختصراً یہ کہ جس شخص نے اللہ کی اطاعت کی منت مانی ہو اس کے ذمے اسے پورا کرنا ضروری ہے اور جس نے معصیت کی منت مانی ہو اس کے ذمے اسے پورا نہ کرنا واجب ہے۔

اس اصول کے مطابق چونکہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے مسجد حرام میں اعتکاف کی منت مانی تھی گو کہ اس کا وقت زمانہ جاہلیت کا تھا لیکن چونکہ اس سے کسی قسم خداوندی کی نافرمانی نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک عظیم عبادت کی منت تھی اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے اسے پورا کرنے کا حکم دیا۔

فائدہ: کتاب الصوم کی یہ آخری حدیث تھی جس کا تعلق بظاہر "کتاب النذور" سے بنتا ہے لیکن چونکہ اس نذر کی جزاء

اعتکاف پر ختم ہو رہی ہے اس لیے کتاب الصوم کا اختتام "اعتکاف" کی حدیث پر کیا۔ یوں محدثین کے اس طریقے کی بھی رعایت ہو گئی جس کا خیال رکھتے ہوئے وہ کتاب الصوم کے بعد کتاب الاعتکاف لاتے ہیں۔

بَابُ التَّعْجِيلِ فِي الْحَجِّ

(۲۲۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ۔

اداءِ حج میں جلدی کرنا

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص حج کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ اس ارادہ کی تکمیل میں جلدی کرے۔

حلِ عبارت: "من" حرف شرط ہے "اراد الحج" اس کی شرط ہے "ف" جزائیہ اور "لیتعجل" جزاء ہے "اراد" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ارادہ کرنا "فلیتعجل" اسے باب تفعل کے ہونے باب مجرد سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب مراد لینا زیادہ بہتر ہے بمعنی جلدی کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابن ماجہ: ۲۸۸۳، وابوداؤد: ۱۷۳۲، واحمد: ۱۹۷۴۔

مفہوم: کتاب الصوم سے فراغت کے بعد کتاب الحج شروع ہو رہی ہے کتاب الصوم اور کتاب الحج میں جو گہری قریبی مناسبت پائی جاتی ہے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے ان دونوں کو پے در پے لانا ہی مناسب تھا چنانچہ قرآن کریم پارہ نمبر ۲ میں "یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام" کے ذریعے سے روزہ اور احکام روزہ کا جو سلسلۂ بیان شروع کیا گیا اس کے متصل بعد ہی "قل ھی مواقیت للناس والحج" کے ذریعے احکام حج کا بیان لایا گیا ہے دیسے بھی نفس الامر اور خارج میں جوں ہی روزے کے ایام ختم ہوتے ہیں ساتھ ہی اشہرِ حج شروع ہو جاتے ہیں اور ترتیب مذکور میں نفس الامر کی مطابقت بھی پائی جاتی ہے۔

اور دوسری قریبی وجہ جس کی طرف گزشتہ سطور میں اشارہ گزرا اور جو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ذکر فرمائی ہے یہ ہے کہ روزے میں کچھ کاموں کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور حج میں کچھ کاموں کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے

روزے کے ذریعے انسان کو اپنی نفسانی وجسمانی خواہشات پر قابو پانے کی مشق کرائی جاتی ہے اور حج میں جذبہ عشق کی تکمیل کروائی جاتی ہے' اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان اپنے محبوب سے ملنے کی خاطر اپنے کھانے پینے اور آرام و راحت تک کو تج دیتا ہے' اس کی تمنا صرف وصال محبوب ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ روزے میں تخلیہ ہوتا ہے یعنی بہت سی چیزوں سے اپنے آپ کو خالی کرنا پڑتا ہے اور حج میں تحلیہ ہوتا ہے یعنی اپنے آپ کو بہت سی چیزوں سے آراستہ کرنا ہوتا ہے' ایک دنیوی عاشق اپنے محبوب کے وصال سے تحلیہ حاصل کرنے کے لیے اپنی جسمانی ضروریات سے تخلیہ کر کے اپنے گوہر مقصود کو حاصل کر سکتا ہے تو ایک حقیقی عاشق اپنے محبوب حقیقی کو کیوں حاصل نہیں کر سکتا؟ یقیناً ایسا ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے کہ تخلیہ کے بعد جذبہ محبت وعشق میں اور سرشاری پیدا ہو جاتی ہے' جس کا نتیجہ تحلیہ کی صورت میں نکلتا ہے' اور تخلیہ وتحلیہ کی تقدیم وتاخیر ایک فطری چیز ہے لہٰذا کتاب الصوم اور کتاب الحج کی تقدیم وتاخیر بھی فطری چیز ہوئی۔

اسی وجہ سے حج کا ارادہ رکھنے والے کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے ارادے کی تکمیل میں تاخیر نہ کرے اور جوں ہی اسباب مہیا ہوں اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنا دے اور اس فریضے کو "جو پوری زندگی میں انسان پر صرف ایک مرتبہ عائد ہوتا ہے" جلد از جلد ادا کرنے' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ارادے ہی کرتا رہے اور فرشتے اس کی روح لینے کے لیے آ پہنچیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان وسائل کے باوجود سچے جذبہ عشق کی حقیقی تکمیل سے محروم رہ جائے' کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس کے لیے زبان نبوی سے بڑی سخت وعید بیان ہوئی ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہوا اور وہ حج کیے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو گیا تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَفْضَلِ الْحَجِّ وَفَضْلِ الْحَاجِّ

(٢٢١) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْحَاجُّ مَغْفُورٌ لَهُ وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ إِلَى انْسِلَاخِ الْمُحَرَّمِ۔

افضل حج اور حاجی کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت علقمہ سے مرسلاً مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حاجی کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور اس شخص کے بھی جس کے لیے حاجی بخشش کی دعا کرے' محرم کے اختتام تک۔

فائدہ: اگلی روایت بھی فضیلت حج سے متعلق ہے۔

(٢٢٢) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ طَارِقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَفْضَلُ الْحَجِّ الْعَجُّ وَالثَّجُّ فَأَمَّا الْعَجُّ فَالْعَجِيجُ وَأَمَّا الثَّجُّ فَثَجُّ الْبُدْنِ قَالَ فَثَجُّ الدَّمِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ الثَّجُّ نَحْرُ الْهَدْيِ۔

من الجحفة ويهل اهل نجد من قرن۔

احرام باندھنے کی جگہوں کی نشاندہی

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر ﷠ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر سوال کیا یا رسول اللہ میقات احرام کہاں ہے؟ فرمایا اہل مدینہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں گے اہل عراق عقیق سے اہل شام جحفہ سے اور اہل نجد قرن سے احرام باندھیں گے۔

فائدہ: اگلی روایت بھی مواقیت سے متعلق ہے۔

(۲۲۸) اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ مَنْ اَرَادَ مِنْكُمُ الْحَجَّ فَلَا يُحْرِمَنَّ اِلَّا مِنَ الْمِيقَاتِ وَالْمَوَاقِيتُ الَّتِي وَقَّتَهَا نَبِيُّكُمْ ﷺ لِاَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ مَرَّ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَهْلِهَا ذُو الْحُلَيْفَةِ وَلِاَهْلِ الشَّامِ وَمَنْ مَرَّ بِهَا الْجُحْفَةُ وَلِاَهْلِ نَجْدٍ وَمَنْ مَرَّ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَهْلِهَا قَرْنٌ وَلِاَهْلِ الْيَمَنِ وَمَنْ مَرَّ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَهْلِهَا يَلَمْلَمُ وَلِاَهْلِ الْعِرَاقِ وَلِسَائِرِ النَّاسِ ذَاتُ عِرْقٍ۔

ترجمہ: حضرت عمر فاروق ﷜ نے ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تم میں سے جو شخص حج کرنا چاہے وہ صرف میقات ہی سے احرام باندھے اور مواقیت ان جگہوں کو کہتے ہیں جن کی تعیین احرام باندھنے کے لیے نبی ﷺ نے کی تھی۔ چنانچہ اہل مدینہ کے لیے یا مدینہ منورہ سے ہو کر گزرنے والوں کے لیے ذوالحلیفہ کو مقرر فرمایا تھا اہل شام اور وہاں سے گزرنے والوں کے لیے جحفہ کو اہل نجد اور وہاں سے گزرنے والوں کے لیے قرن اہل یمن اور وہاں سے گزرنے والوں کے لیے یلملم اور اہل عراق اور باقی تمام لوگوں کے لیے ذات عرق کو متعین فرمایا تھا۔

حل لغات: "المهل" اسم ظرف کا صیغہ ہے بمعنی تلبیہ کہنے کی جگہ مراد میقات ہے جہاں پر تلبیہ پڑھ کر احرام باندھا جاتا ہے اور بغیر احرام کے وہاں سے گزرنے پر دم لازم آتا ہے "یهل" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مذکورہ "فلا یحرمن" باب افعال سے نہی معروف با نون ثقیلہ کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی احرام باندھنا "وقتها" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ مذکر ہے بمعنی میقات بنانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه مسلم: ۲۸۱۱ (۱۱۸۳)، والبخاری: ۱۵۲۵، وابوداؤد: ۱۷۳۷، ۱۷۴۰، والترمذی: ۸۳۰، ۸۳۱، والنسائی: ۲۶۵۳، وابن ماجه: ۲۹۱۴۔

تخریج حدیث ثانی: شرح البخاری لابن علی معاقد: ۱۵۲۶۔

مفہوم: میقات کا معنی ہے وہ جگہ جہاں سے گزر کر اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہے تو اس کے لیے احرام باندھے

بغیر وہاں سے گزرنا منع ہو اور بغیر احرام باندھے وہاں سے گزر جانے پر دم لازم ہو، حرم شریف کی طرف آنے والے راستوں پر نبی ﷺ نے ان جگہوں کی خود نشاندہی فرما دی ہے اور ہر علاقے کے لوگوں کے لیے ایک مخصوص جگہ مقرر فرما دی ہے۔

اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ آخر اس کی کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب دینے کے لیے کسی لمبی چوڑی تقریر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ ہر ملک میں کچھ جگہیں ایسی ہوتی ہیں جہاں عام آدمی کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے چنانچہ ایک عام آدمی کبھی ایوانِ صدر میں داخل نہیں ہو پاتا' وہ کبھی ایسی اہم شخصیات نہیں دیکھ سکتا اور اسی طرح بہت سی جگہوں کی مثال پیش کی جا سکتی ہے' اسی طرح پوری دنیا میں شہر مکہ کو ایسی خصوصیت حاصل ہے کہ یہاں داخل ہونے کے لیے ہر کس و ناکس کو اجازت نہیں دی جا سکتی' ایک ہی قسم کا فقیرانہ و مجذوبانہ لباس اختیار کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے اور اس کے لیے شرائط متعین کی گئی ہیں۔

اس موضوع کی فقہی جزئیات تو کتب فقہ میں تلاش کرنی چاہئیں' ہم یہاں اتنی بات معلوم کر لینا ضروری ہے کہ ان تمام جگہوں کی تعیین' جنہیں میقات کہا جاتا ہے' نبی ﷺ نے خود فرمائی تھی' اس میں کسی صحابی کے اجتہاد کا عمل دخل نہیں ہے۔

بَابُ مَا يَلْبَسُهُ الْمُحْرِمُ

(۴۲۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا ذَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ قَالَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا الْقَبَاءَ وَلَا السَّرَاوِيلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ وَرْسٌ أَوْ زَعْفَرَانٌ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ۔

محرم کا لباس

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! محرم کس طرح کے کپڑے پہن سکتا ہے؟ فرمایا: نہ قمیص پہن سکتا ہے اور نہ عمامہ' قباء' شلوار' ٹوپی اور نہ ہی کوئی ایسا کپڑا جسے ورس یا زعفران لگی ہوئی ہو اور جس شخص کے پاس جوتیاں نہ ہوں' اسے موزے پہننے کی اجازت ہے لیکن اسے چاہیے کہ انہیں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۴۲۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ إِزَارٌ فَلْيَلْبَسْ سَرَاوِيلَ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس تہبند نہ ہو وہ شلوار پہن لے اور جس شخص کے پاس جوتی نہ ہو وہ موزے پہن لے۔

حلِ عبارت: "یلبس" باب سمع سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہننا "البرنس" بڑی ٹوپی، سر کو ڈھانپنے والی ہر چیز "مسہ" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھونا "ورس" ایک خاص قسم کی خوشبودار گھاس۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ۱۳٤، ومسلم: ۲۷۹۲ (۱۱۷۷)، وابو داؤد: ۱۸۲٤، والترمذی: ۸۳۳، وابن ماجه: ۲۹۲۹، والنسائی: ۲٦٦۸، وابن حبان: ۳۷۸٤، والطبرانی: ۲/۳۱

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاری: ۱۸٤۱، ومسلم: ۲۷۹۷ (۱۱۷۹)، وابو داؤد: ۱۸۲۹، والترمذی: ۸۳٤، والنسائی: ۲٦۷۳، وابن ماجه: ۲۹۳۱، وابن حبان: ۳۷۸۵۔

مفہوم: حج کی یہ پابندی بھی ظاہر بینوں کو بڑی عجیب اور مشکل محسوس ہوتی ہے لیکن اگر ذرا سطحی نظر سے ہی جائزہ لے لیا جائے تو اس پابندی کی حیثیت پابندی کی نہیں رہتی، چنانچہ اس کیفیت میں ایک تو انسان کے عجز کا اقرار بخوبی ہو جاتا ہے اور دوسرے اس کے دماغ سے غرور وتکبر کا خناس نکل جاتا ہے، ایک طرف انسان اپنے جذبہ عشق کی تکمیل کر لیتا ہے اور دوسری طرف ہر لمحے اسے قبر کی زندگی یاد رہتی ہے کیونکہ میت کو بھی دو سفید چادروں میں لپیٹ کر قبر کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور حاجی کو بھی کفن کی دو سفید چادریں لپیٹ کر رخصت کر دیا جاتا ہے، میت سے قبر میں سوال و جواب ہوتے ہیں اور حاجی سے ایئر پورٹ پر تفتیش کی جاتی ہے، غرض کفن کی ان چادروں کو پہننا ہر احرام باندھنے والے مرد پر اس لیے فرض کیا گیا ہے تاکہ اسے اپنی دوسری زندگی بھول نہ جائے۔

اور میں تو سمجھتا ہوں کہ جوتی یا موزے پہننے کی جو اجازت دی گئی ہے، وہ محض ہماری سہولت اور آسانی کی وجہ سے دی گئی ہے تاکہ عرب کی جھلسا دینے والی گرمی سے ہمارے پاؤں نہ جھلس جائیں، اے کاش! اس سرزمین پر جوتی پہن کر چلنے والوں نے کبھی سوچا ہوتا کہ بلال پر اس وقت کیا گزرتی ہوگی جب اسے ننگے پاؤں کھڑے رہنے کی سزا نہیں دی جاتی تھی، ننگے جسم اس تپتی ہوئی زمین پر جلتے ہوئے کوئلے بچھا کر اس پر لٹایا جاتا تھا اور اے کاش! کبھی بلال کے جلتے ہوئے جسم کا تصور کر کے ہی کوئی عاشق زار کچھ دیر کے لیے اس گرم ریگ زار پر اپنے پاؤں رکھ کر اپنے عشق و محبت کا ثبوت پیش کرتا۔

بَابُ هَلْ يَتَطَيَّبُ الْمُحْرِمُ؟

(۳۲۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ أَيَتَطَيَّبُ الْمُحْرِمُ قَالَ لَأَنْ أُصْبِحَ أَنْضَحُ قَطِرَانًا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُصْبِحَ أَنْضَحُ طِيبًا فَأَتَيْتُ عَائِشَةَ فَذَكَرْتُ لَهَا فَقَالَتْ أَنَا طَيَّبْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَطَافَ فِي أَزْوَاجِهِ ثُمَّ أَصْبَحَ يَنْضَحُ مُحْرِمًا۔

کیا محرم کے لیے خوشبو کا استعمال جائز ہے؟

ترجمہ: منتشر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کیا محرم خوشبو لگا سکتا ہے؟ فرمایا مجھے اس حال میں صبح کرنا زیادہ پسند ہے کہ مجھ سے تارکول کی مہک آرہی ہو بہ نسبت اس کے کہ مجھ سے خوشبو کی مہک آرہی ہو، میں اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دوران گفتگو یہ بات بھی ذکر کر دی، فرمایا کہ میں نے خود جناب رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگائی ہے، اس کے بعد آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے پاس گئے اور صبح کو اسی خوشبو کے ساتھ احرام کی نیت کر لی۔

حل لغات: "ایتطیب" ہمزہ برائے استفہام اور صیغہ باب تفعّل سے فعل مضارع معروف کا واحد مذکر غائب ہے بمعنی خوشبو لگانا "اصبح" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی صبح کرنا مراد لیا جاتا ہے "طیبت" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی خوشبو لگانا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ٢٨١٢ (١١٩٢) والنسائي: ٢٧٠٥۔

مفہوم: اس حدیث کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ محرم کے خوشبو لگانے کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ احرام کی نیت کرنے سے پہلے احرام کی چادروں پر خوشبو لگائی جائے، پھر انہی چادروں کو اوڑھ کر حج یا عمرہ کیا جائے۔

۲۔ احرام کی نیت کرنے کے بعد اپنے جسم پر یا چادروں پر خوشبو لگائی جائے۔

پہلی صورت میں کوئی حرج نہیں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مراد یہی ہے اور دوسری صورت اختیار کرنے سے دم واجب ہوگا اور حضرت ابن عمرؓ کی بھی یہی مراد ہے، اس تقریر کو سامنے رکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے، صرف صورت کا فرق ہے۔

اور حالت احرام میں خوشبو لگانے کی ممانعت اس لیے کی گئی ہے تاکہ انسان پر فقیروں اور بھکاریوں والی صورت دکھائی دے کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ اس در پر بھیک اور خیرات مانگنے کے لیے گیا ہے، ٹیپ ٹاپ سجانے کے لیے نہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ احرام کسے کہتے ہیں؟ ہمارے یہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ احرام سے مراد وہ دو سفید چادریں ہوتی ہیں جو ہم اپنے جسم پر لپیٹتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، احرام ان چادروں کو نہیں کہتے بلکہ اس نیت اور تلبیہ کو کہتے ہیں جس کا اعلان و اظہار کرنے کے بعد انسان پر احرام کی پابندیاں متوجہ ہو جاتی ہیں۔

اگر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے تو حالت احرام کے بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں مثلاً احرام کی چادر گندی ہو جانے کی صورت میں اسے تبدیل کرنا، کسی وجہ سے ایک یا دونوں چادروں کا جسم پر نہ رہنا۔

بَابُ التَّمَتُّعِ

(۳۳۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَمَرَ اَصْحَابَهٗ اَنْ يَّحِلُّوْا مِنْ اِحْرَامِهِمْ بِالْحَجِّ وَيَجْعَلُوْا عُمْرَةً۔

حج تمتع کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ احرام حج کھول لیں اور اسے عمرہ کا احرام بنالیں۔

فائدہ: اگلی روایت بھی اسی واقعے سے تعلق رکھتی ہے۔

(۳۳۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَا اَمَرَ بِهٖ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ قَالَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا عَنْ عُمْرَتِنَا اَلَنَا خَاصَّةً اَمْ لِلْاَبَدِ قَالَ هِيَ لِلْاَبَدِ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جب وہ حکم دیا جو دیا تو سراقہ بن مالکؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو بتائیے کیا یہ حکم ہمارے ساتھ خاص ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے؟ فرمایا ہمیشہ کے لیے ہے۔

حل لغات: "یحلوا" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی حلال ہونا' مراد احرام سے نکل جانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ ابن ماجہ فیہ فی ضمن حدیث طویل: ۲۹۸۱' والنسائی: ۲۸۰۷' ومسلم: ۲۹۴۵ (۱۲۱۶)

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ مسلم فی نهایۃ حدیث طویل: ۲۹۱۲ (۱۲۱۶)' وابوداؤد: ۱۷۸۷' والنسائی: ۲۸۰۸' وابن ماجہ: ۲۹۸۰۔

خلاصۃ الحدیث: پہلی حدیث میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے' اس کا تذکرہ بعض مفصل حدیث نمبر ۳۳۹ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں اور اس کی کچھ مناسبت دوسری حدیث کے ساتھ بھی پائی جاتی ہے اور اسی وجہ سے ان دونوں کو اکٹھا بھی کیا گیا ہے' لیکن اس وضاحت سے پہلے یہ فرق ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ دوسری حدیث کا تعلق واقعہ حجۃ الوداع سے ہے اور پہلی حدیث کا تعلق عمرۃ القضاء سے ہے۔

کتب حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب کا یہ خیال تھا کہ اشہر حج میں عمرہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے' ظاہر ہے کہ اس خیال کے پیچھے ان کے پاس دلائل کی قوت نہیں تھی بلکہ صرف مفروضات اور توہمات تھے ان کے اس نظریے کی بنیاد

تھے اس لیے نبی ﷺ اس خیال کی اصلاح فرمانا چاہتے تھے جس کا ایک طریقہ تو زبانی طور پر سمجھا دینا تھا اور دوسرا طریقہ عملی طور پر اس موقع پر بات کو ذہن نشین کرانا تھا، نبی ﷺ نے اس کے لیے دوسرا طریقہ اختیار فرمایا۔

یہ بات تو ہر شخص کو معلوم ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی زندگی میں صرف ایک حج کیا ہے لہٰذا اشہر حج میں احرام باندھنے کا موقع بھی آپ ﷺ کو پوری زندگی میں ایک مرتبہ ملا اور یہ بات بھی واضح ہے کہ پہلے زمانے میں لوگ حج کے لیے جب جاتے تھے تو قربانی کا جانور اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے جیسا کہ اس نوع کی روایات گزر بھی چکی ہیں۔

سفر حجۃ الوداع میں نبی ﷺ نے حرم مکہ پہنچنے سے پہلے صحابہ کرام ﷺ سے فرمایا کہ اگر میں اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لایا ہوتا تو میں اپنے حج کے احرام کو فسخ کر کے عمرے کے احرام کی نیت کر لیتا اب میں تو ایسا نہیں کر سکتا لیکن تم میں سے جو شخص قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہیں لایا، وہ حج کا احرام ختم کر کے عمرہ کی نیت کر لے ایک صحابی ؓ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! ہمیں ہمیشہ ایسا کرنا چاہیے یا یہ حکم اسی سال کے ساتھ خاص ہے؟ یعنی کیا ہم دوبارہ اشہر حج میں عمرہ کرنا چاہیں تو کوئی ممانعت تو نہیں ہوگی؟ فرمایا کوئی ممانعت نہیں ہوگی اور تم ہمیشہ اشہر حج میں بھی عمرہ کر سکتے ہو۔

بَابُ مَنْ قَدِمَتْ مُتَمَتِّعَةً وَهِيَ فِي اَيَّامِهَا

(۲۲۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَدِمَتْ وَهِيَ مُتَمَتِّعَةٌ وَهِيَ حَائِضٌ فَاَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ فَرَفَضَتْ عُمْرَتَهَا۔

اگر عورت حج تمتع کی نیت سے آئے اور وہ "ایام" میں ہو تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ وہ حج تمتع کی نیت سے مکہ مکرمہ پہنچیں اتفاق سے انہیں ایام آ گئے، نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے عمرہ کو چھوڑ دیا۔

(۲۲۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَدِمَتْ مُتَمَتِّعَةً وَهِيَ حَائِضٌ فَاَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ فَرَفَضَتْ عُمْرَتَهَا۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی بعینہ یہی ہے۔

(۲۲۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَدِمَتْ مُتَمَتِّعَةً وَهِيَ حَائِضٌ فَاَمَرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَرَفَضَتْ عُمْرَتَهَا وَاسْتَاْنَفَتِ الْحَجَّ حَتّٰى اِذَا فَرَغَتْ مِنْ حَجِّهَا اَمَرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ تَعْتَمِرَ مِنَ التَّنْعِيْمِ مَعَ اَخِيْهَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی بعینہ یہی ہے البتہ آخر میں یہ اضافہ ہے کہ انہوں نے از سر نو حج کا احرام باندھ لیا، جب حج سے فراغت ہو گئی تو نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ کے ساتھ تنعیم سے احرام باندھ کر آئیں اور عمرہ

ہوئی۔

زیر بحث احادیث سے جو فقہی مسئلہ مستنبط ہوا، وہ تو واضح ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے البتہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عورت ہونے کے باوجود اپنے شاگردوں سے ''جن میں مرد و عورت دونوں ہی ہوتے تھے'' اس مسئلے کو کس طرح بیان کیا ہوگا؟ کیونکہ عورت کا طبعی حجاب اس نوعیت کے مسائل بیان کرنے سے مانع ہوتا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ سے اس موضوع پر سوالات نہ کیے جاتے اور وہ ان کا جواب نہ دیتیں بلکہ ان مسائل کا علم اپنے ساتھ ہی لے جاتیں جن کا تعلق خانگی زندگی کے ساتھ ہوتا ہے اور جو عام لوگوں کو معلوم نہیں ہو سکتے تو اس سلسلے میں پیغمبر اسلام ﷺ کی خانگی زندگی کا مکمل نقشہ بھی سامنے نہ آ پاتا اور امت مرحومہ بھی ان مسائل میں تشنگی کا شکار رہتی، حضرت عائشہؓ کی دور رس نگاہوں نے مستقبل کے اس خطرہ کو بھانپ لیا تھا اس لیے انہوں نے اس باب میں بنیادی کردار ایک ایسی معلمہ کا ادا کیا ہے جو اپنی فراست سے لوگوں کو پہچان کر ان کے مسائل کا صحیح حل پیش کر سکے۔

اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے یہ مسائل صرف مردوں سے ہی ذکر کیے ہوں بلکہ حقائق کے مطابق وہ اپنی شاگرد خواتین سے اس باب کے مسائل ذکر کرتیں، وہ خواتین اپنے شوہروں سے اس کا ذکر کرتیں اور یوں مردوں تک اس روایت کا سلسلہ پہنچ جاتا۔ واللہ اعلم

بَابٌ إِذَا صَادَ الْحَلَالُ فَأَكَلَهُ الْمُحْرِمُ

(۴۳۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ تَذَاكَرْنَا لَحْمَ صَيْدٍ يَصِيدُهُ الْحَلَالُ فَيَأْكُلُهُ الْمُحْرِمُ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَائِمٌ حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا فَاسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ فِيمَا تَتَنَازَعُونَ فَقُلْنَا فِي لَحْمِ صَيْدٍ يَصِيدُهُ الْحَلَالُ فَيَأْكُلُهُ الْمُحْرِمُ قَالَ فَأَمَرَنَا بِأَكْلِهِ۔

محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا جبکہ اسے کسی غیر محرم نے شکار کیا ہو

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبید اللہ فرماتے ہیں کہ ہم آپس میں شکار کے گوشت کے بارے میں بحث مباحثہ کر رہے تھے جسے غیر محرم نے شکار کیا ہو اور محرم نے اسے کھا لیا ہو، نبی ﷺ قریب ہی سو رہے تھے، ہماری آوازیں بلند ہوگئیں تو آپ ﷺ بیدار ہوئے اور فرمایا کس بات میں اختلاف ہو رہا ہے؟ ہم نے عرض کیا شکار کے گوشت کے بارے میں، جسے غیر محرم نے شکار کیا ہو اور محرم اسے کھا لے، حضرت طلحہؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں وہ کھانے کی اجازت دے دی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۳۷) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْتُ فِيْ رَهْطٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ لَيْسَ فِي الْقَوْمِ حَلَالٌ غَيْرِيْ فَبَصُرْتُ نَعَامَةً فَسِرْتُ إِلٰى فَرَسِيْ فَرَكِبْتُهَا وَعَجِلْتُ عَنْ سَوْطِيْ فَقُلْتُ لَهُمْ نَاوِلُوْنِيْهِ فَأَبَوْا فَنَزَلْتُ عَنْهَا فَأَخَذْتُ سَوْطِيْ فَطَلَبْتُ النَّعَامَةَ فَأَخَذْتُ مِنْهَا حِمَارًا فَأَكَلْتُ وَأَكَلُوْا۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا' پوری جماعت میں میرے علاوہ غیر محرم کوئی نہ تھا' راستے میں میں نے جنگلی گدھوں کو دیکھا' انہیں دیکھ کر میں اپنے گھوڑے کی طرف چلا اور اس پر سوار ہو گیا لیکن جلدی میں اپنا کوڑا بھول گیا' میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے یہ کوڑا پکڑا دو لیکن انہوں نے انکار کر دیا' مجبوراً میں نے گھوڑے سے اتر کر اسے خود ہی اٹھایا اور جنگلی گدھوں کی تلاش میں چل پڑا' راستے میں مجھے ایک جنگلی گدھا مل گیا' میں نے اسی کو شکار کر کے پکڑ لیا' میں نے بھی اسے کھایا اور میرے ساتھیوں نے بھی کھایا۔

حل لغات: "تداکرنا" باب تفاعل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی بار بار اور تکرار کرنا "لحم صید" ترکیب میں موصوف واقع ہو رہا ہے "یصیدہ لحلال" اس کی صفت ہے "یصیدہ" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شکار کرنا "نعامۃ" شتر مرغ' یا جنگلی گدھوں کا غول "فسرت" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی چلنا "ناولونیہ" باب مفاعلہ سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی پکڑانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ مسلم بنحوہ ۲۸۶۰ (۱۱۹۶)' والنسائی: ۲۸۱۱۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ البخاری: ۲۵۷۰' ومسلم: ۲۸۵۱ (۱۱۹۶)' والنسائی: ۲۸۲۹' وابن ماجہ: ۳۰۹۳۔

مفہوم: حالت احرام میں ایک مسلمان پر عائد ہونے والی پابندیوں میں سے ایک پابندی یہ بھی ہے کہ اسے شکار کی اجازت نہیں ہے' لیکن یہ پابندی نہیں ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص جو حالت احرام میں نہ ہو' کوئی جانور شکار کر کے لائے اور محرم کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرنا چاہے تو وہ اسے کھانے میں شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ اصل پابندی شکار کرنے پر ہے اور وہ اس نے کیا نہیں' لہٰذا اسے کھانے میں شریک ہونے کی ممانعت بھی نہیں۔

دوسری بہت سی پابندیوں کی طرح اس پابندی کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ عام طور پر شکار کھیلنا تفریح طبع کے لیے ہوتا ہے' اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شکار کرنے کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے' پھر اسے کاٹنے سے لے کر پکانے تک کا ایک طویل مرحلہ ہوتا ہے جس میں انسان کا بہت سارا وقت صرف ہو جاتا ہے' ان تمام خرابیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعت نے خشکی کا شکار ممنوع قرار دے دیا تاکہ انسان جس مقصد کے لیے اپنے گھر بار' کاروبار' دوست احباب اور عزیز و اقرباء کو چھوڑ کر نکلا ہے اسی مقصد کو حاصل کر سکے' شکار تو انسان کسی اور وقت بھی کر سکتا ہے لیکن وہ بار بار خدا کے در پر

حاضری کا موقع دوبارہ نہیں ملتا اور مجھے انتہائی افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ زمانہ جدید میں اگرچہ شکار کی طرف سے تو توجہ منتشر ہونے کی توجہ ہٹ گئی ہے لیکن بازاروں اور دکانوں پر خریداروں اور شاپنگ کرنے والوں کا ہجوم بڑھ گیا ہے اور حجاج کرام وہاں پر آتے ہوئے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ لوگ بیرون ملک شاپنگ کرنے کے لیے گئے تھے جب ہی ان میں کمبل، استریاں، کمرے، برتن، زیورات اور کھانے پینے کی اشیاء سے بھرے ہوئے بڑے بڑے کارٹن شامل ہوتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

بَابُ مَا يَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ قَتْلُهُ

(۴۲۸) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ الْعَقْرَبَ وَالْحَيَّةَ وَالْكَلْبَ وَالْحِدَأَةَ وَالْفَأْرَةَ۔

محرم کے لیے موذی جانور کو مارنا جائز ہے

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا محرم بچھو، سانپ، کتے، چیل اور چوہے کو مار سکتا ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاري: ۱۸۲۹، ومسلم: ۲۸۷۸ (۱۱۹۹)، وأبو داود: ۱۸۴۶، والترمذي: ۸۳۷، والنسائي: ۲۸۳۵، وابن ماجه: ۳۰۸۸۔

مفہوم: حرم شریف چونکہ ایک مقدس مقام ہے اس لیے اس کی حرمت و تقدیس کو برقرار رکھنے کے لیے خود پروردگار عالم کی طرف سے مختلف احکام دیے گئے ہیں جنہیں نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف اسالیب میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ میقات سے احرام کے ساتھ گزرنے کی شرط حرم کی حرمت و تقدیس ہی کی خاطر ہے، شکار کی پابندی اسی بناء پر ہے حتی کہ حرم شریف میں دانہ چگتے ہوئے کبوتر کو اڑا کر اڑانے کی ممانعت بھی اسی وجہ سے ہے، حرم شریف میں "اذخر" نامی گھاس کے علاوہ ہر قسم کی گھاس کاٹنے کی ممانعت بھی حرمت و تقدیس کی رہین منت ہے، یہاں قتل و قتال اور جنگ و جدال کی ممانعت بھی اسی کی تقدیس و تعظیم کی بقاء کی ضامن ہے۔

ان تمام چیزوں کو سامنے رکھ کر فطری طور پر انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حرم شریف میں کوئی موذی جانور دکھائی دے اور انسان اس سے خطرہ محسوس کرے تو کیا حرمت و تقدیس حرم کا خیال رکھتے ہوئے ان سے بھی تعرض نہ کرے یا کیا کرے؟ نیز یہ کہ اس میں محرم اور غیر محرم کی کوئی تفریق و امتیاز بھی ہے یا نہیں؟

زیر بحث حدیث میں ان دونوں سوالوں کا جواب دیا گیا ہے چنانچہ اس حدیث کے مطابق حرم شریف میں موذی جانور کو مارنا اس کی حرمت کے خلاف نہیں ہے اس لیے اس کی اجازت و جواز میں بھی کوئی شک نہیں ہے، اسی طرح اس

میں محرم اور غیر محرم کی بھی کوئی تفریق نہیں ہے محرم بھی ان چیزوں کو مار سکتا ہے اور غیر محرم بھی۔ واللہ اعلم

بَابُ هَلْ يَجُوْزُ لِلْمُحْرِمِ اَنْ يَتَزَوَّجَ

(۳۲۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ اَبِيْ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَيْمُوْنَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

کیا احرام کی حالت میں نکاح کرنا جائز ہے؟

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ بنت حارثؓ سے حالت احرام میں نکاح فرمایا۔

تخریج وتحقیق: اخرجه البخاري: ۱۸۳۷، ومسلم: ۳۴۵۲ (۱۴۱۰)، وابوداؤد: ۱۸۴۴، والترمذي: ۸۴۲، والنسائي: ۲۸۴۰، وابن ماجه: ۱۹۶۵، واحمد: ۱۹۱۹۔

فائدہ: محدثین اور فقہاء کرام نے اس حدیث کے حوالے سے یہ ایک بحث چھیڑی ہے کہ آیا حالت احرام میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور ہر ایک نے اپنی اپنی رائے کی صحت کے دلائل دیے ہیں لیکن اس سوال سے کسی نے تعرض نہیں کیا کہ آخر جناب رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بالا روایت کے مطابق حالت احرام میں نکاح کیوں کیا؟ اس کی فوری اور شدید ضرورت کیا پیش آ گئی تھی کہ اسے موخر نہیں کیا گیا؟ ظاہر ہے کہ جب سوال ہی نہیں اٹھایا گیا تو جواب ملنا بھی محال ہوگا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ذہن میں جو بات ڈالی ہے پہلے وہ لکھتا ہوں پھر اس واقعہ کا مختصر لیکن منظر عرض کروں گا۔

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک صاحب شریعت وکتاب پیغمبر تھے اور آپ ﷺ کا ہر قول وعمل شریعت ہی کی ترجمانی ہوتا تھا' جس میں خوشی اور غمی کی تفریق بھی روا نہیں رکھی گئی تھی' حالت احرام میں نکاح کی فوری ضرورت تو نہیں تھی' البتہ امت کے لیے یہ پیغام چھوڑنا ضروری تھا کہ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آ جائے تو اسے حل کرنے کے لیے میری سنت اور میرا اسوۂ حسنہ موجود ہے' آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی صورت یہ بھی تو ہو سکتی تھی کہ نبی ﷺ زبانی طور پر امت کے بے شمار دوسرے بہت سے پیغاموں کی طرح یہ پیغام بھی چھوڑ جاتے؟ تو میں اس کا جواب یہ دوں گا کہ دیگر مذہبی ودنیاوی معاملات کے برعکس حج وعمرہ اور احرام کا معاملہ کچھ جذباتی نوعیت رکھتا ہے اور اس میں اکثر اوقات کسی کی بات ماننے کا عنصر مغلوب اور اپنے جذبہ عشق کی تکمیل کا عنصر غالب ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی ﷺ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا گیا اور بالآخر ایک صلح نامے کے ذریعے فریقین میں ایک باہمی معاہدہ طے پا گیا تو نبی ﷺ نے صلح نامے کی شرائط کے مطابق مدینہ منورہ کی طرف واپسی کا اعلان کر دیا اور صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اپنا احرام کھول کر حلال ہو جائیں' ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حکم نبوی کی تعمیل میں

نے یہ معاملہ اپنی بہن ام الفضل کے سپرد کر دیا' حضرت عباسؓ نے ان کے رشتے کے لیے نبی ﷺ سے بات کی' نبی ﷺ راضی ہو گئے اور اپنے غلام حضرت ابورافعؓ کو اپنا وکیل مقرر کر دیا' جبکہ حضرت میمونہؓ کے وکیل خود حضرت عباسؓ تھے۔

۷ ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر نبی ﷺ مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہوئے' ادھر سے حضرت عباسؓ رشتے کے معاملات طے کرنے کے لیے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے' مکہ مکرمہ کے قریب سرف نامی مقام پر پہنچ کر دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا اور وہیں پر زوجین کے وکیلوں نے اپنے اپنے مؤکلوں کی طرف سے ایجاب وقبول کر لیا اور یوں یہ رشتہ طے پا گیا۔

نبی ﷺ اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق حالت احرام میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے' عمرہ کیا اور ارکان عمرہ پورے کرنے کے بعد حلال ہو گئے' چونکہ معاہدہ کے مطابق آپ ﷺ وہاں صرف تین دن گزار سکتے تھے اس لیے یہ مدت پوری ہونے پر مشرکین کا ایک نمائندہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مکہ مکرمہ کو خالی کر دینے کی درخواست کی' نبی ﷺ نے اس سے فرمایا کہ میرا نکاح تو ہو چکا ہے اگر تم مجھے یہاں رات گزارنے کی اجازت دے دو تو شادی کے کھانے میں آپ کی بھی شرکت ہو جائے گی اور میں اپنی زوجہ سے بھی مل لوں گا' لیکن اس نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔

چنانچہ نبی ﷺ معاہدہ کے مطابق مکہ مکرمہ سے روانہ ہو گئے اور مقام سرف پر پہنچ کر پڑاؤ کیا اور وہیں حضرت میمونہؓ کے ساتھ تخلیہ کیا اور صحابہ کرامؓ کی دعوت ولیمہ کی' یہ ہے اس واقعہ کا وہ پس منظر جس کا ذکر کبار محدثین اور فقہاء کرام نے اپنی کتابوں میں کیا ہے اور اس کا خلاصہ یہاں بیان کر دیا گیا ہے اس کی موجودگی میں کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

بَابُ مَنِ احْتَجَمَ مُحْرِمًا

(۲۹۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

محرم کے لیے سینگی لگوانا

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حالت احرام میں سینگی لگوائی۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ۱۸۳۵، ومسلم: ۲۸۸۵ (۱۲۰۲)، وابوداؤد: ۱۸۳۵، والترمذي: ۸۳۹، والنسائي: ۲۸۴۸، وابن ماجة: ۳۰۸۱۔

فائدہ: اس حدیث پر بقدر ضرورت کلام کتاب الصوم کے تحت گزر چکا ہے' جس میں صرف اس بات کا اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ جس طرح سینگی لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا' اسی طرح حج پر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِسْتِلَامِ

(۴۶۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه قَالَ مَا تَرَكْتُ اسْتِلَامَ الْحَجَرِ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَلِمُهُ۔

استلام کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے نبی ﷺ کو حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے دیکھا ہے، اس وقت سے استلام کو کبھی ترک نہیں کیا۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس کے قریب قریب ہے۔

(۴۶۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا انْتَهَيْتُ إِلَى الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ إِلَّا وَجَدْتُ عِنْدَهُ جِبْرَئِيلَ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ نُكْثِرُ مِنِ اسْتِلَامِ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ قَالَ مَا أَتَيْتُ عَلَيْهِ قَطُّ إِلَّا وَجِبْرَئِيلُ قَائِمٌ عِنْدَهُ يَسْتَغْفِرُ لِمَنْ يَسْتَلِمُهُ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں جب بھی رکن یمانی پر پہنچا جبرئیل سے وہاں پر ملاقات ہوئی۔ عطاء بن ابی رباح کے حوالے سے یہ روایت اس طرح مروی ہے کہ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ رکن یمانی کا استلام بہت کثرت سے کرتے ہیں؟ فرمایا میں جب بھی وہاں پہنچا ہوں تو جبرئیل سے ملاقات ہوئی ہے جو اس کا استلام کرنے والوں کے لیے بخشش کی دعا مانگ رہے ہوتے۔

(۴۶۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ بَيْنَ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ وَالْحَجَرِ الْأَسْوَدِ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَالذُّلِّ وَمَوَاقِفِ الْخِزْيِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے اے اللہ! میں کفر، فقر و فاقہ، ذلت اور دنیا و آخرت میں رسوائی کے مقامات سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

(۴۶۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْبَيْتِ وَهُوَ شَاكٍ عَلَى رَاحِلَتِهِ يَسْتَلِمُ الْأَرْكَانَ بِمِحْجَنِهِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَهُوَ شَاكٍ عَلَى رَاحِلَتِهِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کسی مرض کی شکایت میں بیت اللہ کا طواف اپنی سواری پر کیا اور حجر اسود کا استلام اپنی چھڑی سے کرتے رہے، ایک روایت میں صفا اور مروہ کے درمیان بھی سواری پر سعی کرنے کا ذکر آیا ہے۔

(۲۸۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَمَلَ مِنْ اَلْحَجَرِ اِلَى الْحَجَرِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حجر اسود سے حجر اسود تک رمل کیا۔

تحقیق عبارت: "یستلمہ" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھونا "ما انتہیت" باب افتعال سے فعل ماضی مثبت معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی پہنچنا "موقف" باب ضرب سے اسم ظرف کا صیغہ ہے بمعنی ٹھہرنے کی جگہ "شاک" باب نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی شکایت کرنا "رمل" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رمل کرنا' تیز چلنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ البخاری: ۱۶۰۱' والنسائی: ۲۹۵۶' وابوداؤد مثلہ: ۱۸۷۶' ومسلم: ۳۰۶۵ (۱۲۶۸)

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ الحارثی: ۲۹۷۔

تخریج حدیث ثالث: اخرج ابوداؤد مثلہ: ۱۸۹۲' وابن ماجہ ۲۹۵۷ والفاکہی فی اخبار مکۃ: ۱۶۷۔

تخریج حدیث رابع: اخرجہ البخاری ۱۶۰۷' ومسلم ۳۰۷۳ (۱۲۷۲) وابوداؤد ۱۸۸۱' والنسائی ۲۹۵۷' وابن ماجہ: ۲۹۴۸۔

تخریج حدیث خامس: اخرج البخاری مثلہ ۱۶۰۴' ومسلم ۳۰۶۲ (۱۲۶۶) وابوداؤد ۱۸۹۱' والترمذی: ۸۵۷' والنسائی: ۲۹۴۷' وابن ماجہ ۲۹۵۱۔

مفہوم: خانہ کعبہ "جو پورے عالم میں اللہ کی خصوصی تجلیات کا مرکز ہے" نیکوکاروں کے لیے جس طرح اپنے اندر جلال کی کشش رکھتا ہے' گناہگاروں کے لیے اسی طرح جمال کی کشش سے بھی بھرپور ہے' اس کا ایک ایک کونہ اور ایک ایک انچ متبرک و بابرکت ہے' اس کے چپے چپے پر دعاؤں کی قبولیت کے راز موجود ہیں' انہی میں سے خانہ کعبہ کے وہ دو کونے جو حجر اسود اور رکن یمانی کے نام سے مشہور ہیں' بھی شامل ہیں جن کا استلام کیا جاتا ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حجر اسود صرف ایک پتھر ہے لیکن نجانے اس پتھر میں ایسی کون سی خاص بات ہے کہ یہاں پہنچ کر اور اسے چھو کر بڑے بڑے پتھر پگھل کر موم ہوتے دیکھے گئے ہیں' نجانے اس پتھر میں ایسی کون سی کشش ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان بلاتفریق رنگ و نسل اس کی تقبیل و استلام کو اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں اور نجانے اس پتھر میں ایسا کون سا مقناطیس رکھ دیا گیا ہے کہ یہ گناہگاروں کے گناہوں کو چوس کر اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔

میں شاید اس کی بہت زیادہ توجیہات پیش نہ کر سکوں لیکن اتنی بات ضرور عرض کروں گا کہ اللہ سے مصافحہ کرنے کا شوق انسان کو اپنی طرف کھینچتا ہے کیونکہ یہ پتھر محض پتھر نہیں بلکہ روایات کے مطابق یہ اللہ کا داہنا ہاتھ ہے جسے بوسہ دینے والا درحقیقت حق تعالیٰ سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کرتا ہے۔

اور میں یہ بھی عرض کروں گا کہ پوری انسانیت کا نقطۂ آغاز حضرت آدم ﷤ ہیں' اور حضرت آدم ﷤ کی رہائش

کا وجنت تھی گویا وہ ہم سب کے والدین کی جائیداد تھی جس کی وراثت میں ہمارا بھی حق بنتا ہے جو انشاء اللہ قیامت
کے دن پروردگار عالم محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں عطاء فرمائے گا، چونکہ جنت ہمارا اصلی وطن ہے اور ہمیں بالآخر
وہیں پر قیام پذیر ہونا ہے اس لیے ہمیں اپنے وطن کی ہر چیز سے پیار ہے حتیٰ کہ اس کی مٹی اور پتھروں تک کو ہم محبوب
رکھتے ہیں اور حجر اسود کو بوسہ دے کر بھی اسی محبت کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ یہ پتھر جنت ہی سے آیا ہے تو جنت کی محبت نے
اس پتھر میں کشش رکھ چھوڑی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْجَمْعِ بِعَرَفَةَ

[٣٤٦] أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِيْ حَيَّةَ أَبِيْ جَنَابٍ عَنْ هَانِئِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَفَضْنَا مَعَهُ مِنْ
عَرَفَاتٍ فَلَمَّا أَتَيْنَا جَمْعًا أَقَامَ فَصَلَّيْنَا الْمَغْرِبَ مَعَهُ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّ
عَلَيْهِ ثُمَّ أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ فَقَعَدْنَا نَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ طَوِيْلًا ثُمَّ قُلْنَا يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الصَّلَاةَ فَقَالَ أَيُّ
الصَّلَاةِ فَقُلْنَا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ فَقَالَ إِنَّا كُنَّا صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَدْ صَلَّيْتُ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ
عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.

عرفہ میں دونمازوں کو جمع کرنا

ترجمہ: ہانی بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ عرفات سے روانہ ہوئے، جب ہم نے مزدلفہ پہنچ کر پڑاؤ کیا
تو انہوں نے نماز کھڑی کی چنانچہ ہم نے ان کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کی، پھر انہوں نے (عشاء کی) دو رکعتیں پڑھیں
پھر پانی منگوا کر اپنے اوپر بہایا اور اپنے بستر پر تشریف لے گئے، ہم بیٹھ کر کافی دیر تک نماز کا انتظار کرتے رہے، بالآخر ہم
نے ان سے کہا اے ابو عبدالرحمن! نماز؟ فرمایا کون سی نماز؟ عرض کیا نماز عشاء، فرمایا جس طرح نبی علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی
میں نے بھی اسی طرح پڑھ لی ہے، اور ایک روایت میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے مغرب اور عشاء کی نماز (کو
مزدلفہ میں) جمع فرمایا۔

فائدہ: اگلی دو روایتوں کا مضمون بھی یہی ہے۔

(٣٤٧) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ
الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْمُزْدَلِفَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر مزدلفہ میں نبی علیہ السلام کے ساتھ مغرب اور
عشاء کی نماز اکٹھی پڑھی ہے۔

(٣٤٨) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

صَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ

ترجمہ: اس میں ایک اذان اور ایک اقامت کا اضافہ ہے فقط۔

حلِّ عبارت: "الجمعا" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی ملانا "جمعا" اس سے مراد مزدلفہ ہے اور وجہ مناسبت یہ ہے کہ چونکہ مزدلفہ میں نماز مغرب اور عشاء اکٹھی ایک ہی اذان اور ایک ہی اقامت سے ادا کی جاتی ہے اس لیے اسے "جمع" بھی کہہ دیتے ہیں "اوی" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ٹھکانہ پکڑنا۔"

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري: ١٦٧٥، ومسلم مختصرا: ٣١١٥ (١٢٨٨)

تخریج حدیث ثانی و ثالث: اخرجه البخاري: ١٦٧٤، ومسلم: ٣١٠٨ (١٢٨٧) وابو داود: ١٩٢٦، والنسائي: ٣٠٢٩، وابن ماجه: ٣٠٢٠۔

مفہوم: ہر مسلمان پر دن بھر میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں اور ہر ایک کا وقت بھی متعین کیا گیا ہے نیز یہ اصول بھی وضع کیا گیا ہے کہ ہر نماز کو اپنے وقت مقررہ میں ہی ادا کرنا ضروری ہے اس سے پہلے ادا کرنے کی صورت میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور بعد میں ادا کرنے پر اسے قضاء شمار کیا جائے گا ظاہر ہے کہ اس اصول کو اللہ ہی کی طرف سے اپنے بندوں پر لاگو کیا گیا ہے تو درحقیقت اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم وقت کے پابند نہیں بلکہ حکم خداوندی کے تابع ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر پروردگار عالم ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات کو عبادت کے لیے متعین کرتا تو ہم پر اس حکم الٰہی کی تعمیل میں ان اوقات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا۔

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ مسلمان اصل میں حکم الٰہی کی تابعداری کرتے ہیں تو یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ عرفات میں ظہر اور عصر کی جمع تقدیم اور مزدلفہ میں جا کر کے عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء کی جمع تاخیر مذکورہ اصول کے خلاف ہونے کے باوجود صحیح ہے اگرچہ اصول تو یہی ہے کہ ایام حج میں بھی ہر نماز کو اس کے وقت مقررہ پر پڑھا جائے لیکن اس اصول کو وضع کرنے والے کا حکم یہ ہے کہ عرفات اور مزدلفہ میں اس اصول کو پورا نہیں کرنا تاکہ پوری دنیا پر یہ بات واضح ہو جائے کہ مسلمان حکم الٰہی کا تابع ہوتا ہے خواہ اس کی حکمت تک اس کی عقل کی رسائی ہو یا نہ ہو۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَمْيِ الْجِمَارِ

(۴۴۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَلَمَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ عَجَّلَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ وَقَالَ لَهُمْ: لَا تَرْمُوا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔

جمرات پر کنکری پھینکنا

تَرْجَمَۃ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل خانہ میں سے کمزور افراد (خواتین اور بچوں) کو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جلدی روانہ کر دیا اور ان سے فرمایا کہ طلوع آفتاب سے پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کرنا۔

۱۲۵۰: اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِیْدِ ابْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ضَعَفَۃَ اَھْلِہٖ وَقَالَ لَھُمْ لَا تَرْمُوْا جَمْرَۃَ الْعَقَبَۃِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔

تَرْجَمَۃ: اس کا ترجمہ گزشتہ حدیث کے مطابق ہی ہے۔

حَلِّ عِبَارَت: "لا ترموا" باب ضرب سے فعل نہی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی پھینکنا، مراد رمی کرنا ہے

تخریج حدیث: اخرجہ ابو داؤد: ۱۹۴۱، والنسائی: ۳۰۶۷، والترمذی: ۸۹۳، وابن ماجہ: ۳۰۲۵، واحمد: ۲۰۸۲۔

مَفْہُوم: مزدلفہ کا میدان بڑا ہی بابرکت ہے، حجاج کرام یہاں نو ذی الحجہ کا دن گزارنے کے بعد تلبیہ اور تکبیر و تہلیل کے نعرے لگاتے ہوئے رات کا قیام کرتے ہیں، یہاں اللہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو خصوصیت کے ساتھ قبول فرماتا ہے، یہاں کی رات بہت قیمتی اور یہاں کا وقوف بہت مبارک ہوتا ہے۔

حجاج کرام منیٰ سے عرفات اور عرفات سے مزدلفہ کا چکر لگانے کے بعد دس ذی الحجہ کو دوبارہ منیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں، وہاں پہنچ کر انہیں سب سے پہلے اپنے ازلی دشمن سے انتقام لینا ہوتا ہے، پھر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا ہوتا ہے، پھر اپنے بالوں کی قربانی دینا ہوتی ہے اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو کر طواف زیارت کے لیے جانا ہوتا ہے، ان تمام چکروں میں بعض اوقات خواتین اور بچوں کو چکر آ جاتے ہیں اس لیے شریعت نے ان سے وقوف مزدلفہ کو ساقط کرتے اس بات کی اجازت دے دی کہ رش اور تنگی سے بچنے کے لیے اگر وہ رات ہی کو مزدلفہ سے منیٰ جانا چاہیں تو انہیں اس بات کی اجازت ہے، لیکن اس بات کی قطعاً اجازت نہیں کہ طلوع آفتاب سے پہلے اگلے دن کے افعال سر انجام دینا شروع کر دیں۔

شریعت کی طرف سے دی گئی یہ آسانی اس صورت میں ہے، جبکہ خواتین اور بچوں کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو جو ان کی حفاظت بھی کر سکے اور کسی ناگہانی واقعے کی صورت میں معاملات کو سنبھال بھی سکے اور یہ آسانی آج بھی موجود ہے، یہ الگ بات ہے کہ دور حاضر میں حجاج کرام کی تعداد بڑھ جانے کی وجہ سے رش بھی بڑھ گیا ہے اور صورت حال یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بہت سے حاجی ساری رات سفر کرنے کے بعد بمشکل صبح صادق سے پہلے وہاں پہنچ پاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نماز فجر پڑھ کر ہی وہاں سے دوبارہ روانہ ہوا جا سکتا ہے، جب نماز فجر پڑھ لی تو وقوف

کرنے میں کیا رکاوٹ ہے اس لیے وقوف کرکے ہی منیٰ کی طرف روانہ ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم

(۲۵۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَبّٰی حَتّٰی رَمٰی جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ وَکَانَ غُلَامًا حَسَنًا فَجَعَلَ یُلَاحِظُ النِّسَاءَ وَالنَّبِیُّ ﷺ یَصْرِفُ وَجْهَهٗ فَلَبّٰی حَتّٰی رَمٰی جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الْفَضْلِ اَخِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَمْ یَزَلْ یُلَبِّیْ حَتّٰی رَمٰی جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے تک تلبیہ پڑھتے رہے اور ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی سواری پر اپنے پیچھے فضل بن عباسؓ کو سوار کر لیا' وہ ایک خوبصورت لڑکے تھے' انہوں نے عورتوں کو دیکھنا شروع کر دیا اور نبی ﷺ ان کا چہرہ عورتوں کی طرف سے پھیرتے رہے اور جمرۂ عقبہ کی رمی تک آپ ﷺ نے تلبیہ پڑھا۔

حل لغات: "لبی" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی تلبیہ پڑھنا "اردف" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے' بمعنی پیچھے آنا۔ "یلاحظ" باب مفاعلہ سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے' بمعنی کن انکھیوں سے دیکھنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷؛ وابوداؤد: ۱۸۱۰؛ والترمذی: ۹۱۸؛ والنسائی: ۳۰۸۳؛ وابن ماجه: ۳۰۴۰۔

مفہوم: زیر بحث حدیث میں دو مضمون قابل ذکر ہیں۔

۱۔ حجاج کرام نے میقات آنے سے پہلے تلبیہ اور نیت کے ذریعے اپنے اوپر احرام کی جن پابندیوں کو لازم کیا تھا' وہ پابندیاں ارکان حج کی ادائیگی تک برقرار رہیں گی اور وہ تلبیہ جس سے انہوں نے احرام کا آغاز کیا تھا اس کا ورد انہیں کثرت اور تسلسل کے ساتھ اس وقت تک کرتے رہنا ہوگا جب تک وہ جمرۂ عقبہ کی رمی کے لیے دس ذی الحجہ کو جمرات کے پاس پہنچ نہیں جاتے اور کنکریاں مارنے کی تیاری نہیں کر لیتے' اس لیے جوں ہی حجاج کرام رمی کرنے لگیں' اس وقت تلبیہ موقوف کر دیں۔

۲۔ حضرت فضل بن عباسؓ' جن کا واقعہ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے' حضرت ابن عباسؓ کے حقیقی بھائی تھے' اس لیے انہوں نے واقعہ کی تصویر کشی کرتے ہوئے ان کا نام لینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی' جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے کہ حضرت فضلؓ نے خواتین کو دیکھنا شروع کر دیا' اس سے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اولاً تو یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ پیش آیا' ثانیاً "خواتین" کا لفظ قابل غور ہے کیونکہ صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے قبیلۂ خثعم کی ایک عورت نبی ﷺ سے کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے آئی تھی' یہ اس وقت نبی ﷺ کے ہمرکاب تھے' اس موقع پر یہ واقعہ پیش آیا تھا' ثالثاً یہ کہ بشری

ہوتا ہے کہ سواری پر بیٹھنے کا حکم دینا عام معاملات میں یہ حکم اکثر نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

بَابُ هَلْ يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَجْمَعَ الْعُمْرَةَ وَالْحَجَّ فِي سَفَرٍ وَاحِدٍ؟

٢٥٣/ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الصُّبَيِّ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ أَقْبَلْتُ مِنَ الْجَزِيرَةِ حَاجًّا فَمَرَرْتُ بِسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ وَزَيْدِ بْنِ صُوحَانَ وَهُمَا مُنِيخَانِ بِالْعُذَيْبِ قَالَ فَسَمِعَانِي أَقُولُ لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ فَقَالَ أَحَدُهُمَا هَذَا أَضَلُّ مِنْ بَعِيرِهِ وَقَالَ الْآخَرُ هَذَا أَضَلُّ مِنْ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَمَضَيْتُ

حَتَّى إِذَا قَضَيْتُ نُسُكِي مَرَرْتُ بِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ فَأَخْبَرْتُهُ كُنْتُ رَجُلًا بَعِيدَ الشُّقَّةِ قَاصِيَ الدَّارِ أَذِنَ اللَّهُ لِي فِي هَذَا الْوَجْهِ فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَجْمَعَ عُمْرَةً إِلَى حَجَّةٍ فَأَهْلَلْتُ بِهِمَا جَمِيعًا ثُمَّ أَتَيْتُ فَمَرَرْتُ بِسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ وَزَيْدِ بْنِ صُوحَانَ فَسَمِعَانِي أَقُولُ لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ مَعًا فَقَالَ أَحَدُهُمَا هَذَا أَضَلُّ مِنْ بَعِيرِهِ وَقَالَ الْآخَرُ هَذَا أَضَلُّ مِنْ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَمَضَيْتُ حَتَّى إِذَا قَدِمْتُ مَضَيْتُ فَطُفْتُ طَوَافًا لِعُمْرَتِي وَسَعَيْتُ سَعْيًا لِعُمْرَتِي ثُمَّ عُدْتُ فَفَعَلْتُ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ بَقِيتُ حَرَامًا أَصْنَعُ كَمَا يَصْنَعُ الْحَاجُّ حَتَّى قَضَيْتُ آخِرَ نُسُكِي قَالَ هُدِيتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ.

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ الصُّبَيِّ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ كُنْتُ حَدِيثَ عَهْدٍ بِنَصْرَانِيَّةٍ فَقَدِمْتُ الْكُوفَةَ أُرِيدُ الْحَجَّ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَأَهَلَّ سَلْمَانُ وَزَيْدُ بْنُ صُوحَانَ بِالْحَجِّ وَحْدَهُ وَأَهَلَّ الصُّبَيُّ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَقَالَا وَيْحَكَ تَمَتَّعْتَ وَقَدْ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْمُتْعَةِ فَقَالَا لَهُ وَاللَّهِ لَأَنْتَ أَضَلُّ مِنْ بَعِيرِكَ قَالَ أَقْدَمُ عَلَى عُمَرَ وَقَالَا قَوْلًا فَلَمَّا قَدِمَ الصُّبَيُّ مَكَّةَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ بِعُمْرَتِهِ ثُمَّ رَجَعَ حَرَامًا لَمْ يَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ بِحَجَّتِهِ ثُمَّ قَامَ حَرَامًا لَمْ يَحْلِلْ مِنْهُ حَتَّى أَتَى عَرَفَاتٍ وَفَرَغَ مِنْ حَجَّتِهِ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ حَلَّ فَأَهْرَقَ دَمًا لِمُتْعَتِهِ فَلَمَّا صَدَرُوا مِنْ حَجِّهِمْ مَرُّوا بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ زَيْدُ بْنُ صُوحَانَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّكَ نَهَيْتَ عَنِ الْمُتْعَةِ وَإِنَّ الصُّبَيَّ بْنَ مَعْبَدٍ قَدْ تَمَتَّعَ قَالَ صَنَعْتَ مَاذَا يَا صُبَيُّ قَالَ أَهْلَلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَلَمَّا قَدِمْتُ مَكَّةَ طُفْتُ بِالْبَيْتِ وَطُفْتُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِعُمْرَتِي ثُمَّ رَجَعْتُ حَرَامًا وَلَمْ أَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ طُفْتُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِحَجَّتِي ثُمَّ أَقَمْتُ حَرَامًا يَوْمَ النَّحْرِ فَأَهْرَقْتُ دَمًا لِمُتْعَتِي ثُمَّ أَحْلَلْتُ قَالَ فَضَرَبَ عُمَرُ عَلَى ظَهْرِهِ

دوبارہ ایسا ہی کیا اور احرام کی حالت ہی میں رہا اور وہی کچھ کرتا رہا جو ایک حاجی کرتا ہے یہاں تک کہ میں نے حج کا آخری رکن ادا کر لیا' فرمایا تمہیں اپنے نبی ﷺ کی سنت کی رہنمائی نصیب ہو گئی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ صبی بن معبد کہتے ہیں میں نے عیسائیت کو ابھی تازہ تازہ خیرباد کہا تھا' سیدنا فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں حج کے ارادے سے میں کوفہ آیا (راستے میں کوفہ بھی پڑا) وہاں سے سلمان اور زید بن صوحان نے صرف حج کا احرام باندھا اور میں نے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا' وہ دونوں کہنے لگے افسوس! تم حج تمتع کر رہے ہو جبکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے؟ بخدا! تم تو اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ ہو' میں نے کہا کہ ہم سیدنا فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پہنچیں گے اور آپ بھی (وہاں فیصلہ کروالیں گے)

جب صبی مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا' صفا اور مروہ کے درمیان عمرہ کی سعی کی' پھر حالت احرام میں واپس لوٹ آئے اور کسی چیز کو اپنے اوپر حلال نہیں کیا' پھر حج کی نیت سے طواف اور سعی کی اور محرم ہونے کی حالت ہی میں اقامت گزین ہو گئے' حلال نہیں ہوئے' یہاں تک کہ عرفات آئے اور حج سے فارغ ہو گئے' چنانچہ جب دس ذی الحجہ کو انہوں نے حلال ہونے کا ارادہ کیا تو دم تمتع کی نیت سے قربانی کی (اور احرام کی حالت سے نکل آئے)

جب یہ لوگ حج سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پہنچے' زید بن صوحان نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ نے تمتع سے منع فرما رکھا تھا اور صبی بن معبد نے حج تمتع کیا ہے؟ انہوں نے صبی سے پوچھا کہ تم نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ صبی نے کہا کہ امیر المومنین! میں نے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا' جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو عمرہ کا طواف اور سعی کی' پھر حالت احرام میں واپس آیا اور کسی چیز کو اپنے اوپر حلال نہیں کیا اور دوبارہ حج کے لیے طواف اور سعی کی' پھر دس ذی الحجہ تک احرام کی حالت میں رہا اور دم تمتع دے کر حلال ہو گیا' حضرت عمر فاروقؓ نے یہ سن کر ان کی کمر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ تمہیں نبی ﷺ کی سنت پر رہنمائی نصیب ہو گئی۔

حَلِّ لُغَات: "اَهْلَلْتُ" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی سامنے آنا "اَضَلُّ" اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو "من" کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے بمعنی گمراہ۔ "القاصی" بمعنی بعید دور "اَذِنَ" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اجازت دینا "لَمْ اَنْسَ" باب سمع سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی بھولنا "طُفْتُ" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی طواف کرنا "هُدِیْتَ" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ہدایت دینا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد مختصراً: ١٧٩٩، والنسائی: ٢٧٢٠، وابن ماجه: ٢٩٧٠۔

فائدہ: اس واقعے سے نہ صرف یہ کہ حج قران کا ثبوت ملتا ہے بلکہ حضرت عمر فاروقؓ کی تائید اور سنت نبوی کے عین مطابق ہونے کی سند بھی ملتی ہے' نیز اس سے حج قران کے طریقہ پر بھی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ حج

اور عمرہ کو اکٹھا کرنا اچھا نہیں سمجھتے تھے سیدنا فاروق اعظمؓ کے ارشاد سے ان لوگوں کے خیال کی تردید بھی ہو گئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنِ اعْتَمَرَ فِي رَمَضَانَ

(٣٥٤) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً.

رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رمضان مبارک میں ایک عمرہ کرنا ایک حج کے برابر ہے۔

حل عبارت: "تعدل" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی برابر ہونا لفظ عدل اسی سے مصدر ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاري: ١٨٦٣، ومسلم: ٣٠٣٨ (١٢٥٦)، وأبو داؤد: ١٩٨٨، ١٩٩٠، والترمذي: ٩٣٩، وابن ماجه: ٢٩٩١.

مفہوم: ماہ مقدس رمضان المبارک میں حرم شریف حاضری کا شوق بہت سے لوگوں میں دیکھا جاتا ہے اور الحمد للہ چند سالوں میں اس کا رجحان بہت بڑھ گیا ہے اور رمضان المبارک میں حرم شریف بالکل اسی طرح کھچا کھچ بھرا ہوتا ہے جیسے ایام حج میں۔

زیر تشریح حدیث پڑھ کر اس کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی کہ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟ بلکہ اگر اس کے ساتھ اسی موضوع کی دوسری روایات کو بھی ملا لیا جائے تو آتش شوق تیز تر ہو جائے، چنانچہ بعض روایات میں نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی منقول ہے کہ ماہ مقدس رمضان میں عمرہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی نے "میرے ساتھ حج" کرنے کی سعادت حاصل کی ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی عظیم فضیلت ہے جسے حاصل کرنے اور اس کی رحمتوں و برکتوں سے اپنے دامن کو مالا مال کرنے کا اشتیاق ہر شخص کو ہے اس لیے حج کے بعد بلکہ بعض حضرات کے مطابق حج سے بھی زیادہ بڑا اجتماع رمضان المبارک کی پرکیف ساعتوں میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ماہ مقدس رمضان میں اپنے در اور اپنے حبیب ﷺ کے در کی زیارت سے شاد کام فرمائے۔ آمین

(٣٥٥) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ عَلَى بَعِيرٍ أَوْرَقَ إِلَى سَوَادٍ يَقُودُ النَّاقَةَ الْقَصْوَى مُتَقَلِّدًا بِقَوْسٍ مُتَعَمِّمًا.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن قصواء اونٹنی پر ''جس کا رنگ سفیدی سے سیاہی کی طرف مائل تھا'' کمان لٹکائے ہوئے اور اونٹ کی پشم کا بنا ہوا سیاہ عمامہ باندھے ہوئے سوار تھے۔

حَلِّ عِبَارَتْ: ''ورق'' اونٹ پر جب اس لفظ کا اطلاق کیا جائے تو اس سے مراد سفید رنگ ہوتا ہے جو سیاہی کی طرف مائل ہو ''متقلدا'' باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی لٹکانا ''متعمما'' مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی عمامہ باندھنا۔

مَفْهُومٌ: بظاہر کتاب الحج کے ساتھ اس حدیث کی کوئی مناسبت نظر نہیں آتی کیونکہ فتح مکہ کا واقعہ ایام حج میں پیش نہیں آیا تھا اور نہ ہی اس میں ارکان حج میں سے کسی رکن کا ذکر موجود ہے جس کی وجہ سے کسی کے ذہن میں اس کی مناسبت کے حوالے سے خلجان پیدا ہو سکتا ہے سو اس کا حل یہ ہے کہ ہر حدیث کا ترجمۃ الباب سے صریح ربط ضروری نہیں ہوتا بلکہ معنوی اور ذوقی مناسبت بھی کافی ہوتی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں اس کی ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ گزشتہ حدیث میں ماہ رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے دوسرے لفظوں میں ماہ رمضان کا ایک عمل ذکر کیا گیا ہے اور زیر توضیح حدیث میں بھی رمضان ہی کا ایک دوسرا عمل ذکر کیا گیا ہے اس مناسبت کی وجہ سے اس کا کتاب الحج میں ذکر کرنا صحیح ہوا۔

نیز اس حدیث کو پڑھ کر کسی کے ذہن میں یہ خیال بھی نہیں آنا چاہیے کہ جس طرح رسول اکرم ﷺ حرم شریف میں تیر و کمان لٹکا کر کالا عمامہ باندھے ہوئے داخل ہوئے اور بعض مشرکین کو کیفر کردار تک پہنچانے کا حکم دیا اسی طرح آج بھی حرم شریف میں قتال جائز ہے؟

کیونکہ اس بات کی وضاحت خود جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمادی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کو ''حرم'' بنایا ہے اس لیے اس میں لڑائی جھگڑا اور قتل و قتال جائز نہیں ہے مجھے بھی صرف چند گھنٹوں کے لیے اس کی اجازت ملی تھی اور اب قیامت تک کے لیے یہاں قتل و قتال کو ممنوع قرار دیا جاتا ہے اور نہ صرف قتال کو بلکہ یہاں کے درختوں اور گھاس تک کو کاٹنے کی ممانعت کی جاتی ہے اس وضاحت کی موجودگی میں مذکورہ خیال کی مکمل تردید ہو جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ زِيَارَةِ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ

[۳۵۶] اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ تَاْتِيَ قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَتَجْعَلَ ظَهْرَكَ اِلَى الْقِبْلَةِ وَتَسْتَقْبِلَ الْقَبْرَ بِوَجْهِكَ ثُمَّ تَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کرنا

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ تم نبی ﷺ کی قبر مبارک پر قبلہ کی جانب سے حاضری دو اور اپنی پشت کو قبلہ کی طرف کر کے اپنے چہرے کو قبر مبارک کی طرف کر لو اور پھر یہ کہو "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

حل لغات: "قبل" بمعنی جانب طرف "استقبل" باب استفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی استقبال کرنا سامنے آنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ محمد فی الموطا وعبدالرزاق فی المصنف

فائدہ: جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ دعاء مانگی تھی کہ پروردگار! میری قبر پر میلے نہ لگوائیے گا اور میری قبر کو عرس گاہ نہ بنائیے گا' اس دعاء کی قبولیت ہی ہے کہ دنیا جہان کے بزرگوں کے مزارات پر طرح طرح کے چڑھاوے' اور بھانت بھانت کے نذرانے نچھاور کیے جاتے ہیں' حلوے اور حلیم کے دور چلتے ہیں' چرس اور بھنگ کے سوٹے لگتے ہیں اور شرعی کاموں کو چھوڑ کر تمام غیر شرعی کام کیے جاتے ہیں لیکن اس مزار مبارک پر کوئی غیر شرعی حرکت نہیں ہوتی' یہاں کوئی نذرانہ اور چڑھاوا نہیں چڑھانا پڑتا' یہاں کوئی پھولوں کی چادر نہیں چڑھائی جاتی' یہاں کسی حلوے مانڈے کی دکان نہیں چلتی' یہاں کسی مجاور پر نظر نہیں پڑتی۔

بلکہ یہاں تو صرف ایک ہی کام ہے اور وہ ہے عقیدت ومحبت کے آنسو نچھاور کرنا' والہانہ وارفتگی سے درود وسلام کا نذرانہ گزارنا' ادب واحترام کے ساتھ پلکوں کو جھکانا' اپنی آواز کو پست رکھنا اور ادب اور عشق کا حسین امتزاج پیش کرنا' لیکن اس کا کیا کیجئے کہ جب میں حرم مدنی میں داخل ہوتا ہوں تو مجھے مسجد نبوی سے زیادہ وہاں کے بازار آباد دکھائی دیتے ہیں' نبی پھر کر صلوٰۃ وسلام کا تحفہ پیش کرنے کا عزم ظاہر کرنے والے دکانوں کے دھکے کھاتے نظر آتے ہیں اور جو مسجد میں دکھائی بھی دیتے ہیں تو اس شان کے ساتھ کہ روضہ مبارکہ پر کھڑے ہو کر درود وسلام بھی پیش کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے موبائل فون پر بجنے والی کلاسیکل موسیقی والی ٹون سے جناب رسول اللہ ﷺ کو اذیت بھی پہنچا رہے ہیں۔

اس کیفیت کو دیکھ کر بعض اوقات میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور کئی لوگوں کو سمجھایا کہ اگر موبائل جیب میں رکھنا ہی ضروری ہے تو کم از کم حرم شریف کے اندر داخل ہونے سے پہلے اس کا گلا ہی گھونٹ دیا کریں تاکہ اس کی آواز تو نہ نکل سکے' ظاہر ہے کہ بہت سے لوگ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اس درخواست کو نکال کر ہوا میں اڑا دیتے ہیں' حالانکہ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ یہ مقام ادب ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص اس موقع پر صاحب روضہ ﷺ کا ادب نہیں کر سکا' خواہ وہ کتنا ہی مؤدب بنتا پھرے' اسے مؤدب قرار دینا لفظ ادب کی توہین ہوگی۔

کتاب النکاح

نکاح کے احکام

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُطْبَةِ النِّكَاحِ

(۴۵۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِاللهِ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ خُطْبَةَ الْحَاجَةِ يَعْنِي النِّكَاحِ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَسْتَهْدِيهِ مَنْ يَهْدِي اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقٰتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔

نکاح کا خطبہ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ حاجت یعنی خطبہ نکاح کی تعلیم بھی دی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں، اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے دے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا' اور ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم مسلمان ہونے کی حالت میں ہی مرنا اور اس اللہ سے ڈرو جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دے کر سوال کرتے ہو اور رشتہ داریوں کو توڑنے سے بچو' بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے، اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سچی بات کہو' اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا' اور جو شخص اللہ رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ عظیم کامیابی حاصل کرتا ہے۔

خلاصۂ تحقیق و حلِ لغات: "تساءلون" باب تفاعل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ایک دوسرے سے سوال کرنا "الارحام" ترکیب میں یہ مفعول بہ واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اصل عبارت یہ ہے "واتقوا

...والارحام ان تقطعوا" "یصلح" جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوگا۔

تخریج الحدیث: اسنادہ ضعیف، اخرجہ ابوداود: ۲۱۱۸، والترمذی: ۱۱۰۵، والنسائی: ۳۲۷۷، وابن ماجہ: ۱۸۹۲۔

فوائد: عبادات کی ایک قسم سے فارغ ہونے کے بعد یہاں سے عبادت کی دوسری قسم کو شروع کیا جا رہا ہے اور اس کی مناسبت صاف ظاہر ہے کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ عبادات انسان ادا کرتا ہے اور انسان اپنی نسل کی بقاء میں نکاح کا محتاج ہے، اگر نسل انسانی کی بقاء ہی معرض خطر میں پڑ جائے تو نماز روزہ کی ادائیگی کا تصور ہی ختم ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ اس باب کی پہلی حدیث میں ہی خطبہ نکاح کو خطبہ حاجت قرار دیا گیا ہے۔

البتہ نکاح کی نوعیت دوسری عبادات سے ذرا مختلف ہے کیونکہ نماز روزہ تو ہر انسان انفرادی طور پر خود ہی کرتا ہے، ہر انسان کا رکوع اکیلا ہی عمل شمار ہوتا ہے، ہر انسان کا سجدہ کسی دوسرے کے سجدے سے متصل ہوئے بغیر مکمل تصور کیا جاتا ہے اور ہر انسان اپنی زکوٰۃ خود ادا کر سکتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جب تک کوئی دوسرا شخص اس عبادت میں اس کے ساتھ شریک نہ ہو، اس کا تحقق اور قبولیت ہی نہ ہوگا، جبکہ نکاح کے لیے دو افراد کا ہونا ضروری ہے، جب تک مرد اور عورت مل کر اس عبادت کو سرانجام نہ دیں، یہ ادا نہیں ہو سکتی، اکیلا مرد نکاح نہیں کر سکتا اور اکیلی عورت کے لیے نکاح کرنا ناممکن ہے۔

پھر اگر ذرا اس حقیقت پر بھی نظر ڈالی جائے تو بات مزید واضح ہوتی ہے کہ اللہ نے ہر انسان کے جسم میں اپنی خواہشات کی تکمیل کے اسباب رکھے ہیں اور جسمانی خواہشات کی تسکین کو ہر انسان کا فطری اور جسمانی حق قرار دیا ہے اور اسے اس حق کی ادائیگی کا پابند بنایا، یہی وجہ ہے کہ تقریباً تمام انبیاء کرام ﷺ اور امت کے بہترین لوگ اس فطری نظام پر کاربند نظر آتے ہیں اور کوئی بھی اس نظام سے ہٹنے یا اس کے خلاف کوئی دوسرا نظام پیش کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔

اس لیے کہ جن معاشروں میں اس کا متبادل نظام لانے کی کوشش کی گئی ہے وہاں کے شہری کارڈ سے باپ کا نام درج ہونے والا خانہ ہی غائب ہو گیا، وہاں سے چچا، تایا، دادا، دادی، بھائی، بہن سب رشتے ناپید ہو گئے، وہاں انسانیت حیوانیت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب چکی ہے، زندگی معاشرتی طوفانوں کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھا رہی ہے لیکن کوئی خدا آگے بڑھ کر اسے نظام فطرت کے قریب لانے کی کوشش نہیں کرتا، اسی کا نتیجہ ہے کہ ایسے معاشروں میں آج کوئی شخص بھی اپنے سینے پر ہاتھ مار کر اپنے آپ کو کسی کا بیٹا اور کسی کو اپنا باپ ثابت نہیں کر سکتا، اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس خطبہ نکاح میں "جو سراسر خوشی کے موقع پر دیا جاتا ہے" تین دفعہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ انسان ہر آن اللہ کی طرف متوجہ رہے اور غیر متمدن معاشروں کی گندی تہذیب پر للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے کی بجائے اس نظام فطرت پر اللہ کا شکر گزار رہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَمْرِ بِالنِّكَاحِ

(۲۵۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَزَوَّجُوْا فَاِنِّیْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ

نکاح کا حکم

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا شادی کیا کرو کیونکہ میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں پر اپنی کثرت کے معاملے میں فخر کروں گا۔

فائدہ: کس قسم کی عورتوں سے شادی کرو؟ اس سوال کا جواب اگلی حدیث میں ملاحظہ فرمائیے۔

بَابُ الْحَثِّ عَلٰی نِكَاحِ الْاَبْكَارِ

(۲۵۹) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِیْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنْكِحُوا الْجَوَارِیَ الشَّوَابَّ فَاِنَّهُنَّ اَنْتَجُ اَرْحَامًا وَاَطْیَبُ اَفْوَاهًا وَاَعَزُّ اَخْلَاقًا.

کنواری لڑکیوں سے نکاح کی ترغیب کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کنواری لڑکیوں سے نکاح کیا کرو کیونکہ ان کا رحم مرد کے آب حیات کو زیادہ قبول کرتا ہے اور وہ خوشبودار منہ اور عمدہ اخلاق رکھتی ہیں۔

حل لغات: "تزوجوا" باب تفعل سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی نکاح کرنا "مکاثر" باب مفاعلہ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی کثرت میں مقابلہ کرنا "انکحوا" باب ضرب سے فعل امر معروف کا صیغہ مذکر حاضر ہے بمعنی نکاح کرنا "الجواری" جاریۃ کی جمع ہے بمعنی لڑکی "الشواب" شابۃ کی جمع ہے بمعنی نوجوان "انتج" نتیجہ دے ہے مراد اولاد دے ہے کیونکہ وہ بھی زوجین کے ملاپ کا نتیجہ ہوتی ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجه ابوداؤد: ۲۰۵۰، والنسائی: ۳۲۲۹، وابن ماجه: ۱۸۶۳، واحمد: ۳/۱۵۸۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن ماجه: ۱۸۶۱۔

مفہوم: اس حقیقت کو یہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ نکاح کا مقصد محض شہوت رانی اور ہر وقت کی عیاشی نہیں ہے بلکہ اپنی جسمانی ضروریات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ نکاح کے اور بھی بہت سے عظیم مقاصد ہیں مثلاً معاشرے سے گندگی اور غلاظت کی فضاء کو دور کر کے پاکیزگی اور بھلائی کی بنیاد پر ایک صالح معاشرے کا قیام توالد وتناسل کے ذریعے امت مسلمہ کو نیک و صالح افراد جو ملک و ملت کی خدمت سر انجام دے کر اپنے والدین کا نام روشن کر سکیں، مہیا کرنا خاندانوں اور

قبیلوں میں باہمی محبت و مروت کے تعلقات کا فروغ اور امت مسلمہ کی طاغوتی طاقتوں اور قوموں کے مقابلے میں عددی برتری وغیرہ۔

غور کر کے دیکھا جائے تو یہ مقاصد معمولی نہیں اور ان غیر معمولی مقاصد کے حصول کے لیے جو نظام شریعت مطہرہ کی طرف سے دیا گیا ہے' وہ بھی معمولی نہیں بلکہ اس میں بھی انسانی فطرت کے تمام تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اگر ایک طرف دیندار عورت کے انتخاب کی ترغیب دی گئی ہے تو دوسری طرف نوجوان نسل کے جذبات کو بالکل مجروح کر کے مطلقہ اور بیوہ عورتوں سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا' بلکہ بخاری شریف کی ایک روایت میں تو یہاں تک آتا ہے کہ حضرت جابرؓ" جو ایک نوجوان صحابی تھے" ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہمرکاب تھے' واپسی پر جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو نبی ﷺ سے جلدی جانے کی اجازت مانگی' نبی ﷺ نے وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے اس لیے بیوی کو خوش کرنا چاہتا ہوں' پوچھا کنواری سے شادی کی یا شوہر دیدہ سے؟ عرض کیا شوہر دیدہ سے' فرمایا:

فهلا بكرا؟ تلاعبها وتلاعبك

"باکرہ سے شادی کیوں نہیں کی کہ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔"

آپ یہ نہ سمجھئے! کہ مطلقہ یا بیوہ سے شادی کرنا گناہ ہے' بلکہ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جوانی کے جذبات کو شریعت نے بالکل مرجھائے ہوئے پھول کی طرح مسل کر پھینکنے کی بجائے ان کی قدر کی ہے اور یوں بھی جب "کفو" کا مسئلہ آتا ہے تو اس میں اس چیز کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے' اسی لیے ایک پیر فرتوت اور قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے بڈھے کو کسی نوجوان لڑکی کی زندگی برباد کر دینے کی اجازت نہیں دی جاتی' تاکہ "ملاعبت" کا وہ حقیقی لطف جو مرد و عورت ایک دوسرے سے حاصل کرنا چاہتے ہیں' برقرار رہ سکے۔

بَابٌ لَا يَتَزَوَّجَنَّ اَحَدٌ خَمْسًا

(۱۳۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَخْبَرَنِيْ شَيْخٌ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهُ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَهُ هَلْ تَزَوَّجْتَ قَالَ لَا قَالَ تَزَوَّجْ تَسْتَعِفَّ مَعَ عِفَّتِكَ وَلَا تَزَوَّجَنَّ خَمْسًا قَالَ مَا هُنَّ قَالَ لَا تَزَوَّجَنَّ شَهْبَرَةً وَلَا نَهْبَرَةً وَلَا لَهْبَرَةً وَلَا هَيْدَرَةً وَلَا لَفُوْتًا قَالَ زَيْدٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا اَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا قُلْتَ فَقَالَ بَلٰى اَمَّا الشَّهْبَرَةُ فَالزَّرْقَاءُ الْبَذِيَّةُ وَاَمَّا النَّهْبَرَةُ فَالطَّوِيْلَةُ الْمَهْزُوْلَةُ وَاَمَّا اللَّهْبَرَةُ فَالْعَجُوْزُ الْمُدْبِرَةُ وَاَمَّا الْهَيْدَرَةُ فَالْقَصِيْرَةُ الذَّمِيْمَةُ وَاَمَّا اللَّفُوْتُ فَذَاتُ الْوَلَدِ مِنْ غَيْرِكَ قَالَ الشَّيْبَانِيُّ ضَحِكَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ مِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ طَوِيْلًا۔

کوئی شخص پانچ قسم کی عورتوں سے نکاح نہ کرے

ترجمہ: ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ مجھے مدینہ منورہ کے ایک شیخ نے بتایا کہ حضرت زید بن ثابتؓ ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' نبی ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے شادی کر لی؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں' فرمایا: شادی کر لو تاکہ تمہاری عفت و عصمت محفوظ ہو جائے' لیکن پانچ قسم کی عورتوں سے شادی نہ کرنا' عرض کیا کہ وہ کون سی ہیں؟ فرمایا کہ ایسی عورت سے شادی نہ کرنا جو شہبرہ ہو یا نہبرہ ہو یا لہبرہ ہو یا ہیدرہ ہو یا لفوت ہو۔

حضرت زیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو ان میں سے کسی کو نہیں جانتا' فرمایا اچھا! شہبرہ تو اس عورت کو کہتے ہیں جو کربہ چشم ہو اور بھاری جسم ہو' نہبرہ اس عورت کو کہتے ہیں جو لمبی اور لاغر ہو' لہبرہ اس عورت کو کہتے ہیں جو بڑھیا ہو اور پیٹھ پھیرنے والی ہو' ہیدرہ اس عورت کو کہتے ہیں جو ٹھگنی اور بدشکل ہو اور لفوت اس عورت کو کہتے ہیں جو تم سے علاوہ کسی اور شخص کی اولاد رکھتی ہو' شیبانی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بیان کر کے امام صاحبؒ دیر تک مسکراتے رہے۔

فائدہ: اگلی روایت بھی بیوی کا انتخاب کرنے کا اصول واضح کرتی ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَتَزَوَّجْ عَنِ الْحَسْنَاءِ الْعَاقِرِ

(٢٦٦) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ عَنْ رَجُلٍ شَامِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتَزَوَّجُ فُلَانَةَ فَنَهَاهُ عَنْهَا ثُمَّ أَتَاهُ أَيْضًا فَنَهَاهُ عَنْهَا ثُمَّ أَتَاهُ فَنَهَاهُ عَنْهَا ثُمَّ قَالَ سَوْدَاءُ وَلُودٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ حَسْنَاءَ عَاقِرٍ۔

خوبصورت مگر بانجھ عورت سے نکاح نہ کرنے کا بیان

ترجمہ: ایک شامی صحابی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میں فلاں عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں' نبی ﷺ نے اسے منع کر دیا' کچھ عرصے کے بعد وہ دوبارہ آیا' نبی ﷺ نے اسے پھر منع کر دیا' تیسری مرتبہ منع کرنے کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: میرے نزدیک ایک بانجھ عورت سے خواہ وہ خوبصورت ہی ہو شادی کرنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ انسان ایسی عورت سے شادی کر لے جو اگرچہ رنگت میں کالی ہو لیکن اولاد کا ذریعہ بن سکے۔

حَلِّ لُغَات: "تستعف" باب استفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی عفت طلب کرنا۔ "ولود" فعول کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی کثرت سے اولاد پیدا کرنے والی۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ البیہقی' والسیوطی' کما فی الجامع' والحارثی: ٤٨٩۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ الہندی ٤٤٤٢٧' والبیہقی ٤/٢٥٨' وابن ماجہ مختصرا ١٨٥٩۔

مفہوم: اس حدیث کی وضاحت سے قبل یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ ان روایات میں کئی

لغات عبارت: "الشوم" بمعنی نحوست "جموحا" بمعنی سرکش۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٢٨٥٨، ومسلم: ٥٨٠٧ [٢٢٢٥]، وابوداؤد: ٣٩٢٢، ونسائی: ٣٥٩٨، وابن ماجه: ١٩٩٤

مفہوم: عام طور پر گاؤں دیہاتوں اور پنڈوں میں چھوت چھات اور توہمات کی اتنی زیادہ صورتیں مروج ہوتی ہیں کہ انہیں شمار کرنا آسان نہیں ہوتا، شہروں اور متمدن آبادیوں میں بسنے والے انسان بھی ان توہمات سے پیچھا اب تک نہیں چھڑا سکے، کسی یتیم بچے کے گھر میں آنے پر کوئی نقصان ہو جائے تو وہ منحوس، کسی لڑکی کے گھر میں بہو بن کر آنے پر سسرالی رشتہ داروں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو وہ منحوس، ٹریفک حادثے کا شکار ہو جائے تو صبح سب سے پہلے دکھائی دینے والا شخص منحوس، کاروبار میں خسارہ ہو جائے تو وہ پیشہ منحوس، بیٹی کو جنم دے کر ماں فوت ہو جائے تو وہ بچی منحوس، اولاد ہو جانے سے ضروریات زندگی میں تنگی پیدا ہو جائے تو وہ منحوس۔

غرضیکہ ہمارے بنائے ہوئے ناموں کے مطابق "منحوسیت" کا ایک طوفان ہے جو کسی کے تھامے نہیں تھمتا اور ایک ایسا سیلاب ہے جسے دنیا کا کوئی بند روک نہیں سکتا، لیکن اگر ہم اسلام کے سائبان رحمت تلے آ جائیں تو یہاں ہمیں "نحوست" نام کی کوئی چیز نہیں ملے گی، یہاں ہمیں صرف رحمت، ہمدردی، خوش نصیبی اور خوش قسمتی ہی ملے گی جو ہماری زندگی کی تمام نحوستوں کو بھی دھو کر صاف کر دے گی۔

نحوست کا یہ تصور جو زیر نظر سطور نے ذکر کیا کم و بیش یہی تصور اہل عرب میں بھی موجود تھا، ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو ان فاسد اور بے بنیاد خیالات کی اصلاح کرنا تھی اس لیے فرما دیا کہ اسلام کے نظریہ حیات اور اصول زندگانی کے مطابق تو کوئی چیز اپنی ذات کے اعتبار سے منحوس ہوتی ہی نہیں ہے، اگر کسی چیز میں نحوست ہو سکتی تو وہ ان تین چیزوں میں ہوتی، لیکن جب ان تین چیزوں میں ہی نحوست نہیں ہے تو پھر کسی چیز میں بھی نہیں ہو سکتی۔

۱۔ گھر میں نحوست، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ گھر کی نحوست یہ ہے کہ وہاں کوئی مر جائے، گھر خریدتے ہی کوئی حادثہ ہو جائے، گھر میں رہائش اختیار کرتے ہی کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو یہ خیال صحیح نہیں ہے، ہاں! اگر تم کسی چیز کو گھر کے حوالے سے منحوس سمجھنا ضروری خیال کرتے ہو تو وہ ضروریات کے لیے ناکافی ہونا ہے، باقی کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جانا سو اس کا تعلق نحوست کے ساتھ نہیں ہے۔

۲۔ گھوڑے میں نحوست، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ سواری کی نحوست یہ ہے کہ اسے خریدتے ہی ایکسیڈنٹ ہو جائے، خریدتے ہی وہ چوری ہو جائے، اسے خریدتے ہی اس کی ہیئت خراب ہو جائے تو یہ خیال صحیح نہیں ہے، اگر تم کسی چیز کو سواری کے حوالے سے منحوس سمجھنا ہی ضروری خیال کرتے ہو تو وہ اس کا تمہارے قابو میں نہ آنا ہے، جب تم اسے منحوس نہیں سمجھتے تو پھر کوئی اور چیز بھی منحوس نہیں ہو سکتی۔

الکبریٰ: ۱۳۷۳۹'۱۲'ومصنف: ۹۹۹۲۱'وابن عدی: ۲۵۷'وعلل ابن ابی حاتم: ۱۱۶۸۔

خُلاصۂ کلام: مال و دولت اور مفادات کے حریصوں کو نکال کر والدین کی اکثریت اس بات کی خواہش رکھتی ہے کہ ان کی اولاد جب کسی دوسرے کی طرف منسوب ہو تو اسے کسی قسم کی شرمندگی نہ ہو' وہ اولاد کو اپنے والدین کے انتخاب پر پچھتانا نہ ہو اور اسے سکھی زندگی میسر آئے' اس سلسلے میں والدین بعض اوقات ایسے رشتے مسترد کر دیتے ہیں جن میں بظاہر کوئی عیب نہیں ہوتا اور وہ اس کی اولاد کے حق میں اچھے ثابت ہو سکتے ہیں' جس پر اولاد کو فطری طور پر رنج بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات والدین کسی ایسے رشتے کو قبول کر لیتے ہیں جس میں بظاہر کوئی خوبی نہیں ہوتی' لیکن ان کی دوررس نگاہوں کے اثرات سامنے آنے پر اولاد کو بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ شریعت نے اولاد کے احساسات و جذبات کو بھی مدنظر رکھا ہے اور والدین کو ان کی مرضی معلوم کر لینے کی ترغیب بھی دی ہے' گو کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اولاد کی رضا مندی کے لیے صریح الفاظ استعمال کیے جائیں' اشاروں اور کنایوں اور غیر محسوس طریقوں کے ذریعے بھی اس کا پتہ چلایا جا سکتا ہے جیسا کہ زیر بحث حدیث میں مذکور ہے' کیونکہ شریعت اس حقیقت کو فراموش نہیں کرتی جو انسانی جذبات کی عکاسی ہوتی ہے اور آخر اوقات انسان کی زبان سے الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ زندگی ہم نے گزارنی ہے' ہمارے والدین نے تھوڑی گزارنی ہے۔

اس سے پہلے کہ جذبات کو زبان ملے' شریعت نے پہلے ہی اس کا راستہ بند کر دیا' بالخصوص صنف نازک کے لیے کہ ان معاملات میں اس کا اپنے جذبات کا اظہار کرنا نسوانی حیا اور شرم کے منافی سمجھتا ہے اور خاندانی نظام زندگی میں اب بھی لڑکی اپنے والدین کی رضا پر راضی ہو جاتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت نے اولاد کی مرضی کا خیال رکھنے کی ترغیب بھی دے دی اور اولاد' بالخصوص لڑکی کے منہ میں زبان آنے کے سو رستے راستے بھی بند کر دیئے' یہ شریعت ہی کا حسین امتزاج ہے جو کسی دوسرے دین و مذہب میں تلاش کرنا بھی کار عبث ہے۔ واللہ اعلم

(۲۶۵) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ عَائِشَةَ زَوَّجَتْ يَتِيْمَةً كَانَتْ عِنْدَهَا فَجَهَّزَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ عِنْدِهٖ۔

ترجمہ: حضرت جابر﷜ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ﷞ نے اپنی طرف سے ایک یتیم بچی کا نکاح کروایا' تو نبی ﷺ نے اسے اپنے پاس سے جہیز عطاء فرمایا۔

حَلِّ عِبَارَت: "یتیمة" ترکیب میں موصوف واقع ہو رہا ہے جس کی صفت "کانت عندھا" ہے' "فجھزھا" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی سامان تیار کرنا' مراد جہیز دینا ہے۔

نکاح نہ کیا جائے اور اس کی خاموشی رضامندی ہی ہے اور ثیبہ سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کیا جائے۔

فائدہ: اگلی روایت اسی کی وضاحت ہے۔

(٢٦٧) أَبُو حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا ثُمَّ جَاءَ عَمُّ وَلَدِهَا فَخَطَبَهَا فَأَبَى الْأَبُ أَنْ يُزَوِّجَهَا وَزَوَّجَهَا مِنَ الْآخَرِ فَأَتَتِ الْمَرْأَةُ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ فَبَعَثَ إِلٰى أَبِيْهَا فَحَضَرَ فَقَالَ مَا تَقُوْلُ هٰذِهِ قَالَ صَدَقَتْ وَلٰكِنِّيْ زَوَّجْتُهَا مِمَّنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَزَوَّجَهَا عَمَّ وَلَدِهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أَسْمَاءَ خَطَبَهَا عَمُّ وَلَدِهَا وَرَجُلٌ آخَرُ إِلٰى أَبِيْهَا فَزَوَّجَهَا مِنَ الرَّجُلِ فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَشَكَتْ ذٰلِكَ إِلَيْهِ فَنَزَعَهَا مِنَ الرَّجُلِ وَزَوَّجَهَا عَمَّ وَلَدِهَا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ أَنَّ امْرَأَةً تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا فَخَطَبَهَا عَمُّ وَلَدِهَا فَزَوَّجَهَا أَبُوْهَا بِغَيْرِ رِضَاهَا مِنْ رَجُلٍ آخَرَ فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ قَالَ أَزَوَّجْتَهَا بِغَيْرِ رِضَاهَا قَالَ زَوَّجْتُهَا مِمَّنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ فَفَرَّقَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهَا وَبَيْنَ زَوْجِهَا وَزَوَّجَهَا مِنْ عَمِّ وَلَدِهَا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ أَنَّ امْرَأَةً تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَلَهَا مِنْهُ وَلَدٌ فَخَطَبَهَا عَمُّ وَلَدِهَا إِلٰى أَبِيْهَا فَقَالَتْ زَوِّجْنِيْهِ فَأَبٰى وَزَوَّجَهَا مِنْ غَيْرِهِ بِغَيْرِ رِضًى مِنْهَا فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ فَسَأَلَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ نَعَمْ زَوَّجْتُهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْ عَمِّ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَزَوَّجَهَا مِنْ عَمِّ وَلَدِهَا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت کا شوہر فوت ہو گیا، اس کے چچا زاد بھائی نے آ کر اسے نکاح کا پیغام دیا لیکن اس عورت کے باپ نے اس رشتے سے انکار کر دیا اور اپنی بیٹی کا نکاح دوسری جگہ کر دیا، وہ عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ ذکر کر دیا، نبی ﷺ نے اس کے والد کو بلایا جب وہ آ گیا تو فرمایا کہ یہ کیا کہہ رہی ہے؟ اس نے کہا کہ یہ سچ کہتی ہے لیکن میں نے اس کا نکاح اس شخص سے کیا ہے جو اس کے کزن سے زیادہ بہتر ہے، نبی ﷺ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دی اور اس کا نکاح اس کے کزن سے کرا دیا۔

حل لغات الحدیث: "تستامر" باب استفعال سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی طلب امر "توفی" باب تفعل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی فوت ہو جانا "فخطبها" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پیغام نکاح بھیجنا "ففرق" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی تفریق کرانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري: ٥١٣٦، ومسلم: ٣٤٧٢ (١٤١٩)، وابوداؤد: ٢٠٩٢، والترمذي: ١١٠٧، والنسائي: ٣٢٦٧، وابن ماجه: ١٨٧١۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ النسائی مطولاً ۳۲۶۰ وابوداود ۲۰۹۶ وابن ماجہ ۱۸۷۵ والدارقطنی ۳/۲۳۴۔

فائدہ: شریعت کا یہ اصول ہے کہ کنواری لڑکی سے شادی کے موقع پر رضامندی حاصل کر لی جائے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر رضامندی معلوم کرتے وقت وہ خاموشی اختیار کر لے تو اسے اس کی رضامندی پر محمول کیا جائے گا اور اس کا نکاح کر دیا جائے گا اور شوہر دیدہ عورت کا جب دوسرا نکاح کیا جائے تو اس کی رضامندی کا اظہار صرف خاموشی سے نہیں ہوگا بلکہ اسے گواہوں کے سامنے اپنی زبان سے اظہار رضامندی کرنا ہوگا، شاید یہی وجہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں باکرہ کے لیے استیمار اور ثیبہ کے لیے استیذان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اسلام پر زبان طعن دراز کرنے والے کہتے ہیں کہ لڑکا اور لڑکی کو زبردستی ایک دوسرے کے پلے باندھ دیا جاتا ہے ان سے ان کی مرضی پوچھی تک نہیں جاتی اور محض اپنی مرضی ہی ان پر مسلط کرنا مردانگی سمجھا جاتا ہے کیا ایسے لوگ اپنے اختراعی اور خود ساختہ قوانین میں ایسی لچک دکھا سکتے ہیں جس سے عورت کی فطری شرم و حیاء کا پردہ بھی تار تار ہونے سے بچ جائے اور اس کا مستقبل بھی برباد ہونے سے بچ جائے؟ یقیناً وہ ایسی لچک نہیں دکھا سکتے اور انہیں دو میں سے کسی ایک چیز سے ہاتھ دھونا پڑیں گے چونکہ ان کے لیے نسوانی شرم و حیاء ایک ایسا نامانوس لفظ بن چکا ہے جو ان کی لغت اور ڈکشنری سے بھی خارج ہو چکا اس لیے وہ اس سے محروم ہو گئے یہی وجہ ہے کہ ان کی خواتین "بے حیا" ہو چکیں۔

جبکہ اسلام دولت شرم و حیاء کی حفاظت بھی کرتا ہے اور عورت کے مستقبل کو بھی محفوظ کرتا ہے، صرف زبانی کلامی حد تک نہیں، بلکہ موقع پر والدین کے فیصلے کے خلاف لڑکی کی خواہش اور مرضی کو پورا کرتا ہے اور والدین کے کیے ہوئے نکاح کو فسخ اور کالعدم قرار دے کر از سر نو نکاح کرا دیتا ہے جیسا کہ زیر بحث حدیث میں ہے۔

بَابُ لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَخَالَتِهَا

(۲۳۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تُزَوَّجُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَخَالَتِهَا۔

عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی یا خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ کو اپنے نکاح میں رکھ کر نکاح نہ کیا جائے (دونوں کو جمع نہ کیا جائے)

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۳۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تُنْكَحُ

الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا عَلَى خَالَتِهَا وَلَا تُنْكَحُ الْكُبْرَى عَلَى الصُّغْرَى وَلَا الصُّغْرَى عَلَى الْكُبْرَى۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ کو اپنے نکاح میں رکھ کر نکاح کیا جائے' اور چھوٹی کی موجودگی میں بڑی سے نکاح نہ کیا جائے اور بڑی کی موجودگی میں چھوٹی سے نکاح نہ کیا جائے۔

حل لغات: "علی عمتھا" : ای مع وجود عمتھا فی النکاح" گویا "علی" کو "مع" کے معنی میں لیا جائے اور "لا تنکح" کو "لا تجمع" کے معنی میں مراد لینا چاہیے تاکہ عبارت کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۵۱۰۸' ومسلم: ۳۴۴۰ (۱۴۰۸) وابوداؤد: ۲۰۶۵' والترمذی: ۱۱۲۶' والنسائی: ۳۲۹۷' وابن ماجہ: ۱۹۲۹۔

مفہوم: اس حدیث میں دو حکم دیے گئے ہیں۔

۱۔ایک شخص ایک ہی وقت میں پھوپھی اور اس کی بھتیجی کو اپنے نکاح میں جمع نہیں کر سکتا' اسی طرح کسی کے لیے یہ بھی حلال نہیں ہے کہ وہ خالہ اور اس کی بھانجی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھے یعنی اگر پھوپھی یا خالہ سے نکاح کیا ہے تو اس کی بھتیجی یا بھانجی سے نکاح نہ کرے الا یہ کہ انہیں طلاق دے دے یا وہ فوت ہو جائیں اور اگر بھتیجی یا بھانجی سے نکاح کیا ہے تو ان کی پھوپھی یا خالہ سے نکاح نہ کرے الا یہ کہ انہیں طلاق دے دے یا وہ فوت ہو جائیں' ظاہر ہے کہ یہاں نکاح کرنے والے کی پھوپھی' خالہ' بھتیجی اور بھانجی مراد نہیں بلکہ ان عورتوں کی آپس میں رشتہ داری مراد ہے۔

۲۔ایک شخص ایک ہی وقت میں چھوٹی اور بڑی کو اپنے نکاح میں جمع نہیں کر سکتا' اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔

(الف) کبریٰ سے مراد رشتہ میں بڑی ہے مثلاً پھوپھی اور خالہ' اور صغریٰ سے مراد رشتہ میں چھوٹی ہے مثلاً بھتیجی یا بھانجی' اس صورت میں یہ پہلے جملے کے لیے عطف تفسیر واقع ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی شخص کے نکاح میں ایسی عورت ہو جو رشتے میں چھوٹی ہو تو اسی کے خاندان میں کسی ایسی عورت سے شادی کرنا جائز نہیں ہے جو رشتے میں اس سے بڑی ہو یا اس کے برعکس۔

(ب) کبریٰ سے مراد عمر میں بڑی ہے مثلاً بڑی بہن اور صغریٰ سے مراد عمر میں چھوٹی ہے مثلاً چھوٹی بہن' اس صورت میں یہ جملہ پہلے جملے سے مغایر ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ بڑی بہن کی موجودگی میں اس کی چھوٹی بہن سے نکاح نہ کیا جائے اور چھوٹی بہن کی موجودگی میں بڑی بہن سے نکاح نہ کیا جائے' میرے نزدیک یہ دوسرا معنی زیادہ راجح ہے تاکہ دونوں جملوں سے دو الگ الگ حکم مستنبط ہو سکیں۔

اس مضمون کی احادیث کو سامنے رکھ کر فقہاء نے یہ اصول وضع کر لیا ہے کہ کسی شخص کے لیے بھی ایسی دو عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنا جائز نہیں ہے کہ ان دو میں سے اگر کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح نہ ہو سکے۔

اور اس ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب اتنی قرابت کا رشتہ رکھنے والی دو عورتیں آپس میں سوکن بنیں گی تو سوکن کی فطرت سے مجبور ہو کر ان کے درمیان ہر وقت خانہ جنگی رہے گی جس سے ان کی یہ قریبی رشتہ داری تو خطرے میں پڑے گی ہی پرانی رشتہ داری بھی ختم ہو جائے گی اور قربتیں دوریوں میں، محبتیں نفرتوں میں اور تعلقات خانہ جنگیوں میں تبدیل ہو جائیں گے جیسا کہ مشاہدہ گواہ ہے اس لیے اس کی جڑ بنیاد ہی کو ختم کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ حُرْمَةِ الْمُتْعَةِ

(۴۷۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ۔

متعہ کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔

(۴۷۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنِ الْمُتْعَةِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے دن متعہ سے منع فرما دیا۔

(۴۷۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔

(۴۷۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اٰلِ سَبْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَامَ الْفَتْحِ۔

ترجمہ: آل سبرہ کے ایک صحابی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں سے متعہ کرنے کی ممانعت فتح مکہ کے دن یا فتح مکہ کے سال فرمائی۔

(۴۷۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ رَبِيْعِ بْنِ سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ عَامَ الْفَتْحِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ الْفَتْحِ۔

ترجمہ: حضرت سبرہ جہنیؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں سے متعہ کرنے کی ممانعت فتح مکہ کے دن یا حجۃ الوداع

کے سال فرمائی۔

(۴۷۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَامَ غَزْوَةِ خَيْبَرَ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَعَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے غزوۂ خیبر کے سال پالتو گدھوں کے گوشت اور عورتوں سے متعہ کرنے کو ممنوع قرار دے دیا۔

تخریج حدیث **اول و ثانی و ثالث**: اخرجه مسلم: ۳۴۲۶ (۱۴۰۶) وابوداود: ۲۰۷۳

تخریج حدیث **رابع و خامس**: اخرجه مسلم: ۳۴۲۷ (۱۴۰۶)

تخریج حدیث **سادس**: اخرجه البخاري: ۵۱۱۵ ومسلم: ۳۴۳۱ (۱۴۰۷) والترمذي: ۱۱۲۱ والنسائي: ۳۳۶۸ وابن ماجه: ۱۹۶۱۔

مفہوم: نکاح متعہ ایک ایسا موضوع ہے جس کے اثبات و تردید پر ہر زمانے میں مستقل کتب و رسائل اور آرٹیکلز لکھے گئے ہیں اور ہر زمانے میں اس کی مخالفت و حمایت کا سلسلہ جاری رہا ہے، بعض لوگ اسے عبادت قرار دیتے ہیں اور اکثریت اسے بغاوت کا نام دیتی ہے، عبادت قرار دینے والے نظریہ ضرورت سے استفادہ کرتے ہیں اور بغاوت قرار دینے والے اسے معاشرہ کا ناسور سمجھتے ہیں جو پورے معاشرے کو گندگی اور غلاظت کا گڑھ بنا دیتا ہے، جو پورے معاشرے کو جسمانی آزادی کی گندگی سے متعفن کر دیتا ہے اور جو کسی طور پر بھی اقوام مغرب کے طریقۂ زندگی سے مختلف نہیں ہے، اس لیے کہ متعہ بھی عارضی نکاح کو کہتے ہیں اور مغرب میں بھی مرد و عورت کے تعلقات اکثر عارضی ہی ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب ان کے یہاں کسی کی شادی کو خیریت سے دو سال گزر جائیں تو لوگ دریافت کرنے کے لیے آتے ہیں کہ میاں بیوی کا دماغ تو صحیح ہے؟ تین چار سال گزر جانے پر حیرانگی کا اظہار کرتے ہیں اور آٹھ دس سال گزر جانے پر جشن مناتے ہیں جبکہ ہمارے یہاں عورت پوری زندگی اپنے شوہر پر نچھاور کر دیتی ہے اور آخر دم تک اس کی خدمت دل و جان سے کرتی رہتی ہے۔

ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو نکاح کے جو عظیم مقاصد شریعت اسلامیہ کے پیش نظر ہیں اور جن میں سے چند ایک کا ذکر پیچھے بھی گزرا، کیا متعہ کے ذریعے ان میں سے کسی ایک مقصد کو بھی حاصل کیا جا سکتا ہے؟ یقیناً نہیں، اور اس سے بھی زیادہ واضح اور عقل کی بات یہ ہے کہ اگر آپ متعہ کی پر زور حمایت اور تبلیغ کرنے والوں میں سے کسی شخص سے یہ کہیں کہ بھائی! متعہ کرنا بہت ثواب کا کام ہے، میں آپ کی بہن یا بیٹی کے ذریعے اس ثواب عظیم کو حاصل کرنا چاہتا ہوں؟ میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ آپ سے لڑنے مرنے کو تیار ہو جائے گا، اس کے برعکس اگر آپ کسی سے یہ کہیں کہ میں آپ کی بہن یا بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں تو اگر وہ اس رشتہ کو پسند نہ بھی کرے تو سہولت سے بات کو ٹال

رہی یہ بات کہ حرمت متعہ کا اعلان کب کیا گیا؟ اور اس کے لیے کون سی جگہ کا انتخاب کیا گیا؟ تو روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ مختلف جگہوں میں سے کسی ایک جگہ پر یہ اعلان کیا گیا۔

۱۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر ۲۔ عمرۃ القضاء کے موقع پر ۳۔ فتح مکہ کے موقع پر
۴۔ غزوۂ اوطاس کے موقع پر ۵۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر ۶۔ حجۃ الوداع کے موقع پر

جن روایات سے غزوۂ خیبر کے موقع پر حرمت متعہ کا اعلان ثابت ہوتا ہے، سنداً وہ صحیح بھی ہیں اور تعداد میں زیادہ بھی ہیں، جن روایات سے عمرۃ القضاء کے موقع پر اس اعلان کا ثبوت ملتا ہے، سنداً ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ غزوۂ خیبر اور عمرۃ القضاء دونوں واقعات ایک ہی سال میں ہوئے تھے اس لیے بعض راویوں نے اسے غزوۂ خیبر سے تعبیر کر دیا اور بعض نے عمرۃ القضاء سے، جن روایات میں فتح مکہ کا ذکر آتا ہے وہ سنداً صحیح ہیں، جن روایات میں غزوۂ اوطاس کا ذکر آتا ہے، ان سے غزوۂ اوطاس تحقیقی طور پر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان میں "عام اوطاس" کا لفظ آتا ہے اور "عام اوطاس" وہی سال ہے جس میں مکہ مکرمہ فتح ہوا، اس لیے ان روایات کو بھی ۸ھ پر ہی محمول کیا جائے گا۔

جن روایات میں غزوۂ تبوک کا ذکر آتا ہے، ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے غزوۂ تبوک کے موقع پر متعہ کیا ہو اور جن روایات میں حجۃ الوداع کا ذکر آتا ہے، ان کا مرکزی راوی ربیع بن سبرہ ہے جس سے اس موضوع کی مختلف روایات اس کے شاگردوں نے نقل کی ہیں جس سے اس کی کوئی روایت بھی قابل اعتماد نہیں رہتی اور درایۃً بھی یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابن عباسؓ کبھی بھی جواز متعہ کا فتویٰ نہ دیتے اس لیے کہ اس موقع پر وہ نبی ﷺ کے ہمراہ تھے، اب اگر نبی ﷺ نے اس موقع پر اعلان کیا ہوتا تو یقیناً انہیں معلوم ہوتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع والی روایات پر تو اعتماد نہیں کیا جا سکتا، غزوۂ خیبر اور عمرۃ القضاء والی روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں، اسی طرح فتح مکہ اور عام اوطاس میں بھی کوئی فرق نہیں، گویا حرمت متعہ کا اعلان ۷ھ یا ۸ھ میں ہوا ہے، ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے بھی کسی ایک کو ترجیح دینا ہوگی تاکہ مسئلہ بالکل واضح ہو جائے، سو اس سلسلے میں علماء کرام کی دو رائے ہیں۔

۱۔ بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ حرمت متعہ کا اعلان ۷ھ میں کیا گیا تھا، بعد میں اس کی اہمیت مزید واضح کرنے کے لیے ۸ھ میں دوبارہ اعلان کیا گیا تاکہ اس کی حرمت اچھی طرح لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہو جائے۔

۲۔ بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ پہلے ۷ھ میں حرمت متعہ کا اعلان کیا گیا، پھر ۸ھ میں تین دن کے لیے اس کی حرمت ختم کر دی گئی اور اس کے بعد اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا گیا، امام نوویؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی رائے بھی یہی ہے لیکن اس کے لیے ان کا طرز بیان ہماری نظر میں محتاط ہے، چنانچہ حافظ نے امام نوویؒ کا قول نقل کیا ہے۔

"الصواب ان تحريمها و اباحتها وقعا مرتين" ثم (فتح: النكاح، باب ۳۲)

یعنی اباحت متعہ بھی دو مرتبہ ہوئی اور تحریم متعہ بھی دو مرتبہ ہوئی' جبکہ ہماری رائے یہ ہے کہ اباحت متعہ دو دفعہ ہونے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے' بلکہ اصل بات یہ ہے کہ غزوہ سے پہلے حرمت متعہ کا اعلان نہیں کیا گیا تھا' یہ مطلب نہیں کہ غزوہ سے پہلے سے حلال قرار دیا گیا تھا اس لیے کہ غزوہ کو حلال قرار دینا چہ معنی دارد؟ یہ ایسے ہی ہے جیسے حرمت شراب کہ آیت تحریم نازل ہونے سے پہلے اس کے حرام ہونے کا اعلان نہیں کیا گیا تھا' یہ مطلب نہیں کہ نزول آیت تحریم سے قبل اسے حلال قرار دیا گیا تھا اگر یہ چیزیں حلال ہوتیں تو نبی ﷺ یا اولوالعزم صحابہ میں سے کسی ایک کے حوالے سے تو اس کا ثبوت ملتا' بالخصوص متعہ کے حوالے سے تو تاریخ اور سیرت کی کتابوں سے یہ ثابت کیا ہی نہیں کیا جا سکتا کہ فلاں صحابی متعہ کرتے تھے' یا فلاں صحابی نے فلاں خاتون سے متعہ کر رکھا تھا۔

فائدہ: متعہ کے حوالے سے گفتگو ذرا تھوڑی سی لمبی ہو گئی' لیکن ضرورت کی بناء پر اسے گوارا کر لیا گیا ہے' اس کے باوجود اگر کوئی صاحب مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہیں تو قومی ڈائجسٹ کا مارچ ۱۹۹۳ء کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں جس میں اس موضوع سے متعلق ایسے ایسے انکشافات کیے گئے ہیں جنہیں پڑھ کر انسان ایک دم سناٹے میں آ جاتا ہے' وہاں ایسی تصویریں مہیا کی گئی ہیں جن سے اس موضوع کی دوسری کتابیں خالی ہیں اور ایسے مشاہدات ہیں جنہیں کوئی بھی جھٹلا نہیں سکتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَزْلِ

(۴۷۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ سُئِلَ عَنِ الْعَزْلِ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَوْ اَنَّ شَيْئًا اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَهُ اُسْتُوْدِعَ صَخْرَةً لَخَرَجَ۔

عزل کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے کسی نے "عزل" کے بارے سوال کیا تو فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر وہ چیز جس سے اللہ نے وعدہ لیا ہے کسی پتھر میں بھی بند کر کے رکھ دی جائے تب بھی وہ باہر آ کر رہے گی۔

حل عبارت: "شیئا" ترکیب میں موصوف واقع ہو رہا ہے اور "اخذ الله ميثاقه" اس کی صفت سے مل کر "ان" حرف مشبہ بالفعل کا اسم ہوگا "استودع صخرة" اس کی خبر ہوگی اور "لخرج" حرف شرط "لو" کا جواب ہوگا "استودع" باب استفعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' امانت رکھوانا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابن حبان فی الاحسان ۴۱۹۴ و ... ۹۹ ...

مفہوم: "عزل" کا مفہوم یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے حقوق کی تکمیل کرتے ہوئے آب حیات کا اخراج باہر ہی صرف کر دے' اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرد کا پانی عورت کے رحم سے دور رہے تاکہ ایک نیا وجود دنیا میں ظہور پذیر ہونے کا سبب

نہ دی جائے اس مقصد کی خاطر لوگوں نے اپنی اپنی طبیعت اور سہولت کے پیش نظر بہت سے طریقے اختیار کر رکھے ہیں گو کہ طریقے مختلف ہیں لیکن مقصد سب کا ایک ہی ہے۔

ایک طرح سے اگر دیکھا جائے تو اس میں خوبی کا ایک پہلو بھی دکھائی دیتا ہے اور وہ یہ کہ میاں بیوی پہلے بچے کی اور اس کی مناسب تعلیم و تربیت پر توجہ دینے کی خاطر باہمی مشاورت سے یہ کام کر رہے ہیں تو یقیناً ان کی اس توجہ سے اولاد ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور معاشرے کے لیے باعث عزت بنے گی ورنہ پے در پے بچے ہو جانے کی صورت میں ہر ایک پر یکساں توجہ باقی نہیں رہتی ظاہر ہے کہ اس مقصد کی خاطر ایسا کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی۔

لیکن جب ایک دوسرے پہلو سے اس پر غور کیا جائے تو یہ طریقہ قدرت خداوندی کے خلاف بغاوت محسوس ہوتا ہے کیونکہ ایسا کرنے والا گویا اس روح کے دنیا میں آنے میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا ہے جسے اللہ دنیا میں بھیجنا چاہتا ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا اگر وہ پیدا کرنے پر آجائے تو ایک بے جان پتھر سے جاندار پیدا کرنے پر بھی قادر ہے لیکن انسان کے احساسات کا ضرور اظہار ہو سکے گا۔

ان دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے نبی ﷺ نے ذاتی طور پر اس عمل کو تو اچھا نہیں سمجھا لیکن تشریعی طور پر اس کی مکمل ممانعت بھی نہیں فرمائی تاکہ مجبوراً ایسا کرنے والے کے لیے دروازہ کھلا رہے اور قدرت خداوندی سے کھیلنے والے سے اپنی براءت کا اظہار ہو جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُرْمَةِ إِتْيَانِ النِّسَاءِ فِي أَدْبَارِهِنَّ

(۴۷۷) حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الْهَيْثَمِ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْهَا فَقَالَتْ إِنَّ زَوْجِي يَأْتِينِي مُجَبِّيَةً وَمُسْتَقْبِلَةً فَكَرِهْتُهُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَا بَأْسَ إِذَا كَانَ فِي صِمَامٍ وَاحِدٍ

عورتوں کے پاس پیچھے سے آنے کی حرمت کا بیان

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرا شوہر میرے پاس پیچھے کی طرف سے اور سامنے کی طرف سے آتا ہے لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں ہے، یہ بات نبی ﷺ تک بھی پہنچ گئی، فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ایک ہی سوراخ میں ہو۔

فائدہ: اگلی روایت میں زیادہ واضح الفاظ ہیں۔

(۴۷۸) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ شُعَيْبٍ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِتْيَانُ النِّسَاءِ فِي مَحَاشِّهِنَّ حَرَامٌ۔

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عورتوں کے پاس پچھلے سوراخ سے آنا حرام ہے۔

[۲۷۹] اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ مَعْنٍ قَالَ وَجَدْتُ بِخَطِّ اَبِیْ اَظُنُّهٗ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ نُهِیْنَا اَنْ نَاْتِیَ النِّسَاءَ فِیْ مَحَاشِّهِنَّ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں عورتوں کے پاس پچھلے سوراخ سے آنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

[۲۸۰] حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِی الْمِنْهَالِ عَنْ اَبِی الْقَعْقَاعِ الْجَرْمِیِّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ قَالَ حَرَامٌ اَنْ تُؤْتَی النِّسَاءُ فِی الْمَحَاشِّ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے پاس پچھلے سوراخ سے آنا حرام ہے۔

حل عبارت: "مجبیة" جانب سے الٹا ہے بمعنی پہلو "فکرهته" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی ناپسند کیا "صمام" بمعنی سوراخ "محاش" محشة کی جمع ہے بمعنی دبر۔

تخریج حدیث اول: اخرجه مسلم: ۳۵۳۲ (۱۴۳۵) وابوداؤد مثله ۲۱۶۳ والترمذی: ۲۹۷۹ وابن ماجه: ۱۹۲۵

تخریج حدیث ثانی وثالث ورابع: اخرج الترمذی ما بمعناها ۱۱۶۴ واحمد ۱/۸۶۔

مفہوم: لڑکا اور لڑکی جب نکاح کے بندھن میں بندھ کر ایک دوسرے کو اپنے لیے قبول کر لیتے ہیں تو ان کے لیے آپس میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانا جائز ہو جاتا ہے اور شریعت ان دونوں کے اجسام کو ایک دوسرے کے لیے مکمل طور پر حلال قرار دیتی ہے اس سلسلے میں شریعت نے جو تعبیر اختیار کی ہے میاں بیوی کے باہمی تعلق اور رشتہ کو ثابت کرنے کے لیے اس سے زیادہ خوبصورت تعبیر ہو ہی نہیں سکتی کہ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کا لباس ہیں اور لباس اور جسم کا تعلق ظاہر ہے نیز لباس کا مقصد بھی واضح ہے۔

اسی طرح ایک مقام پر فرمایا گیا تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں اس لیے ان میں جس طرح چاہو آ سکتے ہو ظاہر ہے کہ کھیت میں صحیح مقام پر بیج ڈالا جائے گا تو اس سے کھیت کا مقصد حاصل ہوگا بصورت دیگر بیج ضائع بھی ہوگا اور کسان کا بھی نقصان ہوگا اسی طرح اگر شوہر حرث کے مقام پر تخم ریزی کرے گا تو اس کا فائدہ دونوں کو ہوگا قبیث کے مقام پر تخم ریزی کرنے کی صورت میں تخم بھی ضائع ہوگا اور نقصان بھی اٹھانے گا البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حرث کے مقام پر تخم ریزی کرنے کے لیے آگے پیچھے دائیں بائیں اٹھنے بیٹھنے کی کوئی قید نہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِی وَطْءِ الْحَبَالَی

(۲۸۲) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ تُوْطَأَ الْحَبَالٰی حَتّٰی یَضَعْنَ مَا فِیْ بُطُوْنِھِنَّ.

امید کی عورتوں سے ہم بستری کی ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حاملہ عورتوں سے بے حجاب ہونے کو منع فرمایا ہے تاآنکہ وضع حمل ہو جائے۔

حل لغات: "توطأ" باب سمع سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ہم بستری کرنا۔ "الحبالی" حبلی کی جمع ہے بمعنی حاملہ عورت "یضعن" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی رکھنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابوداؤد: ۲۱۵۷، و مسند: ۲/۲۸۔

مفہوم: حاملہ عورتوں سے مراد یہاں اپنی منکوحہ بیوی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو باندی کے طور پر کسی شخص کی ملکیت میں آ جائیں یا کوئی شخص انہیں خرید کر اپنی ملکیت میں شامل کر لے اور اس کا قرینہ وہ روایات ہیں جن میں اس حکم کا پس منظر "غزوۂ اوطاس" سے حاصل ہونے والی باندیوں کو قرار دیا گیا ہے اور دوسرا قرینہ سنن ابی داؤد کی ایک روایت ہے جس سے یہ مقصد بھی حاصل ہوتا ہے اور اس حکم کی اصل علت پر بھی روشنی پڑتی ہے، اس روایت کے متعلقہ الفاظ یہ ہیں:

"لا یحل لامرئ یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یسقی ماءہ زرع غیرہ یعنی اتیان الحبالی"

ظاہر ہے کہ غیر کی کھیتی اس کی اپنی منکوحہ تو نہیں ہو سکتی اس لیے یہ بات تو طے ہو گئی کہ اس حدیث کا مصداق غیر منکوحہ باندی ہے، رہی یہ بات کہ اس حکم کی علت کیا ہے؟ تو وہ بھی مذکورہ بالا حدیث سے ظاہر ہے کیونکہ اس میں اس باندی کو "جو اس کی ملکیت میں بیع و شراء کے ذریعے یا تقسیم غنیمت کے ذریعے آئی ہے" غیر کی "کھیتی" قرار دیا گیا ہے اور یہ واضح ہے کہ اگر زمین میں ایک مرتبہ بیج بو دیا گیا ہو تو اس کی فصل کٹنے سے پہلے دوبارہ بیج نہیں بویا جاتا

بصورت دیگر پیداوار خراب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے بالکل اسی طرح ایک حاملہ عورت سے مباشرت کرنا گویا دنیا میں وجود کی دولت لے کر آنے والے بچے کے نسب کو مشتبہ اور خراب کرنا ہے اور دوسرے کے کھیت میں "باوجودیکہ بیج بویا جا چکا" دوبارہ بیج ڈالنے کے مترادف ہے اس لیے مالک کو وضع حمل تک اپنی مملوکہ کے قریب ہونے سے گریز کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

یہ حکم تو اس صورت میں ہے جبکہ مملوکہ باندی حاملہ ہو اگر ایسی صورت نہ ہو تو اس پر "ایام" کا ایک پورا دور گذرنا ضروری ہے تاکہ اگر وہ بھی کسی نئے وجود کا ذریعہ بننے والی ہو تو معلوم ہو جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ

(۲۸۴) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ شُرَيْحٍ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ قَلِيْلُهُ وَكَثِيْرُهُ۔

دودھ کے رشتے سے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب کے رشتے سے

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ ﷛ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رضاعت سے بھی وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں خواہ اس کی مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ۔

(۲۸۵) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ أَفْلَحُ ابْنُ أَبِي الْقُعَيْسِ لِيَسْتَأْذِنَ عَلَى عَائِشَةَ فَاحْتَجَبَتْ مِنْهُ فَقَالَ تَحْتَجِبِيْنَ مِنِّيْ وَأَنَا عَمُّكِ فَقَالَتْ فَكَيْفَ ذٰلِكَ قَالَ أَرْضَعَتْكِ امْرَأَةُ أَخِيْ بِلَبَنِ أَخِيْ قَالَتْ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَرِبَتْ يَدَاكِ أَمَا عَلِمْتِ أَنَّهُ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ ﷞ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ افلح بن ابی القعیس آئے میں نے ان سے پردہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ تم مجھ سے پردہ کر رہی ہو حالانکہ میں تو تمہارا چچا ہوں، پوچھا وہ کیسے؟ تو کہا میری بھابی نے تمہیں دودھ پلایا ہے جو میرے بھائی کی وجہ سے اس کی چھاتیوں میں آیا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ واقعہ ذکر کیا تو فرمایا تمہارے

ہاتھ خاک آلود ہوں' کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ رضاعت کی وجہ سے بھی وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

حل لغات: "فاحتجبت" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پردہ کرنا "ارضعتک" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی دودھ پلانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري: ٢٦٤٦، ومسلم: ٣٥٦٩ (١٤٤٤)، وابوداؤد: ٢٠٥٥، والترمذي: ١١٤٧، والنسائي: ٤-٢٢، وابن ماجه: ١٩٣٧۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاري: ٥٢٣٩، ومسلم: ٣٥٧١ (١٤٤٥)، وابوداؤد: ٢٠٥٧، والترمذي: ١١٤٨، والنسائي: ٣-٢٢، وابن ماجه: ١٩٤٩۔

مفہوم: شہری ماحول میں تو اس چیز کا رواج ختم ہو چکا ہے' تاہم ماضی میں شرفاء اپنے بچوں کو دیہات کے صاف ستھرے اور گرد و غبار سے پاک ماحول میں دودھ پینے کے لیے بھیج دیتے تھے اور اس میں ایک حکمت یہ بھی ہوتی تھی کہ بچے کی زبان شستہ اور فصیح ہونے میں مدد ملے کیونکہ اس زمانے میں دیہات کی زبان دوسری زبانوں کے اختلاط سے محفوظ اور مستند بھی جاتی تھی' دور جدید میں اس کا قدیم طریقہ تو متروک ہو چکا ہے' بعض جگہوں اور خاندانوں میں اب بھی یہ رواج ہے کہ عورتیں اپنے شیر خوار بچوں کو کسی ہمسائے اور پڑوسی کے یہاں چھوڑ جاتی ہیں اور وہ بچے کو روتا ہوا دیکھ کر بعض اوقات اپنی چھاتی اس کے منہ میں دے دیتی ہیں' اس طرح بچہ ان کے دودھ سے بھی سیراب ہو جاتا ہے' عام طور پر اسے "رضاعت" نہیں سمجھا جاتا اور اس سلسلے میں کوئی خاص احتیاط بھی نہیں کی جاتی حالانکہ اس پر بھی رضاعت کے تمام احکام لاگو ہوتے ہیں اور نسبی اعتبار سے جو رشتے محرمات کے زمرے میں آتے ہیں' رضاعت کی مذکورہ دونوں صورتوں میں بھی وہ تمام رشتے محرمات کے دائرے میں آتے ہیں' مثلاً نسبی اعتبار سے چچا اور بھتیجی کا نکاح حرام ہے لہٰذا رضاعی چچا اور بھتیجی کا نکاح بھی آپس میں حرام ہوگا' حقیقی بہن بھائی کا نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی بہن بھائی کا نکاح بھی آپس میں حرام ہے۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ان تمام رضاعی رشتوں اور حرمتوں کا تعلق صرف دودھ پینے والے بچے کے ساتھ ہوگا' اس بچے کے دوسرے بہن بھائیوں پر ان رشتوں اور محرمات کے احکام لاگو نہیں ہوں گے مثلاً اگر زید نے فاطمہ کا دودھ پیا ہے تو زید کے بہن بھائی فاطمہ کی رضاعی اولاد نہیں ہوں گے اور اس اعتبار سے ان کی خاندانی قرابتوں میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی' ہاں! اگر زید فاطمہ کے خاندان سے اپنی نئی قرابت پیدا کرنا چاہے تو اس کے لیے رشتوں کے تقدس کا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔ واللہ اعلم

کے لیے اپنی بیوی کے قریب جانا جائز ہو جائے گا۔

ربط اور زیر بحث حدیث کی قدرے وضاحت کے بعد میں تصویر کا دوسرا رخ رکھ: میں ضروری سمجھتا ہوں جو ہمارے معاشرے میں اس قدر رائج ہو چکا ہے کہ ہر دوسرے گھر میں ہر دوسرا فرد اس کا شکار نظر آتا ہے' ٹی وی ڈراموں اور فلموں میں ایک شخص ہنسی مذاق میں ایک عورت کو اپنی منکوحہ بنا لیتا ہے' ہنسی مذاق اس لیے کہ وہ تو محض اداکاری ہوتی ہے' حقیقت سے اس کا کیا تعلق؟ لیکن اس ڈرامے اور فلم کی شوٹنگ ختم ہونے کے بعد ان کے ذہن کے کسی کونے میں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ ان کا ایک دوسرے سے کیا رشتہ بن چکا ہے؟ پھر وہی شخص دوسرے ڈرامے اور فلم میں یوں ہی دوسری عورت سے نکاح کر لیتا ہے اور وہ عورت کسی دوسرے مرد کے نکاح میں آجاتی ہے' یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے اور نجانے گناہوں کی یہ گٹھڑی وہ اپنے کندھوں پر لادے کب تک پھرتے رہتے ہیں' ہماری نوجوان اور نئی نسل یہ سب کچھ دیکھتی اور اسی کی رہبری حاصل کرتی ہے' نتیجتاً طلاق بگاڑ کے ہوشربا واقعات سامنے آتے ہیں۔

اسی طرح ہمارے معاشرے کو طلاق کے جس گھن نے چاٹ کر کھوکھلا کر دیا ہے' نوے فیصد افراد اپنی زندگی تباہ و برباد کرنے کے بعد یہ سوچ اور کہہ کر گناہ کی زندگی گزارتے رہتے ہیں کہ ہم نے تو غصہ میں طلاق دی ہے' وہ یہ نہیں سوچتے کہ وہ کون بیوقوف ہوگا جو اپنی بیوی کی کسی ادا پر خوش ہو کر اسے پیار سے طلاق دے دے؟ پھر اس پر مستزاد یہ عام خیال ہوتی ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے معاہدہ کر لیتے ہیں کہ ہم کسی کو اس واقعے کی خبر نہیں ہونے دیں گے تاکہ ہمارا گھر بچ جائے اور سونے پر سہاگہ وہ فتاویٰ ہوتے ہیں جو اس قسم کے خیالات کو تقویت دیتے ہیں' خدا کے لیے شریعت اور احکام شریعت کا مذاق نہ اڑائیں' اپنی زندگی کو گناہوں کے منحوس سائے تلے نہ گزاریں اور اب تک اگر ایسا کرتے رہے ہیں تو اس سے توبہ کریں اور فوراً علیحدگی اختیار کر لیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِدَّةِ

(۲۸۶) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِسَوْدَةَ حِيْنَ طَلَّقَهَا اِعْتَدِّيْ۔

عدت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر﷜ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہ﷞ کو جب طلاق دی تو ان سے فرمایا کہ عدت گزارو۔

(۲۸۷) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِسَوْدَةَ حِيْنَ طَلَّقَهَا اِعْتَدِّيْ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بعینہٖ گزشتہ حدیث والا ہے۔

حلِّ لُغات: "طلقھا" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی طلاق دینا۔ "اعتدی" باب افتعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے بمعنی عدت گزارنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ البیہقی ۲۲۶/۷۔

مفہوم: اس حدیث کو پڑھ کر یکبارگی ایک دم آپ پر حیرانگی کی کیفیت طاری ہوئی ہے؟ پہلی مرتبہ میں بھی ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہوا تھا کیونکہ عام طور پر کتب حدیث و سیرت میں یہی بات ذکر کی گئی ہے کہ حضرت سودہ بنت زمعہؓ کو نبی علیہ السلام نے طلاق دینے کا صرف ارادہ کیا تھا اور وہ بھی آپ ﷺ نے اس وقت ختم فرما دیا جب انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو ہبہ کر دی لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے صرف طلاق دینے کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا بلکہ عملی طور پر طلاق بھی دے دی تھی اور انہیں ایام عدت پورے کرنے کا حکم بھی دیا تھا۔

اس حیرانگی کو دور کرنے کے لیے فوری طور پر تو بعض علماء کی یہ توجیہ سامنے آئی کہ نبی علیہ السلام کے حوالے سے اس روایت میں "طلقھا" کا جو لفظ آیا ہے اس سے ارادۂ طلاق مراد ہے نفس طلاق مراد نہیں اور عدت گزارنے کا مطلب یہ ہے کہ جب میں تمہیں طلاق دے دوں تو اس کی عدت ضرور گزارنا۔

لیکن اس علمی جواب پر شرح صدر نہ ہو اور ذہن میں خیال آیا کہ شاید سنداً یہ روایت صحیح نہ ہو لیکن سند حدیث پر بحث کا خیال ذہن میں گھوم ہی رہا تھا کہ بعض ایسی روایات سامنے آئیں جن سے زیر بحث حدیث کی تائید ہو گئی اور عام کتب سیرت و حدیث میں ذکر کردہ اجمال کی تفصیل معلوم ہو گئی چنانچہ بیہقی اور طبقات ابن سعد میں حضرت عروہ سے مرسلاً مروی ہے (ظن غالب بلکہ غلبہ یہی ہے کہ انہوں نے اگرچہ حضرت عائشہؓ کے نام کی تصریح نہیں کی تاہم مراد وہی ہیں) کہ حضور ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہؓ کو طلاق دے دی جب نبی علیہ السلام نماز کے لیے روانہ ہوئے تو یہ نبی علیہ السلام کے راستے میں بیٹھ گئیں جب نبی علیہ السلام وہاں سے گزرے تو انہوں نے نبی علیہ السلام کو روک کر عرض کیا کہ میں عمر کے اس حصے میں پہنچ چکی ہوں کہ عملی طور پر مردوں کی خواہش نہیں رہی لیکن میری یہ تمنا ہے کہ قیامت کے دن آپ کی ازواج میں میرا نام بھی شامل ہو اس لیے آپ مجھ سے رجوع کر لیجئے میں اپنا دن اپنی خوشی سے عائشہؓ کو دیتی ہوں اس پر نبی علیہ السلام نے ان سے رجوع کر لیا اور ان کی باری کے دن حضرت عائشہؓ کے یہاں شب باشی فرمانے لگے۔

روایۃً بھی یہ حدیث کسی قسم کے اعتراض سے محل بحث نہیں بنتی اور درایۃً بھی اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ یہ تفصیل اقرب الی الفہم بھی محسوس ہوتی ہے اس لیے عام کتب میں ذکر کی گئی روایات کو اجمال اور اس روایت کو ان کی تفصیل قرار دے کر تعارض سے بھی اجتناب ہو جائے گا اور مقصد بھی حاصل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ

(۴۸۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ رَجُلٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَعِيْبَ

کیا زندگی کا کوئی دوسرا شعبہ اصلاحات سے محروم رہ گیا ہوگا؟ کیا زندگی کے دوسرے شعبوں میں کوئی احکام نہیں دیے گئے ہوں گے؟ اور کیا زندگی کے دوسرے شعبوں میں حد بندی نہیں کی گئی ہوگی؟

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہمارے معاشرے میں واقعۃً بات بے بات پر طلاق تک نوبت آ جاتی ہے' معمولی معمولی باتوں پر طلاق دینا لوگوں کا معمول بن چکا ہے' ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ دنیا کی کوئی عورت اپنی عزت کی بحالی کے ساتھ اپنے سسرال میں نہیں رہ سکتی' عوام میں یہ شعور پیدا ہونے لگا ہے کہ طلاق کوئی گناہ نہیں' ہمارا حق مردانگی ہے اور اس حق مردانگی کو ادا کرنا ہر شادی شدہ شخص اپنے لیے ضروری سمجھتا ہے' غالباً حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی زیر بحث حدیث کا یہی مطلب ہے۔ واللہ اعلم

بَابٌ لَا يَجُوزُ طَلَاقُ الْمَعْتُوهِ

(۹۰۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَجُوْزُ لِلْمَعْتُوْهِ طَلَاقٌ وَلَا بَيْعٌ وَلَا شِرَاءٌ۔

مجنون کی طلاق نہیں ہوتی

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مغلوب العقل کی طلاق اور بیع و شراء کچھ جائز نہیں ہے۔

حل لغات: "لا یجوز" ای لا ینفذ "المعتوہ" یعنی مغلوب العقل مجنوں۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری تعلیقا فی الطلاق باب ۱۰۔ وفیما ما یزید ہ فنکیر ۔۔۔ کما سیاتی انشاء اللہ۔

مفہوم: اس حدیث میں "جواز" بمعنی "نفاذ" کے ہے اور مطلب یہ ہے کہ مغلوب العقل کی طلاق اور بیع و شراء نافذ نہیں ہوگی' اس بات کی وضاحت کرنا اس لیے ضروری محسوس ہوا کہ مغلوب العقل ہو یا غیر مغلوب العقل' کسی بھی انسان کی زبان پر پہرہ نہیں لگایا جا سکتا اور اسے اپنی مرضی کے الفاظ ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا' پھر جب اس کی عقل ہی اس کا ساتھ نہ دیتی ہو' اسے معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے؟ اسے اچھے برے' صحیح غلط اور دوست دشمن کی پہچان بھول جائے تو اس کی بات کا اعتبار عام سے عام آدمی کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا' شریعت اس کی کسی بات کا کیسے اعتبار کر لے؟ اس لیے شریعت نے اس کی طلاق یا کسی بھی معاملے کو نافذ کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

ہاں! اگر کوئی شخص ایسا ہو جو کسی وقت مغلوب العقل ہو جاتا ہو اور کسی وقت نارمل ہو جاتا ہو اور اس کی عقل کام کرنا شروع کر دیتی ہو اور وہ افاقہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا کسی قسم کا معاملہ کر لے تو وہ نافذ ہو جائے گا کیونکہ اس کے نفاذ میں جو رکاوٹ تھی وہ زائل ہو گئی۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس حدیث کی کتاب الطلاق سے مناسبت لفظ طلاق کی وجہ سے ہے لیکن اس کا حکم طلاق کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر معاملے کا حکم یہی ہے کہ مغلوب العقل کے کسی فیصلے اور کسی اقدام کی توثیق نہیں کی جا سکتی۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَنْ خَيَّرَ أَزْوَاجَهُ

(۳۹۱) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَيَّرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاخْتَرْنَاهُ فَلَمْ يَعُدَّ ذٰلِكَ طَلَاقًا۔

اگر کوئی شخص اپنی بیویوں کو اختیار دے دے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دیا ہم نے آپ کو اختیار کر لیا اور آپ ﷺ نے اسے طلاق شمار نہیں کیا۔

حل لغات: "خیرنا" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اختیار دینا۔ یہ جمع متکلم کا صیغہ نہیں ہے "فلم یعد" باب نصر سے فعل جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شمار کرنا۔

تخریج الحدیث: اخرجہ البخاری: ۵۲۶۲ و مسلم: ۳۶۸۷ (۱۴۷۷) و ابوداؤد: ۲۲۰۳ والترمذی: ۱۱۷۹ والنسائی: ۳۴۷۵ وابن ماجہ: ۲۰۵۲ و احمد: ۶/۲۴۰۔

مفہوم: حضور نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات بھی بے مثال شوہر و پیغمبر کے سانچے میں ڈھل کر سخاوت اور حوصلہ مندی سے خرچ کرنے میں ہمیشہ دوسروں سے آگے رہتیں نبی ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ پورے سال کا نفقہ سال کے شروع میں تمام ازواج مطہرات کو دے دیتے، لیکن وہ اپنی حوصلہ مند طبیعت سے اس نفقہ سے غرباء اور ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنا شروع کر دیتیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ چند ہی دنوں میں وہ ختم ہو جاتا اور خود فاقے کرنے کی نوبت آ جاتی۔

جب مختلف غزوات اور سرایا سے مال غنیمت کا حصول شروع ہوا اور لوگوں میں اسے تقسیم کیا گیا تو ایک گونہ خوشحالی پیدا ہو گئی اور لوگ اپنی ضروریات کا خود تکفل کرنے لگے۔ انہی معروضی حالات میں ازواج مطہرات نے مل جل کر باہمی مشورت سے نبی ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ اس آسودگی کا کچھ حصہ اگر ہمیں بھی مل جائے اور ہمارے سالانہ خرچ میں اضافہ ہو جائے تو ہم بھی اس مال غنیمت سے مستفید ہو جائیں اور غرباء و مساکین کی ضروریات زیادہ کھلے انداز میں پوری کر سکیں۔

گو کہ یہ مطالبہ ناجائز نہ تھا اور معاذ اللہ گناہ بھی نہ تھا بلکہ ایک طرح سے اپنے نیک جذبات کا اظہار تھا لیکن

بظاہر چونکہ اس میں دنیا طلبی کا احساس پایا جاتا تھا اس لیے سرکار دو عالم ﷺ کی طبع مبارک پر یہ مطالبہ ناگوار گزرا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر میں دنیا کا کیا کام؟ اور آپ ﷺ نے قسم کھالی کہ میں تمہارے پاس ایک مہینے تک نہ آؤں گا جسے فقہی اصطلاح میں "ایلاء" کہا جاتا ہے۔

ایک مہینہ گزرنے کے بعد نبی ﷺ سب سے پہلے اپنی چہیتی بیوی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک معاملہ رکھ رہا ہوں، جلد بازی میں جواب نہ دینا، اپنے والدین سے مشورہ کر لینا پھر آپ ﷺ نے آیت تخییر کی تلاوت فرمائی جس میں ازواج مطہرات کو دو میں سے ایک بات کا اختیار دیا گیا تھا کہ یا تو دنیا کو اختیار کر لیں، اس صورت میں نبی ﷺ انہیں طلاق دے کر اچھے طریقے سے فارغ کر دیں گے یا پھر اللہ اور اس کے رسول کا انتخاب کر لیں، اس صورت میں انہیں موجودہ طرز زندگی پر ہی رہنا ہوگا، حضرت عائشہؓ نے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ کیا میں اس معاملے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی؟ مجھے اللہ اور رسول درکار ہیں، مجھے دنیا نہیں چاہیے۔ باقی تمام ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا۔

ازواج مطہرات کو چونکہ دو میں سے کسی ایک شق کے انتخاب کا اختیار دیا گیا تھا، اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بھی اسی طرح اختیار دے دیتا ہے اور وہ اس کے پاس رہنے کو ترجیح دیتی ہے تو محض اس اختیار کے سونپ دینے سے طلاق واقع نہیں ہو جاتی جیسے ازواج مطہرات کے حق میں اسے طلاق شمار نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم

بَابُ خِيَارِ الْأَمَةِ تُعْتَقُ وَزَوْجُهَا حُرٌّ

(۴۹۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَعْتَقَتْ بَرِيرَةَ وَلَهَا زَوْجٌ مَوْلًى لِآلِ أَبِي أَحْمَدَ فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَكَانَ زَوْجُهَا حُرًّا۔

منکوحہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد اختیار کا بیان، جبکہ اس کا شوہر آزاد ہو

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ بریرہ آزاد ہو گئی، اس کا شوہر آل ابی احمد کا آزاد کردہ غلام تھا، نبی ﷺ نے بریرہ کو اختیار دے دیا اور اس نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا، چنانچہ نبی ﷺ نے ان دونوں کے درمیان جدائی کروا دی اور اس کا شوہر آزاد تھا۔

حل لغات: "ففرق" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، معنی تفریق کرا دی اور اس کا فاعل نبی ﷺ ہیں۔

تخریج: اخرجه النسائي ۳۴۷۹ ولهذا المعنى فالحديث قد اخرجه جميع اصحاب الصحاح

خلاصہ: اسلامی ضابطہ حیات کی روشنی میں مرد و عورت کے لیے جو آئین اور قوانین وضع کیے گئے ہیں وہ تمام اس کی

دلیف کے لیے ہیں اسی طرح غلاموں اور باندیوں کے لیے بھی ایسے آئینی قوانین وضع کیے گئے ہیں جنہیں اختیار کر کے وہ اپنے آپ کو معاشرے کے آزاد افراد میں شامل کر سکتے ہیں۔

انہی میں سے ایک طریقہ غلاموں کے لیے "کتابت" کا ہے جس پر قدرے تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ اپنے مقام پر آجائے گی اور باندیوں کے لیے "خیار عتق" کی صورت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی کا نکاح کسی ایسے آدمی سے کر دیا جسے وہ پسند نہیں کرتی، لیکن اپنے آقا کی ملک میں ہونے کی وجہ سے انکار نہیں کر سکتی اور اگر انکار کرتی بھی ہے تو اس کی شنوائی نہیں ہوتی، مجبوراً اسے اس شخص کے ساتھ گزارہ کرنا پڑتا ہے، پھر کسی وقت میں اس کے آقا پر رحم دلی کا جذبہ غالب آتا ہے اور وہ اپنی باندی کو آزاد کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔

اس موقع پر شریعت اس باندی کو یہ اختیار دیتی ہے کہ جیسے ہی اسے اپنے آقا کی جانب سے غلامی سے آزادی کا پروانہ ملے، وہ اسی وقت اپنے شوہر سے بھی آزادی کا پروانہ حاصل کر لے اور یہ اعلان کر دے کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اگر وہ ایسا کرتی ہے تو شریعت کا کوئی قانون اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا اور نہ ہی اسے سابقہ شوہر کے ساتھ گزارہ کرنے پر مجبور کرتا ہے، اسے "خیار عتق" کہا جاتا ہے جو ہر آزاد ہونے والی باندی کو حاصل ہوتا ہے۔

زیر بحث حدیث میں یہی واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اس اصول کی وضاحت حضرت بریرہؓ اور حضرت مغیثؓ کے اس واقعے سے ہوتی ہے کہ جب حضرت بریرہؓ نے اپنا اختیار استعمال کر لیا اور اپنے شوہر سے جدائی اختیار کر لی تو پھر نبی ﷺ نے بھی انہیں اپنے فیصلے پر مجبور نہیں کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ طَلَاقِ الْأَمَةِ

(۲۹۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَلَاقُ الْاَمَةِ اثْنَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ۔

باندی کی طلاق

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا باندی کی طلاق دو مرتبہ ہے اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔

تخریج الحدیث: اخرجه ابن ماجه: ۲۰۷۹ وترمذي: ۱۱۸۲ وابوداؤد: ۲۱۸۹ والدارقطني: ۴/۳۸۔

فائدہ: اس حدیث مبارکہ سے فقہاء احناف نے یہ اصول مستنبط کیا ہے کہ طلاق کے عدد کا اعتبار عورت کی حیثیت سے کیا جائے گا یعنی اگر عورت آزاد ہے تو مرد کے پاس اسے تین طلاقیں دینے کا اختیار ہوگا اور عورت تین طلاقوں سے مغلظہ ہوگی اور اگر عورت باندی ہے تو مرد کے پاس اسے دو طلاقیں دینے کا اختیار ہوگا اور وہ صرف دو طلاقوں سے ہی

مغلظہ ہو جائے گی' اسی طرح اگر عورت آزاد ہے تو اس کی عدت طلاق تین مرتبہ ایام کا دور گزرنا ہے اور اگر باندی ہے تو ایام کے دو دور گزرنے پر اس کی عدت مکمل ہو جائے گی۔

جبکہ بعض فقہاء کرام جیسے امام شافعی وغیرہ طلاق کے عدد کا اعتبار مرد کی حیثیت سے کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آزاد مرد کو تین طلاقوں کا اختیار حاصل ہے خواہ اس کی بیوی آزاد ہو یا مملوک' اور غلام کو دو طلاقوں کا حق حاصل ہے خواہ اس کی بیوی آزاد ہو یا مملوک۔

لیکن ہم اس بحث میں پڑے بغیر صرف اس سوال کا جواب دینا چاہیں گے کہ اسلام میں آزاد اور غلام کے درمیان اس موقع پر مساوات کا خیال کیوں نہیں رکھا گیا' آزاد عورت کی طلاقوں کا عدد تین اور باندی کے لیے دو کا عدد مقرر کر کے ان کے درمیان فرق کیوں کیا گیا؟ سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم "مساوات" کا مطلب ہر چیز میں برابری سمجھتے ہیں تو یہ غلط ہے' اسلام اس کا قائل نہیں ہے اور اگر مساوات کا مطلب "ہر مستحق کو اس کا حق مل جانا" سمجھتے ہیں تو یہ صحیح ہے اور اس مفہوم کو سمجھنے کے بعد یہ اعتراض از خود ختم ہو جاتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اسلام کی ابدی اور عالمگیر دعوت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے جس جس چیز کا جو حق مقرر فرما دیا ہے' اسے اس کا حق پورا پورا دے دینا مساوات کہلاتا ہے مثلاً غلام کا حق یہ ہے کہ آقا اس کے کھانے پینے' پہننے' سونے اور دیگر ضروریات کا انتظام کرے' اسے طاقت سے زیادہ کام کرنے پر مجبور نہ کرے وغیرہ' ان حقوق کی ادائیگی تو مساوات کہلائے گی' لیکن اگر آقا اسے پر تکلف کھانے نہیں کھلاتا' یا جیسا لباس خود پہنتا ہے اسے ویسا نہیں پہناتا تو یہ مساوات کے منافی نہیں ہوگا۔

اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں بھی اولاً تو مساوات کا ضروری ہونا ہی بعید از فہم ہے اور اگر مساوات ضروری ہی ہو تو باندی کے حالات کے مناسبت بھی ہے کہ اس کے لیے طلاق اور عدت کا عدد "دو" مقرر کیا جائے کیونکہ اسے کسی بھی وقت بیچا اور خریدا جا سکتا ہے اور خریدار کے لیے زیادہ لمبا انتظار کرنا ممکن نہیں ہوتا اس لیے اس میں کمی کر دی گئی اور آزاد عورت کے لیے چونکہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے اس لیے اس کی طلاق اور عدت پوری رکھی گئی۔ واللہ اعلم۔

بَابُ النَّفَقَةِ وَالسُّكْنٰى لِلْمَبْتُوْتَةِ

(۲۹۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا نَدَعُ كِتَابَ رَبِّنَا وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا ﷺ بِقَوْلِ امْرَاَةٍ لَا نَدْرِيْ صَدَقَتْ اَمْ كَذَبَتْ اَلْمُطَلَّقَةُ ثَلَاثًا لَهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ۔

طلاق بائنہ دی ہوئی عورت کے لیے مکان اور نفقہ کا ثبوت

ترجمہ: اسود کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے فرمایا ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے پیغمبر ﷺ کی سنت کو صرف ایک

پر دو نہیں کیا تھا بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں دو گواہوں کو پیش نہیں کر سکی تھیں۔ معاملہ چونکہ انتہائی نوعیت کا تھا اس لیے اصول شہادت کے مطابق دو گواہوں کا ہونا ضروری تھا چونکہ وہ دو گواہوں کو پیش نہ کر سکیں اس لیے سیدنا فاروق اعظمؓ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا، اس کی تائید شعبی وغیرہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کا خلاصہ میں اوپر ذکر کر چکا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس پر دو گواہ پیش کرنا ظاہر ہے کہ اس صورت میں کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

بَابُ عِدَّةِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا

(٤٩٥) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ اَنَّ سُبَيْعَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ الْاَسْلَمِيَّةَ مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَهِيَ حَامِلٌ فَمَكَثَتْ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ وَضَعَتْ فَمَرَّ بِهَا اَبُو السَّنَابِلِ بْنُ بَعْكَكٍ فَقَالَ تَشَوَّفْتِ تُرِيْدِيْنَ الْبَاءَةَ كَلَّا وَاللّٰهِ اِنَّهُ لَاَبْعَدُ الْاَجَلَيْنِ فَاَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ كَذَبَ اِذَا حَضَرَ فَاٰذِنِيْنِيْ۔

اس عورت کی عدت کا بیان جس کا خاوند مر گیا ہو

ترجمہ: اسود کہتے ہیں کہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا جبکہ وہ حاملہ تھیں، ابھی پچیس دن ہی گزرنے پائے تھے کہ ان کے یہاں بچہ پیدا ہو گیا، اتفاقاً وہاں سے ابوالسنابل بن بعکک کا گزر ہوا تو وہ کہنے لگے کہ تم زیب و زینت اختیار کر کے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہو؟ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ تمہاری عدت "ابعد الاجلین" ہے، وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سارا واقعہ عرض کیا، نبی ﷺ نے فرمایا ان سے غلطی ہوئی، جب وہ آئیں تو مجھے بتانا۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(٤٩٦) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ مَنْ شَاءَ بَاهَلْتُهُ اَنَّ سُوْرَةَ النِّسَاءِ الْقُصْرٰى نَزَلَتْ بَعْدَ الطُّوْلٰى۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ نَسَخَتْ سُوْرَةُ النِّسَاءِ الْقُصْرٰى كُلَّ عِدَّةٍ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔

ترجمہ: علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے جو شخص چاہے میں اس سے اس بات پر مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں کہ سورۂ طلاق سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے، اور ایک روایت میں مرفوعاً منقول ہے کہ سورۂ طلاق نے عدت کے تمام احکام کو منسوخ کر دیا ہے، اب قاعدہ یہ ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

حل لغات: "فمکثت" باب کرم و باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے، معنی ٹھہرا

"تَشَوَّفَتْ" باب تفعّل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی زیب و زینت اختیار کرنا "الباءة" بمعنی نکاح، مباشرت "فَاذَنِي" باب سمع سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے بمعنی اجازت دینا مراد اطلاع کرنا ہے "باهلته" باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی مباہلہ کرنا "عِدّة" عدت کی جمع ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري ٥٣١٨ ومسلم ٢٧٢٢ (١٤٨٤) وابوداؤد ٢٣٠٦ والترمذي ١١٩٤ والنسائي ٣٥١٨ وابن ماجه: ٢٠٢٧ واحمد ٢٦٧٢٦۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن ماجه: ٢٠٣٠ والنسائي: ٣٥٥٢ وابوداؤد: ٢٣٠٧۔

خلاصۃ: یہاں دو باتیں سمجھنا ضروری ہیں۔

ا۔ حضرت سبیعہ بنت حارث کے شوہر ایک غزوہ میں شہید ہو گئے تھے جس پر یہ بیوہ ہو گئی تھیں انہوں نے عدت گزارنا شروع کر دی ظاہر ہے کہ عدت وفات چار مہینے دس دن ہے لیکن چونکہ یہ امید سے تھیں اس لیے وضع حمل کا بھی انتظار تھا چندہ پچیس یا چالیس دن کے بعد ان کے یہاں بچہ پیدا ہو گیا اس کے چند ہی دن بعد ان کے پاس دو رشتے آئے ایک رشتہ جوان کا تھا اور دوسرا بوڑھے کا انہوں نے جوان سے شادی کرنے کو ترجیح دی اس پر بوڑھے نے کہا کہ تم ابھی شادی کر ہی نہیں سکتیں جب چار مہینے دس دن گزر جائیں تب ہی تمہارے لیے ایسا کرنا جائز ہو سکے گا حضرت سبیعہ یہ سن کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ساری بات بیان کی نبی ﷺ نے فرمایا تم نکاح کر سکتی ہو۔

٢۔ اگر ایک عورت امید سے ہو اور اس کی امید پوری ہونے سے قبل شوہر انتقال کر جائے تو قرآن کریم میں اس کا حکم دو مختلف جگہوں پر آیا ہے سورۂ بقرہ "جسے سورۂ نساء طولیٰ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں خواتین کے احکام تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں" میں مطلقاً یہ فرمایا گیا ہے کہ جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اس میں حاملہ اور غیر حاملہ کی کوئی قید نہیں ہر عورت کا یہی حکم ہے جبکہ سورۂ طلاق "جسے سورۂ نساء قصریٰ کہا جاتا ہے" میں حاملہ عورتوں کی عدت "وضع حمل" قرار دی گئی ہے اور اس میں مطلقہ یا بیوہ کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک ہی حکم پر عمل کیا جا سکتا ہے بیک وقت دونوں آیتوں پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے بعض حضرات نے ان میں تطبیق کا راستہ تلاش کرتے ہوئے فرمایا کہ عورت وہ عدت گزارے گی جس کا وقت زیادہ ہو مثلاً اگر وضع حمل پہلے ہو جائے تو وہ چار مہینے دس دن کی عدت گزارے گی اور اگر چار مہینے دس دن گزرنے کے بعد وضع حمل ہوا تو اس کی عدت وضع حمل قرار پائے گی اسی کو پہلی حدیث میں "ابعد الاجلين" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی یہی رائے تھی اور زیر بحث حدیث کی روشنی میں حضرت ابو السنابل بن بعککؓ بھی یہی سمجھتے تھے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر عورت حاملہ ہو اور اس کا شوہر فوت ہو جائے تو وہ عدت وفات نہیں گزارے

گی بلکہ اس کی عدت "وضع حمل" ہوگی چنانچہ اگر خاوند کے انتقال کے صرف ایک گھنٹے بعد ہی اس کے یہاں بچہ کی پیدائش ہوگئی تو اس کی عدت پوری ہوگئی اور اگر بچے کی پیدائش مثلاً آٹھ مہینے تک نہ ہو سکی تو وہ اس وقت تک عدت ہی میں رہے گی جب تک اس کے یہاں بچہ پیدا نہ ہو جائے' گویا ان حضرات کی رائے کے مطابق سورۂ بقرہ کی آیت پر عمل نہیں کیا جائے گا' بلکہ اس مسئلے میں سورۂ طلاق کی آیت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اور اس پر وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ سورۂ بقرہ پہلے نازل ہوئی ہے اور سورۂ طلاق بعد میں' ظاہر ہے کہ بعد والے حکم کو "ناسخ" ہونے کی بناء پر ترجیح ہوگی اور پہلے والے حکم کو منسوخ ہونے کی بجائے پر مرجوح سمجھا جائے گا۔

اکثر ائمہ کی رائے یہی ہے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام نامی سب سے زیادہ نمایاں ہے اور وہ علی الاعلان یہ بات کہتے تھے کہ سورۂ طلاق کا نزول مؤخر ہے اور سورۂ بقرہ کا نزول مقدم ہے' اگر کوئی میری اس بات کو نہیں مانتا تو میں اس سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں اور "درایۃً" بھی یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ عنقریب یہ روایت گزر چکی ہے کہ استبراء رحم سے پہلے کسی حاملہ سے مباشرت نہ کی جائے تاکہ کسی دوسرے کی کھیتی کو سیراب کرنا لازم نہ آئے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک آدمی کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کے قریب نہ جائے خاص طور پر ابتدائی راتوں میں' اس لیے حفاظت نسب کی خاطر اس کی عدت ہی کو وضع حمل قرار دے دیا تاکہ کسی قسم کا کوئی شبہ ہی نہ رہے۔
واللہ اعلم

بَابُ الْمَرْأَةِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا

(۶۴۷) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فِي الْمَرْأَةِ تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا وَلَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا صَدَقَةُ نِسَائِهَا وَلَهَا الْمِيْرَاثُ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ فَقَالَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ أَشْهَدُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَضٰى فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ بِمِثْلِ مَا قَضَيْتَ.

جس عورت کا شوہر مر گیا ہو لیکن نہ اس کا مہر مقرر کیا ہو اور نہ اس کے ساتھ ہمبستری کی ہو

ترجمہ: علقمہ کہتے ہیں کہ اس عورت سے متعلق جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس نے اس کا مہر بھی مقرر نہ کیا ہو اور اس کے پاس بھی نہ گیا ہو' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے مہر مثل ملے گا' میراث بھی ملے گی اور اس پر عدت بھی واجب ہوگی' ان کا یہ فیصلہ سن کر حضرت معقل بن سنان اشجعیؓ نے فرمایا کہ میں اس بات کا عینی شاہد ہوں کہ نبی ﷺ نے بروع بنت واشق کے بارے میں بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا جو آپ نے کیا۔

حل عبارت: "لم یفرض" باب ضرب سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مقرر کرنا "صداق"

مثل مہر۔

تخریج حدیث: أخرجه أبو داود: ٢١١٦، والترمذي: ١١٤٥، وابن ماجه: ١٨٩١، والنسائي: ٣٣٥٤، والطيالسي: ١٢٧٤، وأحمد: ١٨٩٥٣۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو "فقیہ الامت" کا خطاب یوں ہی تو نہیں مل گیا تھا اس میں نبی علیہ السلام کی دعاؤں اور آپ کی رفاقت و ہم نشینی کا عمل دخل واضح تھا اور پھر آپ کی ذہانت و فقاہت اور خدا قرآن و سنت کو سمجھنے کی خداداد صلاحیت و قابلیت تھی جس کے نتیجے میں آپ کے اکثر فیصلے جماعت صحابہ میں بھی مستند اور معتبر و خیال کیے جاتے تھے۔

اسی فیصلے کو دیکھ لیجئے کہ کچھ لوگ حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مسئلہ پوچھا کہ ہم نے اپنی ایک بچی کی شادی کی، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی اور میاں بیوی کو اکٹھے ہونے کا موقع بھی نہیں ملا تھا کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، آیا یہ عورت عدت گزارے گی یا نہیں؟ نیز اسے مہر ملے گا یا نہیں جبکہ شوہر نے مہر کی کوئی مقدار بھی مقرر نہیں کی تھی؟ نیز یہ کہ اسے اپنے شوہر کی وراثت میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ سوال سن کر سوچ میں پڑ گئے اور فرمانے لگے کہ نبی علیہ السلام کے وصال سے لے کر آج تک ایسا مشکل مسئلہ میرے سامنے کبھی نہیں آیا اس لیے میں سوچ کر جواب دوں گا۔

اس کے بعد وہ لوگ تقریباً ایک مہینے تک حضرت ابن مسعودؓ کے پاس چکر لگاتے رہے لیکن ان کا کسی جواب پر شرح صدر نہ ہوتا تھا، بالآخر انہوں نے ایک دن فرمایا کہ کسی اور صحابی سے جا کر یہ مسئلہ دریافت کر لو میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا، ان لوگوں نے کہا کہ ہم کس سے جا کر پوچھیں؟ ہم تو یہاں آپ کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے، اس پر انہوں نے فرمایا اچھا! میں اپنی رائے سے فیصلہ کیے دیتا ہوں، اگر یہ فیصلہ صحیح ہوا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہو گا اور اگر صحیح نہ ہوا تو یہ میری جانب منسوب ہو گا، میرا فیصلہ یہ ہے کہ اس عورت کو مہر مثل (اس جیسی عورتوں کا جو مہر ہو سکتا ہو) ملے گا اور خاوند کی وراثت میں بھی وہ حصہ دار ہو گی اور اسے عدت وفات بھی گزارنا ہو گی۔

ان کا یہ فیصلہ سن کر حاضرین میں سے ایک صحابی حضرت معقل بن سنان اشجعیؓ اور بعض روایات کے مطابق دو صحابہ حضرت جراح اشجعیؓ اور ابو سنان اشجعیؓ نے کھڑے ہو کر ان کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے قبیلے کی ایک خاتون بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا تھا اور ان کا خاوند ہلال بن مرہ اشجعیؓ فوت ہو گیا تھا تو نبی علیہ السلام نے بعینہ یہی فیصلہ کیا تھا جو آپ نے کیا ہے، اس پر حضرت ابن مسعودؓ اتنی خوش ہوئے کہ اس سے پہلے انہیں اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا گیا تھا کیونکہ ان کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا تھا اور نبی علیہ السلام کی موافقت انہیں نصیب ہو گئی تھی۔

بَابٌ كَيْفَ يَكُونُ الْفَيْءُ فِي الْإِيلَاءِ

(۴۹۸) حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ فِي الْمُولِي فَيْئُهُ الْجِمَاعُ إِلَّا أَنْ

يَكُونُ لَهُ عُذْرٌ فَفَيْئَةٌ بِاللِّسَانِ۔

ایلاء سے رجوع کس طرح ہوگا؟

ترجمہ: علقمہ اس شخص کے بارے میں کہتے ہیں جس نے اپنی بیوی سے ایلاء کر لیا ہو کہ اس کا رجوع مباشرت کرنا ہے ہاں! اگر کوئی عذر ہو تو اس کا رجوع زبان سے بھی ہو جائے گا۔

حلِّ عبارت: "المولی" باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی ایلاء کرنا "فئی" بمعنی رجوع۔

تخريج: هو موقوف تابعي تدل عليه الآثار۔

مفہوم: "ایلاء" کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں اختصار کے ساتھ ضمناً چند باتیں گزر چکی ہیں، یہاں صرف اتنی بات عرض کرنا مقصود ہے کہ اگر کوئی آدمی طبعی طور پر یا کسی مجبوری کی وجہ سے اپنی بیوی کے قریب نہیں جاتا تو شریعت اسے اس پر مجبور نہیں کرتی بشرطیکہ عورت مطالبہ نہ کرے، خواہ پورا سال ہی کیوں نہ گزر جائے لیکن اگر کوئی شخص قسم کھا لے کہ میں اپنی بیوی کے قریب نہیں جاؤں گا اور اپنی قسم کو پورا کرتے ہوئے وہ واقعی اس کے قریب نہ جائے تو صرف چار مہینے کے بعد ہی اس کی بیوی اس کے نکاح سے خود بخود خارج ہو جائے گی، بظاہر یہ ایک معمولی سا فرق ہے لیکن دونوں کے نتائج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اس دوسری صورت کو "ایلاء" کہتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غصہ میں آ کر ایسا قدم اٹھا لیتا ہے تو کیا اس کا انجام میاں بیوی کی جدائی ہی ہوگا یا اس کا کوئی حل بھی شریعت نے دیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں اس مسئلہ کا حل بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنی بیوی کے پاس چلا جائے اور حقوق زوجیت ادا کرے، یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اس نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا ہے اور اپنی اس قسم کو توڑ دیا ہے جس میں اس نے یہ کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جائے گا۔

البتہ قسم توڑنے پر اسے کفارۂ یمین ادا کرنا ہوگا، گو کہ بعض فقہاء کرام کی رائے میں یہ بھی واجب نہیں، بس صرف رجوع کر لینا ہی کافی ہے اور رجوع کا طریقہ وہی ہے جو ابھی گزرا، لیکن اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک کو یہ طریقہ اختیار کرنے میں کوئی مجبوری یا رکاوٹ ہو تو شوہر کا زبان سے رجوع کر لینا کافی ہوگا اور اس کا صرف یہ کہنا بھی کہ "میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا" رجوع ہی شمار ہوگا۔

بَابُ هَلْ تَخْتَلِعُ الْمَرْأَةُ بِشَيْءٍ مِنْ زَوْجِهَا

(۲۹۹) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ لَا أَنَا وَلَا ثَابِتٌ فَقَالَ أَتَخْتَلِعِينَ مِنْهُ بِحَدِيقَتِهِ فَقَالَتْ نَعَمْ وَأَزِيدُهُ قَالَ أَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا۔

کیا عورت کسی چیز کے عوض اپنے شوہر سے خلع لے سکتی ہے؟

ترجمہ: ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس ؓ کی بیوی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ میں اور ثابت اکٹھے نہیں رہ سکتے' نبی ﷺ نے فرمایا کیا تم اس کا باغ واپس دے کر خلع لے سکتی ہو؟ انہوں نے کہا جی! میں اس سے زیادہ بھی دینے کے لیے تیار ہوں' فرمایا زائد کی کوئی ضرورت نہیں۔

حل لغات: "لا انا ولا ثابت" ای لا اجتمع مع ثابت" "تختلعین" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی خلع کرنا "وازیدہ" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی اضافہ کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ٥٢٧٣' والنسائی: ٣٤٩٧' وابن ماجہ: ٢٨٧٨' والترمذی: ١١٨٥' وابوداؤد: ١١٢٨۔

مفہوم: دیگر کتب حدیث کو سامنے رکھ کر اس واقعے کی تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس انصاری ؓ کی بیوی ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں' بعض روایات میں ان کا نام حبیبہ بنت سہل آتا ہے اور بعض روایات میں جمیلہ بنت ابی بن سلول آتا ہے' نیز اس کے علاوہ شراح حدیث نے کچھ اور اقوال بھی نقل کیے ہیں' بہرحال! ثابت نے اپنی بیوی کو کسی بات پر مارا پیٹا جس سے ان کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی' وہ نماز فجر سے پہلے نبی ﷺ کی گزرگاہ کے قریب پہنچ گئیں' جب نبی ﷺ وہاں سے گزرے تو محسوس ہوا کہ وہاں کوئی ہے؟ پوچھا کون ہو؟ عرض کیا حبیبہ بنت سہل! پوچھا کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ اگرچہ میں ثابت کی دینداری اور اخلاق پر کوئی اعتراض نہیں کرتی لیکن اب میں اور ثابت اکٹھے نہیں رہ سکتے اور سارا واقعہ بیان کر دیا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ شوہر طلاق دینے کی خواہش نہیں رکھتے تھے' بیوی جدائیگی چاہتی تھیں' ظاہر ہے کہ طلاق دینا شوہر کا حق اور اس کی مرضی پر موقوف ہے' اسے حاصل کرنے کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنے کا عورت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کچھ دے دلا کر اپنے شوہر سے چھٹکارا حاصل کر لے' اسے "خلع" کہا جاتا ہے اور شرعاً ہر منکوحہ کو یہ حق حاصل ہوتا ہے۔

نبی ﷺ نے اسی اصول کے پیش نظر یہ آئینی فیصلہ فرمایا کہ ثابت اپنا وہ باغ "جو انہوں نے حق مہر کے طور پر اپنی بیوی کو دیا تھا" واپس لے کر اپنی بیوی کو آزاد کر دیں تاکہ وہ اپنی مرضی اور آزادی سے زندگی گزار سکیں۔

اس تفصیل کو سامنے رکھ کر اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ عقل کے جو دشمن یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو قید کر دیا ہے' طلاق کا حق مرد کو دے کر عورت کو ہر ظالم اور شرابی کے ساتھ اپنی پوری زندگی گزارنے پر مجبور کر کے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے اور یہ عورت کے ساتھ ناانصافی ہے' عقل کے ان دشمنوں سے کوئی یہ پوچھے کہ اگر طلاق دینے کا اختیار شریعت نے مرد کو دیا ہے تو کیا عورت سے طلاق لینے کا اختیار بھی چھین لیا ہے؟ کیا شریعت نے قانون طلاق کے

ساتھ ہی مجوزہ قانون خلع کی صورت میں عورت کی دادرسی نہیں کی ہے؟ کیا اب بھی بہت سی عورتیں قانونی اور آئینی طور پر خلع حاصل کر کے اپنے شوہروں سے آزاد ہوتی ہیں یا نہیں؟

پھر بعض لوگ یہ بھی سوال کرتے ہیں کہ جب خلع کی صورت میں عورت کو کچھ نہ کچھ مال و دولت دینا پڑتا ہے اگر عورت غریب ہو تو وہ کیا کرے؟ تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ شریعت نے اخلاقی طور پر مرد کے لیے کچھ لینے کو مردانگی کے خلاف سمجھا ہے اور اسے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ اپنی بیوی کو شرافت سے یوں ہی چھوڑ دے، اگر اس عورت نے بلا وجہ خلع لیا ہوگا تو وہ اللہ کی ناراضگی کے سائے تلے رہے گی۔

(۲۰۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا بَاتَ أَحَدُكُمْ مَغْمُومًا مَهْمُومًا مِنْ كَسْبِ الْعِيَالِ كَانَ أَفْضَلَ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى مِنْ أَلْفِ ضَرْبَةٍ بِالسَّيْفِ فِي سَبِيلِ اللهِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص اپنے اہل و عیال کے لیے رزق حلال کی فکر میں پریشان ہو کر سوتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک تلوار کی ان ہزار ضربوں سے زیادہ افضل ہوتا ہے جو راہ خدا میں کسی کو لگتی ہیں۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۰۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتَّى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا إِلَى فِي امْرَأَتِكَ۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم جو چیز بھی رضاء الٰہی کے لیے خرچ کرو گے اس پر تمہیں ثواب ضرور ملے گا حتیٰ کہ اس لقمے پر بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے۔

حل لغات: "بات" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رات گزارنا "ضربة" ضرب لفظی چوٹ "اجرت" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ثواب ملنا "فی امرأتك"

یہ "علی" حرف جار نہیں بلکہ "علو" کی بدلی ہوئی صورت ہے یعنی اوپر۔

تخریج حدیث: اما الاول فقد اخرجه البخاری: ۶۴۱۲، واما الثانی فقد اخرجه البخاری: ۵۶، ومسلم فی صحیحه: ۴۲۰۹ (۱۶۲۸)، وابوداؤد: ۲۸۶۴، والترمذی: ۲۱۱۶۔

مفہوم: دنیا میں ہر انسان اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات کی تکمیل کے لیے محنت مزدوری کرتا ہے، محنت و مزدوری کی ہزاروں شکلوں میں سے وہ اپنے مناسب کسی بھی شکل کو اختیار کرتا ہے تاہم یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر شخص اس دوڑ میں شریک ہے اور بعض لوگ دوسروں سے اس دوڑ میں آگے نکلنے کے لیے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز بھی مٹا ڈالتے ہیں اور بعض لوگ صرف اپنے بطن اور فرج کی خاطر اپنے جسم و جان کو تھکا ڈالتے ہیں۔

اسی بھیڑ میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جو اس محنت و مزدوری کو صرف ایک ذریعہ معاش ہی نہیں سمجھتے بلکہ اپنے اہل خانہ کے حقوق کی ادائیگی کو ایک عظیم عبادت بھی سمجھتے ہیں اور اس سلسلے میں ہر مشقت پر اپنے پروردگار سے اجر و ثواب کے امیدوار بھی ہوتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ واقعۃً یہ اجر و ثواب کا کام بھی ہے۔

کیونکہ شریعت بھی یہ نہیں چاہتی کہ انسان آٹھ آٹھ دس دس اور بارہ بارہ بچوں کی ایک ٹیم تیار کر لے اور ان کی ضروریات کی تکمیل کی بجائے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے اور اپنے آپ کو یہ تسلی دیتا رہے کہ اللہ ان سب کو اور مجھے خود ہی رزق پہنچائے گا اور ان قرآنی آیات و روایات کو فراموش کر دے جن میں اپنے اہل خانہ کے لیے کمانے اور تجارت کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے اور اس کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، ان اہل خانہ میں انسان کی اولاد بھی شامل ہے اور بیوی بھی شامل ہے بلکہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک میں تو ایک درجہ بڑھ کر یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم پیار سے اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ توڑ کر ڈالو گے تو اس پر بھی پروردگار تمہیں صدقہ کا ثواب عطاء فرمائے گا۔

بَابُ هَلْ يَجُوزُ اَنْ يُبَاعَ الْمُدَبَّرُ

(۳۰۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ اَنَّ عَبْدًا كَانَ لِاِبْرَاهِيْمَ بْنِ نُعَيْمٍ النَّحَّامِ فَدَبَّرَهُ ثُمَّ احْتَاجَ اِلٰى ثَمَنِهِ فَبَاعَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَاعَ الْمُدَبَّرَ۔

کیا مدبر کو فروخت کرنا جائز ہے؟

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ابراہیم بن نعیم النحام کا ایک غلام تھا' انہوں نے اسے مدبر بنا دیا' بعد میں انہیں اس کی قیمت کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے نبی ﷺ کے ہاتھ اسے آٹھ سو درہم میں بیچ دیا' اور ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے خود ہی مدبر کو بیچا ہے۔

حل عبارت: "دَبَّرَہٗ" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی مدبر بنانا' یعنی غلام سے یہ کہہ دینا کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہو گا۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاري: ٢١٤١، ومسلم: ٤٣٢٨ (٩٩٧) وأبو داؤد: ٣٩٥٧، والترمذي: ١٢١٩، والنسائي: ٤٦٥٦، وابن ماجه: ٢٥١٣۔

مفہوم: زمانہ قدیم میں عورتوں اور مردوں کو جو غلام اور باندیاں بنا لینے کا رواج تھا' اسلام نے اسے کم اور ختم کرنے کے لیے بہت سے اصول وضع کیے ہیں' جن میں سے ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی غلام کی کارکردگی یا امانت و دیانت سے خوش ہو کر یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو گے اور میرا کوئی وارث تمہیں اپنی غلامی میں نہ رکھ سکے گا' اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ آقا کے مرنے کے بعد غلام آزاد ہو جاتا تھا اور اپنے وطن لوٹ جانے کا مجاز ہوتا تھا' فقہی اصطلاح میں اس عمل کو "تدبیر" اور اس غلام کو "مدبر" کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب مالک نے اسے ایک مرتبہ آزادی کی امید دلا دی اور اس کے دل میں بھی حریت کی شمع روشن ہو گئی تو اب اسے مستقل طور پر اس کے مرتے دم تک غلامی میں رکھنا اس کے ساتھ ناانصافی ہو گی' اس لیے اگر کوئی شخص اپنے غلام سے یہ وعدہ کرنے کے بعد اسے بیچنے کا ارادہ کرتا ہے تو گویا وہ وعدہ خلافی اور دھوکہ کا مرتکب ہوتا ہے' اور آزادی کی اس امید کو پامال کرنے والا قرار پاتا ہے جو اس نے اپنے غلام کے ذہن میں پیدا کر دی تھی جو شریعت کسی صورت گوارا نہیں کرتی اس لیے شریعت نے ایسے غلام کو بیچنے سے منع کر دیا ہے۔

رہی یہ بات کہ زیر بحث حدیث میں تو "مدبر" کو بیچنے کا صراحۃً ذکر موجود ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ اسے بیچنا منع ہے؟ تو اس کا حل یہ ہے کہ بعض اوقات انسان جوش میں آ کر کچھ ایسے فیصلے بھی کر بیٹھتا ہے جو ہوش آنے پر پچھتاوے کا سبب بنتے ہیں' چنانچہ کتب تاریخ و سیر میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ ایک شخص نے جوش میں آ کر اپنے غلام کو مدبر بنا ڈالا' بعد میں غربت نے اسے آ گھیرا کہ اپنی ضروریات کی تکمیل مشکل ہو گئی' اب ایک طرف اپنی ضروریات پوری نہیں ہو رہی اور دوسری طرف غلام کو بھی نہیں بیچ سکتے کہ اس سے کچھ رقم مل جائے اور کچھ گزارہ ہو جائے۔

زیر بحث حدیث کا تعلق اسی مجبوری کی کیفیت کے ساتھ ہے' ظاہر ہے کہ اس صورت میں اپنے غلام کو بیچے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں تھا' اس لیے نبی ﷺ نے اس کی قیمت لگا کر اسے فروخت کر دیا تاکہ مجبوری کی صورت میں نبی ﷺ کا

پر عمل رکھا جا سکے اور عام حالات میں "لا یباع المدبر ولا یوهب" پر عمل کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَلَاءِ لِمَنْ أَعْتَقَ

(۷۰۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ فَتُعْتِقَهَا فَأَبَى مَوَالِيهَا أَنْ يَبِيعُوهَا إِلَّا أَنْ تَشْتَرِطَ الْوَلَاءَ لَهُمْ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔

ولاء کا مستحق وہ ہے جس نے اسے آزاد کیا ہو

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے بریرہ کو آزاد کرنے کے لیے خریدنے کا ارادہ کیا لیکن بریرہ کے آقا کہنے لگے کہ ہم اسے صرف اس صورت میں بیچیں گے کہ آپ ولاء ہمیں دیں گی، حضرت عائشہ نے یہ بات نبی علیہ السلام سے ذکر کی تو فرمایا کہ ولاء اسی کا حق ہے جس نے غلام کو آزاد کیا ہو۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون اسی اصول کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۷۰۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ولاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري مطولاً: ۲۵۳۶ ومسلم: ۳۷۶۶ (۱۵۰٤) وابوداؤد: ۲۹۱۵ والترمذي: ۲۱۲۵ والنسائي: ۴۶۴۸ وابن ماجه: ۲۵۲۱ واحمد: ۲۴۸۰۵ وعبدالرزاق: ۱۶۱۶۲ وابن ابي شيبة: ۲۱۷۳۴۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاري: ۲۵۳۵ ومسلم: ۳۷۸۸ (۱۵۰۶) وابوداؤد: ۲۹۱۹ والترمذي: ۱۲۳۶ والنسائي: ۴۶۶۱ وابن ماجه: ۲۷۴۷ واحمد: ۴۵۶۰ ومالك: ۱۵۲۰ والطيالسي: ۱۸۸۵ وعبدالرزاق: ۱۶۱۳۸ والحميدي: ۶۳۹ وابن ابي شيبة: ۲۱۸۱۱ والدارمي: ۲۵۷۲۔

مفہوم: "ولاء" کا لفظ عام طور پر کتاب العتق میں استعمال ہوتا ہے جس کا عام فہم اور آسان ترجمہ "غلام کی وراثت" ہے یعنی جس طرح آزاد آدمی کے ترکہ کو "وراثت" کہا جاتا ہے اسی طرح غلام کے ترکہ کو "ولاء" کہا جاتا ہے، یہ جس طرح آزاد آدمی کا ترکہ اس کے ورثاء میں تقسیم ہوتا ہے اسی طرح غلام کا ترکہ اس کے آقا کو ملے گا، تاہم اس میں اتنی بات ضروری ہے کہ غلام کی ولاء کا حقدار وہ آقا ہوگا جس کے پاس وہ سب سے آخر میں آیا ہو اور وہاں آ کر اسے غلامی سے آزادی مل گئی ہو یعنی جس سے آزادی ملی ہو۔

اسی طرح ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو فروخت کرتے وقت مشتری سے یہ شرط لگائے کہ میں یہ غلام آپ کے ہاتھ فروخت تو کر رہا ہوں لیکن آپ اسے آزاد کریں گے تو "ولاء" مجھے ملے گی، اور یہ شرط لگائے کہ جب بھی یہ مرے گا اس کی ساری وراثت مجھے ملے گی، یا کوئی شخص اپنے غلام کی "ولاء" کسی کو ہبہ کر دے اور کہے کہ میں

اسے آزاد کر رہا ہوں، حق ولاء تو میرا ہے لیکن میں وہ حق آپ کو دیتا ہوں، اب یہ غلام جب فوت ہوگا تو اس کی ساری "ولاء" آپ کو مل جائے گی، نبی ﷺ نے ان دونوں صورتوں سے منع فرمایا ہے اور صرف آزاد کنندہ کا ہی حق قرار دیا ہے۔

اصل میں غلامی کی زندگی سے رہائی اور نجات پانے والے اکثر غلام اور باندیاں اپنے علاقے کو واپس جانے کی بجائے وہیں محنت مزدوری کر کے اپنی گزر اوقات کرتے رہتے تھے، اسی دوران بعض غلام اور باندیاں اپنی محنت سے بہت سا مال و دولت اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے لیکن چونکہ ان کا کوئی نسبی رشتہ دار وہاں ہوتا نہیں تھا اس لیے ان کے ترکہ پر بہت جھگڑے ہوتے تھے، نبی ﷺ نے ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھ کر یہ فیصلہ فرما دیا کہ ایسے غلاموں اور باندیوں کا سارا ترکہ ان لوگوں کو ملے گا جنہوں نے اسے آزاد کیا ہو تاکہ انہیں بھی اسے آزاد کرنے کا کچھ پھل مل جائے اور ان کا شرعی حق بھی تسلیم کر لیا جائے۔ واللہ اعلم

(۳۰۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَاصِحِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَيُقَالُ أَبُو عَجْلَانَ يَحْيَى بْنُ يَعْلَى وَإِسْحَاقُ بْنُ السَّلُولِيِّ وَأَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عُقَيْلٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْسَ مِمَّا يُعْصَى اللهُ تَعَالَى بِهِ شَيْءٌ هُوَ أَعْجَلُ عِقَابًا مِنَ الْبَغْيِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أُطِيعَ اللهُ تَعَالَى بِهِ أَسْرَعُ ثَوَابًا مِنَ الصِّلَةِ وَالْيَمِينُ الْفَاجِرَةُ تَدَعُ الدِّيَارَ بَلَاقِعَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ لَيْسَ شَيْءٌ أَعْجَلَ ثَوَابًا مِنْ صِلَةِ الرَّحِمِ وَلَيْسَ شَيْءٌ أَعْجَلَ عُقُوبَةً مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ وَالْيَمِينُ الْفَاجِرَةُ تَدَعُ الدِّيَارَ بَلَاقِعَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ مَا مِنْ عَمَلٍ أُطِيعَ اللهُ تَعَالَى فِيهِ بِأَعْجَلَ ثَوَابًا مِنْ صِلَةِ الرَّحِمِ وَمَا مِنْ عَمَلٍ عُصِيَ اللهُ تَعَالَى بِهِ بِأَعْجَلَ عُقُوبَةً مِنَ الْبَغْيِ وَالْيَمِينُ الْفَاجِرَةُ تَدَعُ الدِّيَارَ بَلَاقِعَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ مَا مِنْ عُقُوبَةٍ مِمَّا يُعْصَى اللهُ تَعَالَى فِيهِ بِأَعْجَلَ مِنَ الْبَغْيِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جن چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے ان میں بغاوت سے بڑھ کر کسی چیز پر جلدی عذاب نہیں آتا، اور جن چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی

بَابٌ إِذَا نَذَرَ فِي الطَّاعَةِ أَوِ الْمَعْصِيَةِ

(٢٠٦) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ وَلَا نَذْرَ فِيْ غَضَبٍ۔

جو شخص اطاعت یا نافرمانی کی منت مانے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین ﷜ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اطاعت الٰہی کی منت مانی ہو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جس نے نافرمانی کی منت مانی ہو اسے نافرمانی نہیں کرنی چاہیے اور شدتِ غضب میں نذر نہیں ہوتی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(٢٠٧) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الزُّبَيْرِ الْحَنْظَلِيِّ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین ﷜ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کوئی منت نہیں ہوتی اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔

حل لغات: "نذر" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی منت ماننا۔ کفارۃ یمین ای مثل کفارۃ یمین۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ البخاری: ٦٦٩٦' وابوداؤد: ٣٢٨٩' والترمذی: ١٥٢٦' وابن ماجہ: ٢١٢٦' والنسائی: ٣٨٣٧' وابن حبان: ٤٣٨٧' والطحاوی: ٣/١٢٩' واحمد: ٢٤٥٧٦۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ مسلم فی النذر: ٤٢٤٥ (١٦٤١) و ٤٢٤٣ (١٦٤٥) وابوداؤد: ٣٢٩٠' وابن ماجہ: ٢١٢٥' والنسائی: ٣٨٦٥' وابن حبان: ٤٣٩١۔

مفہوم: عام طور پر گھروں میں مائیں اپنے بچوں پر اس ترکیب کو استعمال کرتی ہیں کہ اگر بچے سے کوئی کام کروانا ہو اور وہ کام کرنے سے انکار کرے تو اسے کسی کھلونے یا ٹافی کا لالچ دے کر کہا جاتا ہے کہ اگر تم نے یہ کام کر دیا تو میں تمہیں یہ کھلونا دوں گی یا تمہیں سیر کروا کر لاؤں گی، جب بچہ وہ کام کر دیتا ہے تو بعض اوقات مائیں اپنے وعدے کو پورا کر دیتی ہیں اور بعض اوقات وہ "سیاست" کر جاتی ہیں۔

منت کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جس میں بندہ اپنا کام کروانے کے لیے اللہ میاں سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں اتنے نوافل یا روزے رکھوں گا، اسی وجہ سے بعض روایات میں منت ماننے کی ممانعت آئی ہے اور اس کی

ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے انسان کے بخل و کنجوسی کا اظہار ہوتا ہے کہ اے اللہ! اگر میرا یہ کام ہو گیا تو اتنے مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا' گویا کام نہ ہونے کی صورت میں وہ مال اپنی جیب میں ہی رہنے دوں گا' حالانکہ دیکھے آدمی کی شان تو یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے اللہ سے بندگی اور مخلوق سے خدمت کا ناطہ جوڑے رکھے۔

تاہم اگر کسی شخص نے منت مان ہی لی ہو تو اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس نے اپنا کوئی کام ہو جانے پر جس چیز کی منت مانی ہے' اس میں اطاعت الٰہی کا پہلو پایا جاتا ہے یا معصیت کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے؟ اگر پہلی صورت ہو تو اس منت کو پورا کرنا واجب ہے جیسے نماز روزے اور حج کی منت ماننا' کسی یتیم و بیوہ کے ساتھ حسن سلوک کی منت ماننا وغیرہ اور اگر دوسری صورت ہو تو اس منت کو پورا کرنا حرام ہے جیسے کسی سینما کو جانے کی منت ماننا' شراب و شباب کی محفل جمانے کی منت ماننا وغیرہ' ظاہر ہے کہ ایسی منت کو پورا نہیں کیا جائے گا۔

چونکہ منت بھی قسم ہی کے حکم میں ہوتی ہے اور اسی مناسبت سے اس حدیث کو یہاں ذکر بھی کیا گیا ہے اس لیے منت پوری نہ کر سکنے کا مطلب قسم توڑ دینا ہے اور قسم توڑنے پر کفارۂ یمین واجب ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں بھی کفارۂ یمین واجب ہوگا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ حُكْمِ اللَّغْوِ مِنَ الْأَيْمَانِ

(۳۰۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ هُوَ قَوْلُ الرَّجُلِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ۔

یمین لغو کا حکم

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کو ارشاد باری تعالیٰ "لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم" کا مطلب بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ اس سے مراد کسی آدمی کا یہ کہنا ہے "لا واللہ" یا "بلی واللہ"۔

(۳۰۹) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ قَالَتْ هُوَ قَوْلُ الرَّجُلِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ مِمَّا يَصِلُ بِهٖ كَلَامَهٗ مِمَّا لَا يَعْقِدُ عَلَيْهِ قَلْبَهٗ حَدِيْثًا۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی یہی ہے البتہ آخر میں یہ اضافہ ہے کہ اس سے کلام کو ملانا مقصود ہوتا ہے' دل اس پر جما نہیں ہے۔

حل لغات: "یصل" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جوڑنا "لا یعقد" باب ضرب سے فعل مضارع منفی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی گرہ لگانا۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۶۶۱۳، وابن حبان: ۴۳۳۳، وابو داود: ۳۲۵۴۔

مفہوم: قسم کھانے کے تین درجے ہیں: پہلا درجہ تو یہ ہے کہ ایک آدمی زمانہ ماضی کے متعلق کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے اور کرنے یا نہ کرنے سے متعلق جھوٹی قسم کھالے دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان زمانہ مستقبل کے متعلق کسی بھی نوعیت کی قسم کھالے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ زمانہ حال میں یونہی زبان پر چڑھے ہوئے الفاظ قسم کو ادا کرتا پھرے پہلے درجے کو یمین غموس دوسرے کو یمین منعقدہ اور تیسرے کو یمین لغو کہتے ہیں۔

اور یہ تیسری قسم تو عوام میں ہی نہیں خواص میں بھی بہت زیادہ پائی جاتی ہے چنانچہ بہت سے لوگوں کو بات بے بات اور خواہ مخواہ ہی قسمیں کھاتے دیکھا جاتا ہے' ظاہر ہے کہ اگر اس پر بھی ثواب اور عذاب کا فیصلہ ہونے لگے تو بہت مشکل پیش آ جائے گی اس لیے کہ بہت سے لوگوں کی زبان پر قسم' گالی کی طرح چڑھی ہوئی ہوتی ہے یعنی جس طرح بعض لوگ گالی سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا پاتے اور بات بعد میں شروع کرتے ہیں' گالی پہلے دیتے ہیں اسی طرح بعض لوگ بات بے بات قسم کھانے سے احتیاط نہیں کر سکتے اور ہر موقع پر قسم کھانا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں اس لیے اس میں کوئی کفارہ نہیں رکھا گیا۔

ماضی کی جھوٹی قسم پر انسان کو دروغ گو اور گناہگار سمجھا جاتا ہے اور مستقبل کی قسم کو پورا نہ کرنے پر اسے جرمانہ کیا جاتا ہے جسے "کفارۂ یمین" کہتے ہیں اور جس کی تفصیل ساتویں پارے کے بالکل آغاز میں ہے یعنی دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا' یا انہیں کپڑے پہنانا' یا ایک غلام کو آزاد کرنا' یا تین روزے رکھنا۔ واللہ اعلم

بَابُ الْاِسْتِثْنَاءِ فِي الْيَمِيْنِ

(۳۶۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ وَاسْتَثْنٰى فَلَهُ ثُنْيَاهُ۔

قسم میں استثناء کا لفظ لانے کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کسی چیز پر کوئی شخص قسم کھائے اور اس میں استثناء کر دے تو اس استثناء کا اسے فائدہ ہوگا۔

(۳۶۱) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ وَقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقَدِ اسْتَثْنٰى۔

ترجمہ: اس روایت کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

حل عبارت: "حلف" باب ضرب سے فعل ماضی معروف' صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قسم کھانا "واستثنی"

باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا مذکر واحد صیغہ ہے بمعنی استثناء کرنا، مراد "انشاء اللہ" کہنا ہے جیسا کہ اگلی روایت میں تصریح ہے۔

تخریج حدیث: أخرجهما ابن ماجه: ٢١٠٤، والترمذي: ١٥٣٢، وأبوداؤد: ٣٢٦١، والنسائي: ٣٨٥٩، وابن حبان: ٤٣٣٩۔

فائدہ: لفظ "انشاء اللہ" کہنے کو تو بہت مختصر ہے لیکن اس کے فوائد عظیم ہیں کہ بہت سے بگڑے ہوئے کام سنور جاتے ہیں اور بہت سے سنورے ہوئے کام بگڑ جاتے ہیں، اس کا لفظی معنی ہے "اگر اللہ نے چاہا" ظاہر ہے کہ اللہ کی مشیت تو کسی کو معلوم نہیں ہے اس لیے ہر شخص تو یہ جملہ کہنے کے بعد اپنے آپ کو ایک محفوظ حصار میں لے جاتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" تو ظاہر ہے کہ اسے طلاق ہو جائے گی اور اگر وہ یہ کہے کہ "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں انشاء اللہ" تو اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج نہیں ہوگی اور دلیل اس کی وہی ہے جو ابھی ذکر ہوئی کہ اس جملے میں طلاق کو اللہ کی مشیت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے اور اللہ کی مشیت کا کسی کو علم نہیں لہذا طلاق واقع نہیں ہوگی۔ یہی حکم تمام معاملات کا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُرْمَةِ الْخَمْرِ

(٣٢٣) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللَّهَ كَرِهَ لَكُمُ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْمِزْمَارَ وَالْكُوبَةَ.

شراب کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تمہارے لیے شراب، جوا، آلات لہو ولعب اور شطرنج کو ناپسند کرتا ہے۔

حل لغات: "کرہ" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ناپسند کرنا "المیسر" جوا "المزمار" گانے بجانے کا آلہ "الکوبۃ" شطرنج۔

تخریج حدیث: أخرجه أبوداؤد: ٣٦٨٥، وأحمد: ١/٢٨٥۔

مُفْہُومُ ہٰذِہِ: جرائم کی روک تھام کے لیے دنیا کے ہر مہذب معاشرے میں کچھ نہ کچھ اصول وضع کیے جاتے ہیں' کچھ سزائیں مقرر کی جاتی ہیں' اور معاشرے کی حفاظت کی خاطر مجرموں پر ان سزاؤں کو نافذ کیا جاتا ہے' بعض معاشروں میں انتہائی غیر انسانی اور بہیمانہ سزاؤں کے ذریعے انسانیت کی تذلیل کی جاتی ہے اور بعض معاشروں میں قانون اور سزا کا تصور موجود ہونے کے باوجود مجرم سر عام دندناتے پھرتے ہیں۔

اسلام نے اپنے ضابطہ حیات میں جن اصولوں سے بحث کی ہے ان میں شرعی سزاؤں کا باب نہایت اہمیت کا حامل ہے اور ان پر تفصیلی گفتگو کرنے کا خیال یوں بھی مزید پختہ ہو جاتا ہے کہ صرف مغرب ہی نہیں' ہمارے نام نہاد متجددین بھی شریعت کی مقرر کردہ سزاؤں پر ہمیشہ طبع آزمائی فرماتے رہتے ہیں' کسی کو ہاتھ کاٹنا خلاف انسانیت محسوس ہوتا ہے گو کہ وہ خود دوسروں کے گلے کاٹنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہو' کسی کو شراب نوشی کی سزا پر اعتراض ہے گو کہ وہ خود اس حال میں ڈرائیونگ کرنے والوں کو پکڑ کر جیل میں بند کر دیتا ہو' کسی کو کوڑوں اور رجم پر اعتراض ہے اور وہ اسے وحشیانہ اور غیر انسانی سمجھ کر گوانتانامو بے کے ذلت آمیز تشدد سے نظریں چرا لیتا ہے اور اس کے لیے "حقوق نسواں بل" جیسے فحش اور گندے آئین پاس کرتا ہے اور پوری قوم کو گندگی' فحاشی' عریانی' عطریت اور لا مذہبیت کے ایک متعفن جوہڑ میں دھکیلنا چاہتا ہے اور اس پر صدائے احتجاج بلند کرنے والوں کی "مسجد" کو خون سے "لال" کر دیتا ہے اور عوام کو حدود اللہ اور حدود آرڈیننس کی بھول بھلیوں میں دھکا دے کر خود مزے کی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔

بدقسمتی سے شریعت اسلامیہ کی ان مقرر کردہ سزاؤں میں ترمیم کرنے اور کروانے والے اور غیر بلیغ طرز سے ان کی تائید کرنے والے یہودی اور عیسائی نہیں' بلکہ کلمہ گو مسلمان ہیں' ان حدود کو ہدف تنقید بنانے والوں میں اپنے آپ کو "سید زادہ" کہلوانے والے بھی ہیں' ربع صدی سے علم کی مسند پر متمکن رہنے کا دعویٰ کرنے والے بھی ہیں اور نام نہاد آئینی ماہرین بھی۔ اگر یہ لوگ حدود اسلامیہ کی حفاظت کرنے والے مجاہد ہوتے تو ہمارے سر کا تاج ہوتے بصورت دیگر ہم انہیں اپنے پاؤں کی جوتی کی نوک پر رکھتے ہیں اس لیے کہ شعائر دین کا کھلم کھلا مذاق اڑانے والا اور ان میں اقتدار و اختیار کے نشے سے مغلوب ہو کر ترمیم کرنے والا بھی عزت و احترام کے قابل نہیں ہو سکتا۔

رہی زیر بحث حدیث تو اس میں جتنی چیزوں کو اللہ کے نزدیک انسانیت کے لیے ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے' سب کی سب شیطان کو راضی کرنے والی اور رحمان کو ناراض کرنے والی چیزیں ہیں' شراب آدمی کا خانہ خراب کرتی ہے' جوا انسان کو اپنی بیوی اور بیٹی تک داؤ پر لگا دینے کی ترکیبیں سکھاتا ہے' آلات لہو و لعب میں مست ہو کر انسان انسانیت کے دائرے سے ہی خارج ہو جاتا ہے اور شطرنج کھیلنے والا خنزیر کے خون میں اپنے ہاتھ ڈبونے والے کی مانند ہوتا ہے' اور پھر ویسے بھی اس میں سوائے وقتی لذت اور ضیاع وقت کے اچھائی کا کوئی پہلو بھی موجود نہیں اس لیے اس کا ناپسندیدہ ہونا واضح ہے کیونکہ "کل ما یلھی عن ذکر اللہ فھو لھو' واجب الترک"۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ الشُّرْبِ

(۳۶۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ أَتَاهُ رَجُلٌ بِابْنِ أَخٍ لَهُ نَشْوَانَ قَدْ ذَهَبَ عَقْلُهُ فَأَمَرَ بِهِ فَحُبِسَ حَتَّى إِذَا صَحَا وَأَفَاقَ عَنِ السُّكْرِ دَعَا بِالسَّوْطِ فَقَطَعَ ثَمَرَتَهُ ثُمَّ دَقَّهُ وَدَعَا جَلَّادًا فَقَالَ اجْلِدْهُ عَلَى جِلْدِهِ وَارْفَعْ يَدَكَ فِي جَلْدِكَ وَلَا تُبْدِ ضَبْعَيْكَ۔

قَالَ وَأَنْشَأَ عَبْدُ اللّٰهِ يَعُدُّ حَتَّى أَكْمَلَ ثَمَانِينَ جَلْدَةً خَلَّى سَبِيلَهُ فَقَالَ الشَّيْخُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَاللّٰهِ إِنَّهُ لَابْنُ أَخِي وَمَا لِي وَلَدٌ غَيْرُهُ فَقَالَ شَرُّ الْعَمِّ وَوَالِي الْيَتِيمِ أَنْتَ كُنْتَ وَاللّٰهِ مَا أَحْسَنْتَ أَدَبَهُ صَغِيرًا وَلَا سَتَرْتَهُ كَبِيرًا۔

قَالَ ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ حَدٍّ أُقِيمَ فِي الْإِسْلَامِ لَسَارِقٌ أُتِيَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَامَتْ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةُ قَالَ انْطَلِقُوا بِهِ فَاقْطَعُوهُ فَلَمَّا انْطُلِقَ بِهِ نَظَرَ إِلَى وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ كَأَنَّمَا سُفَّ عَلَيْهِ وَاللّٰهِ الرَّمَادُ فَقَالَ بَعْضُ جُلَسَائِهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَكَأَنَّ هٰذَا قَدِ اشْتَدَّ عَلَيْكَ فَقَالَ وَمَا يَمْنَعُنِي أَنْ يَشْتَدَّ عَلَيَّ أَنْ تَكُونُوا أَعْوَانَ الشَّيَاطِينِ عَلَى أَخِيكُمْ قَالُوا فَلَوْ لَا خَلَّيْتَ سَبِيلَهُ قَالَ فَلَوْلَا كَانَ هٰذَا قَبْلَ أَنْ تَأْتُونِي بِهِ فَإِنَّ الْإِمَامَ إِذَا انْتَهَى إِلَيْهِ حَدٌّ فَلَيْسَ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يُعَطِّلَهُ قَالَ ثُمَّ تَلَا وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى بِابْنِ أَخٍ لَهُ سَكْرَانَ فَقَالَ تَرْتِرُوهُ وَمَزْمِزُوهُ وَاسْتَنْكِهُوهُ فَوَجَدُوا مِنْهُ رِيحَ شَرَابٍ فَأَمَرَ بِحَبْسِهِ فَلَمَّا صَحَا دَعَا بِهِ وَدَعَا بِسَوْطٍ فَأَمَرَ بِهِ فَقُطِعَتْ ثَمَرَتُهُ وَذَكَرَ الْحَدِيثَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ إِنَّ أَوَّلَ حَدٍّ أُقِيمَ فِي الْإِسْلَامِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أُتِيَ بِسَارِقٍ فَأَمَرَ بِهِ فَقُطِعَتْ يَدُهُ فَلَمَّا انْطُلِقَ بِهِ نَظَرَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ كَأَنَّمَا يُسَفُّ فِي وَجْهِهِ الرَّمَادُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَأَنَّهُ شَقَّ عَلَيْكَ فَقَالَ أَلَا يَشُقُّ عَلَيَّ أَنْ تَكُونُوا أَعْوَانًا لِلشَّيْطَانِ عَلَى أَخِيكُمْ قَالُوا فَلَا تَدَعْهُ قَالَ فَلَوْلَا كَانَ هٰذَا قَبْلَ أَنْ تُؤْتَى بِهِ وَإِنَّ الْإِمَامَ إِذَا رُفِعَ إِلَيْهِ الْحَدُّ فَلَيْسَ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَدَعَهُ حَتَّى يُمْضِيَهُ ثُمَّ تَلَا وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا الْآيَةَ۔

شراب نوشی کی سزا

ترجمہ: یحییٰ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس ایک آدمی اپنے ایک بھتیجے کو لے کر آیا جو نشے کی حالت میں تھا اور

کرنے کے لیے میں عرض کرنا چاہوں گا کہ اولاً تو ہر کس و ناکس کو کوڑے مارنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں' یہ اسی کے کرے پر پڑیں گے جس سے کوئی جرم سرزد ہوا ہو' پھر یہ کوڑے لوہے کے نہیں' چمڑے کے ہوں گے جو اتنی زور سے مارنے کی اجازت کسی صورت نہیں کہ انسان بلبلا اٹھے' اس کی صورت یہ ہے کہ کوڑے مارنے والا اپنے ہاتھ کو صرف سر تک بلند کر سکتا ہے' سر سے پیچھے لے جا کر اپنی پوری قوت صرف کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے' اور اس سے پہلے ثبوت جرم کا جو کڑا نظام شریعت نے قائم کیا ہے' اکثر اوقات تو سزا کی نوبت ہی نہیں آتی اور اگر نوبت آ بھی جائے تو پورے معاشرے کو محفوظ کرنے کے لیے ایک آدھ آدمی کو سزا دینا کوئی ناانصافی نہیں۔

۲۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھے تو اس پر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ فوراً گورنر' حاکم یا قاضی کو جا کر اس سے مطلع کرے بلکہ اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ پردہ پوشی کرے اور کسی کے سامنے بھی اس واقعہ کا ذکر نہ کرے' اور موقع ملنے پر اس شخص کو تنہائی میں پیار محبت سے سمجھائے' اس گناہ کی برائی اس کے ذہن نشین کرائے' اس پردہ پوشی میں اللہ کے یہاں بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے عیوب اور گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے' اللہ قیامت کے دن اس کے عیوب اور گناہوں کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

بَابٌ فِيْمَا يُقْطَعُ فِيْهِ الْيَدُ

(۳۱۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كَانَ يُقْطَعُ الْيَدُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ

وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنَّمَا كَانَ الْقَطْعُ فِيْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ۔

کس قدر مال چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ عہد نبوت میں دس دراہم کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔

حل لغات: "یقطع" باب فتح سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی کاٹنا' دوسری روایات میں یہ لفظ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ضبط کیا گیا ہے اور وہی زیادہ اقرب ہے۔

تخریج: أخرجه أبو داؤد: ٤٣٨٧، النسائي: ٤٩٥٠، و ورد في رواية عبد الله بن عمرو بن العاص: أن قيمة المجن كان على عهد رسول الله ﷺ عشرة دراهم؛ أخرجه أحمد: ٦٦٨٧۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ کی وضاحت سے قبل یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ جس طرح ہر زمانے میں خرید و فروخت کے لیے مختلف کرنسیوں اور سکوں کا رواج رہا ہے اسی طرح اس زمانے میں بھی دو بڑے سکے رائج تھے' ایک قسم کے سکے چاندی کے ہوتے تھے جنہیں درہم کہا جاتا تھا جیسا کہ اب بھی کویت میں ہے اور دوسری قسم کے سکے سونے کے ہوتے تھے جنہیں دینار کہا جاتا تھا۔

پھر سونے اور چاندی کی قیمت میں اب کی طرح جب بھی ایک اور دس کا فرق ہوتا تھا' یہی وجہ ہے کہ اگر کسی

آدمی کے پاس ایک دینار ہوتا تو سمجھا جاتا تھا کہ اس کے پاس دس درہم ہیں گویا ایک دینار کو دس دراہم کے برابر سمجھنا ایک علاقائی اصول تھا جیسے ہمارے یہاں پانچ ہزار کا نوٹ دے کر ہزار ہزار کے پانچ نوٹ لینا علاقائی اصول ہے۔

شریعت نے چوری کی سزا "جسے حد سرقہ بھی کہا جاتا ہے" ہاتھ کاٹنا مقرر کی ہے اور یہ طے کیا ہے کہ شہادتوں اور گواہیوں سے اگر کسی شخص کے متعلق چوری کا الزام ثابت ہو جائے تو گٹوں تک اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تاکہ آئندہ وہ خود بھی چوری کرنے سے باز آ جائے اور دوسروں کو بھی عبرت ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ اس موقع پر ہر آدمی کے ذہن میں یہ سوال آ سکتا ہے کہ چوری کی کم از کم مقدار کیا ہے جس پر اس سزا کو نافذ کیا جائے اور اس شخص پر "سارق" ہونے کا حکم لگایا جائے؟ تو مختلف احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام کی مختلف آراء اس سلسلے میں موجود ہیں' بعض فقہاء کرام کی رائے یہ ہے کہ اگر ایک چوتھائی دینار کی قیمت کے برابر کوئی چیز چرائی جائے تو اس پر یہ سزا نافذ ہو گی جبکہ احناف اور دیگر فقہاء کرام دس درہم یعنی کم از کم ایک دینار کی کوئی چیز چرانے پر سے سرقہ قرار دیتے ہیں پہلے قول میں احتیاط اور دوسرے میں سہولت ہے۔

بَابُ الْحُدُوْدُ تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ

(۲۹۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِدْرَءُوْا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ۔

شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا شبہ کی وجہ سے حد ساقط کر دیا کرو۔

لغات کی وضاحت: "ادرء وا" باب فتح سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی دور کرنا' رفع کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابن ماجہ مثلہ: ۲۵۴۵' والترمذی: ۱۴۲۴' والسیوطی فی الصغیر: ۱/۱۴۔

مفہوم: اس حدیث کو مبارک کو سامنے رکھ کر جدید آئین میں یہ اصول وضع کیا گیا ہے کہ شک کا فائدہ ملزم اور مجرم کو ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مقدمے میں کسی شخص کو ملزم نامزد کیا گیا ہو اور اس کے لیے کچھ شواہد اور ثبوت بھی مل گئے ہوں لیکن بعض چیزوں اور شواہد کی وجہ سے مقدمہ کا تعلق اس شخص سے مشتبہ ہو جاتا ہو تو اس اشتباہ کا فائدہ ملزم کو ہو گا اور اسے اس مقدمے سے بری ہونے کا موقع مل جائے گا۔

اور موجودہ دور میں مقدمات کو شکوک و شبہات سے لبریز کر کے اپنے موکل کی حمایت کرنا وکلاء کی آ گئی مہارت کا منہ بولتا ثبوت بن گیا ہے جس سے ان کا مقصد کیس کو کمزور کرنا ہوتا ہے' اگر ان کا یہ حربہ کامیاب ہو جائے تو ان کا موکل متوقع بڑی سزا سے بچ جاتا ہے اور چھوٹے موٹے جرمانے پر اس کی سزا ٹل جاتی ہے۔

میں بطور فن تو شاید اس چیز کی تائید و حمایت نہ کر سکوں لیکن اگر واقعتی اور اتفاقی طور پر کسی مقدمے میں ایسی

تعزیر ہی کی جاتی ہوں جو مجرم کے حسب حیثیت کا فائدہ دی گئی ہوں تو مجرم کو متعلقہ سزا معاف کر دینا ہی مناسب اور حدیث نبوی کا منشا ہے تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ حاکم سے سزا ختم اور تعزیر کرنے کا اختیار بھی چھین لیا جائے بلکہ اپنی صوابدید کے مطابق تو اسے بڑھا یا کمی اور سزا سے مٹا سکتا ہے کیونکہ اس حدیث کا تعلق متعلقہ سزا ہے جیسے مثلاً چوری کی سزا ہاتھ کاٹنے کو قرار دیا گیا ہے اب اگر کسی شخص پر یہ الزام تو آیا لیکن بعض پہلوؤں سے یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ یہ شخص چوری میں ملوث نہیں ہو سکتا اس صورت میں جج اس کا ہاتھ نہیں کاٹے گا البتہ اسے سزا ختم ہو اور تعزیر کرنا یا کوئی دوسری کوئی ہلکی سزا دینا جج کی صوابدید پر موقوف ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجْمِ

(٣١٦) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ الْآخِرَ قَدْ زَنَى فَأَقِمْ عَلَيْهِ الْحَدَّ فَرَدَّهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ أَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ أَتَاهُ الرَّابِعَةَ فَقَالَ إِنَّ الْآخِرَ قَدْ زَنَى فَأَقِمْ عَلَيْهِ الْحَدَّ فَسَأَلَ عَنْهُ أَصْحَابَهُ قَالَ تُنْكِرُونَ مِنْ عَقْلِهِ شَيْئًا قَالُوا لَا قَالَ انْطَلِقُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ قَالَ فَانْطُلِقَ بِهِ فَرُجِمَ بِالْحِجَارَةِ فَلَمَّا أَبْطَأَ عَلَيْهِ الْقَتْلُ انْصَرَفَ إِلَى مَكَانٍ كَثِيرِ الْحِجَارَةِ فَقَامَ فِيهِ فَأَتَاهُ الْمُسْلِمُونَ فَرَجَمُوهُ بِالْحِجَارَةِ حَتَّى قَتَلُوهُ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ هَلَّا خَلَّيْتُمْ سَبِيلَهُ فَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِيهِ فَقَالَ قَائِلٌ هَذَا مَاعِزٌ أَهْلَكَ نَفْسَهُ وَقَائِلٌ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ تَوْبَةً فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ قَوْمَهُ طَمِعُوا فِيهِ فَسَأَلُوهُ مَا يَصْنَعُ بِجَسَدِهِ؟ قَالَ اصْنَعُوا بِهِ مَا تَصْنَعُونَ بِمَوْتَاكُمْ مِنَ الْكَفَنِ وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِ وَالدَّفْنِ قَالَ فَانْطَلَقَ بِهِ أَصْحَابُهُ فَصَلَّوْا۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ أَتَى مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَأَقَرَّ بِالزِّنَا فَرَدَّهُ ثُمَّ عَادَ فَأَقَرَّ بِالزِّنَا فَرَدَّهُ ثُمَّ عَادَ فَأَقَرَّ بِالزِّنَا الرَّابِعَةَ فَسَأَلَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ تُنْكِرُونَ مِنْ عَقْلِهِ شَيْئًا قَالُوا لَا قَالَ فَأَمَرَ بِهِ أَنْ يُرْجَمَ فِي مَوْضِعٍ قَلِيلِ الْحِجَارَةِ قَالَ فَأَبْطَأَ عَلَيْهِ الْمَوْتُ فَانْطَلَقَ يَسْعَى إِلَى مَوْضِعٍ كَثِيرِ الْحِجَارَةِ وَاتَّبَعَهُ النَّاسُ فَرَجَمُوهُ حَتَّى قَتَلُوهُ ثُمَّ ذَكَرُوا شَأْنَهُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ لَوْ لَا خَلَّيْتُمْ سَبِيلَهُ قَالَ وَاسْتَأْذَنَ قَوْمُهُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي دَفْنِهِ وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِ فَأَذِنَ لَهُمْ فِي ذَلِكَ قَالَ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ قُبِلَ مِنْهُمْ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ أَنْ يُرْجَمَ فَرُجِمَ فِي مَوْضِعٍ قَلِيلِ الْحِجَارَةِ فَأَبْطَأَ عَلَيْهِ الْقَتْلُ فَذَهَبَ إِلَى مَكَانٍ كَثِيرِ الْحِجَارَةِ وَاتَّبَعَهُ النَّاسُ حَتَّى رَجَمُوهُ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ

اِلَّا خَلَّيْتُمْ سَبِيلَهُ۔

وَفِي رِوَايَةٍ لَمَّا هَلَكَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ بِالرَّجْمِ اخْتَلَفَ النَّاسُ فِيهِ فَقَالَ قَائِلٌ مَاعِزٌ أَهْلَكَ نَفْسَهُ وَقَالَ قَائِلٌ تَابَ فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَقُبِلَ مِنْهُ أَوْ تَابَهَا فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ۔

وَفِي رِوَايَةٍ جَاءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ جَالِسٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنِّي زَنَيْتُ فَأَقِمِ الْحَدَّ عَلَيَّ فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ فَفَعَلَ ذَلِكَ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذَلِكَ يَرُدُّهُ النَّبِيُّ ﷺ وَيُعْرِضُ عَنْهُ فَقَالَ فِي الرَّابِعَةِ أَبِكُمْ ثُمَّ بِنْ عَقْلِ هَذَا شَيْئًا قَالُوا مَا نَعْلَمُ إِلَّا عَاقِلًا وَمَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا قَالَ فَاذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ قَالَ فَذَهَبُوا بِهِ إِلَى مَكَانٍ قَلِيلِ الْحِجَارَةِ فَلَمَّا أَصَابَتْهُ الْحِجَارَةُ جَزِعَ قَالَ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ حَتَّى أَتَى الْحَرَّةَ فَثَبَتَ لَهُمْ قَالَ فَرَمَوْهُ بِجَلَامِيدِهَا حَتَّى سَكَتَ قَالَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَاعِزٌ حِينَ أَصَابَتْهُ الْحِجَارَةُ جَزِعَ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ لَا خَلَّيْتُمْ سَبِيلَهُ قَالَ فَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِي أَمْرِهِ فَقَالَتْ طَائِفَةٌ هَلَكَ مَاعِزٌ وَأَهْلَكَ نَفْسَهُ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ بَلْ تَابَ إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَا نَصْنَعُ بِهِ قَالَ اصْنَعُوا بِهِ كَمَا تَصْنَعُونَ بِمَوْتَاكُمْ مِنَ الْغُسْلِ وَالْكَفَنِ وَالْحَنُوطِ وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِ وَالدَّفْنِ وَقَدْ رُوِيَ الْحَدِيثُ بِرِوَايَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ نَحْوَ مَا تَقَدَّمَ۔

شادی شدہ زانی کو رجم کرنا

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ ماعز بن مالکؓ نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ مجھ سے پیچھے دو ہونے والے سے بدکاری کا گناہ سرزد ہو گیا ہے اس لیے اس پر حد جاری کر دیجئے نبی ﷺ نے انہیں لوٹا دیا' چار مرتبہ اسی طرح ہوا چوتھی مرتبہ نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ تم اس کی عقل میں کچھ کمی محسوس کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا نہیں' فرمایا پھر اسے لے جا کر رجم کر دو۔

چنانچہ انہیں لے جایا گیا اور لوگوں نے انہیں پتھر مارنا شروع کیے' لیکن جب اس طرح ان کی روح نکلنے میں تاخیر ہونے لگی تو وہ اسی جگہ بھاگ گئے جہاں پتھر بہت زیادہ تھے اور وہاں جا کر کھڑے ہو گئے اور مسلمانوں نے آ کر انہیں اتنے پتھر مارے کہ وہ شہید ہو گئے' نبی ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ تم نے اس کا راستہ کیوں نہ چھوڑ دیا؟

اس پر لوگ آپس میں اختلاف کرنے لگے' کسی نے کہا کہ ماعز نے اپنے آپ کو خود ہلاک کر لیا' اور کسی نے کہا کہ مجھے امید ہے یہ اس کی توبہ تھی ہو گی' جب نبی ﷺ تک یہ باتیں پہنچیں تو فرمایا کہ اس اکیلے نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر

لوگوں کی بہت بڑی جماعتیں ایسی توبہ کر لیں تو وہ ان کی طرف سے بھی قبول ہو جائے' لوگوں کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہیں ماعز پر رشک آیا۔

چنانچہ لوگوں نے آ کر پوچھا کہ ان کی نعش کے ساتھ کیا کیا جائے؟ فرمایا جو عام مردوں کے ساتھ کرتے ہو وہی اس کے ساتھ بھی کرو۔ یعنی کفن بھی دو' نماز جنازہ بھی پڑھو اور دفن بھی کرو' چنانچہ لوگوں نے انہیں لے جا کر ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

حَلِّ لُغَاتِ: "الاخر" خ کے کسرہ ساتھ "متاخر" کے معنی میں ہے اور مراد نیکی کے کاموں میں پیچھے رہ جانے والا ہے "فلا رجموہ" باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی سنگسار کرنا "خلیتم" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی خالی کر دینا' چھوڑ دینا۔ "فئام" فئۃ کی جمع غیر قیاسی ہے بمعنی جماعت۔

تخریج حدیث: أما قصة ماعز بن مالك فقد أخرجه جميع أصحاب الحديث بألفاظ مختلفة مثلاً أخرجه البخاري: ٦٨٢٤، و٦٨٢٥، ومسلم: ٤٤٢٨ (١٦٩٤) و٤٤٣١، ٤٤٣٢ (١٦٩٥) وأبوداود من: ٤٤١٩، إلى: ٤٤٣٢، والترمذي: ١٤٢٨، ١٤٢٩، وابن ماجه: ٢٥٥٤، وابن حبان من: ٤٤٢٨، إلى: ٤٤٤٠۔

مفہوم: اس حدیث سے فقہاء و محدثین نے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے اور ان پر تفصیلی کلام کیا ہے تاہم یہاں چند باتوں پر اکتفاء کیا جائے گا۔

۱۔ کنوارے مرد و عورت کے لیے بدکاری کی سزا سو کوڑے مقرر کی گئی ہے اور شادی شدہ کے لیے رجم۔

۲۔ ابتداء اسلام میں جب ان سزاؤں کا نفاذ شروع ہوا تو معاشرے سے ان گناہوں کی گندگی خود بخود دور ہونے لگی حتیٰ کہ شہادتوں اور گواہیوں کے ذریعے اس قسم کے الزامات کا سلسلہ تقریباً بند ہو گیا اور خود اپنے اقرار و اعتراف کے ذریعے بھی جن لوگوں نے اپنی طرف اس گناہ کی نسبت کی' ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے' ان ہی میں سے ایک واقعہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی کا بھی ہے' حضرت غامدیہ کا واقعہ بھی انہی میں سے ہے' لیکن جوں جوں عہد نبوت سے بعد ہوتا گیا اور ان سزاؤں کا نفاذ بھی پشت ڈالا جاتا رہا' توں توں معاشرے میں بے راہ روی کے واقعات روز افزوں ہوتے گئے۔

۳۔ ان سزاؤں میں بھی اس قدر ہمدردی کا پہلو برقرار رکھا گیا ہے کہ اگر کسی شخص پر حد رجم جاری کی جا رہی ہو اور وہ پتھروں کی بوچھاڑ سے تنگ آ کر وہاں سے بھاگ جائے تو شریعت اس بات کی ترغیب دیتی ہے کہ اس کا پیچھا چھوڑ دیا جائے' ہمدردی کے اس نوع کے بہت سے پہلو اور بھی گنوائے جا سکتے ہیں جن سے دوسرے آئین اور قانون کی کتابیں خالی ہیں۔

۴۔ ثبوت زنا کے لیے چار عینی شاہدین کا ہونا ضروری ہے' اقرار جرم کی صورت میں ایک مرتبہ کا اقرار ایک گناہ کے متراف قرار دے کر اس سے چار مرتبہ اعتراف کروایا جائے گا' اگر وہ چاروں مرتبہ اعتراف کر لے تو اس پر سزا جاری کر دی جائے

کی بصورت دیگر اس کو چھپا نہیں کیا جا سکے گا۔

۵۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کیسا عجیب دل تھا کہ اپنے آپ کو خود مروا دیا، حضور نبی ﷺ نے اسے بار بار واپس کیا؟ میں کہتا ہوں کہ ہاں! وہ عجیب ہی تھا جب ہی اس نے تا قیامت کے لیے قبر کے پیٹ میں اترنا گوارا کر لیا لیکن قوموں کی زندگی اپنے ہی جیسے دوسرے افراد کی۔ یہی وہ عشق ہے جو انسان کو اپنے کسی عمل سے اپنے ضمیر کا مردہ ہو کر شرمندگی سے بچنے سے بچا لیتی۔

بَابُ هَلْ يُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِالذِّمِّيِّ قِصَاصًا

۳۷۲/ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ رَبِيعَةَ عَنْ ابْنِ الْبَيْلَمَانِيِّ قَالَ قَتَلَ النَّبِيُّ ﷺ مُسْلِمًا بِمُعَاهِدٍ فَقَالَ أَنَا أَحَقُّ مَنْ أَوْفَى بِذِمَّتِهِ۔

کیا مسلمان کو ذمی کے بدلے قصاصاً قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

ترجمہ: ابن بیلمانی کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک معاہد کے بدلے میں مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا اپنی ذمہ داری پوری کرنے کا سب سے زیادہ حق دار میں ہوں۔

لغوی تحقیق: "بمعاهد" بمعنی "الذی عاهد"۔ "اوفی" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پورا کرنا۔

تخریج الحدیث: اخرجہ الدارقطنی ۳/۱۳۵، والبیهقی فی الکبریٰ: ۱۶۹۲۹، ویحیی بن آدم فی الخراج: ۲۰۱۔

مفہوم: کسی اسلامی سلطنت و ریاست میں اگر کوئی کافر رہتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو وہ اسی ملک کا شہری ہو گا اور اسلامی سلطنت کے تابع رہ کر اپنی زندگی گزارتا ہو گا، یا وہ باہر سے آیا ہو گا، پہلی صورت میں اسے ذمی کہتے ہیں اور دوسری صورت میں اسے "مستامن" کہتے ہیں۔

ذمیوں کے احکام جدا ہیں اور مستامن یعنی باہر سے آنے والے کافروں کے احکام جدا ہیں، ان ہی میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی کو قتل کر دیا خواہ وہ کافر ہو، یہودی یا عیسائی، تو قانون قصاص کا تقاضا یہ ہے کہ اس ذمی کا بدلہ مسلمان سے لیتے ہوئے اسے بھی قتل کیا جائے الا یہ کہ مقتول کے ورثاء دیت یا معافی پر راضی ہو جائیں۔

زیر بحث حدیث کے مطابق تو اس مسئلہ کا یہی حکم ہے لیکن صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث کے مطابق کسی بھی کافر کے بدلے میں کسی مسلمان کو قتل نہیں کیا جا سکتا، جس سے ان دونوں باتوں میں ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے، احناف اس ٹکراؤ کو ختم کرنے کے لیے قیاس کے ذریعے اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں جو ابھی ذکر کی گئی اور دیگر فقہاء کرام صحیح بخاری وغیرہ

کی مخالف یا حدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔

اقرب الی الفہم بات یہ ہے کہ بخاری وغیرہ کی مخالف یا اس حدیث میں ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ضابطہ اور اصول یہی ہے کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر کوئی کافر ذمی ہو، مثلاً اس کا بدلہ نہ لینے سے ریاستی بغاوت یا خون خرابے کا اندیشہ ہو تو اس وسیع تر نقصان سے بچنے کے لیے جزوی طور پر اس حدیث پر عمل کر لیا جائے جو یہاں ذکر ہوئی۔ واللہ اعلم۔

بَابُ حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ

(۲۲۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَعَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى حُرْمَةَ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ كَحُرْمَةِ اُمَّهَاتِهِمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ مِنَ الْقَاعِدِيْنَ يَخُوْنُ اَحَدًا مِنَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ اَهْلِهِ اِلَّا قِيْلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِقْتَصَّ فَمَا ظَنُّكُمْ۔

مجاہدین کی عورتوں کا تقدس

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی عورتوں کی حرمت جہاد کے انتظار میں بیٹھنے والے مردوں پر اسی طرح رکھی ہے جیسے ان کی ماؤں کی حرمت، اور ان بیٹھنے والوں میں سے جو شخص بھی کسی مجاہد کے اہل خانہ میں خیانت کا ارتکاب کرتا ہے، قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا کہ اس کا قصاص دو، اب تمہارا کیا خیال ہے؟

حل عبارت: "یخون" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی خیانت کرنا۔ "اقتص" باب افتعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی قصاص لینا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابوداؤد: ۲۴۹۶، والنسائی: ۳۱۹۱، ومسلم: ۴۹۰۸ (۱۸۹۷)، واحمد: ۲۳۳۶۶، وابن حبان: ۴۶۳۴۔

مفہوم: اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے جس دین کا انتخاب کیا ہے اسے "اسلام" بھی قرار دیا ہے وہ

کے پیروکاروں پر اس کی دعوت دنیا کے ہر کونے تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی عائد کی ہے‘ اس سلسلے میں منشاءِ الٰہی یہ ہے کہ پوری دنیا کلمۂ توحید پڑھ کر اسلام کے سایۂ رحمت تلے آ جائے‘ اگر کوئی قوم‘ ملک یا شخص ایمان کرنا چاہے تو اسے دین اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہ کیا جائے البتہ اسے اسلام کا باجگذار بن کر رہنا ہوگا اور وہ خراج دے کر مسلمانوں کی ماتحتی میں اپنا کاروبارِ حکومت چلاتے رہیں جس کے عوض مسلمان ان کی جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کریں گے‘ اگر وہ یہ صورت اختیار کرنے سے بھی انکار کر دیں اور اسے اپنی توہین سمجھیں تو پھر ان کے اور مسلمانوں کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

اس دوران اگر کوئی مسلمان اپنی جان کا نذرانہ بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ ”شہید“ قرار پاتا ہے اور اسے رضاءِ الٰہی اور انعامات جنت کا مستحق ٹھہرایا جاتا ہے اور اگر کوئی کافر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تو وہ سیدھا جہنم میں پہنچتا ہے‘ گویا فتح کی صورت میں مسلمان اس ملک میں اللہ کا پرچم بلند کر دیتے ہیں اور وہ ملک اسلامی محروسہ علاقوں میں شمار ہونے لگتا ہے اور دوسری صورت میں مسلمان انعامات جنت سے سرفراز ہوتا ہے اور دنیوی اعتبار سے بھی اسے مختلف اعزازات سے نوازا جاتا ہے مثلاً یہ کہ اسے انہی خون آلود کپڑوں اور جسم میں اللہ کی بارگاہ میں پیش کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اعلاءِ کلمۃ اللہ میں اپنی قربانی کا ثبوت حاضر کر سکے۔

مجاہدین میں ہمیشہ دو گروہ ہوتے ہیں‘ ایک وہ جو میدانِ کارزار میں دادِ شجاعت دے رہے ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو اپنی باری کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں گو کہ دونوں کا مقصود ایک ہی ہے لیکن دونوں کا درجہ برابر نہیں ہے‘ تاہم انتظار کرنے والے عام لوگوں سے پھر بھی افضل ہیں‘ اب اندازہ لگائیے کہ میدانِ کارزار میں دادِ شجاعت دینے والے مجاہدین کو منتظر مجاہدین پر جو فضیلت ہوگی‘ سو ہوگی‘ ان کی بیویوں کا تقدس منتظر مجاہدین کے لیے اپنی ماؤں جیسا قرار دے دیا گیا تاکہ ایک طرف ان کی فضیلت اور عظمت و اہمیت ظاہر ہو جائے اور دوسری طرف لوگوں کی دست درازی‘ بدنگاہی اور غلط نظروں سے ان کی حفاظت بھی ہو جائے‘ اس لیے کہ اگر جہاد کا انتظار کرنے والوں میں سے کسی کے ذہن پر شیطان سوار ہو جائے اور وہ اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر اس کے اہل خانہ پر دست درازی کرنا چاہے تو یہ کچھ بعید نہیں ہے‘ تاہم اگر اس کے سامنے یہ حدیث اور غیرت ہو تو اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ وہ اس خاتون پر دست درازی نہیں کر رہا‘ گویا اپنی ماں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا رہا ہے اور اس سے قیامت کے دن اس کا انتقام لیا جائے گا‘ جب انتظار کرنے والوں کا یہ حکم ہے تو عام لوگوں کا کیا حکم ہوگا‘ اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجیے۔

بَابُ وَصِيَّةِ الْإِمَامِ لِلْبَعْثِ

(٧١٩) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا بَعَثَ جَيْشًا اَوْ سَرِيَّةً اَوْصٰى اَمِيْرَهُمْ فِيْ خَاصَّةِ نَفْسِهٖ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَاَوْصٰى بِمَنْ مَعَهٗ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اُغْزُوْا

بِسْمِ اللّٰهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ لَا تَغُلُّوْا وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَا تُمَثِّلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَلَا
شَيْخًا كَبِيْرًا فَإِذَا لَقِيْتُمْ عَدُوَّكُمْ فَادْعُوْهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَبَوْا فَادْعُوْهُمْ إِلَى إِعْطَاءِ الْجِزْيَةِ فَإِنْ
أَبَوْا فَقَاتِلُوْهُمْ وَإِذَا حَاصَرْتُمْ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوْكُمْ أَنْ تُنْزِلُوْهُمْ عَلَى حُكْمِ اللّٰهِ تَعَالَى فَلَا تُنْزِلُوْهُمْ
فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ مَا حُكْمُ اللّٰهِ وَلٰكِنْ أَنْزِلُوْهُمْ عَلَى حُكْمِكُمْ ثُمَّ احْكُمُوْا فِيْهِ بِمَا بَدَا لَكُمْ فَإِنْ
أَرَادُوْكُمْ أَنْ تُعْطُوْهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ فَأَعْطُوْهُمْ ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ آبَائِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَأَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَمَكُمْ
أَهْوَنُ مِنْ أَنْ تُخْفِرُوْا بِذِمَّةِ اللّٰهِ فِيْ رَقَبَتِكُمْ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ فَإِنْ أَرَادُوْكُمْ أَنْ تُعْطُوْهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ رَسُوْلِهِ فَلَا تُعْطُوْهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَلَا ذِمَّةَ رَسُوْلِهِ
وَلٰكِنْ أَعْطُوْهُمْ ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ آبَائِكُمْ فَإِنَّكُمْ أَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ آبَائِكُمْ أَيْسَرُ.

لشکر کی روانگی کے وقت امیر لشکر کو وصیت کرنا

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا سریہ کو روانہ فرماتے تو اس کے امیر کو خاص طور پر اس کی اپنی ذات کے متعلق تقویٰ کی وصیت فرماتے اور اس کی معیت میں جو مسلمان ہوتے ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے اور فرماتے کہ اللہ کا نام لے کر اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے جہاد میں شرکت کرو، اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے جہاد کرو، مال غنیمت میں خیانت نہ کرو، بدعہدی نہ کرو، لاشوں کا مثلہ نہ کرو، کسی بچے اور عمر رسیدہ بوڑھے کو مت قتل کرو، جب دشمن سے آمنا سامنا ہو تو پہلے انہیں اسلام کی طرف بلاؤ، اگر وہ انکار کر دیں تو انہیں جزیہ دینے کی دعوت دو، اگر وہ اس سے بھی انکار کر دیں تو ان سے لڑو۔

جب تم کسی قلعے کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے تمہیں "حکم خداوندی" پر اتارنا چاہیں تو ایسا مت کرو کیونکہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس سلسلے میں "حکم خداوندی" کیا ہے؟ ہاں! انہیں اپنے فیصلے پر اتارنا، اس کے بعد جو مناسب سمجھو فیصلہ کر لینا، اگر وہ تم سے اللہ کا ذمہ دینے کا مطالبہ کریں تو تم انہیں اپنی اور اپنے آباؤ اجداد کی ذمہ داری دے دینا، کیونکہ تم اپنی ذمہ داری کو توڑ دو یہ اس سے زیادہ آسان ہے کہ تم اللہ کی ذمہ داری کو توڑ دو۔

فائدہ: اگلی حدیث میں اس کا ایک جزو مذکور ہے۔

(۱۲۰۰) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُثْلَةِ.

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مثلہ کی ممانعت فرمائی ہے۔

حل لغات: "اوصی" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وصیت کرنا۔ "اغزوا" باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی جہاد کرنا۔ "لا تغلوا" باب نصر سے فعل نہی معروف کا مذکر، صیغہ

ہے بمعنی مال غنیمت میں خیانت کرنا۔ "لا تغدروا" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی وعدہ خلافی کرنا۔ "لا تمثلوا" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ناک کان وغیرہ کاٹنا۔ "تخفروا" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بے حرمتی کرنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه الترمذي: ١٦١٧، ومسلم: ٤٥٢٢ (١٧٣١) وابن ماجه: ٢٨٥٨، واحمد: ٢٣٣٦٦، وعبدالرزاق: ٩٤٢٨، والدارمي: ٢٤٤٤، وابوداؤد: ٢٦١٢، وابو يعلى: ١٤١٣۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاري: ٦٥٠٥، والنسائي: ٤٤١٧، وابن حبان: ٤٤٧٣، ٥٦٢٧، وابن ماجه: ٢١٨٥ والدارمي: ٢/٨٢۔

مفہوم: دنیا میں بڑے بڑے فاتح اور کشور کشا گزرے ہوں گے لیکن اصول جنگ میں ان دفعات کو "جن کا ترجمہ ابھی گزرا" آئینی حیثیت دینے کا شرف فاتح عالم ﷺ کے علاوہ کسی اور کے حصے میں نہ آ سکا۔ تاریخ کے کسی جرنیل کی ایسی باریک بینی کا ہمیں علم نہیں جس کی ایک جھلک یہاں دکھائی گئی ہے اور اس پر بھی لوگ "جہاد" کو فضول اور دور جاہلیت کی پیداوار قرار دینے پر العیاذ باللہ مصر ہیں، حکومتیں ایسے لوگوں کی خدمات حاصل کرنے کے لیے بے قرار رہتی ہیں اور ایسے افراد اپنے پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں۔

ذرا ایک مرتبہ پھر ان ہدایتوں کو پڑھئے، ان کی باریک بینی پر غور کیجئے اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ کیجئے کہ اسلام کے اس جہاد کو فاتحین عالم اور نامی گرامی سپہ سالاروں اور شاہان مملکت کی کشور کشائی اور جہاں گیری سے معمولی سی نسبت بھی ہے؟

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ حَدِّ الْبُلُوْغِ

(٣٢١) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ حَمَّادٍ وَاَبِيْهِ وَالْقَاسِمِ بْنِ مَعْنٍ وَعَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ قَالَ عُرِضْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ قُرَيْظَةَ فَاَمَرَ بِقَتْلِ كِبَارِهِمْ وَسَبْيِ صِغَارِهِمْ فَمَنْ اَنْبَتَ قُتِلَ وَمَنْ لَمْ يُنْبِتْ اُسْتُحْيِيَ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ عُرِضْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اُنْظُرُوْا فَاِنْ كَانَ اَنْبَتَ فَاضْرِبُوْا عُنُقَهُ فَوَجَدُوْنِيْ لَمْ اُنْبِتْ فَخَلّٰى سَبِيْلِيْ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ كُنْتُ فِيْ سَبْيِ قُرَيْظَةَ فَعُرِضْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَنَظَرُوْا اِلٰى عَانَتِيْ فَوَجَدُوْنِيْ لَمْ اُنْبِتْ فَاَلْحَقُوْنِيْ بِالسَّبْيِ۔

حد بلوغ کیا ہے؟

ترجمہ: حضرت عطیہ قرظی کہتے ہیں کہ غزوہ بنو قریظہ کے دن ہمیں نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، نبی ﷺ کھڑے ہوئے

دو حکم دیا کہ ان کے بڑے قتل کر دیے جائیں اور بچے قید کر لیے جائیں چنانچہ جس کے زیر ناف بال آ چکے تھے سے قتل کر دیا گیا اور جس کے بال نہیں اگے تھے اسے زندہ چھوڑ دیا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو فرمایا دیکھو اگر اس کے بال اگ آئے ہوں تو اس کی گردن اڑا دو انہوں نے جب دیکھا تو میرے جسم پر بال نہیں آئے تھے اس لیے میرا راستہ چھوڑ دیا گیا۔

حل لغات: "عرضت" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی پیش ہونا "انبت" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اگنا اسی سے نباتات کا لفظ ماخوذ ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی مختصراً: ۱۵۸۴ وابوداؤد: ۴۴۰۴ وابن ماجه: ۲۵۴۱ وابن حبان: ۴۷۸۰ والحميدي: ۸۸۸ والطيالسي: ۱۲۸۴ والدارمي: ۲۴۶۴ والبزار: ۲۱۰۴ واحمد: ۱۸۹۸۳۔

مفہوم: بنو قریظہ یہودیوں کے ایک قبیلے کا نام تھا مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد نبی ﷺ نے ان سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہم دونوں مشکل وقت میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور ایک دوسرے کے دشمن کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہیں کریں گے کچھ عرصے تک یہودی اس معاہدے کی پابندی اور پاسداری کرتے رہے لیکن پھر انہوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی شروع کر دی جو ابتداء میں غیر محسوس طریقے سے ہوتی رہی پھر کھلم کھلا اور علانیہ یہ کام ہونے لگا۔

اس کے علاوہ بھی ان کی طرف سے اسلام اہل اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف بہت سی سازشیں کی گئیں جن میں سے اکثر پکڑی گئیں اور ناکام ہو گئیں جب یہ معاملہ حد سے زیادہ بڑھ گیا تو وحی الٰہی کے مطابق نبی ﷺ نے ان پر لشکر کشی کی اور ان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا کچھ عرصہ تک تو یہ لوگ مقابلہ کرتے رہے لیکن محاصرہ کی شدت دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے اور طے یہ ہوا کہ ان کے متعلق حضرت سعد بن معاذؓ جو بھی فیصلہ کریں گے وہ فریقین کو قبول ہو گا۔

مذکورہ فیصلہ الٰہی تھا جس کی تائید نبی ﷺ نے اپنے قول و عمل سے خود بھی فرمائی تھی چونکہ حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم بنانے میں یہودیوں کی مرضی بھی شامل تھی اس لیے وہ بھی ان کے اس فیصلے سے سرتابی نہیں کر سکتے تھے یوں یہ فیصلہ متفق طور پر نافذ کر دیا گیا ان کے جنگجو اور نوجوان افراد کو قتل کر کے ان کی عورتوں کو جنگی قیدی بنا لیا گیا اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کر لیا گیا۔

بَابٌ لَا تُفَادَى جِيفَةُ الْأَسِيرِ

(۳۲۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ قُتِلَ فِي الْخَنْدَقِ فَأَعْطَى الْمُشْرِكُونَ بِجِيفَتِهِ مَالًا فَنَهَاهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ.

قیدی کی لاش کا فدیہ نہ لیا جائے

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ غزوہ خندق کے دن مشرکین میں سے ایک شخص خندق میں گر کر مارا گیا

مشرکین نے اس کے مردار لاشے کے بدلے زر و دولت کی پیشکش کی، نبی ﷺ نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا (اور اس کا لاشہ یونہی ان کے حوالے کر دیا)

حل عبارت: "جیفۃ" مردار، گلی سڑی لاش۔

تخریج حدیث: اخرجہ الترمذی ۱۷۱۵ واحمد ۲۲۳

مفہوم: بین الاقوامی طور پر اب بھی اس بات کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اپنے فوجیوں کی لاشوں کو حاصل کر کے اپنے ملک میں دفن کیا جائے خواہ اس کے لیے مالی معاوضہ ہی کیوں نہ پیش کرنا پڑے لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے کبھی لاشوں پر سیاست نہیں کی، یقیناً اگر اس وقت ہمارے سیاستدان یا حکمران ہوتے یا اب کوئی ایسا موقع پیش آ جائے تو وہ اس میں اپنے مفادات کا حصول ضرور ممکن بنائیں گے اور اسے اپنا تدبر، عاقبت اندیشی اور معاملہ فہمی قرار دیں گے، اے کاش! ہم لاشوں پر سیاست کرنا چھوڑ دیں۔

کوئی لاشوں پر سیاست کر کے فوجی امداد حاصل کرنا چاہتا ہے اور کوئی ننھے منے معصوم بچیوں اور بچوں کی لاشوں پر سیاست کا بازار گرم کر کے اقتدار کی راہ اپنے لیے ہموار کرنا چاہتا ہے لیکن کسی کو ان لاشوں کے ورثاء کا خیال نہیں آتا، کسی کو ان لاشوں سے روح نکلتے وقت ان کی بے بسی کا خیال نہیں آتا۔

اے کاش! ہمارے مردہ ضمیر کو حیات نو حاصل ہو اور وہ زندگی کو زندگی سمجھ کر گزار سکے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ أَنْ يُبَاعَ الْخُمُسُ حَتَّى يُقْسَمَ

(۳۲۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ أَنْ يُبَاعَ الْخُمُسُ حَتَّى يُقْسَمَ۔

مال غنیمت کے خمس کو تقسیم سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے دن تقسیم سے قبل مال غنیمت کو بیچنے سے منع فرمایا۔

فائدہ: اگلی روایت بھی اسی کے قریب قریب ہے۔

(۳۲۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَقْسِمْ شَيْئًا مِنْ غَنَائِمِ بَدْرٍ إِلَّا بَعْدَ مَقْدَمِهِ الْمَدِينَةَ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کا مال غنیمت اس وقت تک تقسیم نہیں کیا جب تک مدینہ منورہ میں رونق افروز نہ ہو گئے۔

حل لغات: "یباع" باب ضرب سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بیچا "غنائم" جمع ہے غنیمت کی۔

تخریج حدیث اول: اخرجه الترمذي: ١٥٦٣، وابوداؤد بالفاظ مختلفة في خرج: ٢٦٥٨، واحمد: ١٠٨/٤، والنسائي: ٤٦٩٩۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن هشام في سيرته: ٣٤٦/١۔

مفہوم: اس حدیث میں یہ جو فرمایا گیا کہ تقسیم سے قبل مال غنیمت کو فروخت کرنا منع ہے بظاہر اس کی وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اس لیے کہ جب تک کوئی چیز انسان کی ملک میں داخل نہیں ہوگی وہ خود بھی اس کی خرید و فروخت نہیں کرے گا اور قانونی طور پر بھی اسے ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہوگا لیکن جب ذرا گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو اس کی حکمت واضح ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ہو سکتا ہے مجاہدین میں سے کسی کے ذہن میں کسی وقت یہ خیال آ جائے کہ یہ مال غنیمت جو ہمیں جہاد سے حاصل ہوا ہے چونکہ میں بھی اس میں شریک تھا اس لیے میرا حصہ بھی اس میں برابر کا ہے اور وہ اس خیال کے تحت اس میں سے کوئی چیز لے کر خود ہی فروخت کر دے تو اس کی نفی کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ یہ ٹھیک ہے کہ اس مال غنیمت میں تمہارا بھی برابر کا حصہ ہے لیکن جب تک یہ تقسیم ہو کر تمہارے ہاتھوں میں نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس میں تصرف کو جائز نہ سمجھنا اس لیے کہ جس طرح تمہارے ذہن میں یہ خیال آ سکتا ہے کسی دوسرے کے ذہن میں بھی آ سکتا ہے۔

اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ نبی علیہ السلام مال غنیمت کو اس وقت تک تقسیم نہیں فرماتے تھے جب تک مدینہ منورہ میں رونق افروز نہ ہو جاتے' اس دوران اتنا وقفہ ہوتا تھا جس میں کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو جانا ممکن نظر آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ

(۳۴۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَ ذٰلِكَ مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ۔

مشتبہ چیزوں سے بچنے کا بیان

ترجمہ: امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان جو چیزیں ہیں وہ شبہ میں ڈالنے والی ہیں' جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے' سو جو شخص ایسی چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت محفوظ کر لی۔

حل لغات: "اتقی" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بچنا "استبرا" باب استفعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی براءت طلب کرنا' مراد محفوظ کر لینا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۵۲، ۲۰۵۱ ومسلم: ۴۰۹۴ (۱۵۹۹) وابوداؤد: ۳۳۲۹ والترمذی: ۱۲۰۵ والنسائی: ۴۴۵۸ وابن ماجه: ۳۹۸۴ وابن حبان: ۷۲۱ والدارمی: ۲/۲۴۵۔

مفہوم حدیث: یہاں سے معاملات کی ابحاث و احادیث کا بیان شروع ہو رہا ہے جو شریعت اسلامیہ میں ایک اہم حیثیت رکھتے ہیں' یہ بات کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بہت سے لوگ معیشت و اکنامکس اور اقتصادیات کو ایک ایسا موضوع خیال کرتے ہیں جس میں ان کے گمان کے مطابق اسلامی تعلیمات اولاً تو ہیں ہی نہیں اور اگر ہیں بھی تو نہ ہونے کے برابر' لیکن حقائق آشنا لوگ جانتے ہیں کہ معاشیات اور اقتصادیات کے سب سے زیادہ مضبوط اور واضح اصول سب سے پہلے اسلام ہی نے وضع کیے ہیں۔

اور اسلام ہی وہ واحد معاشی نظام پیش کرتا ہے جس میں حلال اور حرام کی تمیز سکھائی جاتی ہے' حلال ذرائع کو اختیار کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور حرام ذرائع سے بچایا جاتا ہے اور اس بات کی تلقین کی جاتی ہے کہ اگر کسی چیز میں حلال و حرام کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جائے اور یقینی طور پر اسے حلال یا حرام قرار دینے میں دلائل کی رو سے اطمینان نہ ہوتا ہو تو بہتر یہ ہے کہ ان چیزوں سے اجتناب کیا جائے کیونکہ ہر حلال چیز کو اختیار کرنا ضروری نہیں ہے' لیکن ہر حرام سے بچنا ضروری ہے۔

اس کے علاوہ دنیا کے جس معاشی نظام کو دیکھ لیجئے وہ حلال و حرام کی پرواہ کیے بغیر زیادہ سے زیادہ مالدار بننے کے راستے ہموار کرتا ہے خواہ سود کے ذریعے ہو یا رشوت کے ذریعے' سٹے کے ذریعے ہو یا جوے کے ذریعے' شراب کے ذریعے ہو یا شباب کے ذریعے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیوی طور پر ایسے معاشی نظاموں سے تعلق رکھنے والے لوگ بظاہر آسودہ حال نظر آتے ہیں لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایسے لوگوں کا دین محفوظ ہوتا ہے اور نہ عزت' جبکہ اسلامی نظام معیشت سے وابستہ افراد کی عزت بھی محفوظ ہوتی ہے اور دین بھی۔ واللہ اعلم

بَابُ اللَّعْنِ عَلَى الْخَمْرِ

(۲۳۶) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لُعِنَتِ الْخَمْرُ وَعَاصِرُهَا وَسَاقِيْهَا وَشَارِبُهَا وَبَائِعُهَا وَمُشْتَرِيْهَا۔

شراب پر لعنت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمر﷜ سے مروی ہے کہ شراب پر، اس کے نچوڑنے والے، پلانے والے، بیچنے والے اور خریدنے والے پر لعنت کی گئی ہے۔

حلِّ عبارت: "لعنت" باب فتح سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی لعنت کرنا "عاصرھا" باب ضرب سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی نچوڑنا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ٣٦٧٤ وابن ماجه: ٣٣٨٠ والترمذی: ١٢٩٥ واحمد: ٤٧٨٧ وابن ابی شیبة: ٤٤٧/٦ وابو یعلیٰ: ٥٥٩١۔

مفہوم: اگر ہم اس زمانے کا تصور کریں جس میں شراب پانی کی جگہ استعمال ہوتی تھی، بچے کی پیدائش پر اسے گھٹی شراب کی دی جاتی تھی، محفل موسیقی و مشاعرہ میں پیچ پیچ ہے والا ہوتا تھا اور مینا جام بھر بھر کر پلانے والا ہوتا تھا، ہر شخص شراب پی کر جوان ہوتا تھا اور شرابی ہی دنیا سے چلا جاتا تھا تو شاید ہم ان الفاظ کی شدت کا اندازہ لگا سکیں کہ شراب بذات خود ملعون ہے، اسے پینے اور پلانے والا بھی ملعون ہے، اسے بنانے اور بنوانے والا بھی ملعون ہے، اسے اٹھانے اور اٹھوانے والا بھی ملعون ہے اور اسے بیچنے اور خریدنے والا بھی ملعون ہے گویا اس عمل میں جتنے افراد بھی داخل ہوتے جائیں گے وہ سب اللہ کی رحمت سے دور اور اس کے غضب سے قریب ہو جائیں گے اور اس سلسلۂ لعنت میں داخل ہونے والا کوئی ایک شخص بھی رحمت الٰہی سے فیض یاب نہ ہو سکے گا تا آنکہ توبہ کر لے۔

اس پس منظر کو سامنے رکھ کر یہ بات بھی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ آخر یکدم حرمت خمر کا حکم نازل کیوں نہیں ہو گیا؟ آہستہ آہستہ اور تدریجاً و نجماً نجماً اس حکم کے نزول میں کیا حکمت تھی؟ اس لیے کہ بقول حضرت عائشہ صدیقہ﷞ اگر لوگوں سے اول مرتبہ ہی یہ دیا جاتا کہ شراب مت پیا کرو تو لوگ کہتے کہ ہم تو ضرور پئیں گے اس لیے پہلے ان کی ذہن سازی کی گئی اور اس کے بعد اعلان کر دیا گیا۔

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"

لوگ چونکہ ذہن سازی کے مرحلے سے گزر چکے تھے اس لیے اس اعلان کے ہوتے ہی مدینہ منورہ کی گلیوں میں شراب کا سیلاب آ گیا، جام و سبو توڑ دیئے گئے، ہونٹوں سے لگے ہوئے جام شیطان کی خواہشات کی تکمیل کرنے سے

پیپے ہی اٹھا لیے گئے اور گراں نرخوں پر خریدی گئی ہر نوع کی شراب بہادی گئی اور اس کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا گیا کہ شراب کی رسیا قوم اس سے نفرت کرنے والی بن گئی' اس کے بغیر زندگی کو زندگی نہ سمجھنے والی قوم اسے ناسور زندگی قرار دینے لگی اور اس سے ایسی دشمنی کی کہ پورے مدینہ منورہ میں تعبیر بدل اسلام میں شراب کو نشہ آور مشروب کی بجائے زہر سمجھا جانے لگا' اور چند استثنائی واقعات کو نکال کر ہر طرف سے یہ خبریں ملنے لگیں کہ اب کوئی شرابی نہیں رہا۔

وائے افسوس! کہ ہمارے آباؤ اجداد نے جس خانہ خراب سے اپنے گھر کو بچایا تھا' ہم نے اسی سے اپنی زندگی اور اپنے خاندان کو خراب اور تباہ و برباد کر لیا' ہمارے روز و شب اس سے آشنا ہو گئے' ہمارے گھر اور ہوٹل کھلے عام شراب خانے کا منظر پیش کرنے لگے' ہمارے حکمران سرعام پینے کا اعتراف کرنے لگے اور عوام حکمرانوں کی نقالی میں ہوش و حواس سے عاری ہونے لگے۔ فالی اللہ المشتکی

بَابُ هَلْ يَجُوزُ بَيْعُ الْخَمْرِ؟

(٣٤٧) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ أَوْ سَأَلَهُ أَبُو كَثِيرٍ عَنْ بَيْعِ الْخَمْرِ فَقَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَحَرَّمُوا أَكْلَهَا وَاسْتَحَلُّوا بَيْعَهَا وَأَكَلُوا أَثْمَانَهَا وَإِنَّ الَّذِي حَرَّمَ الْخَمْرَ حَرَّمَ بَيْعَهَا وَأَكْلَ ثَمَنِهَا.

کیا پڑی ہوئی شراب بیچنا جائز ہے؟

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے شراب کی خرید و فروخت کے بارے سوال کیا گیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت فرمائے ان پر چربی کو حرام قرار دیا گیا' انہوں نے اپنے اوپر اس کا کھانا تو حرام کر لیا لیکن خرید و فروخت جائز رکھی اور اس کی قیمت کھانے لگے' یاد رکھو! جس ذات نے شراب حرام قرار دی ہے' اسی نے اس کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت کھانے سے بھی منع کیا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے۔

حل عبارت: "حرمت" باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی حرام قرار دینا "الشحوم" شحم کی جمع ہے بمعنی چربی۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابوداؤد: ٣٤٨٨' والبخاری مطولاً: ٢٢٣٦' ومسلم: ٤٠٥٢ (١٥٨٣) والترمذی: ١٢٩٧' وابن ماجہ: ٢١٦٧۔

مفہوم: انسان فطری طور پر حیلہ ساز اور بہانہ جو واقع ہوا ہے اس لیے ہر اس حکم میں جو اس کی طبیعت پر گراں گزرتا ہو وہ کوئی نہ کوئی شارٹ کٹ راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے کام لیتا

ہے جیسے یہودیوں کے لیے گائے اور بکری کی چربی استعمال کرنا حرام تھی انہوں نے اپنی حیلہ ساز طبیعت سے مجبور ہو کر اس کا حل یہ نکالا کہ چربی کو کھانے پینے کی چیزوں میں استعمال کرنا تو چھوڑ دیا ذرا اسے خوب صاف ستھرا کر کے بیچنے وہ اس فروخت کر کے اس کے پیسے کھرے کرنے لگے۔

ان کی عقل نے انہیں یہ مت دی کہ چربی کی قیمت کھانا بھی تو چربی ہی کا استعمال ہے اور وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کے چکر میں اللہ کی رحمت سے محروم اور اس کی لعنت کا مورد و مرکز بن گئے اسی طرح اس امت پر شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے لیکن شراب کا کاروبار کرنے والے اور اس سے اپنی زندگیوں کو برباد کرنے والے یہ حیلہ گھڑ لیتے ہیں کہ شراب کا پینا حرام ہے اسے فروخت کر اس کی قیمت استعمال کرنا تو حرام نہیں ہے اور نہ ہی قرآن میں کہیں ایسا آیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے حیلوں اور بہانوں کی خود حیلہ سازوں کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں ہوتی اور وہ بھی یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں تو پروردگار عالم کی نگاہ میں اس کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟

بَابُ اللَّعْنِ عَلٰى اٰكِلِ الرِّبٰوا

(۴۲۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهٗ۔

سود خور پر خدا کی لعنت

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

حل عبارت: "اٰکل" باب نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی کھانے والا "موکل" باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی کھلانے والا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۳۳۳۳' والترمذی: ۱۲۰۶' وابن ماجه: ۲۲۷۷' والنسائی: ۵۱۰۶' واحمد: ۱/۳۹۳' والبخاری معلقاً: ۲۳۱۷/۵' ومسلم ۱۰۹۲ (۱۵۹۸)۔

مفہوم: پرانے زمانے میں امراء کی تعداد اسی طرح کم ہوتی تھی جیسے موجودہ زمانے میں ہے اور غرباء کی تعداد اسی طرح زیادہ ہوتی تھی جیسے آج کل ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اس زمانے کی نسبت آج کل امراء کی تعداد میں کچھ اضافہ ہو گیا ہے اور دولت چند ہاتھوں سے نکل کر دوسروں تک بھی پہنچی ہے گو کہ اب بھی امراء اور غرباء کے درمیان کوئی عددی نسبت نہیں ہے۔

بہرحال! زمانہ قدیم میں غرباء اپنی ضروریات کے لیے امراء سے قرض اور ادھار لینے پر مجبور ہوا کرتے تھے ان

امراء کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ غریب لوگ ہمارے پیسے سے اپنی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جب ان کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو یہ ہمیں ہماری امانت لوٹا جاتے ہیں گویا ہمارے مال سے یہ تو فائدہ اٹھا لیتے ہیں، پر ہمیں کیا فائدہ ہوا؟ یہ سوچ کر انہوں نے آئندہ سے یہ اصول بنا لیا کہ جو شخص ہم سے قرض لے گا اسے واپس لوٹاتے وقت کچھ رقم زائد ادا کرنا ہوگی جو قرض دینے والے کا استحقاق ہوگی اور قرض دیتے وقت وہ اس زائد رقم کا تعین خود کرنے لگے۔

ہوتے ہوتے یہ چیز اتنی بڑھی کہ مالدار پہلے سے زیادہ مالدار ہو گئے اور غرباء پہلے سے زیادہ غریب ہو گئے اور نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ اگر کوئی غریب وقت مقررہ پر قرض ادا نہ کر پاتا تو اس پر جرمانہ عائد کر دیا جاتا، ظاہر ہے کہ اصل رقم ادا نہ کرنے والا جرمانہ کہاں سے ادا کرے؟ نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ جرمانہ در جرمانہ اتنا زیادہ ہو جاتا کہ قرض خواہ اس کی جائیداد پر قبضہ کر لیتا یا اگر اس کی بیوی یا بیٹی خوبصورت ہوتی تو اس پر قبضہ کر لیتا، شریعت نے اس طریقہ کار پر پابندی لگاتے ہوئے اسے سود کا نام دیا، اسے حرام قرار دیا اور سودی کاروبار کو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ قرار دیا۔

شریعت نے یہ اصول بھی وضع کیا کہ قرض خواہ تو اپنے قرض کی رقم میں اضافہ کا مطالبہ کر کے ظلم کر ہی رہا ہے، مقروض بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا کر اور اس سے احتجاج نہ کر کے اس ظلم میں برابر کا شریک ہو رہا ہے اس لیے جس طرح قرض خواہ رحمت الٰہی سے دور اور لعنت کا مستحق ہے اس طرح مقروض بھی رحمت الٰہی سے دور اور لعنت کا مستحق ہے۔

دور حاضر کے متجددین بھی "سود" کو معیشت کے جسم کے لیے "ریڑھ کی ہڈی" کی حیثیت دینے کے لیے پالیسیاں اور اصول وضع کرنے کی ضرورت پر زور دیتے رہتے ہیں لیکن دور حاضر ہی میں ایسے اللہ والے بھی موجود ہیں جو سود کو حرام قرار دینے کے "جرم" میں سپریم کورٹ کے جج سے ہوتے معزول کر دیے جاتے ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ مطمئن نظر آتے ہیں۔

بَابُ الرِّبٰوا فِی النَّسِیْئَةِ

(٣٢٩) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ قَالَ اِنَّمَا الرِّبٰوا فِی النَّسِیْئَةِ وَمَا کَانَ یَدًا بِیَدٍ فَلَا بَأْسَ۔

سود ادھار میں ہوتا ہے

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ سود تو ادھار میں ہوتا ہے، جو معاملہ نقد انقد ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔

فائدہ: اگلی روایت کا موضوع بھی یہی ہے۔

(۳۲۰) أبو قتيبة عن عطية عن أبي سعيد الخدري عن النبي ﷺ قال الذهب بالذهب مثلا بمثل والفضل ربوا والفضة بالفضة وزنا بوزن والفضل ربوا والتمر بالتمر والفضل ربوا والشعير بالشعير مثلا بمثل والفضل ربوا والملح بالملح مثلا بمثل والفضل ربوا.

وفي رواية الذهب بالذهب وزنا بوزن يدا بيد والفضل ربوا والحنطة بالحنطة كيلا بكيل يدا بيد والفضل ربوا والتمر بالتمر والملح بالملح كيلا بكيل والفضل ربوا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سونا سونے کے بدلے برابر بیچو، کمی بیشی سود ہوگی، چاندی کو چاندی کے بدلے برابر وزن کے ساتھ بیچو، کمی بیشی سود ہوگی، کھجور کو کھجور کے بدلے برابر بیچو، کمی بیشی سود ہوگی، جو کو جو کے بدلے برابر برابر بیچو، کمی بیشی سود ہوگی، نمک کو نمک کے بدلے برابر برابر بیچو، کمی بیشی سود ہوگی، ایک روایت میں گندم کا ذکر بھی آیا ہے۔

حل عبارات: "الذهب" اگر منصوب ہے "ابیعوا" یعنی بیعوا "الذهب" فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه مسلم [illegible]، والترمذی [illegible]، وابن ماجه ۲۲۵۷، والبخاری مثله مطولا [illegible]، والنسائی [illegible]۔

تخریج حدیث ثانی: اما نفس الحديث فقد اخرجه صاحب المصنف بحديث، واما هذا السياق فقد اخرجه مسلم [illegible]، والنسائی ۴۵۷۳، واحمد [illegible]۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ کو سمجھنے سے پہلے یہ اصول اچھی طرح ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ ہم جو چیزیں خریدتے اور بیچتے ہیں ان میں بعض چیزیں وزن کر کے بیچی اور خریدی جاتی ہیں، بعض ماپ کر اور بعض گن کر، اول کو "موزونات" ثانی کو "مکیلات" اور ثالث کو "معدودات" کہا جاتا ہے، یہاں ایک چوتھی قسم بھی ہوتی ہے جسے "مذروعات" سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی جو چیزیں گز کے حساب سے ناپ کر بیچی اور خریدی جاتی ہیں۔

پھر اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ خریدار نقدی کے بدلے کوئی چیز یا سامان خریدتا ہے اور بعض اوقات ایک ہی جیسی چیزوں کا آپس میں تبادلہ کیا جاتا ہے مثلاً گندم کے بدلے گندم کا تبادلہ یا سونے کے بدلے سونے کا تبادلہ، اسے آپ "ہم جنس سے تبادلہ" کہہ سکتے ہیں، یہاں ایک تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خریدار ایک جنس کے بدلے دوسری جنس کا مالک بننا چاہے مثلاً سونا دے کر چاندی خریدنا چاہے یا گندم دے کر کھجور خریدنا چاہے۔

ان دونوں باتوں کو ذہن میں رکھ کر اب یہ سمجھئے کہ کسی معاملے کو سودی معاملہ قرار دینے کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے ایک تو یہ کہ وہ چیز مکیلات یا موزونات میں سے ہو اور دوسرے یہ کہ ان دونوں کی جنس ایک ہی ہو یعنی

فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ .

جائز اور ناجائز بیوع کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص غلہ خریدے وہ اس پر قبضہ کرنے سے پہلے آگے نہ بیچے۔

فائدہ: اگلی چند روایات کا موضوع بھی یہی ہے۔

(۲۳۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے دھوکے کی تجارت سے منع فرمایا ہے۔

(۲۳۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْاَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔

(۲۳۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ اَنْ يُشْتَرٰى ثَمَرَةٌ حَتّٰى يُشْقِحَ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے پھل پکنے سے پہلے خریدنے سے منع فرمایا ہے۔

(۲۳۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ جَبَلَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کھجور کی بیع سلم سے منع فرمایا ہے تا آنکہ اس کا پکنا سامنے آ جائے۔

(۲۳۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا طَلَعَ النَّجْمُ رُفِعَتِ الْعَاهَاتُ يَعْنِي الثُّرَيَّا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب ثریا ستارہ طلوع ہو جائے تو پھلوں کی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

تحقیق عبارت: "طعاما" بمعنی کھانا مراد غلہ ہے۔"یستوفیہ" باب استفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پورا وصول کرنا "الغرر" دھوکہ "یشقح" باب افعال سے مذکر کا صیغہ ہے بمعنی پک جانا "یبدو" باب نصر سے مذکر کا صیغہ ہے بمعنی ظاہر ہونا "العاھات" عاھة کی جمع ہے بمعنی آفت۔

تخریج حدیث ۲۳۳: اخرجه البخاری: ۲۱۲۵، ومسلم: ۳۸۳۶ (۱۵۲۵) وابوداؤد: ۳۴۹۷، والنسائی: ۴۵۹۹، والترمذی: ۱۲۹۱، وابن ماجه: ۲۲۲۷، وابن حبان: ۴۹۷۸، واحمد: ۲/۲۹۳۔

تخریج حدیث ۳۳۳: اخرجه ابن حبان: ۴۹۷۲ واحمد: ۱۴۴/۲ ومسلم: ۳۸۰۸ (۱۵۲۴) وابوداؤد: ۳۴۶۱ والترمذی: ۱۲۳۰ وابن ماجه: ۲۱۹۵.

تخریج حدیث ۳۳۴: اخرجه البخاری: ۲۱۸۷ ومسلم: ۳۹۰۸ (۱۵۳۶) وابوداؤد: ۳۴۰۵ والترمذی: ۱۲۹۰ والنسائی: ۴۶۳۷ وابن ماجه: ۲۲۶۶ وابن حبان: ۴۹۹۶.

تخریج حدیث ۳۳۵: اخرجه البخاری: ۲۱۹۹ وابن حبان: ۴۹۹۲ وابوداؤد: ۳۳۷۰.

تخریج حدیث ۳۳۶: اخرجه البخاری: ۲۱۸۹ ومسلم: ۳۸۷۳ (۱۵۳۶) وابوداؤد: ۳۳۷۳ وابن ماجه: ۲۲۶۴ والنسائی: ۴۶۳۳ واحمد: ۳۶۰/۳.

تخریج حدیث ۳۳۷: اخرجه احمد: ۱۸۶۹۷ ومسند الامام ۲۰۹ والطبرانی: ۲۰۴۰.

مفہوم: اس حدیث کی جزوی وضاحت سے قبل ہم ایک اصول ذکر کرنا چاہتے ہیں تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور وہ یہ کہ شریعت نے ہر اس قسم کے تجارتی معاملے سے منع کر دیا ہے جہاں کسی بھی نوعیت میں دھوکے کا پہلو نکلتا ہو مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے چاول خریدتا ہے اور اس پر قبضہ کیے بغیر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مقدار کم نکلی یا معیار گھٹیا نکلا' ظاہر ہے کہ دوسرا شخص آ کر اسی سے رابطہ کرے گا جس سے اس نے وہ چاول خریدے ہوں گے کیونکہ اس کی نظر میں یہی دھوکہ دینے والا ہوگا۔

اسی طرح شریعت نے ہر اس چیز کو فروخت کرنے اور خریدنے سے منع کیا ہے جو فروخت کنندہ کے اپنے قبضے میں نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے خریدار سے معاملہ طے ہو جانے کے بعد وہ متعلقہ چیز سے فراہم نہ کر سکے اور وہ چیز خراب ہو جائے مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اس کھیت میں جتنے بھی خربوزے لگے ہوئے ہیں میں نے دس ہزار روپے میں خریدے ہوں' فروخت کنندہ حامی بھر لیتا ہے' ہو سکتا ہے اس سال فصل ہی خراب ہو جائے' پھل آئے ہی نہ یا اگر آئے تو وہ پکا نہ ہو اس طرح ان دونوں کے درمیان جھگڑا ہو جائے گا' بائع کہے گا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے اور مشتری کہے گا کہ میں تو اس حال میں اسے خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

اس جھگڑے سے بچنے کے لیے شریعت نے یہ اصول طے کر دیا کہ جب تک مبیع قبضہ میں نہ ہو اسے بیچنا جائز نہیں' اس سے ایک تیسرا اصول بھی نکل آیا جو پہلے دو اصولوں سے زیادہ عام ہے اور وہ یہ کہ جس معاملے میں بھی جھگڑے کا اندیشہ ہو شریعت اپنے پیروکاروں کو ہر اس معاملے سے روکتی ہے۔

اس تمہید کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب زیر بحث حدیثوں پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ پہلی حدیث میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے منع کیا گیا ہے' دوسری حدیث میں دھوکے کی تجارت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے' تیسری حدیث میں "مزابنہ اور محاقلہ" سے روکا گیا ہے' "مزابنہ" کا معنی ہے خشک کھجور کی تر کھجور کے بدلے خرید و فروخت اور "محاقلہ"

کا معنی ہے کھیت میں لگے خوشوں کے اندر موجود گندم کی کٹی ہوئی گندم کے بدلے خرید و فروخت' ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں دھوکہ ہے کیونکہ تر کھجور خشک ہونے کے بعد وزن کے اعتبار سے کم ہو جائے گی اور دوسری صورت میں قبضہ نہیں ہے جبکہ چوتھی اور پانچویں حدیث میں بھی یہی صورت ہے' بعض حدیث میں پھل پکنے کی علامت ثریا ستارہ کا طلوع ہونا قرار دیا گیا ہے۔

یہاں اس سوال کو حل کرنا بھی ضروری ہے جو اوپر کی گفتگو سے ایک عام تاجر کے ذہن میں آ سکتا ہے کہ آج کل تو پوری دنیا میں اسی فیصد کاروبار ہی "بیع قبل القبض" کی بنیاد پر چل رہا ہے' اور اتنا زیادہ رائج ہو چکا ہے کہ اس طرز تجارت سے پیچھے ہٹنے والا تاجر کبھی بھی کامیاب ہو ہی نہیں سکتا مثلاً زید عمرو سے کہتا ہے کہ مجھے فلاں سائز کے ایک ہزار جوتے درکار ہیں' کیا آپ فلاں تاریخ تک انتظام کر سکتے ہیں؟ عمرو کے پاس اس وقت وہ جوتے موجود نہیں ہوتے لیکن وہ حامی بھر لیتا ہے' اس کے اوپر اعتماد کرتے ہوئے زید ان جوتوں کی خرید و فروخت مکمل کر لیتا ہے' ظاہر ہے کہ یہاں تو مبیع ہی نہیں ہے اس پر قبضہ تو بڑی دور کی بات ہے۔

یا مثلاً عمرو کے پاس وہ جوتے موجود ہوں' خریدار زید ہی ہے' لیکن وہ دوسری کمپنی سے معاہدہ کر کے عمرو سے کہتا ہے کہ آپ میرے پاس جوتے بھجوانے کی بجائے فلاں کمپنی کو بھجوا دیجئے' گویا زید نے اس پر قبضہ کیے بغیر ہی اسے آگے بیچ دیا' آیا شریعت اس قسم کے معاملات کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے؟ اگر مذکورہ اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ معاملہ ناجائز قرار پاتا ہے لیکن اس صورت میں تجارتی معاملات چلانا مشکل ہو جائے گا؟

اس کا حل شریعت نے یہ دیا ہے کہ اس قسم کے تجارتی معاملات جائز ہیں لیکن ایک شرط کے ساتھ اور وہ یہ کہ انہیں کسی خاص جگہ کے ساتھ متعین نہ کرے مثلاً زید عمرو سے کہتا ہے کہ مجھے باٹا کے ایک ہزار جوتے درکار ہیں اور عمرو حامی بھر لیتا ہے تو یہ صحیح ہے لیکن اگر زید یہ کہے کہ انارکلی میں باٹا کی جو دکان ہے مجھے اس دکان سے ایک ہزار جوتے درکار ہیں اور عمرو اس کی حامی بھر لیتا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ انارکلی والی دکان میں اتنا سٹاک ہی نہ ہو یا خدانخواستہ وہاں کوئی نقصان ہو جائے' جبکہ پہلی صورت میں وہ باٹا کے ہزار جوتے مہیا کرنے کا پابند ہے خواہ کہیں سے بھی کرے۔

اس صورت میں بائع کو مشتری کا وکیل بنا کر کسی دوسری کمپنی کے ہاتھ وہ چیز فروخت کرنا بھی صحیح ہو گا اور اس طرح "بیع قبل القبض" کی قباحت بھی ختم ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ بَاعَ نَخْلًا مُؤَبَّرًا

(۳۲۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْاَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ بَاعَ نَخْلًا مُؤَبَّرًا اَوْ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَالثَّمَرَةُ وَالْمَالُ لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَشْتَرِطَ الْمُشْتَرِيْ۔

وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ بَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنْ بَاعَ نَخْلًا مُؤَبَّرًا فَثَمَرَتُهُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص تابیر شدہ درخت فروخت کرے یا کوئی ایسا غلام جس کے پاس کچھ مال بھی ہو تو پھل اور مال بائع کا ہوگا الا یہ کہ مشتری شرط لگا دے۔

حل عبارات: "مؤبرا" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی پیوند کاری کرنا "المبتاع" ای المشتری

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ٢٣٧٩ ومسلم: ٣٩٠٥ (١٥٤٣) وابوداؤد: ٣٤٣٣ والترمذي: ١٢٤٤ وابن ماجه: ٢٢١١ والنسائي: ٤٦٣٦ والطيالسي: ١٨٠٥ وعبدالرزاق: ١٤٦١٠ والحميدي: ٦١٣ وابن ابي شيبة ٧/١١٢ وعبد بن حميد: ٧٣٢ وابو يعلى ٥٤٩٧۔

مفہوم: اس حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لیے تابیر کا مفہوم ذہن نشین رکھنا ضروری ہے تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے چنانچہ مروی ہے کہ حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو کچھ عرصہ گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اہل مدینہ کھجوروں کی فصل عمدہ اور بہترین بنانے کے لیے ایک خاص ترکیب اختیار کرتے ہیں اور وہ یہ کہ مادہ کھجوروں کے گابھے میں نر کھجور کے گابھے کے اجزاء ملا دیتے ہیں جس سے مادہ کھجور میں نر کھجور کے اجزاء شامل ہو جاتے ہیں اس عمل کو عربی میں "تابیر" اور اردو میں "پیوند کاری" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نبی ﷺ نے اہل مدینہ سے اس کی بابت دریافت فرمایا' انہوں نے یہی خیال ظاہر کیا کہ اس سے فصل بہت اچھی آتی ہے' نبی ﷺ نے فرمایا میرا نہیں خیال کہ اس طرح کرنے سے فصل اچھی ہوتی ہو اگر تم ایسا نہ کرو تو کیا حرج ہے؟ صحابہ کرامؓ نے اس سال پیوند کاری نہیں کی' نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال واقعی کھجور کی فصل اچھی نہیں ہوئی' صحابہ کرامؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا' نبی ﷺ نے فرمایا میں نے تو اس پر اپنی رائے کا اظہار کیا تھا بہرحال! دنیاوی معاملات تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو اس لیے جو مناسب سمجھو کر لیا کرو۔

اصل میں پیوند کاری کا یہ عمل بظاہر اس عمل سے ملتا جلتا ہے جو میاں بیوی کے درمیان جاری رہتا ہے' نبی ﷺ نے اپنی فطری حیاء کی وجہ سے اسے اچھا نہیں سمجھا' گویا تابیر کے اس عمل میں شرعی طور پر کوئی قباحت موجود نہیں ہے۔

اس تمہید کو سامنے رکھ کر اب یہ سمجھنا آسان ہوگا کہ اگر کوئی شخص مثلاً خالد نے اپنے درخت شاہد کے ہاتھ فروخت کر دیے لیکن ان درختوں پر ابھی کھجوریں لگی ہوئی ہیں اور کھجوریں بھی عمدہ نسل سے تعلق رکھتی ہیں یعنی تابیر شدہ ہیں تو ہو سکتا ہے کہ درختوں کی خریداری کرنے والے شاہد کے ذہن میں یہ خیال آ جائے کہ جب میں نے درخت خرید لیے تو ان پر لگا ہوا پھل بھی میری ملکیت میں آ گیا' اس کی وضاحت کے لیے فرمایا گیا کہ چونکہ خریداری درختوں کی ہوئی ہے اس لیے ان پر لگے ہوئے پھل بائع کی ملکیت میں ہی متصور ہوں گے ہاں! اگر شاہد نے ان درختوں کو خریدتے وقت ہی کہہ دیا تھا کہ میں ان درختوں کو پھل سمیت خرید رہا ہوں تو وہ بائع کی ملکیت سے خارج ہو جائیں گے۔

یہی حکم اس غلام کا ہے جس کے پاس کچھ مال و دولت بھی ہو تو وہ بائع کو ملے گی، مشتری اس پر دعویٰ نہیں کر سکتا کیونکہ اس نے صرف غلام خریدا ہے ہاں! اگر وہ غلام کو خریدتے وقت یہ کہہ دے کہ میں اس غلام کو اور اس کی ملکیت میں جتنی چیزیں ہیں سب خریدتا ہوں تو پھر وہ اس کا حقدار ہوگا۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ السَّوْمِ عَلٰى سَوْمِ اَخِيْهِ

(۲۴۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَمَّنْ لَا يُتَّهَمُ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ لَا يَسْتَامُ الرَّجُلُ عَلٰى سَوْمِ اَخِيْهِ وَلَا يَنْكِحُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ وَلَا تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا وَلَا خَالَتِهَا وَلَا تَسْاَلُ الْمَرْاَةُ طَلَاقَ اُخْتِهَا لِتَكْفِئَ مَا فِيْ صَحْفَتِهَا فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَازِقُهَا وَلَا تَبَايَعُوْا بِاِلْقَاءِ الْحَجَرِ وَاِذَا اسْتَاْجَرْتَ اَجِيْرًا فَاَعْلِمْهُ اَجْرَهُ۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی شخص اپنے بھائی کے دام پر دام نہ لگائے، کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح نہ بھیجے، کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح نہ کرے اور کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے کہ اس کے حصے کا حصہ خود لینا چاہے کیونکہ اللہ ہی روزی دینے والا ہے، پتھر ڈال کر خرید و فروخت نہ کرو اور جب کسی شخص کو مزدور بناؤ تو اسے اس کی مزدوری بتا دو۔

حل لغات: "لا یستام" باب افتعال سے نہی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بھاؤ تاؤ کرنا۔ "خطبۃ" خاء کے کسرہ کے ساتھ بمعنی منگنی، پیغام نکاح۔ "لتکفئ" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پالینا، منتقل کروالینا اور اس کے شروع میں جو لام ہے وہ لام امر نہیں بلکہ لام کی ہے۔ "صحفتھا" پیالہ۔ "فاعلمہ" باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بتا دینا۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۲۱۴۰، ومسلم: ۳۸۱۱، ۳۸۱۱ (۱۴۱۳) وابوداؤد: ۲۰۸۰، والترمذی: ۱۱۹۰، والنسائی: ۳۲۴۲، وابن ماجہ: ۲۱۷۲۔

مفہوم: ۱۔ شریعت اسلامیہ کا اپنے پیروکاروں سے یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو دنیا کی چمک دمک سے محفوظ رکھیں، کسی کے مال و دولت کو دیکھ کر، کسی کی بیوی کو دیکھ کر، کسی کے مکان اور گاڑی کو دیکھ کر یا کسی کی جاہ و اقتدار اور تعیشات زندگی کو دیکھ کر اپنی رال نہ ٹپکائیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ کسی کے معاملے کو خراب کرنے کی کوشش نہ کریں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی شخص کو ایک چیز خریدتے ہوئے دیکھتے ہیں، ہم محض اسے نیچا دکھانے کے لیے اسی چیز کی قیمت زیادہ لگا دیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دکاندار پہلے گاہک کو چھوڑ کر ہماری طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اسی طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فلاں شخص کے لیے فلاں لڑکی سے نکاح کی بات چیت دونوں خاندانوں میں چل رہی ہے، ہم محض

ضد اور بحث میں آ کر اپنے کسی عزیز کا رشتہ بھی وہاں بھجوا دیتے ہیں؛ لڑکی کے ماں باپ کشمکش میں پڑ جاتے ہیں کہ کس سے اقرار کریں اور کسے انکار کریں؟

ظاہر ہے کہ اس طرح کرنے سے ایک بنتا ہوا معاملہ بگڑ جائے گا اس لیے شریعت نے اسے کسی صورت بھی پسند نہیں کیا؛ ہاں! اگر دکاندار اور گاہک کسی ایک قیمت پر متفق نہ ہو سکے یا لڑکا اور لڑکی کا رشتہ نہیں ہو سکا تو آپ بڑھ کر اپنی طرف سے پیشکش کر سکتے ہیں جیسے خالہ یا پھوپھی سے نکاح برقرار رہنے کی صورت میں "خواہ وہ طلاق کی وجہ سے ہو یا وفات کی وجہ سے" ان کی بھانجی یا بھتیجی سے نکاح جائز ہے۔

۲۔ اسی اصول کو سامنے رکھ کر کوئی عورت اپنی حقیقی یا دینی بہن کی طلاق کی خواہش نہ کرے کہ اس کا شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو میں اس سے نکاح کر لوں اس کا "پیالہ" خالی ہو جائے اور میرا "پیالہ" بھر جائے؛ وہ سہولیات سے محروم ہو جائے اور میری پرعیش زندگی کا آغاز ہو جائے؛ ہاں! اگر وہ شخص خود ہی کسی وجہ سے اپنی بیوی کو چھوڑ دے تو شریعت اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتی اور ان دونوں کے نکاح کو جائز کہتی ہے۔

۳۔ دکاندار نے اپنی دکان کو مختلف چیزوں سے سجا رکھا ہو اور ہر چیز کی الگ الگ قیمت مقرر کر رکھی ہو ایک آدمی آ کر کہے کہ میں ایک پتھر پھینکتا ہوں جس چیز کو وہ پتھر لگ جائے گا میں اسے دس درہم میں خرید لوں گا؛ دکاندار راضی ہو جائے بعد میں پتہ چلا کہ مہنگی چیز پر پتھر پڑ گیا تو دکاندار جھگڑے اور اگر سستی چیز پر پتھر لگ گیا تو خریدار لڑنے جھگڑنے لگے اس قسم کی بیع و شراء کو "القاء حجر والی بیع" کہا جاتا ہے اور شریعت نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں جھگڑے کا اندیشہ ہے جیسے اس صورت میں بھی جھگڑے کا اندیشہ ہے جب کہ کوئی شخص ایک آدمی سے مزدوری کروائے اور اس کی اجرت طے نہ کرے؛ اسی لیے شریعت نے تلقین کی ہے کہ معاملے سے قبل ہی اجرت طے کر لی جائے تاکہ جھگڑے کی نوبت ہی نہ آئے۔

بَابُ مَنِ اشْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

(۲۴۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مَعْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ اِشْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ قَالُوْا وَكَيْفَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تَقُوْلُوْنَ بِعْنَا اِلٰى مَقَاسِمِنَا وَمَغَانِمِنَا۔

اللہ کے بھروسے پر خریداری کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ پر بھروسہ کر کے خرید لیا کرو؛ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کا کیا مطلب؟ فرمایا تم یوں کہتے ہو کہ ہم نے تقسیم رزق و غنائم کی طرف اسے خرید لیا۔

خلاصۂ عبارت: "مقاسمنا" مقسم کی جمع ہے بمعنی تقسیم کا زمانہ یا جگہ "مغانم" مغنم کی جمع ہے بمعنی غنیمت کا زمانہ یا

[illegible]

تخریج حدیث: [illegible]

مفہوم: اسلامی تعلیمات انسان میں خود اعتمادی، حوصلہ مندی اور ہمت و جرأت پیدا کر کے اسے قوت فیصلہ سے کام لینے کا سبق سکھاتی ہیں، مضبوط قوت ارادی اور بروقت صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت انسان کو دوسرے بہت سے انسانوں سے ممتاز کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بیع و شراء میں بھی انسان کو اپنی اس صلاحیت سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ اگر انسان کسی چیز کو خریدنا، بیچنا چاہے تو دوسرا شخص جس کے ساتھ وہ معاملہ ہو رہا ہو، درمیان میں لٹکا نہ رہے اور اس کا ذہن یکسو ہو جائے، ارادہ ہو تب بھی اور نہ ہو تب بھی اپنا جواب واضح کر دینا چاہیے۔

مثلاً زید عمرو کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ مجھے کپڑوں کے دو تھان درکار ہیں، ان کی قیمت میں آپ کو اس وقت ادا کر دوں گا جب مجھے مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا، ظاہر ہے کہ عمرو کو تو یہ معلوم نہیں کہ مال غنیمت کب تقسیم ہوگا اور اسے کتنا حصہ ملے گا؟ گویا یہ اسے لٹکانے والی بات ہوئی اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الرُّخْصَةِ فِيْ ثَمَنِ كَلْبِ الصَّيْدِ

(۴۹۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ ثَمَنِ كَلْبِ الصَّيْدِ۔

شکاری کتے کی قیمت میں رخصت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷠ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے کی قیمت میں رخصت دی ہے۔

تخریج حدیث: باب النهي عن ثمن الكلب [illegible] ابو حنيفة [illegible] الترمذي والنسائي [illegible] مستثنى كلاب الصيد وهو [illegible] اخرجه الترمذي [illegible] والنسائي [illegible]

مفہوم: کتب حدیث میں اس مضمون کی روایات تو مشہور ہیں کہ نبی ﷺ نے کتے کی قیمت کھانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ کتا خود حرام جانور ہے اس لیے اس کی قیمت کو اپنے استعمال میں لانا ایسے ہی ہے جیسے خود کتے کا گوشت استعمال کرنا اور کتا پالنے کی ممانعت پر مشتمل روایات بھی بکثرت موجود ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شکاری کتے بڑی محنت سے پالے جاتے ہیں، ان پر روپیہ اور وقت دونوں ہی صرف ہوتے ہیں نیز گھروں کی حفاظت اور کھیتوں کی حفاظت کے لیے بہت سے لوگ کتے پالنا اپنی مجبوری اور ضرورت سمجھتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں شریعت کا کوئی واضح حکم ملنا ضروری ہے تاکہ منشاء شریعت پر عمل کیا جا سکے۔

سو اس حدیث سے تو اولاً مسئلے کی وضاحت ہو گئی کہ شکاری کتے کی نوعیت عام کتوں سے مختلف ہے اس لیے ان

کی قیمت استعمال کرنے کی رخصت ہے اور دیگر احادیث سے دوسرے مسئلے کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ مجبوری کے درجے میں جیسے کھیت وغیرہ کی حفاظت کے لیے کتا پالنا جائز ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ النَّهْيِ عَنْ شَرْطَيْنِ فِي بَيْعٍ

(۲۴۹) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِيْ يَعْفُوْرٍ عَمَّنْ حَدَّثَهُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بَعَثَ عَتَّابَ بْنَ أَسِيْدٍ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ فَقَالَ انْهَهُمْ عَنْ شَرْطَيْنِ فِيْ بَيْعٍ وَعَنْ بَيْعٍ وَسَلَفٍ وَعَنْ رِبْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ وَعَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يُقْبَضْ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا اہل مکہ کو بیع میں دو شرطوں سے، بیع اور قرض سے، غیر ضمانت یافتہ کے فائدے اور نفع سے اور ایسی چیز کے بیچنے اور خریدنے سے منع کرنا جس پر قبضہ نہ کیا گیا ہو۔

حل لغات: "انههم" باب فتح سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی روکنا، منع کرنا۔ "لم یضمن" باب سمع سے فعل نفی جحد بلم مجہول کا صیغہ مذکورہ ہے بمعنی ضامن ہونا "لم یقبض" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی قبضہ کرنا۔

تخریج حدیث: أخرجه أبو داؤد: ۳۵۰۴، والترمذي: ۱۲۳۴، وابن ماجه: ۲۱۸۸، ۲۱۸۹، والنسائي في: ۴۶۳۲، في: ۴۶۲۵۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ میں چار قسم کی خرید و فروخت سے منع کیا گیا ہے جن میں سے چوتھی قسم یعنی "بیع قبل القبض" پر تفصیلی بحث گزشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہے اس لیے اب یہاں تین قسموں کی وضاحت کی جائے گی۔

۱۔ بیع میں دو شرطیں لگانے سے ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ دکاندار کسی چیز کو بیچتے ہوئے یہ کہے کہ اگر نقد پیسے دے کر خرید لو گے تو اس کی قیمت مثلاً ایک ہزار روپے ہوگی اور ادھار اور قسطوں پر خریدو گے تو اس کی قیمت دو ہزار روپے ہوگی، یہ ناجائز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ کاروبار کا یہ طریقہ تو آج کل ہر خاص و عام میں مقبول ہے اور بہت سی کمپنیاں اسی طریقے سے کاروبار کر رہی ہیں؟ تو کیا یہ سب کمپنیاں ناجائز کاروبار کر رہی ہیں؟

راقم الحروف کے ذہن میں اس کا جواب یہ آتا ہے کہ بیع میں دو شرطیں لگانا کچھ اور ہے اور قسطوں کا کاروبار کرنا کچھ اور ہے، اول ناجائز اور ثانی چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، زیر بحث حدیث میں قسطوں کا کاروبار ممنوع قرار نہیں دیا گیا، اشتباہ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر دونوں کی صورت ایک جیسی ہی ہوتی ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ دو شرطوں کی صورت میں خریدار پوری رقم مثلاً دو ہزار روپے وقت مقررہ پر یکمشت ادا کرتا ہے اور قسطوں میں ایک مقررہ

کے اعتبار سے ایک ہی ہیں لیکن لفظی اور تعبیری فرق بہرحال موجود ہے جس کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ تَجَاوَزَ عَنِ الْمُعْسِرِ

(۲۴۴) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي رِبْعِيُّ بْنُ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ يُؤْتَى بِعَبْدٍ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ أَيْ رَبِّي مَا عَمِلْتُ إِلَّا خَيْرًا مَا أَرَدْتُ بِهِ إِلَّا لِقَاءَكَ فَكُنْتُ أُوَسِّعُ عَلَى الْمُوسِرِ وَأُيَسِّرُ عَلَى الْمُعْسِرِ فَيَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى أَنَا أَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْكَ فَتَجَاوَزُوا عَنْ عَبْدِي فَقَالَ أَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ وَأَشْهَدُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْهُ۔

تنگدست کو مہلت دینا

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک شخص کو بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے گا، وہ عرض کرے گا پروردگار! میں نے نیکی کا جو کام بھی کیا ہے صرف آپ کی رضا اور زیارت کے لیے کیا ہے چنانچہ میں مالدار پر آسانی کر دیتا تھا اور تنگدست کو مہلت دے دیتا تھا، یہ سن کر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں تجھ سے زیادہ اس کا حقدار ہوں، فرشتو! میرے اس بندے سے درگزر کرو، حضرت حذیفہؓ سے یہ سن کر حضرت ابو مسعود انصاری فرمانے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۴۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمٰعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ شَدَّدَ عَلَى أُمَّتِي بِالتَّقَاضِي إِذَا كَانَ مُعْسِرًا شَدَّدَ اللّٰهُ تَعَالَى فِي قَبْرِهِ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص قرض وصول کرنے میں "جبکہ مقروض تنگدست ہو" میرے کسی امتی پر سختی کرتا ہے اللہ اس کی قبر میں اس پر سختی کرے گا۔

حل لغات: "اوسع" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی کشادگی کرنا "انظر" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی مہلت دینا "شدد" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سختی کرنا۔

تخریج حدیث: اما الاول فقد اخرجه البخاری مثله ۲۰۷۷ و مسلم ۳۹۹۹ (۱۵۶۰) وابن ماجه ۲۴۲۰ وابن حبان ۵۰۴۳ والترمذی ۱۳۰۷ والبیهقی ۸۹۹۸ واما الثانی فقد اخرجه الشوکانی فی الفوائد المجموعة ۱۴۳.

مفہوم: تجارتی اور نجی زندگی میں ہر انسان کو کبھی نہ کبھی قرض کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے اور عام طور پر ایسے معاملات لوگوں کے درمیان چلتے رہتے ہیں لیکن بعض لوگ ایسے بھی سامنے آتے ہیں جنہیں اللہ نے بہت کچھ دے رکھا ہوتا ہے لیکن

جب کوئی ضرورت مند قرض کی درخواست کرتا ہے تو وہ فوراً اپنے چیلے جیسے منہ کو کھول کر اپنی جیبوں کو الٹیں یا انہیں گھماتے ہیں اور بڑی عاجزی سے عرض کرتے ہیں کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔

لوگوں نے اس رویے کا جب تجزیہ کیا گیا کہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ قرض وصول کرنے والے بہت سے افراد' جن میں اچھے خاصے دیندار اور معتمد لوگ بھی شامل ہیں' یہ بھول ہی جاتے ہیں کہ ہم نے کسی سے رقم ادھار لی تھی' اسے واپس بھی لوٹانا ہے' قرض خواہ کو دیکھ کر راستہ بدل لیتے ہیں اور اس سے تمام تر تعلقات منقطع کر لیتے ہیں' لوگوں نے اس کا حل یہ نکالا کہ اپنی رقم ڈوبنے سے بہتر یہ ہے کہ ایک مرتبہ انکار کر دیا جائے کیونکہ ایک مرتبہ انکار کر دینا مقروض کے پیچھے ۳ مرتبہ دھکے کھانے سے بہتر اور آسان ہے۔

انہی میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو قرض کی وصولی میں سختی نہیں کرتے' اگر مقروض غریب ہو اور قرض لوٹانے کی سکت نہ رکھتا ہو تو اسے معاف کر دیتے ہیں اور اگر ادا کر سکتا ہو لیکن وقت مقررہ پر ادا نہ کر سکے تو اسے مہلت دے دیتے ہیں' ایسے لوگوں سے قیامت کے دن اللہ بھی عفو و درگزر اور تجاوز کا معاملہ فرمائیں گے جیسا کہ اس حدیث میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا یہ واقعہ بیان کیا گیا۔

بَابُ التَّشْدِيْدِ فِي الْغِشِّ

(۴۹۶) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّ فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ۔

دھوکے کی مذمت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا خرید و فروخت میں دھوکہ دینے والا ہم میں سے نہیں ہے۔

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم: ۲۸۳ (۱۰۱) وابوداؤد: ۳۴۵۲ والترمذی: ۱۳۱۵ وابن ماجہ: ۲۲۲۴ وابن حبان: ۴۹۰۵۔

فائدہ: پانچ وقت صف اول میں امام کعبہ کے عین پیچھے کھڑے ہو کر حرم کعبہ میں روزانہ نماز پڑھنے والا' رو رو کر اپنی آنکھوں کو متورم کر لینے والا' تہجد میں بانس کی طرح سیدھا کھڑا رہنے والا' رمضان میں لائن لگا کر زکوۃ تقسیم کرنے والا' افطاری میں وسیع و عریض دسترخوان بچھانے والا' تین تین مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے والا جب تجارتی معاملات میں آتا ہے تو دو نمبر چیز پر جعلی لیبل لگا کر اسے ایک نمبر چیز کی قیمت پر فروخت کرتا ہے' نقلی چیز کو اصلی قرار دے کر لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے' ایک روپے کی چیز کو دس روپے میں فروخت کرتا ہے' اشیاء صرف و ضرورت میں ملاوٹ کرتا ہے

اور پھر یہ سمجھتا ہے کہ سب خیر ہے!

لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ اس کی ان تمام نمازوں، روزوں، افطاریوں، زکوٰتوں اور حجوں کا کوئی فائدہ بھی ہے یا نہیں؟ اور وہ اس حدیث کو نظر انداز کر جاتا ہے کہ دھوکہ دینے والے خاص طور پر تجارتی معاملات میں دھوکہ بازی کرنے والے کا ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

خلق اللہ کو دھوکہ دے کر اللہ کو راضی کرنے والے تمام خیال میں مبتلا رہتے ہیں! اے کاش! ہم فرائض کی بجا آوری اور واجبات کا خیال رکھنے کے بعد اپنے معاملات کی درستگی پر اپنی پوری توجہ مرکوز کر سکیں اور ہمارے معاملات پوری دنیا میں دیانت داری اور امانت دارانہ معاملات سمجھے جانے لگیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ أَوَّلِ مَنْ ضَرَبَ الدِّيْنَارَ

(۲۱۷) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ أَبِيْ سُلَيْمَانَ قَالَ أَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الدِّيْنَارَ تُبَّعٌ وَهُوَ أَسْعَدُ أَبُوْ كَرِبٍ وَأَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الدَّرَاهِمَ تُبَّعُ الْأَصْغَرُ وَأَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الْفُلُوْسَ وَأَدَارَهَا فِيْ أَيْدِي النَّاسِ نَمْرُوْدُ بْنُ كَنْعَانَ۔

سب سے پہلے دینار ڈھالنے والے کا بیان

ترجمہ: حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ سب سے پہلا وہ شخص جس نے دینار ڈھالے وہ تبع ہے جس کا نام اسعد ابو کرب تھا اور سب سے پہلا درہم ڈھالنے والا تبع اصغر تھا اور سب سے پہلا پیسہ ڈھالنے والا اور انہیں لوگوں میں رائج کرنے والا نمرود بن کنعان تھا۔

تحقیق عبارت: "ضرب" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ڈھالنا "الفلوس" فلس کی جمع ہے بمعنی پیسہ۔ "ادارھا" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی گھمانا، مراد رائج کرنا "نمرود" دال اور ذال دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اسی طرح نون کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

تخریج حدیث: لم اجدہ

مفہوم: اس حدیث کا تعلق کتاب البیوع کے ساتھ مسئلے کے طور پر نہیں اس معمولی مناسبت کے طور پر ہے کہ بیع میں جو دراہم و دنانیر ثمن کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں ان کا نقطہ آغاز کیا ہے؟ یہ کب سے چلتے آرہے ہیں؟ انہیں ایجاد کرنے والا اور لوگوں میں رائج کرنے والا کون ہے؟

(۴۱۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِشْتَرٰى مِنْ يَهُوْدِيٍّ طَعَامًا وَرَهَنَهُ دِرْعًا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کچھ غلہ ایک یہودی سے خریدا اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھوا دی۔

حل لغات: "رھن" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ بمعنی گروی رکھنا "درعا" زرہ۔

تخریج الحدیث: اخرجه البخاری: ۲۰۶۸، ۲۹۱٦، ومسلم: ۱۱۵ (۱۶۰۳) والنسائی: ۴۶۰۴، وابن ماجه: ۲۴۳٦، وابن حبان: ۵۹۳۸۔

مقصود: فقہاء کرام نے اس حدیث سے رہن کا جواز ثابت کیا' دوسری حدیثوں کو ساتھ ملا کر گروی کا طریقہ کار اور اس کے احکام وضع کیے' جائز اور ناجائز صورتوں کا تعین کیا اور مختلف اصولوں کا استنباط کیا لیکن میں ان سب کو چھوڑ کر صرف ایک نکتے کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ کائنات رنگ و بو میں اللہ کی سب سے محبوب ترین ہستی کا یہ عالم ہے کہ تا دم مرگ دنیا نے گھر میں ڈیرے نہیں جمائے' کسی قسم کے کروفر اور شان و شوکت کے مظاہر دیکھنے میں نہیں آئے' ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے قرض بھی لینا پڑا' اپنی چیزوں کو گروی بھی رکھنا پڑا اور فاقہ کشی کی نوبت بھی آئی لیکن ان کی جبین نیاز پر شکن نہیں آئی۔

اے کاش! محمد (ﷺ) کے نام لیوا ان حقائق سے سبق سیکھتے' اپنی زندگی کو فضولیات سے" جنہیں ضروریات سمجھا جاتا ہے" پاک کرتے' لوگوں کی ضروریات کی تکمیل کرتے اور دنیا سے ہاتھ جھاڑ کر چلے جاتے' دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو برباد نہ کرتے' حلال و حرام کے فرق کو مٹا کر پیسہ اور دھن کمانے والی مشین بن کر زندگی نہ گزارتے' کبھی اس بوریہ نشینی کا ذائقہ بھی چکھ کر دیکھتے اور اپنی زندگی کو قناعت کی دولت سے مالا مال کرنے کی جدوجہد اور تگ و دو کرتے۔

یاد رکھیے! انسان کا پیٹ قبر کی مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھر سکتی' اس کا پیٹ نہ بھرنے والی دوزخ ہے جو ہمیشہ ہل من مزید کا نعرہ لگاتی ہے اور عمر کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی حرص میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے' ہر وقت روتے

رہنے کی عادت انسان کو نفسیاتی مریض بنا دیتی ہے اس لیے قناعت اختیار کیجیے اور سادہ طرز زندگی میں اپنے لیے نجات کا راستہ مضمر سمجھیے!

كتاب الشفعة

شفعہ کے احکام

(۲۴۹) أبو حنيفة كتب إلى ابن سعيد بن جعفر عن سليمان قال قال رسول الله ﷺ الجار أحق بشفعته.

ترجمہ: سلیمان کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پڑوسی شفعہ کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

فائدہ: اگلی روایت میں اس کی وضاحت مذکور ہے۔

(۲۵۰) أبو حنيفة عن عبد الكريم عن المسور بن مخرمة قال أراد سعد بيع داره فقال لجاره خذها بسبعمائة فإني قد أعطيت بها ثمان مائة درهم ولكن أعطيتكها لأني سمعت رسول الله ﷺ يقول الجار أحق بشفعته.

وفي رواية عن المسور عن رافع بن خديج قال عرض علي سعد بيتا فقال له خذه أما إني قد أعطيت به أكثر مما تعطيني ولكنك أحق به فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول الجار أحق بشفعته.

وفي رواية عن المسور عن رافع مولى سعد أنه قال لرجل يعني سعدا خذ هذا البيت بسبعمائة فقال أما إني أعطيت ثمان مائة درهم ولكني أعطيتكه لحديث سمعته من رسول الله ﷺ يقول الجار أحق بشفعته.

وفي رواية عن سعد بن مالك أنه عرض بيتا له على جاره بأربعمائة درهم وقال قد أعطيت ثمانمائة ولكن سمعت رسول الله ﷺ يقول الجار أحق بشفعته.

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر بیچنے کا ارادہ کیا تو اپنے پڑوسی سے فرمایا کہ اسے سات سو درہم کے عوض خرید لو اگرچہ مجھے اس کے آٹھ سو درہم مل رہے ہیں لیکن میں تمہیں صرف اس لیے دے رہا ہوں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پڑوسی شفعہ کا سب سے زیادہ حقدار

ہے۔ اور ایک روایت میں چار سو درہم پر بیچنے کا بھی ذکر ہے۔

حَلِّ عِبَارَت: "اُعطیت" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی دینا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري: ٦٩٧٧' وابوداؤد: ٣٥١٦' والترمذي: ١٣٦٩' والنسائي: ٤٧٠٦' وابن ماجه: ٢٤٩٤' وابن حبان: ٥١٨٠' واحمد: ٢٤٤٤٧۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاري: ٢٤٥٨' وابن حبان: ٥١٨١' ٥٣٨٣۔

مقصود: کتاب البیوع اور کتاب الشفعہ کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ شفعہ کے ذریعے انسان اس بیع کو ختم کر سکتا ہے جو خریدار اور فروخت کنندہ کے درمیان ہوتی ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ بیع کا لفظ عام ہے اور منقولہ و غیر منقولہ ہر قسم کی اشیاء پر بیع کا لفظ بولا جا سکتا ہے جبکہ شفعہ کا تعلق صرف غیر منقولہ جائیداد سے ہوتا ہے۔

اس مناسبت اور فرق کی وضاحت کے بعد یہ واضح ہونا ضروری ہے کہ انسانی اخلاق اور مروت کا تقاضا بھی یہی بنتا ہے کہ اگر ہم کسی علاقے میں رہائش پذیر ہوں اور اہل محلہ سے ہماری شناسائی بھی ہو اور اس محلے کو چھوڑ کر کسی دوسرے علاقے میں منتقل ہونے کا ارادہ بن رہا ہو تو پہلے ان لوگوں سے پوچھ لیا جائے جو اسی مکان کے بالائی یا زیریں حصہ میں رہائش پذیر ہوں کہ ہم یہ مکان بیچ کر جانا چاہتے ہیں اگر آپ خریدنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو بتا دیجئے تاکہ ہم کسی اور کے ہاتھ اسے فروخت نہ کریں یا اس محلے میں رہنے والے اور دیوار کے ساتھ ملے ہوئے مکان والے بھائی سے اس بات کا ذکر کر دیں ہو سکتا ہے کہ وہ اسے خرید لے۔

اگر آپ نے اسے بتائے بغیر یہ کہہ کر "یہ میری ملکیت ہے میں جسے چاہوں بیچوں" اس مکان یا جائیداد کو کسی اور کے ہاتھ بیچ دیا تو شریعت آپ کے پڑوسی کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ عدالت کے ذریعے اس مکان کی ملکیت حاصل کر لے اسی حق کو "شفعہ" کہا جاتا ہے اور یہ "حق جوار" کا ایک اہم ترین منہ بولتا ثبوت ہے کہ اگر آپ نے پڑوسی ہونے کا حق ادا نہیں کیا تو آپ کا ہمسایہ اس حق کو عدالت کے ذریعے بھی حاصل کر سکتا ہے اس سے پڑوسی کے حقوق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بَابُ مَنْ وَضَعَ خَشَبَةً فِيْ حَائِطِ جَارِهِ

(۳۵۱) أَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَضَعَ خَشَبَةً فِيْ حَائِطِهِ فَلَا يَمْنَعُهُ۔

اگر کوئی شخص اپنے پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عائشہ ﷞ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی کی

دیوار پر اپنی لکڑی رکھنا چاہے تو دوسرے کو منع نہیں کرنا چاہیے۔

حَلِّ عِبَارَت: "خشبة" بمعنی لکڑی "حائطه" بمعنی دیوار۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري مثله: ۲٤٦۳ ومسلم: ٤١٣٠ (۱٦۰۹) وابوداؤد: ۳٦۳٤ والترمذي: ۱۳۵۳ وابن ماجه: ۲۳۳٥ وابن حبان: ٥١٥

مَفْهُوم: فقہاء کرام نے اس موقع پر اس بحث کو چھیڑا ہے کہ اس حدیث میں جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے یا صرف مستحب ہے؟ یعنی اگر کسی شخص نے اپنے ہمسائے کی دیوار پر کوئی شہتیر یا لکڑی رکھ دی اور پڑوسی نے اسے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تو وہ گناہگار ہوگا یا صرف اس کی حیثیت ترک مستحب کی ہوگی؟ بعض فقہاء کرام پہلی شق کو اختیار کرتے ہیں اور بعض فقہاء کرام دوسری شق کو ترجیح دیتے ہیں۔

لیکن یہاں اس سے زیادہ اہم بحث یہ ہے کہ آخر اس حکم کی علت اور پس منظر کیا ہے؟ جس کی بناء پر یہ حکم دیا گیا ہے' اختصار کے ساتھ ہم اسے عرض کیے دیتے ہیں تاکہ "ما لا یدرك كله لا یترك كله" کے تحت کچھ نہ کچھ تو معلوم ہو ہی جائے۔

دراصل جائیداد اور زمین کے تنازعات آج سے نہیں' عہد قدیم سے چلے آرہے ہیں' جس طرح آج ہم اپنے گھر کی دیوار پر اپنے ہمسائے کو کپڑے پھیلانے کی اجازت نہیں دیتے' اسی طرح ماضی قدیم میں بھی لوگ اپنے ہمسایوں کو اس چیز کی اجازت نہیں دیتے تھے' اب بعض اوقات ہمارے پڑوس میں رہنے والا شخص سفید پوش اور تنگدست بھی ہو سکتا ہے' اس کا مکان کچا بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی سہارے کے بغیر وہ مکان یا جھونپڑی قائم ہی نہ رہ سکتی ہو' بظاہر اس کا یہی حل نکالا جاتا ہے کہ پڑوسی کے پکے مکان پر اپنے کچے مکان کا شہتیر یا بانس رکھ دیا جائے تاکہ اس کی وجہ سے یہ بھی گرنے سے بچ جائے' اس زمانے میں بعض لوگوں نے ایسا کرنا چاہا تو ان کے پڑوسیوں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا' جب نبی علیہ السلام کو اس کی خبر ہوئی تو آپ علیہ السلام نے مذکورہ بالا حکم فرمایا۔

اس حکم کے ذریعے درحقیقت دلوں میں جذبۂ ہمدردی کو پیدا اور بیدار کرنا مقصود ہے جو بدقسمتی سے ہمارے اندر مفقود ہے' ہماری ہر قسم کی ہمدردی اور خیر خواہی کا مستحق صرف وہی شخص ہوتا ہے جس سے ہمارا کوئی ذاتی یا کسی بھی نوعیت کا مفاد وابستہ ہو' کسی لاچار اور غریب پڑوسی کے ساتھ ہمدردی اور مہربانی کر کے اپنا وقت اور مال و جائیداد برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اے کاش! ہم میں ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُخَابَرَةِ

(۴۵۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُخَابَرَةِ۔

مخابرہ سے ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم ۳۹۹۰ (۱۵۳۶)؛ وابوداؤد ۳۴۰۷؛ والترمذی ۱۲۹۰؛ والنسائی ۳۸۷۸۔

مفہوم: "مزارعت" کا لفظ زراعت سے مشتق ہے یعنی کھیتی باڑی، اور عربی "مخابرہ" کا معنی بھی کھیتی باڑی ہے، اس اعتبار سے یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں لیکن ان دونوں میں ایک معمولی سا فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ مزارعت کھیتی باڑی کے اس طریقے کو کہتے ہیں جس میں زمین ایک شخص کی ہوتی ہے اور محنت دوسرے کی اور بیج مہیا کرنے کی ذمہ داری زمین کے مالک پر ہوتی ہے اور غلہ دونوں کے درمیان مقررہ شرح پر تقسیم ہو جاتا ہے جبکہ مخابرہ میں بھی یہی تفصیل ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں بیج مہیا کرنا کاشتکار کی ذمہ داری ہوتی ہے، زمیندار کی نہیں۔

ابتداء میں زمینداروں اور کاشتکاروں کے درمیان بہت جھگڑے ہوتے تھے اور ان کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک وقت میں آ کر نبی ﷺ نے کھیتی باڑی کے اس مروجہ طریقے کی ہی ممانعت کر دی اور یہ حکم جاری کر دیا کہ زمیندار اپنی زمین کو خود آباد کرے، خود اس میں زراعت اور کاشت کرے، اگر یہ نہیں کر سکتا تو کسی بھائی کو بلا معاوضہ وہ زمین ہبہ کر دے تاکہ وہ اسے اپنے کام میں لا کر اس پر کھیتی باڑی کر لے، اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو پھر اپنی زمین اپنے پاس رکھے، کسی کو بٹائی پر مت دے تاکہ فتنہ، بدظنی اور تنازع پیدا نہ ہو۔

بعینہ یہی صورت گھروں کو کرایہ پر دینے کی صورت میں بھی پیش آنے لگی تھی اور آئے دن مالک مکان اور کرایہ دار کے درمیان کسی نہ کسی بات پر جھگڑا ہوتا رہتا تھا جیسا کہ آج کل بھی یہی صورت حال ہے، اس موقع پر بھی نبی ﷺ نے یہی حکم دیا کہ آئندہ سے گھر اور زمین کرایہ پر دینا منع ہے، یا تو بلا معاوضہ اپنے کسی بھائی کو رہنے کی اجازت دے دو ورنہ اپنے پاس ہی رکھو، گھر کرایہ پر دینے کی اجازت نہیں ہے۔ زیر بحث حدیث بھی اسی زمانے

سے تعلق رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ اس مسئلہ کا کلی حل نہیں تھا' بلکہ جزوی طور پر جھگڑوں کی روک تھام کے لیے یہ قدم اٹھایا گیا تھا اس لیے تب بھی اور اب بھی اس کے برعکس لوگوں کو زراعت اور کاشتکاری کی اجازت دے دی گئی تھی کیونکہ اس طریقہ سے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کی روزی وابستہ ہے' ان سب کو بے روزگار کرنا کیسے درست ہو سکتا تھا' چنانچہ جہاں فریقین کے درمیان باہمی رضامندی سے شرائط طے پا جائیں اور فریقین ان کی پابندی خوش دلی سے کرتے رہتے وہاں اس ممانعت کو برقرار نہیں رکھا جاتا تھا اور اب بھی ایسا ہی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنِ اسْتَاجَرَ اَرْضًا بِشَیْءٍ

(٥٩٢) اَبُو حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِیْ حَصِیْنٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ مَرَّ بِحَائِطٍ فَاَعْجَبَهٗ فَقَالَ لِمَنْ هٰذَا فَقُلْتُ لِیْ فَقَالَ مِنْ اَیْنَ هُوَ لَكَ قُلْتُ اِسْتَاجَرْتُهٗ قَالَ فَلَا تَسْتَاجِرْهُ بِشَیْءٍ مِّنْهُ۔

زمین کو کرائے پر لینے کا بیان

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک باغ کے پاس سے گزرے' آپ کو وہ باغ اچھا لگا' پوچھا کہ یہ کس کا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرا ہے' فرمایا تمہارا کہاں سے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اسے کرائے پر لے رکھا ہے' فرمایا اسے کسی چیز کے بدلے اجرت پر نہ لو۔

حل لغات: "فاعجبه" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی اچھا لگنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابوداؤد ش: ٣٤٠٢۔

مفہوم: گزشتہ حدیث میں "کرائے" کے حوالے سے جو تفصیل ذکر کی گئی ہے' اسے ایک نظر دوبارہ ملاحظہ فرما لیجئے تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے اور ہمیں وہ پوری تقریر بھی نہ دہرانی پڑے۔

البتہ ایک بات ہم یہاں ذکر کرنا ضروری سمجھیں گے کہ زیر بحث حدیث کے مرکزی راوی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بڑی سختی سے لوگوں کو آخر وقت تک کرائے پر مکانات لینے اور دینے سے منع کرتے رہے' جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو انہوں نے اصل حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا اگر تم نے اسی طرح جھگڑے کرنے ہیں تو پھر کرایہ داری کا یہ معاملہ ختم کر دو' یا اپنے پاس رکھو یا کسی کو ہبہ کر دو' نبی علیہ السلام نے مطلقاً اس کی ممانعت نہیں فرمائی تھی۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی مزارعت کے جواز کے قائل نہ تھے لیکن ان کی سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی عمر کے آخری حصے میں اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور اس کے جواز کے قائل ہو گئے تھے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ عُمُرِ النَّبِیِّ ﷺ

(۲۵۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ وَرَبِيْعَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُبِضَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّيْنَ وَقُبِضَ اَبُوْ بَكْرٍ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّيْنَ وَقُبِضَ عُمَرُ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّيْنَ۔

نبی علیہ السلام کی عمر مبارک کا بیان

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ۶۳ برس کی عمر میں ہوا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ۶۳ برس کی عمر میں ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی ۶۳ برس کی عمر میں ہوا۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۵۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ بُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى رَاْسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرًا وَّبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرًا وَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا فِيْ لِحْيَتِهٖ وَرَاْسِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چالیس برس کی عمر میں نبی علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا' اس کے بعد دس سال تک آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں اقامت گزیں رہے اور دس سال مدینہ منورہ میں' اور نبی علیہ السلام کا جب انتقال ہوا تو آپ کی داڑھی اور سر میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔

حلِّ عبارت: "قبض" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قبض کرنا' مراد فوت ہونا ہے "ما فی لحیتہ" میں ما نافیہ ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجه مسلم: ۶۰۹۱ (۲۳۴۸) وابن حبان: ۶۳۸۹ واما عمر ... موقوفا على البخاري ۳۸۵۱ والترمذي: ۳۶۵۹۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاري مطولا: ۳۵۴۸ ومسلم: ۶۰۸۹ (۲۳۴۷) والترمذي: ۳۶۲۳ وابن حبان: ۶۳۸۷۔

خلاصہ: یہاں دو باتیں قابل وضاحت ہیں۔

۱۔ کتب حدیث وسیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کا خمیر جس مٹی سے تیار کیا تھا وہ اسی حجرۂ عائشہ ؓ کی تھی جو اب روضۂ مقدسہ کی حیثیت رکھتا ہے اور بزرگوں نے جو یہ بات کہی ہے کہ "پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا" اس کے مطابق نبی ﷺ وہیں آرام فرما ہوئے اور نبی ﷺ کے ساتھ ان کے دو وزیر وخلفاء بھی آرام فرما ہیں جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ان کا خمیر بھی اسی مٹی سے تیار کیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں حضرات دنیا میں بھی نبی ﷺ کے ساتھ رہے قبر میں بھی ہیں اور حشر میں بھی ہوں گے عادات واخلاق میں بھی نبی ﷺ سے مشابہ رہے اور عبادات ومعاملات میں بھی اٹھنے بیٹھنے میں بھی مشابہ رہے اور خانگی وعائلی زندگی میں بھی طرز حکومت میں بھی مشابہ رہے اور عدل وانصاف میں بھی حد تو یہ ہے کہ سفر زندگی میں بھی مشابہ رہے اور مدت عمر میں بھی پھر بھی اگر کوئی بدنصیب مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں پہنچ کر بھی روضۂ مقدسہ کے سامنے نہ آسکے تو اس کی بدنصیبی میں کسے کلام ہو سکتا ہے؟

۲۔ روایات کے تتبع سے نبی ﷺ کی عمر مبارک کے حوالے سے مشہور قول کے علاوہ دو قول مزید ملتے ہیں، ایک قول ساٹھ سال کا ہے جیسا کہ یہاں بھی دوسری حدیث میں ہے اور دوسرا پینسٹھ سال کا، جس سے بعض اوقات ذہن خلجان میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن اگر یہ بات پیش نظر رکھی جائے کہ آج بھی بہت سے معاملات میں "کسر" کا اعتبار نہیں کیا جاتا تو شاید یہ مسئلہ حل ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی آدمی کا ٹیلیفون کا بل مثلاً ایک سو تیس روپے پچاس پیسے ہو تو کسر کو چھوڑ دیا جاتا ہے اسی طرح جن روایات میں ساٹھ سال کا ذکر آتا ہے ان میں کسر کو ذکر نہیں کیا گیا اور جن روایات میں ۶۵ سال کا ذکر آتا ہے ان میں سن ولادت اور سن وفات کو بھی دو الگ سالوں کے طور پر شمار کیا گیا ہے جس سے اصل تعداد ۶۳ پر دو کا اضافہ ہو گیا اور وہ ۶۵ بن گئے۔ واللہ اعلم

بَابُ كَيْفَ يُعْرَفُ النَّبِيُّ ﷺ

(۲۵۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْرَفُ بِرِيحِ الطِّيبِ إِذَا أَقْبَلَ مِنَ اللَّيْلِ۔

نبی ﷺ کو کیسے پہچانا جاتا تھا؟

ترجمہ: حضرت جابر ؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اگر رات کے وقت بھی تشریف لاتے تو اپنی خوشبو سے پہچان لیے جاتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

(۲۵۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُعْرَفُ بِاللَّيْلِ إِذَا أَقْبَلَ إِلَى الْمَسْجِدِ بِرِيحِ الطِّيبِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اگر رات کے وقت بھی مسجد جا رہے ہوتے تو اپنی خوشبو سے پہچان لیے جاتے تھے۔

تحقیق عبارت: "یعرف" باب ضرب سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہچاننا "بریح الطیب" خوشبو کی مہک۔

تخریج حدیث: لم یخرجہ البخاری بھذا السیاق، واما ما یلائم الحدیث فقد اخرجہ البخاری: ۶۴۷۳، ۲۵۶۱، ومسلم ۶۰۵۳، و۶۰۵۴ (۲۳۲۰) والترمذی: ۲۱۱۵، وابن حبان: ۶۳۰۴، ۵۴۰۲۔

مفہوم: اکثر محدثین کرام نے اس حدیث کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ دراصل نبی کرم سرور دو عالم ﷺ خوشبو کا استعمال بہت کثرت کے ساتھ کرتے تھے اس لیے جب آپ ﷺ کا کسی راستے سے گزر ہوتا تو لوگ پہچان لیتے کہ یہاں سے نبی ﷺ گزر کر گئے ہیں، راقم کی نظر میں یہ بات اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ نبی ﷺ خوشبو کو پسند فرماتے تھے اور اس کا استعمال بہت کثرت سے فرماتے تھے لیکن راستوں اور گلیوں کی مہک کو اسی مصنوعی خوشبو کا رہین منت قرار دینا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس میں نبی اور غیر نبی کی تخصیص ہی کیا ہے؟ آج بھی اگر کوئی آدمی خوشبو لگا کر کسی گلی سے گزر جائے تو پوری گلی مہک اٹھتی ہے، جس مجلس میں ہوتا ہے وہ مجلس معطر ہو جاتی ہے اور سونگھنے والوں کا دماغ تروتازہ ہو جاتا ہے۔

اس لیے راقم کی نظر میں یہ چیز معجزانہ شان کے مطابق اس وقت قرار پاتی ہے جب حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ کی مہک سے گلیوں اور بازاروں کا معطر ہو جانا فطری خوشبو اور پیغمبرانہ مہک کا نتیجہ تسلیم کیا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ اگر حضور ﷺ کسی قسم کی کوئی خوشبو بھی استعمال نہ فرماتے تب بھی آپ ﷺ کے جسد اطہر کی مہک سے گلیاں اور بازار مہک جاتے، بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ سرکار دو عالم ﷺ کا تو پسینہ بھی دنیا کی مشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار اور مہک رکھتا تھا، آخر کیا وجہ ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نے نبی ﷺ کے جسم مبارک کے پسینے کو ایک شیشی میں جمع کر لیا تھا اور تقریبات میں شریک ہونے کے لیے اسے بطور خوشبو استعمال کرتی تھیں اور پوری مجلس و محفل اس کی مہک سے بےخود ہو جایا کرتی تھی۔

بہر حال یہ ایک ذوق عقیدت ہے جسے میں دوسروں پر مسلط نہیں کرتا لیکن میری اپنی عقیدت مجھ سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ گلیوں، بازاروں، مسجد اور حجروں کی یہ مہک مصنوعی نہیں ہوتی تھی بلکہ پیغمبر اسلام ﷺ کی معجزانہ شان کا اظہار ہوتی تھی۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ زَادَ عِنْدَ قَضَاءِ الدَّيْنِ

(۴۸۸) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ لِيْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ دَيْنٌ فَقَضَانِيْ وَزَادَنِيْ۔

جو شخص قرض ادا کرتے وقت کچھ زائد چیز بھی دے دے

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے ذمے میرا کچھ قرض تھا آپ ﷺ نے اسے ادا کر دیا اور مجھے کچھ اور بھی دیا۔

فائدہ: اگلی روایات میں بھی نبی ﷺ کے اخلاق وفضائل کو ذکر کیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی خَصَائِلِ النَّبِیِّ ﷺ

(۴۵۹) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا مَسِسْتُ بِیَدِیْ خَزًّا وَلَا حَرِیْرًا اَلْیَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ مَا رُئِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَادًّا رُكْبَتَیْهِ بَیْنَ جَلِیْسٍ لَهٗ قَطُّ۔

خصائل نبوی ﷺ کا بیان

ترجمہ: حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے دست مبارک سے زیادہ نرم کسی خز اور ریشم کے لباس کو اپنے ہاتھوں سے کبھی نہیں چھوا اور ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ کو اپنے ہم مجلسوں کے سامنے کبھی پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

(۴۶۰) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ مَسْرُوْقٍ اَنَّهٗ سَاَلَ عَائِشَةَ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ اَمَا تَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ۔

ترجمہ: مسروق نے حضرت عائشہ صدیقہ ﷺ سے نبی ﷺ کے اخلاق کے بارے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟

(۴۶۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُجِیْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ وَیَعُوْدُ الْمَرِیْضَ وَیَرْكَبُ الْحِمَارَ۔

ترجمہ: حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ غلام کی دعوت کو بھی قبول فرما لیتے، مریض کی عیادت کرتے اور گدھے پر سواری کر لیتے تھے۔

(۴۶۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی بَیَاضِ قَدَمَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَیْثُ اَتَی الصَّلٰوةَ فِیْ مَرَضِهٖ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ ﷺ فرماتی ہیں کہ گویا میں اب بھی نبی ﷺ کے قدموں کی سفیدی کو دیکھ رہی ہوں جب آپ ﷺ

مرض الوفات میں نماز کے لیے گئے تھے۔

(۳۶۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا مَرِضَ الْمَرَضَ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ اسْتَحَلَّ أَنْ يَكُونَ فِي بَيْتِي فَأُحِلَّ لَهُ قَالَتْ فَلَمَّا سَمِعْتُ ذٰلِكَ قُمْتُ مُسْرِعَةً فَكَنَسْتُ بَيْتِي وَلَيْسَ لِي خَادِمٌ وَفَرَشْتُ لَهُ فِرَاشًا حَشْوُ مِرْفَقَتِهِ الْإِذْخِرُ فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى وُضِعَ عَلٰى فِرَاشِي۔

ترجمہ: حضرت عائشہ ﷞ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو میرے گھر میں رہنے کی اجازت طلب فرمائی، ازواج مطہرات نے اجازت دے دی، جب میں نے یہ بات سنی تو جلدی سے کھڑی ہوئی اور گھر کی جھاڑو دی، اس وقت میرے پاس کوئی خادم نہیں تھا اور نبی ﷺ کے لیے اذخر گھاس سے نرم کر کے ایک گدا بچھا دیا، جس کے تکیے کہنی کے نیچے آتے تھے، نبی ﷺ دو آدمیوں کے درمیان اس طرح تشریف لائے کہ ان کا سہارا لیے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو میرے بستر پر لٹا دیا گیا۔

حل عبارت: "مسست" باب سمع سے فعل ماضی مثبت معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی چھونا "خز" ایسے کپڑے کو کہتے ہیں جس میں ریشم کے کچھ دھاگے شامل کر کے اسے بنایا گیا ہو "ألین" اسم تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی نرم ہونا "عائدا" باب نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی کھینچنا "یعود" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی عیادت کرنا "استحل" باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی طلب حلال کرنا "فكنست" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی جھاڑو دینا "فرشت" مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بستر بچھانا "یہادی" باب مفاعلہ سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سہارا لگانا "مرفقة" کہنی۔

تخریج حدیث ۳۵۸: اخرجه البخاری: ۲۴۲ ومسلم: ۲۶۲۵(۲۱۵۱) وابن حبان: ۱۹۹۶۔

تخریج حدیث ۳۵۹: راجع رقم: ۳۴۶۔

تخریج حدیث ۳۶۰: اخرجه ابن عدی: ۱/۹۸ واحمد، کما ذکره ابن کثیر فی تفسیره: ۱/۲۶۶۔

تخریج حدیث ۳۶۱: اخرجه ابن ماجه: ۴۲۷۸ والترمذی: ۲۰۶۷

تخریج حدیث ۳۶۲: ذکره جمیع اصحاب السیر والتاریخ والبخاری فی ضمن حدیث طویل: ۱۹۸ ومسلم: ۹۱۸ (۱۰۸) وابن ماجه: ۱۶۱۸۔

تخریج حدیث ۳۶۳: اخرج البخاری مختصرا: ۱۹۸، ۶۶۴، ۴۴۴۲ ومسلم: ۹۲۷ (۴۱۸) وابن ماجه: ۱۶۱۸، واحمد: ۶/۲۴۱۔

مفہوم: زیر بحث تمام احادیث مبارکہ میں نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ کے اخلاق و عادات اور کمالات کے بکھرے ہوئے موتی اور

معدود ے چند افکار میں سے چند چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کیونکہ اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا کے ہر خطے اور کونے میں ہر زبان اور رسم الخط میں ہر کتب خانہ اور لائبریری میں ہر سال اور موسم میں جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت و اخلاق کمالات اور عادات پر لکھی جانے والی صرف کتابوں کی تعداد ہی اتنی ہے کہ انہیں شمار کرنا آسان نہیں، اخلاق و کمالات کا احاطہ کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

اس لیے اس موقع پر عربی زبان میں شاید حضرت عائشہ صدیقہ ﷞ کے اس جملے سے زیادہ وسیع جملہ نہ مل سکے جو انہوں نے نبی ﷺ کے اخلاق عالیہ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا "کان خلقہ القرآن" اور فارسی زبان میں شاید اس سے زیادہ وسیع جملہ نہ مل سکے جو نبی ﷺ کے متعلق کہا گیا ہے کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

آپ غور کیجیے! کیا قرض کی ادائیگی کے وقت اس سے بہتر صورت ہو سکتی ہے کہ غیر ربوی اور غیر متوقع طور پر قرض خواہ کو اس کی اصل رقم بھی دے دی جائے اور اس کے احسان کا بدلہ بھی اتار دیا جائے؟ "غیر ربوی" کی قید سے میرا مقصود "سود" کو نکالنا ہے یقیناً قرض کی ادائیگی اور وہ بھی بروقت، انسان کے عمدہ اخلاق اور احسان شناسی کی دلیل ہے اسی طرح کسی محفل میں ٹانگیں پسار کر پھیلانے سے اپنے آپ کو بچانا آداب مجلس سے شناسا ہونے کی علامت ہے کیونکہ جو شخص آداب مجلس سے ناواقف ہو، بظاہر اس کا اعزاز و احترام کرنے والے بھی اس کی پیٹھ پیچھے برائیاں کرتے اور ہنسی اڑاتے ہیں۔

غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ ایسا تعلق کہ ان کی معمولی سے معمولی بیماری پر ان کی بیمار پرسی کے لیے پہنچ جانا، غلاموں کے حقوق کا تحفظ ایسا کہ اگر کسی غلام نے کچھ بچا بچا کر خلوص کے ساتھ دال روٹی کی دعوت کر دی تو اس کی عزت نفس کو مجروح نہیں ہونے دیا اور اسے اپنے بابرکت قدموں کی برکت سے مالا مال کر دیا، عاجزی اور فروتنی ایسی کہ معمولی سواری پر بھی سوار ہو جاتے، نہ تو کسی عمدہ سواری کا انتظار کرتے اور نہ کسی معمولی سواری پر سوار ہونے میں کسر شان سمجھتے۔

مخلوق خدا کے ساتھ ایسا عمدہ برتاؤ کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کا اپنے پروردگار سے تعلق بھی بہت مضبوط تھا، اتنا کہ مرض الوفات میں بھی جب تک آپ ﷺ دو آدمیوں کے کندھوں پر سہارا لے کر مسجد میں پہنچ سکتے تھے، آپ ﷺ نے مسجد میں پہنچ کر ہی نماز ادا فرمائی اور جب ازواج مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہ صدیقہ ﷞ کے گھر میں منتقل ہونے کے کچھ دنوں کے بعد اتنی بھی ہمت نہ رہی تو گھر میں ہی نماز ادا فرماتے رہے، حد تو یہ ہے کہ وہ آخری وصیت جو آپ ﷺ نے اپنی امت کو فرمائی اور وہ آخری الفاظ جو آپ ﷺ کی زبان اقدس سے امت کے لیے ادا ہوئے، ان میں بھی امت کو نماز کی ادائیگی اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی تھی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم خلق اور خالق کے معاملے میں پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کے

ہے تو تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا اس پر منافقین باز آ گئے۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے نبی علیہ السلام کے روئے مبارک سے کپڑا اٹھایا جسے ڈھانپ دیا گیا تھا اور اسے چومنے لگے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت کا مزہ نہیں چکھائے گا' آپ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ معزز ہیں' پھر باہر تشریف لا کر فرمایا اے لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا' وہ جان لے کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی عبادت کرتا تھا تو وہ کبھی نہیں مرے گا' اس کے بعد انہوں نے یہ آیت تلاوت کی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی رسول ہی تو ہیں ان سے پہلے اور رسول بھی تو گزر چکے' اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے' اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جائے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا' اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب بدلہ دے گا۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوا جیسے ہم نے اس سے پہلے یہ آیت کبھی پڑھی ہی نہ ہو اور لوگ بھی وہی کہنے اور پڑھنے لگے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور تلاوت کیا تھا۔ پیر (کا دن شروع ہونے سے پہلے جو) رات (آتی ہے اس کے اختتام پر) نبی علیہ السلام کا انتقال ہوا' وہ دن گزر کر منگل کے دن آپ کو سپرد خاک کیا گیا' اور نبی علیہ السلام کو غسل دینے والے حضرات میں اسامہ بن زیدؓ اور اوس بن خولیؓ پانی بہا رہے تھے اور حضرت علیؓ اور فضلؓ نہلا رہے تھے۔

حل لغات: "حفظ" جمع حافظ بمعنی یاد رکھنے والا۔ "یعرضون" باب تفاعل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی گرتے پڑتے آنا' فرتفری میں جتلا ہونا "ارجف" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مضطرب ہونا "فکفوا" باب نصر سے فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی رک جانا "مسجی" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی پوشیدہ رکھنا' ڈھانپ دینا "کشف" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کھولنا "یلثمہ" باب مذکورہ سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بوسہ دینا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري من: ١٢٤١، وفي ٤٤٥٤، والنسائي: ١٨٤١، وابن ماجه ١٦٢٧، وابن حبان: ٦٦٢٠، واحمد: ٢٥٣٧٥۔

مفہوم: یقیناً اس قیامت صغریٰ کے موقع پر کسی "اکبر" کا ہونا ضروری تھا جو اپنی صداقت سے اس قیامت میں ثابت قدمی کے جھنڈے گاڑتا' امت کو نیا حوصلہ اور ولولہ دیتا' اپنے ہوش و حواس کو قائم رکھ کر مستقبل کا نقشہ سامنے رکھتا' آپس کی ناچاقی اور عداوتیں پھیلنے سے بچاؤ کے انتظامات کرتا' جانے والے محبوب کی نیابت کرتا اور آنے والے غم کی تلاوت کرتا' اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس موقع پر یہ عظیم کام لیے اور انہیں خلافت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز عطاء فرمایا اور سیدنا علی مرتضیٰ کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت پر ہر آدمی سکتے میں آ گیا تھا' زمین پر حسرت برس رہی تھی اور

آسمان پر گرد اڑاتی تھی، فضاؤں کے پرندے تڑپتے تھے اور سمندروں کی مچھلیاں گھبرا رہی تھیں، جن کی جدائی کے غم پر درختوں کے پتے آنکھوں آنکھوں آنسو رویا کرتے تھے، ان کی جدائی کا غم ہر شخص کو بے حال کیے ہوئے تھا، ہر طرف ایک پریشانی تھی، دوسری طرف پریشان تھی، حسنینؓ کے دل پر قیامت بیت رہی تھی اور فاطمۃ الزہراؓ کے سسر رخصت ہو رہے تھے، شیخین کے داماد رخصت ہو رہے تھے، یتیموں اور بیواؤں کے والی رخصت ہو رہے تھے، پیغمبر اسلام اور پیامبر انسانیت رخصت ہو رہے تھے۔ سچ ہے کہ اس دنیا سے ہر ایک نے رخصت ہونا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ اَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ

(۴۶۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ اَبِي الزَّعْرَاءِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے فضائل

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان دونوں شخصوں کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہوں گے یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ عَمَّارٍ

(۴۶۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَاهْتَدُوْا بِهَدْيِ عَمَّارٍ وَتَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ۔

حضرت عمارؓ کے فضائل

اس روایت کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ عمار ؓ کا طریقہ اختیار کرو اور عبداللہ بن مسعود ؓ کی وصیت کو مضبوطی سے تھامو۔

حل عبارت: "اقتدوا" باب افتعال سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی اقتداء کرنا، پیروی کرنا "واهتدوا" بھی اسی باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی طریقہ اختیار کرنا "بعهد" ای بوصية۔

تخریج حدیث اول: اخرجه الترمذی: ۳۶۶۲، و ابن ماجه: ۹۷، واحمد: ۵/۳۹۹، و ابن حبان: ۶۹۰۲۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن حبان: ۶۹۰۲، والترمذی فی المناقب، باب ۳۴، واحمد: ۲۳۶۶۵۔

مفہوم: یہاں سے حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل کا بیان شروع ہو رہا ہے جس میں حدیث کی مختصر وضاحت "اگر اس کی ضرورت ہو" کے بعد متعلقہ صحابی کی مختصر سوانح حیات ذکر کی جائے گی تاکہ ان کا مختصر تعارف ذہن نشین ہو جائے چنانچہ یہاں حضرات شیخین کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے، حضرت عمار بن یاسر ؓ کا تذکرہ بھی شروع کیا ہے

اس لیے یہاں ان تینوں کا ذکر کیا جاتا ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر الگ سے آ رہا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم گرامی عبداللہ' کنیت ابوبکر اور لقب صدیق ہے' آپ کے والد کا نام عثمان اور والدہ کا نام سلمٰی ام الخیر ہے' آپ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں نبی علیہ السلام سے ملتا ہے' آپ مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف رکھتے ہیں' زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کو شراب سے نفرت تھی' آپ کی کوششوں سے بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بہت سے غلاموں کو آزادی ملی' غار ثور اور روضہ مبارکہ میں رفاقت مصطفیٰ ﷺ کا شرف حاصل ہوا' غزوات میں شرکت اور ۹ھ میں امیر الحجاج کا اعزاز نصیب ہوا' خلافت نصیب ہوئی اور جمع قرآن' مرتدین کی سرکوبی' جیش اسامہ کی روانگی اور تحفظ مسئلہ ختم نبوت جیسے اہم کام آپ کی زندگی کا اہم حصہ ہیں۔ آپ کا انتقال ۶۳ برس کی عمر میں ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ کو ہوا' پیر کے دن صبح کے وقت میں نبی علیہ السلام کا وصال ہوا تھا اور اسی کے غروب آفتاب کے ساتھ ہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی پردہ فرما گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم گرامی عمر' کنیت ابوحفص اور لقب فاروق ہے' آپ کے والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام حنتمہ ہے' آپ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں نبی علیہ السلام سے مل جاتا ہے' آپ کی پیدائش ہجرت سے چالیس سال پہلے ہوئی' ابتداء میں آپ اسلام کے خلاف بہت سرگرم رہے' بالآخر مراد نبوی ﷺ بن کر دین اسلام کا شجر ثمر بار بنے' تمام غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل ہے' مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ اور چار دانگ عالم میں اسلام کا نام روشن کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر بندھتا ہے' عراق' شام' فلسطین' بیت المقدس اور مصر جیسے بڑے ممالک آپ ہی کے عہد حکومت میں فتح ہوئے' یکم محرم ۲۴ھ بروز ہفتہ آپ جام شہادت نوش کر گئے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم گرامی عمار' اور کنیت ابوالیقظان ہے' آپ کے والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ ہے' تقریباً تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آپ کو قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا' آپ کو دین اسلام قبول کرنے پر مشرکین کی طرف سے انتہائی سخت تکالیف پہنچائی گئیں' تمام غزوات میں شریک ہوئے' ۲۰ھ میں کوفہ کے گورنر بنائے گئے' ۹۱ برس کی عمر میں جنگ صفین میں شہید ہوئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ عُثْمَانَ

(۳۷۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ أَنَّ عُمَرَ مَرَّ بِعُثْمَانَ وَهُوَ حَزِينٌ فَقَالَ مَا يُحْزِنُكَ قَالَ أَلَا أَحْزَنُ وَقَدِ انْقَطَعَ الصِّهْرُ بَيْنِي وَبَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَذَلِكَ حِينَ مَاتَتْ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكَانَتْ تَحْتَهُ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ أُزَوِّجُكَ حَفْصَةَ ابْنَتِي فَقَالَ حَتَّى اسْتَأْمِرَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَتَاهُ

فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هَلْ لَكَ اَنْ اَدُلُّكَ عَلٰى صِهْرٍ هُوَ خَيْرٌ لَكَ مِنْ عُثْمَانَ وَاَدُلُّ عُثْمَانَ عَلٰى صِهْرٍ هُوَ خَيْرٌ لَهُ مِنْكَ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ زَوِّجْنِيْ حَفْصَةَ وَاُزَوِّجُ عُثْمَانَ ابْنَتِيْ فَقَالَ نَعَمْ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔

حضرت عثمان ﷜ کی فضیلت

ترجمہ: موسیٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ﷜ کا حضرت عثمان غنی ﷜ کی طرف سے گزر ہوا تو وہ غمگین دکھائی دیئے پوچھا کیوں غمگین دکھائی دے رہے ہو؟ فرمایا غمگین کیوں نہ ہوں؟ جبکہ میرے اور نبی ﷺ کے درمیان سسرالی رشتہ منقطع ہو گیا ہے' یہ حضرت رقیہ ﷞ کی وفات کے ابتدائی ایام کی بات ہے جو حضرت عثمان ﷜ کے نکاح میں تھیں' حضرت عمر ﷜ نے ان سے کہا کہ میں اپنی بیٹی حفصہ کا نکاح تم سے کر دیتا ہوں' حضرت عثمانؓ نے کہا کہ پہلے میں نبی ﷺ سے مشورہ کر لوں۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کیا میں حفصہ کے لیے عثمان سے بہتر رشتہ اور عثمان کے لیے حفصہ سے بہتر رشتہ نہ بتاؤں؟ عرض کیا ضرور' فرمایا حفصہ کا نکاح مجھ سے کر دو اور عثمان کا نکاح میں اپنی بیٹی سے کر دیتا ہوں' وہ اس پر راضی ہو گئے اور نبی ﷺ نے ایسا ہی کیا۔

فائدہ: "حزین" فعیل بمعنی مفعول کے ہے یعنی غمگین "الصهر" سسرالی رشتہ داری' "ادلك" بمعنی ارائل "ازوجك" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی نکاح کروانا۔

تخریج حدیث: اخرجه الهيدی فی مسنده: ۲۷۹/۱' وابن ماجه مختصراً: ۱۱۰۔

حضرت عثمان غنی ﷜: آپ کا نام نامی اسم گرامی عثمان' کنیت ابو عبداللہ اور لقب ذوالنورین ہے' آپ کے والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروی ہے' آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں جا کر نبی ﷺ سے مل جاتا ہے' آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلے بنو امیہ سے ہے۔ آپ واقعہ اصحاب فیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے' چونتیس سال کی عمر میں اس وقت اسلام قبول کیا جبکہ صرف ۳۵ لوگ مسلمان ہوئے تھے' قبول اسلام کے بعد نبی ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ ﷞ کا نکاح آپ سے کر کے آپ کو اپنی فرزندی میں قبول فرمایا' آپ نے حبشہ کی طرف بھی ہجرت کی' غزوہ بدر میں حضرت رقیہ ﷞ کی بیماری کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے' ادھر حضرت رقیہ ﷞ بھی جانبر نہ ہو سکیں' اس کے بعد حضرت ام کلثوم ﷞ سے نکاح ہوا۔ ۳ محرم ۲۴ھ کو آپ مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کے عہد خلافت میں طرابلس' افریقہ' سائپرس' طبرستان فتح ہوئے اور ۳۱ھ میں پہلی بحری کامیاب جنگ لڑی گئی' ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ بوقت عصر آپ نے باغیوں کے ہاتھوں چالیس دن کی بھوک پیاس کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ فَضْلِ حَمْزَةَ

(۴۷۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ ثُمَّ رَجُلٌ دَخَلَ اِلٰى اِمَامٍ فَاَمَرَهٗ وَنَهَاهُ۔

وَفِیْ رِوَايَةٍ سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَرَجُلٌ قَامَ اِلٰى اِمَامٍ جَائِرٍ فَاَمَرَهٗ وَنَهَاهُ۔

حضرت حمزہ ﷛ کی فضیلت

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷠ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب سید الشہداء ہوں گے اور دوسرے نمبر پر وہ آدمی جو کسی حکمران کے پاس جا کر اسے اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے۔

تخریج الحدیث: مستدرک حاکم: ۱۱۹/۲، والہندی فی الکنز: ۳۲۲۶۲۔

فائدہ: عام طور پر حضرت امام حسین ﷛ کو بھی لوگ سید الشہداء کہہ دیتے ہیں اور عشرۂ محرم میں ایسی چیزیں خصوصیت کے ساتھ کثرت سے سننے میں آتی ہیں اس موقع پر ایک طرف تو حضرت امام حسین ﷛ کا تقدس و احترام ہوتا ہے اور دوسری طرف بعض حضرات کی یہ رائے ہوتی ہے کہ سید الشہداء کا لقب حضرت امیر حمزہ ﷛ کے ساتھ خاص ہے نبی ﷺ نے ان ہی کو یہ لقب عطاء فرمایا تھا اس لیے کسی اور کو یہ لقب دینا صحیح نہیں ہے، لیکن راقم الحروف ہمیشہ اس خلجان کا شکار رہا ہے کہ اگر حضرت امام حسین ﷛ کو سید الشہداء کہہ دیا جائے تو اس سے کیا خرابی لازم آتی ہے، لیکن جب راقم کی نظر اس حدیث پر پڑی تو ذہن کا خلجان خود بخود دور ہو گیا کہ جب خود نبی ﷺ فرما رہے ہیں کہ ایسے حکمران کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے دین کے ساتھ وابستہ رکھنے والا شخص بھی "سید الشہداء" کے اعزاز سے معزز ہوگا تو حضرت امام حسین ﷛ نے بھی تو یہی فریضہ انجام دیا تھا، انہیں یہ لقب کیوں نہیں دیا جا سکتا؟ معلوم ہوا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت حمزہ ﷛: آپ کا نام نامی اسم گرامی حمزہ، کنیت ابو عمارہ اور لقب اسد اللہ ہے، آپ کے والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام ہالہ بنت وہیب تھا، رشتے میں آپ نبی ﷺ کے حقیقی چچا اور رضاعی بھائی لگتے ہیں، آپ کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے، غزوۂ بدر میں آپ کی شہامت و شجاعت نے غنیم کے پرے کے پرے صاف کر دیئے، غزوۂ احد میں آپ نے وحشی بن حرب نامی غلام کے ہاتھوں "جس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا" جام شہادت نوش فرمایا، اور دشمن نے آپ کی نعش مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، بعد ازاں نبی ﷺ نے ان سب ٹکڑوں کو جمع کر کے دفن کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ الزُّبَيْرِ

(۳۷۱) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يَأْتِيْنَا بِالْخَبَرِ لَيْلَةَ الْأَحْزَابِ فَيَنْطَلِقُ الزُّبَيْرُ فَأَتَاهُ بِالْخَبَرِ كَانَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خندق کی رات ارشاد فرمایا دشمن کے متعلق ہمیں کون خبر لا کر دے گا؟ تین مرتبہ ایسا ہوتا ہے اور تینوں مرتبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے ہیں اور جا کر خبر لاتے ہیں اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔

حل لغات: "ینطلق" باب انفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جانا "حواری" صاحب خاص کو کہتے ہیں۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاري: ۲۸۴۷ ومسلم: ۶۲۴۳ [۲۴۱۵] والترمذي: ۳۷۴۵ وابن ماجه: ۱۲۲ وابن حبان: ۶۹۸۵.

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم گرامی زبیر، کنیت ابو عبداللہ اور لقب "حواریٔ رسول" ہے آپ کے والد کا نام عوام اور والدہ کا نام صفیہ ہے جو نبی علیہ السلام کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ آپ کی پیدائش ہجرت سے اٹھائیس سال قبل ہوئی۔ آپ نے اپنی عمر کے سولہویں سال میں ہی پانچویں یا چھٹے نمبر پر اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا بہادری میں ضرب المثل تھے تمام غزوات میں شریک ہوئے جنگ جمل کے موقع پر ابن جرموز نامی غدار اور بدبخت کے ہاتھوں آپ نے جام شہادت نوش کیا آپ کی کل عمر مبارک چونسٹھ سال ہوئی اور ۳۶ھ میں شہید ہو کر وادی سباع میں مدفون ہوئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ

(۳۷۲) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ سَمَرَا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ قَالَ فَخَرَجَ وَخَرَجَ مَعَهُمَا فَمَرُّوْا بِابْنِ مَسْعُوْدٍ وَهُوَ يَقْرَأُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ كَمَا أُنْزِلَ فَلْيَقْرَأْهُ عَلٰى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ۔
وَجَعَلَ يَقُوْلُ لَهُ سَلْ تُعْطَهْ فَأَتَاهُ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ يُبَشِّرَانِهِ فَسَبَقَ أَبُوْ بَكْرٍ عُمَرَ إِلَيْهِ فَبَشَّرَهُ وَأَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ أَمَرَهُ بِالدُّعَاءِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا لَا يَرْتَدُّ وَنَعِيْمًا لَا يَنْفَدُ وَمُرَافَقَةَ

نَبِيِّكَ فِيْ جَنَّةِ الْخُلْدِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ اَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ سَمَرَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَخَرَجَا وَخَرَجَ مَعَهُمَا فَمَرُّوْا بِابْنِ مَسْعُوْدٍ وَهُوَ يَقْرَأُ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ غَضًّا كَمَا اُنْزِلَ فَلْيَقْرَأْهُ عَلٰى قِرَاءَةِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ وَجَعَلَ يَقُوْلُ سَلْ تُعْطَهْ وَذَكَرَ تَمَامَ الْاَوَّلِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فضائل

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضرت شیخینؓ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام سے رات دیر گئے تک گفتگو کرتے رہے، جب وہ دونوں نکلے تو نبی علیہ السلام بھی ان کے ساتھ چلے گئے، ان تینوں کا گزر ابن مسعودؓ کے پاس سے ہوا جو قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے، نبی علیہ السلام نے ان کی تلاوت سن کر فرمایا جو شخص یہ چاہے کہ قرآن کو اسی طرح پڑھے جیسے وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ ابن مسعودؓ کی طرح پڑھے اور نبی علیہ السلام ان سے فرمانے لگے کہ مانگو تمہاری درخواست پوری ہوگی، حضرات شیخینؓ یہ خوشخبری سنانے کے لیے ابن مسعودؓ کے پاس آئے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ پر سبقت لے گئے اور انہیں خوشخبری سنا کر فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے تمہیں دعا کا حکم دیا ہے چنانچہ انہوں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! میں تجھ سے ایسے دائمی ایمان کا سوال کرتا ہوں جو کبھی زائل نہ ہو، ایسی نعمتوں کا جو کبھی ختم نہ ہوں اور جنت میں نبی علیہ السلام کی رفاقت کا۔

[۴۷۳] اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَوْنٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهُ كَانَ اِذَا دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْتَهُ اَرْسَلَ وَالِدَتَهُ اُمَّ عَبْدٍ تَنْظُرُ اِلٰى هَدْيِ النَّبِيِّ ﷺ وَدَلِّهِ وَسَمْتِهِ لِتُخْبِرَهُ بِذٰلِكَ فَيَتَشَبَّهَ بِهٖ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی علیہ السلام اپنے گھر تشریف لے جاتے تو وہ اپنی والدہ ام عبد کو بھیج دیتے تھے تاکہ وہ نبی علیہ السلام کے طریقے، سیرت اور کیفیت کو غور سے دیکھیں اور انہیں آ کر بتائیں، پھر وہ ان کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

[۴۷۴] اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَوْنٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهُ كَانَ صَاحِبَ خَصْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ عَصَا رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ رِدَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ الرَّاحِلَةِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ سِوَاكِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَصَاحِبَ الْمِيْضَاةِ وَصَاحِبَ النَّعْلَيْنِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے منقول ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کے سجادہ بردار تھے، ایک روایت میں لاٹھی بردار

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابت کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کے پاس سے ان کا گزر ہوا' آپ کے ساتھ ایک دیہاتی بھی تھا جو بیع کا انکار کر رہا تھا' حضرت خزیمہ کہنے لگے کہ میں اس بات کا گواہ ہوں کہ تم نے یہ جانور نبی علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کیا ہے' نبی علیہ السلام نے فرمایا تمہیں کیسے پتہ چلا؟ عرض کیا کہ آپ ہمارے پاس آسمانی وحی لاتے ہیں تو ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں (کیا اس میں آپ کی تکذیب کریں گے؟) نبی علیہ السلام نے یہ سن کر ان کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دے دیا۔

حلِّ لغات: "یجحد" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی انکار کرنا "بعتہ" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بیچنا "نصدقک" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی تصدیق کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابو داؤد: ۳۶۰۷ واحمد

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم سامی خزیمہ' کنیت ابو عمارہ اور لقب ذوالشہادتین ہے' آپ کے والد کا نام ثابت اور والدہ کا نام کبشہ بنت اوس ہے' آپ ہجرت سے قبل دولت اسلام سے مالا مال ہوئے اور غزوۂ بدر سے لے کر آخر تک تمام غزوات میں شریک رہے' آپ کی کل مرویات کی تعداد ۳۸ ہے' جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ کی طرف سے شریک ہو کر شامیوں کے خلاف داد شجاعت دی اور اسی معرکہ میں جام شہادت نوش کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ خَدِيجَةَ

۳۷۸ | أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ بُشِّرَتْ خَدِيجَةُ بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ لَا صَخَبَ فِيهَا وَلَا نَصَبَ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے جنت میں ایسے گھر کی بشارت دی گئی ہے جس میں کوئی شور اور کسی قسم کی تھکاوٹ نہ ہو گی۔

حلِّ لغات: "بشرت" باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی خوشخبری دینا' "صخب" شور و شغب "نصب" تھکاوٹ۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری ۱۷۹۲' ومسلم ۶۲۷۲ (۲۴۳۳) واحمد ۳۵۵/۴' وابن حبان ۷۰۰۴۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا: آپ کا نام نامی اسم گرامی خدیجہ' کنیت ام ہند اور لقب طاہرہ ہے' آپ کے والد کا نام

خویلد اور والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ ہے، آپ کا سلسلۂ نسب چوتھی پشت میں جا کر نبی علیہ السلام سے مل جاتا ہے، آپ کی پیدائش عام الفیل سے ۱۵ سال قبل ہوئی، آپ کا پہلا نکاح ابو ہالہ سے ہوا، دوسرا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا اور تیسری مرتبہ آپ سرور کائنات ﷺ کے حبالۂ عقد میں آئیں، اس وقت آپ کی عمر چالیس سال اور نبی علیہ السلام کی عمر پچیس برس تھی، آپ کا مہر ۵۰۰ طلائی درہم مقرر ہوا، خواتین میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا، آپ ۲۵ سال تک نبی علیہ السلام کے نکاح میں رہیں، اس دوران اپنے تمام دل و جان اور روح و قلب سے نبی علیہ السلام کی خدمت میں مصروف رہیں، حالانکہ اپنے وقت میں مکہ مکرمہ کی سب سے مالدار خاتون تھیں، آپ نے کل ۶۴ برس چھ ماہ کی عمر پائی، ۱۱ رمضان ۱۰ نبوت میں آپ کا انتقال ہوا اور نبی علیہ السلام نے خود انہیں قبر میں اتارا، آپ کی قبر حجون میں ہے، نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ جتنی بھی اولاد عطاء فرمائی وہ سب حضرت خدیجہ سے ہوئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ عَائِشَةَ الصِّدِّيْقَةِ

(۳۷۹) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّهُ لَيُهَوَّنُ عَلَيَّ الْمَوْتُ أَنِّيْ رَأَيْتُكِ زَوْجَتِيْ فِي الْجَنَّةِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ أَنِّيْ رَأَيْتُكِ زَوْجَتِيْ فِي الْجَنَّةِ ثُمَّ الْتَفَتَ وَقَالَ هُوِّنَ عَلَيَّ الْمَوْتُ لِأَنِّيْ رَأَيْتُ عَائِشَةَ فِي الْجَنَّةِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا مجھ پر موت کی سختی اس لیے آسان ہو گئی ہے کہ میں نے تمہیں جنت میں بھی اپنی بیوی کے طور پر دیکھ لیا ہے۔

(۳۸۰) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ كُنَّ لِيْ خِلَالٌ سَبْعٌ لَمْ يَكُنْ لِأَحَدٍ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ كُنْتُ أَحَبَّهُنَّ إِلَيْهِ أَبًا وَأَحَبَّهُنَّ إِلَيْهِ نَفْسًا وَتَزَوَّجَنِيْ بِكْرًا وَمَا تَزَوَّجَنِيْ حَتّٰى أَتَاهُ جِبْرِيْلُ بِصُوْرَتِيْ وَلَقَدْ رَأَيْتُ جِبْرِيْلَ وَمَا رَآهُ أَحَدٌ مِنَ النِّسَاءِ غَيْرِيْ وَكَانَ يَأْتِيْهِ جِبْرِيْلُ وَأَنَا مَعَهُ فِيْ شِعَارِهِ وَلَقَدْ نَزَلَ فِيَّ عُذْرٌ كَادَ أَنْ يَهْلِكَ فِئَامُ النَّاسِ وَلَقَدْ قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ بَيْتِيْ وَفِيْ لَيْلَتِيْ وَيَوْمِيْ وَبَيْنَ سَحْرِيْ وَنَحْرِيْ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری سات خوبیاں ایسی ہیں جو دیگر ازواج مطہرات میں سے کسی میں نہ تھیں۔

۱۔ میں ان سب کی نسبت نبی علیہ السلام کو اپنے والد اور اپنی ذات کے حوالے سے سب سے زیادہ محبوب تھی۔

۲۔ نبی علیہ السلام نے مجھ سے باکرہ ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا۔

۳۔ میں نے جبرئیل کو دیکھا ہے، وہ میرے علاوہ کسی زوجہ محترمہ نے نہیں دیکھا۔

۴۔ نبی علیہ السلام نے مجھ سے نکاح نہیں کیا یہاں تک کہ جبرئیل میری تصویر لے کر آئے۔

۵۔ نبی علیہ السلام کے پاس جبرئیل اس وقت بھی آجاتے تھے جب میں نبی علیہ السلام کے ساتھ بستر میں ہوتی۔

۶۔ میرے عذر کے بارے قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں جس میں لوگوں کی بہت سی جماعتیں ہلاکت کے قریب آگئی تھیں۔

۷۔ نبی علیہ السلام کا انتقال میرے گھر میں، میری باری کی رات میں، میرے دن میں اور میرے سینے اور گلے کے درمیان ہوا ہے۔

(۴۸۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَوْنٍ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فِيَّ سَبْعُ خِصَالٍ لَيْسَتْ فِي وَاحِدَةٍ مِنْ أَزْوَاجِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ تَزَوَّجَنِي وَأَنَا بِكْرٌ وَلَمْ يَتَزَوَّجْ أَحَدًا مِنْ نِسَائِهِ بِكْرًا غَيْرِي وَنَزَلَ جِبْرِيلُ بِصُورَتِي قَبْلَ أَنْ يَتَزَوَّجَنِي وَلَمْ يَنْزِلْ بِصُورَةِ وَاحِدَةٍ مِنْ نِسَائِهِ غَيْرِي وَرَأَيْتُ جِبْرِيلَ وَلَمْ يَرَهُ أَحَدًا مِنْ أَزْوَاجِهِ غَيْرِي وَكُنْتُ مِنْ أَحَبِّهِنَّ إِلَيْهِ نَفْسًا وَمَا نَزَلَتْ فِيَّ آيَاتٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَادَ أَنْ يَهْلِكَ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ وَمَاتَ فِي لَيْلَتِي وَيَوْمِي وَتُوُفِّيَ بَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهَا قَالَتْ إِنَّ فِيَّ سَبْعَ خِصَالٍ لَيْسَتْ فِي وَاحِدَةٍ مِنْ أَزْوَاجِهِ تَزَوَّجَنِي بِكْرًا وَلَمْ يَتَزَوَّجْ بِكْرًا غَيْرِي وَأَتَاهُ جِبْرِيلُ بِصُورَتِي قَبْلَ أَنْ يَتَزَوَّجَنِي وَلَمْ يَأْتِهِ جِبْرِيلُ بِصُورَةِ أُخْرَى مِنْ أَزْوَاجِهِ غَيْرِي وَكُنْتُ أَحَبَّهُنَّ إِلَيْهِ نَفْسًا وَأَبًا وَأُنْزِلَ فِيَّ عُذْرٌ كَادَ أَنْ يَهْلِكَ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ وَمَاتَ فِي يَوْمِي وَلَيْلَتِي وَبَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي وَرَأَيْتُ جِبْرِيلَ وَلَمْ يَرَهُ أَحَدٌ مِنْ أَزْوَاجِهِ غَيْرِي۔

ترجمہ: یہ وہی ترجمہ ہے جو حدیث نمبر ۴۸۰ میں ہوا۔

(۴۸۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ أَنَّهُ كَانَ إِذَا حَدَّثَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ حَدَّثَتْنِي الصِّدِّيقَةُ بِنْتُ الصِّدِّيقِ الْمُبَرَّأَةُ حَبِيبَةُ رَسُولِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ﷺ۔

ترجمہ: مسروق جب بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حوالے سے کوئی روایت بیان کرتے تو یوں کہتے: "حدثتني الصديقة بنت الصديق المبرأة حبيبة رسول الله ﷺ۔"

(۴۸۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ عَلَى عَائِشَةَ يَعُودُهَا فِي مَرَضِهَا فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ إِنِّي أَجِدُ غَمًّا وَكَرْبًا فَانْصَرِفْ فَقَالَ لِلرَّسُولِ مَا أَنَا بِالَّذِي يَنْصَرِفُ حَتَّى أَدْخُلَ

فَرَجَعَ الرَّسُولُ فَأَخْبَرَهَا بِذَلِكَ فَأَذِنَتْ لَهُ فَقَالَتْ إِنِّي أَجِدُ غَمًّا وَكَرْبًا وَأَنَا مُشْفِقَةٌ مِمَّا أَخَافُ أَنْ أُقْحَمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ أَبْشِرِي فَوَاللَّهِ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ عَائِشَةُ فِي الْجَنَّةِ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُزَوِّجَهُ جَمْرَةً مِنْ جَمْرِ جَهَنَّمَ فَقَالَتْ فَرَّجْتَ فَرَّجَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْكَ۔

ترجمہ: ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے ان کی موت کے سلسلے میں گھر میں داخل کی اجازت مانگی حضرت عائشہؓ نے پیغام بھجوایا کہ میں بہت زیادہ پریشانی اور تکلیف محسوس کر رہی ہوں اس لیے ابھی (نہیں مل سکتی) واپس تشریف لے جائیے' حضرت ابن عباسؓ نے قاصد سے کہا کہ میں تو ملے بغیر واپس نہیں جاؤں گا' قاصد نے جا کر حضرت عائشہؓ کو یہ بات بتائی تو انہوں نے اجازت دے دی' (جب وہ آئے تو) فرمایا کہ میں بہت پریشانی اور تکلیف محسوس کر رہی ہوں اور مجھے اندازہ ہے کہ اب مجھ پر موت کا حملہ ہونے والا ہے' حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا آپ کو بشارت ہو کہ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عائشہ جنت میں ہوگی اور نبی ﷺ اللہ کے نزدیک اس سے معزز تھے کہ جہنم کے کسی انگارے سے نکاح فرماتے' یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم نے مجھ پر خوشی کا دروازہ کھولا اللہ تم پر کشادگی کرے۔

حل لغات: "یھون" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور لام ابتدائیہ ہے بمعنی آسان ہونا "خلال" خوبیاں "ابکرا" کنواری "شعرة" بمعنی [illegible] "فی" میرے بارے میں "سحری ونحری" سینہ اور گلا "المبرأة" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی بری ہونا "غما وکربا" پریشانی اور تکلیف "فانصرف" باب انفعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی لوٹ جانا "اقحم" باب نصر یا کرم سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی ہجوم کرنا "جمرة" چنگاری۔

تخریج حدیث ۳۷۹: اخرجہ احمد: ۲۵۵۹۰، وابن حبان: ۷۰۹۵، والترمذی: ۳۸۸۹۔

تخریج حدیث ۳۸۰، ۳۸۱: ھذان الحدیثان مشتمل کلاھما علی سبع خصال: اما الاول منھا

فقد اخرجہ مسلم: ۶۲۷۷ (۲۴۲۲) والترمذی: ۳۸۸۶، وابن ماجہ: ۱۰۱، وابن حبان: ۷۰۱۰۔

واما الثانی منھا

فقد اخرجہ ابن حبان: ۷۰۹۶، والبخاری: ۳۸۹۶، ومسلم: ۳۴۷۹ (۱۴۲۲)، وابوداود: ۴۹۳۳، والنسائی: ۳۲۵۷، وابن ماجہ: ۱۸۷۶۔

واما الثالث منھا

فقد اخرجہ احمد: ۲۴۶۱۳، والبخاری: ۵۱۹۵، ومسلم: ۶۲۸۴ (۲۴۳۸)، وابن حبان: ۷۰۹۳، والترمذی:

۳۸۸۰۔

واما الرابع منها:

فقد اخرجه احمد: ۲۵۰۰۸، والترمذی: ۳۸۸۲، وابن عدی: ۸/۱۶۔

واما الخامس منها:

فقد اخرجه البخاری معلقاً: ۱۵۸۱، والترمذی: ۳۸۷۹، وابن حبان: ۷۱۰۹۔

واما السادس منها:

فیشیر الی قصة الافک التی اخرجها جمیع اهل الحدیث والسیر والتفسیر، فقد اخرجه البخاری مثلاً: ۲۶۶۱، ومسلم: ۷۰۲۰ (۲۷۷۰)، وابوداؤد: ۴۷۳۵، والترمذی: ۳۱۸۰، وابن حبان: ۴۲۱۲۔

واما السابع منها:

فقد اخرجه البخاری: ۴۴۵۰، ومسلم: ۶۲۹۲ (۲۴۴۳)، وابن حبان: ۶۶۱۶، واحمد: ۶/۴۸۔

تخریج حدیث ۲۸۲: هو قول تابعی یدل علیه قول الصحابی عمار بن یاسر، اخرجه الترمذی: ۳۸۸۸ و نفس الحدیث اخرجه احمد: ۲۶۵۷۲۔

تخریج حدیث ۲۸۳: اخرجه ابن حبان: ۷۱۰۸، والبخاری: ۴۷۵۳۔

حضرت عائشہ صدیقہ ﷞: آپ کا نام نامی اسم گرامی عائشہ، کنیت ام عبداللہ اور لقب صدیقہ اور حمیرا ہے، آپ کے والد کا نام ابوبکر اور والدہ کا نام زینب ہے، آپ کی پیدائش ماہ شوال ۴ نبوت میں ہوئی، حضرت خدیجہ ﷞ کے انتقال کے بعد نبی ﷺ سے منسوب ہوئیں اور ماہ شوال ہی میں نو سال کی عمر میں رخصتی ہوگئی، شجاعت و دلیری، جود و سخاوت اور خود داری میں بے مثل رہیں، علم و فضل میں کوئی عورت ان کی ہمسری نہیں کرسکی، قرآن و حدیث، فقہ اور علم الاسرار کے علاوہ شاعری کا بھی خاص ذوق تھا اور بڑے بڑے شعراء کے قصائد زبانی یاد تھے، واقعہ افک کی مناسبت سے ان کی شان میں قرآن کریم کی دس آیات نازل ہوئیں، نبی ﷺ کی سب سے چہیتی زوجہ محترمہ تھیں، آپ نے ۶۷ سال کی عمر پائی، حضرت امیر معاویہ ﷛ کے دور خلافت میں ماہ رمضان ۵۸ھ کو انتقال فرمایا اور جنۃ البقیع میں آرام فرما ہیں، آپ کی مرویات کی تعداد پر اسی کتاب کے مقدمے میں بحث کی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَدْحِ الشَّعْبِيِّ

(۲۸۴) أَبُوْ حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ قَالَ كَانَ يُحَدِّثُ عَنِ الْمَغَازِي وَابْنُ عُمَرَ يَسْمَعُهُ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ حَدِيْثَهُ إِنَّهُ يُحَدِّثُ كَأَنَّهُ شَهِدَ الْقَوْمَ۔

امام شعبی ﷫ کی مدح

ترجمہ: ہیثم کہتے ہیں کہ امام شعبی مغازی کے متعلق احادیث سناتے تھے، حضرت ابن عمر ﷠ جب ان کی روایات کو سنتے تو

فرماتے کہ یہ بعینہ اسی طرح بیان کر رہے ہیں جیسے وہاں موجود و چشم دید گواہ بیان کرے۔

(۴۸۵) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ اَبِیْ هِنْدٍ عَنْ عَامِرٍ اَنَّهٗ کَانَ یُحَدِّثُ عَنْ مَغَازِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ حَلْقَةٍ فِیْهَا ابْنُ عُمَرَ فَقَالَ اِنَّهٗ لَیُحَدِّثُ حَدِیْثًا کَاَنَّهٗ شَهِدَ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی بعینہ یہی ہے۔

حل لغات: "شهد" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی موجود ہونا "المغازی" مراد غزوات ہیں "حلقة" ترکیب میں موصوف ہے اور "فیها ابن عمر" اس کی صفت۔

تخریج حدیث: انظر تهذیب التهذیب: ۵/۶۷، واسرحه الحارثی: ۵۹۶۔

امام شعبی رحمہ اللہ: آپ کا نام نامی عامر اور کنیت ابو عمرو ہے شعبی آپ کا لقب نہیں بلکہ قبیلہ کی طرف نسبت ہے آپ کے والد کا نام شراحیل ہے آپ کی والدہ غزوۂ جلولاء کے قیدیوں میں آئی تھیں آپ کی پیدائش ایک قول کے مطابق ۱۷ھ میں ہوئی آپ کو پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت اور ان کی مجالس سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہے آپ کا شمار ممتاز تابعین میں ہوتا ہے فن حدیث میں آپ کی اہمیت اور مقام ہر زمانے میں مسلم رہا ہے قوت حافظہ بہت مضبوط ہوئی تھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت میں کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے آپ نے ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں انتقال فرمایا۔

(۴۸۶) زُفَرُ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا حَنِیْفَةَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ حَمَّادًا یَقُوْلُ کُنْتُ اِذَا نَظَرْتُ اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ فَکُلُّ مَنْ رَاٰی هَدْیَهٗ یَقُوْلُ کَانَ هَدْیُهٗ هَدْیَ عَلْقَمَةَ وَکُلُّ مَنْ رَاٰی عَلْقَمَةَ یَقُوْلُ کَانَ هَدْیُهٗ هَدْیَ عَبْدِاللّٰهِ وَیَقُوْلُ مَنْ رَاٰی هَدْیَ عَبْدِاللّٰهِ کَانَ هَدْیُهٗ هَدْیَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ میں جب بھی ابراہیم نخعی کو دیکھتا ہوں تو ان کی سیرت کو دیکھنے والا ہر شخص یہی کہتا ہے کہ یہ علقمہ کے طریقے پر ہیں اور علقمہ کو دیکھنے والا ہر شخص یہ کہتا ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریقے پر ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھنے والا ہر شخص یہ کہتا ہے کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہیں۔

(۴۸۷) اَبُوْ حَمْزَةَ الْاَنْصَارِیُّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ دَاوُدَ یَقُوْلُ لِاَبِیْ حَنِیْفَةَ مَنْ اَدْرَکْتَ مِنَ الْکُبَرَاءِ قَالَ الْقَاسِمَ وَسَالِمًا وَطَاوُسًا وَعِکْرِمَةَ وَمَکْحُوْلًا وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ دِیْنَارٍ وَالْحَسَنَ الْبَصْرِیَّ وَعَمْرَو بْنَ دِیْنَارٍ وَاَبَا الزُّبَیْرِ وَعَطَاءً وَقَتَادَةَ وَاِبْرَاهِیْمَ وَالشَّعْبِیَّ وَنَافِعًا وَاَمْثَالَهُمْ۔

ترجمہ: ابو حمزہ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن داؤد کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ سوال کرتے ہوئے سنا کہ آپ نے کبار علماء میں سے کن کن کو پایا؟ انہوں نے فرمایا کہ قاسم، سالم، طاؤس، عکرمہ، مکحول، عبداللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابو الزبیر، عطاء، قتادہ، ابراہیم نخعی، شعبی اور نافع جیسے حضرات کو۔

فدیہ مقرر کر دیا ہے۔

(۴۸۹) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يُعْطٰى كُلُّ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ رَجُلًا مِنَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فَيُقَالُ هٰذَا فِدَاؤُكَ مِنَ النَّارِ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أَعْطَى اللهُ تَعَالٰى كُلَّ رَجُلٍ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا فِدَاؤُكَ مِنَ النَّارِ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ دُفِعَ إِلٰى كُلِّ رَجُلٍ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَيُقَالُ لَهُ هٰذَا فِدَاؤُكَ مِنَ النَّارِ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ أُمَّةٌ مَرْحُوْمَةٌ عَذَابُهَا بِأَيْدِيْهَا.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن ہر مسلمان کو ایک یہودی یا عیسائی دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ جہنم کی آگ سے بچاؤ کے لیے یہ تمہارا فدیہ ہے، ایک روایت میں کافر کا ذکر آیا ہے، ایک روایت میں اہل کتاب کا لفظ آیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ امت امت مرحومہ ہے اس کا عذاب اس کے ہاتھوں ہوگا۔

حل لغات: "یدعون" یہ نصر سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی بلانا "عدو" دشمن "فداء کم" فدیہ بننا۔

تخریج حدیث: أخرجها مسلم ۲۱۱۹/۴ (۲۷۶۷) وأبو یعلی والطبرانی۔

مفہوم: یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ میدانِ حشر میں ہر طبقہ اور ہر قسم کے لوگ جمع ہوں گے، ان میں مومن بھی ہوں گے، کافر بھی اور منافق بھی، جن کی شناخت کے لیے پروردگارِ عالم ایسا طریقہ اختیار فرمائیں گے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا، چنانچہ جو لوگ واقعی دل سے مومن ہوں گے وہ سجدہ کا حکم ملتے ہی سجدہ ریز ہو جائیں گے اور جو اسلام و ایمان کا لبادہ اوڑھے دنیا کو دھوکہ دیتے رہے ہوں گے ان کی کمر تختہ کر دی جائے گی اور وہ سجدہ کر ہی نہیں سکیں گے، ایسے لوگوں میں گذشتہ اقوام مثلاً یہود و نصاریٰ کے افراد بھی ہوں گے بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر یہاں تک فرمایا گیا کہ اگر کوئی شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان پر یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یا نبی ﷺ کے اعلانِ نبوت سے لے کر تا قیامِ قیامت ان پر ایمان نہیں لایا، ان کی تعلیمات کا مذاق اڑاتا ہے اور کفر کی زندگی بسر کرتا ہے، اسے سزا کے طور پر جب جہنم میں ڈالا جائے گا تو کہا جائے گا کہ یہ فلاں مسلمان کا فدیہ ہے، یعنی جس طرح انسان فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو چھڑا لیتا ہے اسی طرح ہر کافر اور ہر وہ اہل کتاب جو ہمارے نبی ﷺ کو نہیں مانتا، کو بطور فدیہ کے پیش کیا جائے گا۔

۲۔ حضور نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ کی مبارک جوتیوں کی خاک کے صدقے پروردگارِ عالم نے امتِ مسلمہ کو مجموعی طور پر

کسی گناہ کی پاداش میں بالکلیہ ختم نہیں کیا ورنہ گزشتہ اقوام کی تباہی کے تمام اسباب ہمارے اندر بھی بدرجۂ اتم و اکمل پائے جاتے ہیں‘ اسی طرح آخرت میں بھی اس امت پر اللہ کی خاص کرم نوازی ہوگی۔

کرم بالائے کرم یہ ہوگا کہ ہر مسلمان کا فدیہ کسی یہودی اور عیسائی کو بنا کر جہنم میں دھکیل دیا جائے گا اور وہاں کی جو سزا اس کے لیے مقرر کی گئی ہوگی‘ دنیا میں ایک دوسرے کے ہاتھوں انہیں وہ سزا دلوا دی جائے گی‘ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خانہ جنگیاں اور آپس کی لڑائیاں اپنے تمام تر مفاسد کے باوجود امت مسلمہ کو اخروی عذاب و سزا سے بچانے کا اہم ترین ذریعہ ہیں‘ ایک دوسرے کو جو ذہنی اور جسمانی اذیت دی جاتی ہے اسی کو ان کے لیے کافی سمجھ کر جنت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا جیسا کہ اگلی روایت میں بھی آتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةُ صَفٍّ

(٣٩٠) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا لِأَصْحَابِهٖ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ أَبْشِرُوْا فَإِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةُ صَفٍّ أُمَّتِيْ مِنْ ذٰلِكَ ثَمَانُوْنَ صَفًّا۔

اہل جنت کی ایک سو بیس صفوں کے ہونے کا تذکرہ

ترجمہ: حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کا چوتھائی حصہ ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! پھر پوچھا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! پھر پوچھا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کا نصف بن جاؤ؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا خوش ہو جاؤ کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسی صفیں صرف میری امت کی ہوں گی۔

حل لغات: "اترضون" ہمزہ برائے استفہام باب سمع سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی خوش ہونا "ربع" چوتھائی "ثلث" تہائی "نصف" آدھا۔

تخریج: الحديث مشتمل على جزئين فالاول منهما الى قوله ابشروا۔

اخرجه البخاري: ٦٦٤٢ ومسلم: ٥٣٠ (٢١١) والترمذي: ٢٥٤٧ وابن ماجه: ٤٢٨٣ وابن حبان: ٧٤٥٨۔

واما الثاني منهما:

فقد اخرجه الترمذي ٢٥٤٦ وابن ماجه ٤٢٨٩ وابن حبان: ٧٤٥٩۔

فائدہ: اس حدیث کو پڑھ کر انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہاں نبی ﷺ کو یہ فرمانا چاہیے تھا کہ جنت میں مسلمانوں کی تعداد دوسری اقوام و ملل سے دوگنا ہوگی ان کی چالیس صفیں اور ایک امت مرحومہ کی اسی صفیں، تو سیدھا سیدھا یہ کیوں نہیں فرما دیا اتنی لمبی چوڑی تمہید باندھنے کی اور پھر سوال و جواب کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شوق و رغبت دلانے اور مزید متوجہ کرنے کے لیے یہ پیرایۂ بیان اختیار فرمایا گیا اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ثلثین (دو تہائی) کی حیثیت واضح ہو جائے اس لیے کہ اگر ابتداء ہی یہ فرما دیا ہوتا کہ اہل جنت میں مسلمان دو تہائی ہوں گے تو اس کی وہ اہمیت پوری طرح واضح نہ ہوتی جو اس تعبیر میں ہے۔

نیز زیر بحث حدیث میں امت مرحومہ کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ در اصل نبی ﷺ ہی کی فضیلت اور خصوصیت ہے جسے متعدی کر کے اللہ نے ہم سب کو بھی اس میں شامل فرما لیا۔

بَابُ كَيْفَ يَكُوْنُ فَنَاءُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ

(۴۹۱) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ أُمَّتِيْ أُمَّةٌ مَرْحُوْمَةٌ عَذَابُهَا بِأَيْدِيْهَا فِي الدُّنْيَا۔ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ بِالْقَتْلِ۔

یہ امت کس طرح فناء ہوگی؟

ترجمہ: حضرت ابو بردہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت، امت مرحومہ ہے، اس کا عذاب اسی کے ہاتھوں دنیا میں ہو جائے گا، اور ایک روایت میں قتل کا لفظ زائد ہے۔

(۴۹۲) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فَنَاءُ أُمَّتِيْ بِالطَّعْنِ وَالطَّاعُوْنِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الطَّعْنُ قَدْ عَلِمْنَاهُ فَمَا الطَّاعُوْنُ قَالَ وَخْزُ أَعْدَائِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَفِيْ كُلٍّ شَهَادَةٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَفِيْ كُلٍّ شُهَدَاءُ۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت طعن اور طاعون کے ذریعے فنا ہوگی، کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! طعن تو ہماری سمجھ میں آ گیا، یہ طاعون کیا چیز ہے؟ فرمایا تمہارے دشمن جنات کے نیزے لیکن دونوں صورتوں میں شہادت ہوگی۔

(۴۹۳) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فَنَاءُ أُمَّتِيْ بِالطَّعْنِ وَالطَّاعُوْنِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذَا الطَّعْنُ قَدْ عَلِمْنَاهُ فَمَا الطَّاعُوْنُ؟ قَالَ وَخْزُ أَعْدَائِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَفِيْ كُلٍّ شَهَادَةٌ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی گذر چکا ہے۔

حَلِّ عِبَارَت: "بامتہا" یہ کی جمع ہے بمعنی ماتھ "الطعن" نیزہ بازی "وخز" نیزے کا وار "و فی کل" خبر مقدم ہے اور "شهادة" مبتداء مؤخر ہے۔

تخریج حدیث: اما الحدیث الاول فقد اخرجه ابوداؤد: ۴۲۷۸؛ واحمد: ۱۹۸۹۲، واما الثانی والثالث فقد اخرجهما احمد: ۲۰۰۲۲، ۲۶۷۱۲، ۲۵۶۳۱۔

مفہوم: جیسا کہ عنقریب یہ بات گزری کہ امت مرحومہ کو کسی گناہ یا گناہوں کی پاداش میں بالکلیہ مٹانے کا فیصلہ خدا کی طرف سے نہیں کیا گیا، لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ اسے مکمل طور پر چھوٹ دے دی گئی ہو اور آسمانی و زمینی آفات سے اسے مکمل طور پر محفوظ کر دیا گیا ہو، کیونکہ اگر ایسا ہو جائے تو انسان اپنے پیدا کرنے والے کو ہی فراموش کر بیٹھے اور اپنے مقصد تخلیق کو ہی بھلا بیٹھے، یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات سمندری طوفان اور سیلاب آتے ہیں اور بعض اوقات زلزلوں کے جھٹکے لگتے ہیں۔

انفرادی طور پر بھی بعض اوقات میدان جنگ میں دشمنوں کے نیزے اور آلات حرب انسان کے لیے آزمائش بنتے ہیں جس سے انسان موت کے منہ میں بھی چلا جاتا ہے اور حدیث مبارکہ میں اسی کو "طعن" سے تعبیر کیا گیا ہے اور بعض اوقات انسان کے دشمن جنات اسے کچوکے لگاتے ہیں اور اسے تکلیف پہنچاتے ہیں جس سے انسان موت کا پیالہ بھی منہ سے لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اسی کو حدیث میں "طاعون" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

گو کہ انسان نے دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا لیکن چونکہ ان دونوں صورتوں میں انسان کی موت کو طبعی موت نہیں قرار دیا جا سکتا اس لیے زیر بحث حدیث میں ان دونوں صورتوں کی موت کو شہادت قرار دیا گیا ہے، پہلی صورت میں حقیقتاً اور دوسری صورت میں حکماً۔

یہ تقریر تو اس صورت میں ہے جب کہ "طعن" سے مراد نیزہ لیا جائے اور اسے میدان جنگ میں دشمنوں کے آلات حرب و ضرب پر محمول کیا جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ لفظ "طعن" سے مراد "طاعون" ہو جو کہ ایک وبائی بیماری ہے اور جس سے بہت سی انسانی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں اور وہ لفظ "طاعون" جو حدیث میں آیا ہے اس کا وہی معنی ہو جو نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے تو یہ بھی صحیح ہے، اور ان دونوں توجیہوں میں فرق یہ ہو گا کہ پہلی توجیہ کے مطابق طعن کی صورت میں حاصل ہونے والی شہادت حقیقی ہو گی اور دوسری توجیہ کے مطابق حکمی۔ واللہ اعلم

کتاب الاطعمة والاشربة والضحایا والصید والذبائح

کھانے پینے کی چیزوں، قربانی، شکار اور ذبیحے کے احکام

بَابُ مَا یُنْهٰی عَنْ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ

(٣٩٤) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی عَنْ کُلِّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ۔

کچلی والے درندے سے ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کچلی سے شکار کرنے والے ہر درندے سے منع فرمایا ہے۔

بَابُ مَا یُنْهٰی عَنْ ذِیْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّیْرِ

(٣٩٥) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی یَوْمَ خَیْبَرَ عَنْ اَکْلِ کُلِّ ذِیْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّیْرِ۔

پنجے سے شکار کرنے والے پرندہ کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ نے پنجوں سے شکار کرنے والے ہر پرندے کو کھانے سے منع فرما دیا۔

حل عبارت: "ناب" دراڑھ کے قریب جو دانت ہوتے ہیں انہیں انیاب و ناب کہتے ہیں جس کا اردو میں ترجمہ کچلی والا دانت کیا جاتا ہے "مخلب" پنجہ۔

تخریج حدیث اول: اخرجه الحصکفی ١٦٦١ ومسلم ٤٩٩٦ (١٩٣٤) وابوداؤد ٣٨٠٣ والترمذی ١٤٧٨ والبخاری ٥٥٣٠ والنسائی ٤٣٣٠ وابن ماجه ٣٢٣٤ وابن حبان ٥٢٧٨۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه الحصکفی ٨٦٨ والدارمی ٢٠١٥ بمعناه وبه ابواب اخری۔

مفہوم: چونکہ کھانا پینا انسان کی ضروریات میں سے ہے قربانی کا ضروری ہونا ان کے دلائل اور مسائل سے پہلے ذکر ہوا ہے جس کے لیے ذبیحہ بھی ضروری ہے اور شکار انسان کی تفریح اور طبیعت کا حصہ ہے اس لیے اب جو احادیث آرہی ہیں ان میں یہی تمام مسائل زیر بحث آئیں گے۔

زیر بحث حدیثوں کی وضاحت سے کل یہ سمجھے کہ حیوانات میں سے بعض تو ایسے ہیں جو فضاؤں میں اڑتے ہیں مثلاً پرندے' بعض ایسے ہیں جو زمین پر چلتے ہیں مثلاً درندے' بعض ایسے ہیں جو زمین پر رینگتے ہیں مثلاً کیڑے مکوڑے اور بعض ایسے ہیں جو سمندر میں رہتے ہیں' شریعت نے ان چاروں اقسام کے حیوانات میں سے بعض کو انسان کے لیے حلال قرار دیا ہے اور بعض کو حرام پھر اس حرام و حلال کے لیے اس نے اصول بھی وضع کیے ہیں تاکہ اس اصول پر منطبق ہونے والی اشیاء کے متعلق انسان بآسانی فیصلہ کر سکے۔

چنانچہ یہاں پہلی دو قسم کے حیوانات کا حکم ذکر کیا گیا ہے' حدیث نمبر ۳۹۵ میں تیسری قسم کے حیوان کا حکم بیان کیا گیا ہے اور حدیث نمبر ۴۰۱ میں چوتھی قسم کے حیوانات کا حکم بیان کیا گیا ہے' حلال و حرام کی اس تقسیم سے کل یہ معلوم ہوا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسانوں کے فائدے کے لیے ان گنت چیزیں پیدا فرمائی ہیں جن سے انسان فائدہ اٹھاتا بھی ہے' ان میں سے : کثرت ان چیزوں کی ہے جن کے استعمال سے شریعت نہیں روکتی اور صرف چند چیزیں ایسی ہیں جنہیں استعمال کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے لیکن اس کا کیا کیجیے کہ غیر ممنوعہ چیزوں کے استعمال پر اکتفاء کرنے کی بجائے انسان غیر ممنوعہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھائے بغیر نہیں رہتا حالانکہ اس کے استعمال میں انسان کا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے' اس کی واضح مثال سؤر اور شراب ہے' شریعت انسان کو روکتی ہے اور انسان شریعت کو پس پشت ڈالتا ہے' اگر انسان صرف اسی بات پر غور کر لے کہ جن چند چیزوں کو چھوڑ کر جن چیزوں کو حلال قرار دیا گیا ہے کیا ان کی مقدار اتنی کم ہے کہ انسان محرمات کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہو جائے؟

بہر حال! زمین پر چلنے والا ہر وہ جانور جو کچلی والے دانت رکھتا ہو (ظاہر ہے کہ وہ اپنے شکار کو انہی سے قابو کرے گا) اسے کھانا حرام ہے' البتہ اس سے دوسرے طریقے سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے مثلاً اس کی کھال سے ملبوسات تیار کر لیے جائیں وغیرہ' اسی طرح فضاء میں اڑنے والا ہر وہ پرندہ جو پنجوں سے شکار کرتا ہو' اسے کھانا حرام ہے البتہ اس سے بھی دوسرے طریقوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ النَّهْيِ عَنْ أَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ

(۳۹۶) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِيْ إِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ۔

گھریلو گدھوں کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

حل عبارت: "الحمر الاهلية" پالتو گدھے "الاهلية" کی قید لگانے کی وجہ "الوحشية" سے احتراز کرنا ہے کیونکہ

بَابُ النَّهْيِ عَنْ خُشَاشِ الْأَرْضِ

(۲۹۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نُهِيْنَا عَنْ خُشَاشِ الْأَرْضِ۔

حشرات الارض کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ہمیں حشرات الارض کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

حل عبارت: "خشاش" خاء کے ضمہ، فتحہ اور کسرہ تینوں کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے، معنی کیڑے مکوڑے۔

تخریج حدیث: یدل علیہ حدیث ابی ہریرۃ الذی اخرجہ ابوداؤد: ۳۷۹۹۔

مفہوم: حیوانات کی اقسام میں وجہ بندی کے اعتبار سے یہ تیسری قسم ہے جس کے متعلق اس حدیث میں صراحۃً حکم دیا گیا ہے کہ کسی بھی قسم کے کیڑے مکوڑے کھانا جائز نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین پر چلنے والے جانوروں میں اکثر حلال اور چند ایک حرام ہیں، اسی طرح فضاء میں اڑنے والے پرندوں میں بھی حلال و حرام کی تقسیم ہے لیکن حشرات الارض میں حلال و حرام کی تقسیم ہے ہی نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو حشرات الارض کے زمرے میں آتی ہو مثلاً چوہا، سانپ، بچھو وغیرہ ان میں سے ہر چیز حرام ہے۔

رہی یہ بات کہ مغربی ممالک میں تو حشرات الارض لوگوں کی مرغوب غذا بن چکی ہے اور وہاں ان تمام چیزوں کو جنہیں ہم یہاں جوتیوں اور ڈنڈوں پتھروں سے مارتے ہیں، وہاں وہ لوگ انہی چیزوں کو بڑی رغبت و شوق و ذوق سے کھاتے ہیں اور اب یہ چیزیں باقاعدہ سامان تجارت بن چکی ہیں، بقرعید کے موقع پر بکروں کے "مرودوں" کا کاروبار بھی اسی لیے چمکتا ہے تو اس سلسلے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

یاد رکھئے! کسی معاشرے میں کسی حرام چیز کا رواج ہو جانے سے اس کا حلال ہونا لازم نہیں آتا، اور جب وہ معاشرہ ہی حلال و حرام کیا، مذہب کی قید سے بھی آزاد ہو تو اس کے رواج کا تو بالکل ہی اعتبار نہیں کیا جا سکتا، رہی یہ بات کہ وہ لوگ انہیں بڑی رغبت سے کھاتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ زہریلی چیزوں کو کھا کر زہر اگلتے بھی تو ہیں، غلیظ اور گندے جانوروں کو کھا کر گندگی اور غلاظت ہی نہیں، حیوانیت کا مظاہرہ بھی تو کرتے ہیں اور جہاں تک تجارت کا تعلق ہے تو شریعت ان چیزوں کو مال تجارت سمجھتی ہی نہیں ہے اس لیے ان کی تجارت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

واللہ اعلم

بَابُ مَنْ قَتَلَ ضِفْدَعًا

(۲۹۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَتَلَ ضِفْدَعًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ مُحْرِمًا كَانَ اَوْ حَلَالًا۔

مینڈک کو مارنے والے کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص مینڈک کو مارے اس پر ایک بکری واجب ہے خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم۔

حل عبارت: "ضفدع" مینڈک "محرما" ترکیب میں "کان" کی خبر مقدم ہے۔

تخریج حدیث: مرج ابن ماجہ حلبہ ۳۲۲۳۔

مفہوم: اس حدیث میں دو باتیں سمجھنے والی ہیں۔

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے مینڈک کو مارنے سے منع فرمایا ہے اور سنن ابی داؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حکیم نے کسی دوا میں اس کے اجزاء استعمال کرنے کے لیے نبی علیہ السلام سے اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی منع فرما دیا گو کہ ہمیں اس کی حکمت کے پیچھے تو نہیں پڑنا چاہیے لیکن ایک روایت سے اس پر تھوڑی سی روشنی پڑتی ہے جو حضرت عباسؓ سے موقوفاً منقول ہے (یاد رہے کہ راقم الحروف کو اس کی سند پر اعتماد نہیں ہے لیکن فائدہ کی مناسبت سے اسے ذکر کیا جا رہا ہے)

اور وہ یہ کہ مینڈک کو جب پیدا کیا گیا تو اس پر باری تعالیٰ کا اتنا خوف طاری ہوا کہ اس نے اپنے آپ کو جہنم میں گرا لیا، اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم آیا اور اسے آگ کی گرمی سے نکال کر پانی کی ٹھنڈک میں رکھ دیا، اور اس کے ٹرانے کی آواز کو تسبیح بنا دیا۔

۲۔ اس حدیث مبارکہ کے مطابق مینڈک کو مارنے والے پر بطور سزا کے ایک بکری واجب ہے خواہ مینڈک کو مارنے والے نے احرام باندھ رکھا ہو یا عام حالات میں ہو، لیکن ظاہر بات ہے کہ اگر یہ حکم وجوب کے درجے میں ہے تو مینڈک کو مار کر کھانے پینے سے لے کر سائنسی اشیاء تک میں استعمال کرنے والے شخص پر ہر مینڈک کے بدلے ایک بکری قربان کرنا ضروری ہوگی جو نہ کبھی دیکھا گیا اور نہ سنا گیا۔

اس لیے علماء کرام نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اصل میں اس حکم کے ذریعے مینڈک کو مارنے سے روکنا مقصود ہے اور اس کی اہمیت کو ثابت کرنے کے لیے یہ فرما دیا گیا کہ اگر کسی نے اسے مارا تو اسے ایک بکری دینا پڑے گی گویا اس کی حیثیت ایک دھمکی کی ہے اور اصل چیز اسے مارنے سے روکنا ہے۔

اس کی ایک توجیہ ابھی ابھی اللہ نے راقم کے ذہن میں یہ ڈالی ہے کہ یہ حکم عام نہیں ہے بلکہ اس حکم کے مخاطب وہ افراد ہیں جو حرم مکہ یا حرم نبوی میں موجود ہوں اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ احکام بیان کرتے ہوئے اس قسم کی قید کا اضافہ کرنا نبی علیہ السلام کی عادت نہیں ہے، اب جو اس موقع پر یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں تو یقیناً اس کا تعلق خاص لوگوں کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے اور چونکہ حرم شریف میں کبوتر تک کو چھیڑنے کی اجازت نہیں ہے اس لیے اسے بھی اس ممانعت

میں داخل کر دیا گیا' اور اس کا دوسرا قرینہ یہ بھی ہے کہ وہ حکیم جو اسے کسی دوا میں استعمال کرنے کی اجازت حاصل کرنے آیا تھا وہ بھی حرم نبوی کا رہائشی تھا اس لیے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اہل حرمین شریفین کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ التَّقَذُّرِ عَنِ الضَّبِّ

(۴۹۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهُ اُهْدِيَ لَهَا ضَبٌّ فَسَأَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَنَهَاهَا عَنْ اَكْلِهِ فَجَاءَ سَائِلٌ فَاَمَرَتْ لَهُ بِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتُطْعِمِيْنَ مَالَا تَاْكُلِيْنَ۔

گوہ کی ناپسندیدگی کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ انہیں کہیں سے گوہ ہدیہ میں آئی' انہوں نے نبی علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے انہیں وہ کھانے سے منع فرما دیا' اتنے میں ایک سائل آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خادم سے کہا کہ یہ اس سائل کو دے آؤ' نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو تم خود نہیں کھاتیں' وہ دوسروں کو کھلا رہی ہو؟

لغات کی وضاحت: "اھدی" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ہدیہ دیا "ضب" گوہ کہتے ہیں کہ یہ سات سو سال تک زندہ رہ سکتا ہے پانی بالکل نہیں پیتا' اور چالیس دن میں صرف ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الطحاوي: ٦٦٢٤' ويؤيده ما اخرجه ابوداؤد: ٣٧٩٢۔

مفہوم: اس حدیث کا تعلق بھی جانوروں کی اس قسم کے احکام سے ہے جنہیں "حشرات الارض" کہا جاتا ہے کیونکہ گوہ کو "جو چھپکلی کی طرح کا ایک جانور ہوتا ہے اور چھپکلی سے لمبا ہوتا ہے" بھی بعض علماء نے حشرات الارض میں ہی شمار کیا ہے' اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر اس کے حرام ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا ورنہ ہی اس میں کوئی دو رائیں رہتی ہیں' لیکن جب اس مضمون کی مختلف روایات کا احاطہ کیا جاتا ہے تو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے اسے کھانے سے منع فرمایا ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کے سامنے' آپ ہی کے دسترخوان پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے کھایا ہے' گو کہ نبی علیہ السلام نے اسے خود تناول نہیں فرمایا لیکن اگر اسے کھانا حرام ہوتا تو نبی علیہ السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اسے کھانے کی اجازت نہ دیتے۔

اس تمام تفصیل کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ گوہ کا گوشت کھانا جائز مع الکراہت ہے اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے' اپنے آپ کو اس کے استعمال سے بچائے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ اَرْسَلَ كَلْبَهُ الْمُعَلَّمَ اِلَى الصَّيْدِ

(۳۰۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَبْعَثُ الْكِلَابَ الْمُعَلَّمَةَ فَنَاْكُلُ مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْنَا فَقَالَ اِذَا ذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا مَا لَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ غَيْرُهَا قُلْتُ وَاِنْ قَتَلَ قَالَ وَاِنْ قَتَلَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَدُنَا يَرْمِيْ بِالْمِعْرَاضِ قَالَ اِذَا رَمَيْتَ فَسَمَّيْتَ فَخَزَقَ فَكُلْ وَاِنْ اَصَابَ بِعَرْضِهِ فَلَا تَاْكُلْ۔

سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم ؓ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ! ہم اپنے سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑتے ہیں تو کیا ہم وہ شکار کھا سکتے ہیں جو انہوں نے ہمارے لیے کیا ہو؟ فرمایا ہاں! بشرطیکہ تم نے اسے چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہو اور کوئی دوسرا کتا اس میں شریک نہ ہوا ہو، میں نے عرض کیا اگرچہ وہ اسے مار دے تب بھی؟ فرمایا تب بھی! پھر میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی آدمی تیر کے چوڑے حصے سے بھی شکار کر لیتا ہے؟ فرمایا اگر تم نے تیر پھینکتے وقت اللہ کا نام لیا ہو اور وہ جانور کو پھاڑ دے تو تم اسے کھالو اور اگر تیر چوڑائی میں لگا ہو تو اسے نہ کھاؤ۔

حل عبارت: "الکلاب المعلمة" سدھائے ہوئے کتے "امسکن" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی روکنا "لم یشرکھا" باب نصر سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شریک ہونا "یرمی" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پھینکنا "المعراض" چوڑائی "فخزق" باب ضرب سے فعل ماضی کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پھاڑ دینا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٥٤٧٦، ٥٤٧٧ ومسلم ١٩٧٦ (١٩٢٩) وابوداؤد: ٢٨٤٧ والترمذی: ١٤٦٥ والنسائی: ٤٢٧٠ وابن ماجه مختصراً: ٣٢١٤۔

مفہوم: حضرت عدی بن حاتم ؓ "جو حاتم طائی جیسے نامور اور مشہور عالم کی انسان کے صاحبزادے تھے" نبی ﷺ سے اکثر شکار کے مسائل دریافت فرمایا کرتے تھے اسی لیے صید و شکار کے اکثر مسائل و احکام ان ہی کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

تیر اور بندوق سے کسی جانور یا پرندہ کا شکار کرنے کے علاوہ شکاری لوگ کتوں اور باز سے بھی شکار کرتے ہیں اپنے کتے اور باز جو شکار کے لیے استعمال کیے جائیں انہیں "شکاری جانور یا پرندے" کہا جاتا ہے اور اس صورت میں شریعت نے یہ پابندی عائد کی ہے کہ انہیں اچھی طرح سدھا لیا جائے تاکہ یہ معلّم بن جائیں۔

شکاری کتوں کے سکھائے ہوئے شکار کو اپنے استعمال میں لانے کے لیے شریعت نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ وہ شکار کرنے کے بعد اس میں سے خود کچھ نہ کھائے بلکہ مالک کے پاس پہنچا دے، اگر اس نے شکار میں سے تھوڑا سا بھی کھا لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی، اسی طرح باز کی تعلیم یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کی سیٹی کی آواز کو اتنا پہچاننے لگے کہ جب مالک اسے بلائے وہ فوراً واپس آ جائے خواہ وہ شکار کے قریب ہی پہنچ چکا ہو، اگر ایسا نہ ہو تو سمجھا جائے گا کہ ابھی اس کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی ہے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد دوسرا مرحلہ شکار کا طریقہ ہے جس کے لیے شریعت نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑتے وقت شکاری بسم اللہ اللہ اکبر کہے اور اس شکار میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا شکاری جانور شریک نہ ہوا ہو، اس لیے کہ یہ تعین نہیں کیا جا سکتا کہ اس دوسرے کتے کے مالک نے اسے بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ ان دونوں میں سے کس نے اس جانور کو دبوچا اور شکار کیا؟ یہ بھی معلوم نہیں۔

اسی طرح اگر تیر سے شکار کیا جائے تو اس میں مذکورہ امور کے ساتھ ساتھ اس چیز کا بھی خیال رکھا جائے کہ تیر کے پھل والے حصے سے جانور یا پرندہ زخمی ہو جائے یا مر جائے۔

اس لیے کہ اگر ایسا نہ ہوا بلکہ تیر کا چوڑائی والا حصہ اسے لگا اور وہ مارا گیا تو وہ حلال نہیں ہے۔ البتہ ان تمام صورتوں میں ایک استثنائی پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی شخص نے شکاری کتے یا باز یا تیر کے ذریعے کسی جانور کا شکار کیا ہو یا اس میں دوسرا جانور شریک ہو گیا یا وہ بسم اللہ پڑھنا بھول گیا یا جانور چوڑائی والے حصے سے زخمی ہو گیا اور شکاری کے وہاں پہنچنے تک تڑپ رہا اور شکاری نے وہاں پہنچ کر اسے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر لیا تو اسے کھانا جائز اور حلال ہے۔

بَابُ مَا جَزَرَ عَنْهُ الْمَاءُ

(۱۰۰۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا جَزَرَ عَنْهُ الْمَاءُ فَكُلْ۔

پانی جس چیز سے ہٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سمندر جس چیز سے ہٹ جائے اسے کھا لو۔

حل لغات: "ما" نافیہ نہیں ہے بلکہ شرط کے معنی میں ہے "جزر" یہ مصدر جزر سے ہے باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، بمعنی پانی اترنا، منکشف ہونا، ہٹ جانا۔

تخریج الحدیث: اخرجه ابوداؤد ۳۸۱۵ وابن ماجه ۳۲۴۷۔

مفہوم: اقسام حیوانات میں سمندری حیوانات چوتھی قسم کے طور پر ذکر کیے گئے تھے یہاں ان ہی کا حکم بیان کیا جا رہا

ہے اور وہ یہ کہ سمندری جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے اس کے علاوہ کوئی سمندری جانور حلال نہیں، پھر اس مچھلی کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ انسان سمندر میں جال پھینک کر مچھلیاں حاصل کرے اور انہیں اپنے استعمال میں لے آئے، یہ بالکل حلال اور عام مروجہ طریقہ ہے۔

۲۔ سمندر کا پانی خشک ہونا شروع ہو جائے یا سمندر راستہ بدلنا شروع کر دے جس کے نتیجے میں مچھلیاں صاف نظر آنے لگیں اور ہر شخص انہیں بآسانی پکڑ سکے۔

زیر بحث حدیث میں اسی کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ یہ بھی حلال ہے۔

۳۔ سمندر میں کوئی مچھلی مر جائے اور الٹی ہو کر سطح آب پر تیرنے لگے، شرعی طور پر اس کا حکم یہ ہے کہ اسے کھانا جائز نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَرَادِ

(۲۰۲) اَبُو حَنِيفَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ عَجْرَدٍ تَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَكْثَرُ جُنْدِ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ الْجَرَادُ لَا آكُلُهُ وَلَا اُحَرِّمُهُ۔

ٹڈی دل کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ بنت عجرد ﷝ کہتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کا سب سے بڑا لشکر زمین میں "ٹڈی دل" ہے، نہ میں اسے کھاتا ہوں اور نہ حرام قرار دیتا ہوں۔

حل عبارات: "جند" لشکر، فوج۔ "لا آکلہ" باب نصر سے فعل مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی کھانا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ۳۲۱۹، وابوداؤد: ۳۸۱۳، وهو من وحدانيات الامام، فان عائشة بنت عجرد صحابية وهي كذالك كما في المسند۔

مفہوم: اس سے مراد وہ عام ٹڈیاں نہیں ہیں جو گھروں میں پائی جاتی ہیں اور کپڑوں میں سوراخ کر دیتی ہیں، بلکہ اس سے مراد ٹڈی دل ہے جو فصلوں کو تباہ کر دیتا ہے، غول کی شکل میں آتا ہے اور جس فصل سے گزر جاتا ہے اسے خراب کر دیتا ہے، اس کا گوشت بھی بہت لذیذ ہوتا ہے، اسے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کا سر اور پچھلا حصہ توڑ کر آگ پر سینک کر اسے کھایا جاتا ہے جو ایک بوٹی کا نوالہ بنتا ہے، بعض روایات کے مطابق اس کا زمین سے ختم ہو جانا قیامت کی علامات میں سے ہے، تاہم اس روایت میں یہ جو آیا ہے "لا آکله ولا احرمه" بعض دوسری روایات سے نبی ﷺ کا اسے تناول فرمانا بھی ثابت ہے اس لیے تردد والی روایات کو ابتداء پر محمول کیا جائے گا اور تناول والی روایت کو انتہاء پر جس کے

لیے بہت سے قرآنی مطولات میں ذکر کیے گئے ہیں۔ من شاء فلیراجع

بَابٌ إِذَا نَدَّ بَعِيرٌ أَوْ بَهِيمَةٌ

(۱۰۷۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ أَنَّ بَعِيرًا مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ نَدَّ فَطَلَبُوهُ فَلَمَّا أَعْيَاهُمْ أَنْ يَأْخُذُوهُ رَمَاهُ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَأَصَابَ مَقْتَلَهُ فَسَأَلُوا النَّبِيَّ ﷺ فَأَمَرَ بِأَكْلِهِ وَقَالَ إِنَّ لَهَا أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوُحُوشِ فَإِذَا خَشِيتُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ بِهَذَا الْبَعِيرِ ثُمَّ كُلُوهُ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ بَعِيرًا مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ نَدَّ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَقَتَلَهُ فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ أَكْلِهِ فَقَالَ كُلُوهُ فَإِنَّ لَهَا أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ۔

اگر کوئی اونٹ یا جانور بدک جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج ﷛ سے مروی ہے کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بدک گیا لوگ اسے پکڑنے میں لگے لیکن جب اس نے انہیں تھکا کر چور کر دیا تو ایک آدمی نے اسے تیر دے مارا وہ اسے جا لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا' لوگوں نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے انہیں کھانے کی اجازت دی اور فرمایا کہ بعض اوقات یہ اونٹ بھی وحشی جانوروں کی طرح بدک جاتے ہیں' اس لیے جب ان سے خوف محسوس ہو تو تم اس کے ساتھ وہی کیا کرو جو اس اونٹ کے ساتھ کیا ہے پھر اسے کھا لیا کرو۔

تحقیق وتشریح عبارت: "ندّ" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بھر جانا' بدک جانا "اعیاھم" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی تھکا دینا "سھم" تیر "اوابد" وحشی پن "خشیتم" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ڈرنا' خوفزدہ ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري مطولا: ۵۴۹۸' ومسلم: ۵۰۹۲ (۱۹۶۸)' والترمذي: ۱۴۹۲' والنسائي: ۴۳۰۹' وابن ماجه: ۳۱۸۳' وابن حبان: ۵۸۸۶۔

مقصود: شریعت نے کسی بھی جانور کو ذبح کرنے کے دو طریقے مقرر کیے ہیں' ایک طریقہ تو وہی ہے جو عام طور پر معروف ومشہور اور مروج ہے یعنی جانور کو زمین پر لٹا کر اس کے گلے پر چھری پھیر کر اس کی چار میں سے کم از کم تین رگوں کو کاٹا جائے' اسے "ذکاۃ اختیاری" کہتے ہیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جانور کے جسم کے جس حصے کو بھی زخمی کرنا ممکن ہو اور جس طرح بھی اسے ذبح کرنا ممکن ہو اسے ذبح کر دیا جائے' اسے "ذکاۃ اضطراری" کہا جاتا ہے' اس طریقے کو اختیار کرنے کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب جانور اس طرح بدک جائے کہ کسی کے قابو میں نہ آئے' اور قصاب بھی اسے گرانے میں ناکام ہو جائیں تو اپنی جگہ کھڑے کھڑے ہی کوئی تیز دھاری دار چیز نیزہ یا تیر وغیرہ اسے دے مارے پھر

جب وہ زخمی ہو کر گر پڑے تو اسے قابو میں کر لیا جائے اور ذبح کر لیا جائے اور اسے اپنے استعمال میں لے آیا جائے، یہ حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ وہ جانور تیر یا نیزہ لگنے ہی سے مر جائے کہ اسے کھانا جائز ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا يُنْهٰى عَنِ الْمُجَثَّمَةِ

(۱۰۰۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُجَثَّمَةِ

مجثمہ کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجثمہ سے منع فرمایا ہے۔

حل عبارت: "المجثمة" ثاء کے ساتھ: وہ جانور جسے باندھ کر اپنا نشانہ اس پر درست کیا جائے۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذي: ۱۴۷۳، والنسائي: ۴۴۴۳، والطحاوي، ومسلم، وابوداؤد، وابن ماجه ما يدل عليه

فائدہ: "مجثمہ" کا لفظ اگر ثاء کے ساتھ ہو تو اس کا معنی مذکورہ بالا ثابت ہوتا ہے اور اگر تاء کے ساتھ ہو جیسا کہ یہاں ہے تو اس کا اطلاق اس جانور پر ہوتا ہے جسے کسی دیوار یا درخت پر باندھ کر اپنا نشانہ اس پر درست کیا جائے، زمانہ جاہلیت میں اس چیز کا بڑا رواج تھا اور اب بھی بعض علاقوں میں اس کا رواج ہے۔ تحفظ حقوق حیوانات کے سب سے بڑے علمبردار جناب رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اس ظالمانہ طریقے کی روک تھام فرمائی اور دوسری طرف اس جانور کو کھانا حرام قرار دے دیا تاکہ اس پر نشانہ درست کرنے والوں کو اس چیز کا احساس ہو کہ جو جانور اللہ کے نام پر قربان کرنے کے لیے ہوتا ہے، وہ نشانہ صحیح کرنے کے لیے نہیں، اگر نشانہ ہی صحیح کرنا ہو تو اس کے لیے بے شمار بے جان چیزیں موجود ہیں ان پر نشانہ صحیح کیا جائے تاکہ نقصان بھی نہ ہو اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ اِذَا ذَبَحَتِ الْمَرْاَةُ بِالْمَرْوَةِ

(۱۰۰۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَمَةً كَانَتْ لَنَا رَاعِيَةً فَخَافَتْ عَلٰى شَاةٍ مِنْهَا الْمَوْتَ فَذَبَحَتْهَا بِمَرْوَةٍ فَاَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ بِاَكْلِهَا۔

اگر کوئی عورت پتھر سے کسی جانور کو ذبح کر لے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ کعب بن مالکؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ایک باندی بکریوں کا ریوڑ چرا رہی تھی کہ اسے ایک بکری کے مرجانے کا اندیشہ ہوا، چنانچہ اس نے اسے پتھر سے ذبح کر لیا، نبی ﷺ نے اسے کھانے کی اجازت دے دی۔

(۱۰۰۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ خَرَجَ غُلَامٌ مِنَ الْاَنْصَارِ قِبَلَ اُحُدٍ فَمَرَّ

فِی طَرِیْقِہٖ فَاصْطَادَ اَرْنَبًا فَلَمْ یَجِدْ مَا یَذْبَحُھَا فَذَبَحَھَا بِحَجَرٍ فَجَاءَ بِھَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَدْ عَلَّقَھَا بِیَدِہٖ فَاَمَرَہٗ بِاَکْلِھَا۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَنَّ رَجُلًا اَصَابَ اَرْنَبًا فَذَبَحَھَا بِمَرْوَۃٍ یَعْنِی الْحَجَرَ فَاَمَرَہُ النَّبِیُّ ﷺ بِاَکْلِھَا۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَصَابَ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ سَلِمَۃَ اَرْنَبًا بِاُحُدٍ فَلَمْ یَجِدْ سِکِّیْنًا فَذَبَحَھَا بِحَجَرٍ فَاَمَرَہُ النَّبِیُّ ﷺ بِاَکْلِھَا۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ انصار کا ایک لڑکا احد پہاڑ کی طرف نکلا‘ راستے میں گزرتے ہوئے اس نے ایک خرگوش پکڑ لیا‘ اسے خرگوش کو ذبح کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ملی تو اس نے پتھر سے اسے ذبح کر دیا اس کے بعد وہ اسے ہاتھ میں لٹکائے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا‘ آپ ﷺ نے اسے کھانے کی اجازت دے دی۔

(۱۷۰۸) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَکَلَ مِنْ ذَبِیْحَۃِ امْرَاَۃٍ وَنَھٰی عَنْ قَتْلِ الْمَرْاَۃِ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ کھایا ہے اور عورت کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حل لغات: "فخالت" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ادا "فذبحھا" باب فتح سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ذبح کرنا "بمروۃ" پتھر "فاصطاد" باب افتعال سے مذکورہ فعل کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شکار کرنا "ارنبا" خرگوش۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ البخاری: ۵۵۰۱‘ وابن ماجہ: ۳۱۸۲‘ وابن حبان: ۵۸۹۲۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ ابن ماجہ مختصراً: ۳۱۷۶‘ وابوداؤد: ۲۸۱۲‘ والترمذی: ۱۴۷۲‘ والنسائی: ۴۴۰۴‘ وابن حبان: ۵۸۸۴۔

تخریج حدیث ثالث: الحدیث مشتمل علی امرین‘ اما الاول فقد سبق تخریجہ علی الرقم ۴۰۶‘ واما الثانی منھما فقد اخرجہ احمد: ۴۷۳۹‘ والبخاری: ۳۰۱۵‘ ومسلم: ۴۵۴۷ (۱۷۴۴)‘ ابوداؤد: ۲۶۶۸‘ والترمذی: ۱۵۶۹‘ وابن ماجہ: ۲۸۴۱۔

فائدہ: ان تینوں حدیثوں سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ذبیحے کے حلال ہونے کا مرد کے ساتھ مخصوص ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اگر کوئی سمجھدار لڑکا یا عورت بھی جانور کو ذبح کرے تو اس کے حلال ہونے میں شک نہیں کرنا چاہیے خواہ وہ عورت آزاد ہو یا باندی‘ اس سے اسلام کی نگاہ میں عورت کا مقام بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس نے کسی مرد کے ذبح کیے ہوئے جانور اور کسی عورت کے ذبح کیے ہوئے جانور میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جانور کو ذبح کرنے کے لیے چھری کا ہونا شرط اور ضروری نہیں بلکہ کسی ایسی چیز سے بھی جانور کو ذبح کیا جا سکتا ہے جو تیز دھاری دار ہو اور ایک دم جانور اس سے ذبح ہو جائے اور اس کا خون بہنا شروع ہو جائے خواہ وہ دھاری دار چھری کیوں نہ ہو؟

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی جانور اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس کے مرنے کا اندیشہ ہونے لگے تو اسے ذبح کر کے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے لیکن مرے ہوئے جانور کا استعمال میں لانا حرام ہے اور ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات جانوروں کی منڈیوں میں مرے ہوئے جانوروں کو بھی چھیل چھال کر بازاروں میں بیچنے کے لیے بھیج دیا جاتا ہے، لوگوں کو تو کچھ معلوم نہیں ہوتا اس لیے وہ اسے آنکھیں بند کر کے خرید لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ طریقہ اخلاقاً، دیانتاً اور شرعاً ہر طرح قابل مذمت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ

(۵۰۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مَخُوْلِ بْنِ رَاشِدٍ عَنْ مُسْلِمِ الْبَطِيْنِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ اَيَّامِ عَشْرِ الْاَضْحٰى فَاَكْثِرُوْا فِيْهِنَّ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ کے پہلے عشرے سے زیادہ افضل کوئی دن نہیں، اس لیے ان میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو۔

حل عبارت: "فاکثروا" باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی کثرت کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه احمد: ٥٤٤٦، و ٦١٥٤.

مفہوم: "ذی الحجہ" اسلامی کیلنڈر کا بارہواں اور سال کا آخری مہینہ ہے جس کا پہلا عشرہ بارگاہ خداوندی میں انتہائی عظمت و تقدس کا حامل ہے جس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک اہم ترین وجہ یہ بھی ہے کہ ایام حج اسی میں آتے ہیں، اسی عشرہ میں حجاج کرام کے تلبیہ سے منیٰ کی وادی گونجتی ہے، عرفات کا میدان حجاج کی آہوں اور سسکیوں کو اپنے دامن میں سمیٹتا ہے، مزدلفہ کا میدان ان کی دعاؤں کی مقبولیت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے، عرفات اور مزدلفہ کے بعد دوبارہ منیٰ کی طرف واپسی اور شیطان کے بتوں کو کنکریاں مار کر اس سے اپنی نفرت کا اظہار اور رحمان سے اپنی محبت کا اقرار اسی عشرے میں ہوتا ہے، اسی عشرے میں انسان سنت ابراہیمی کی تکمیل کرتے ہوئے قربانی کا نذرانہ گزارتا ہے، ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر چیز اس کے عظمت و تقدس کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، زیادہ ہے اسی لیے اس عشرے میں خصوصیت کے ساتھ

پر عمل کرو زندگانی میں مشغول رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

بَابُ أُضْحِيَّةِ النَّبِيِّ ﷺ عَنْ أُمَّتِهِ

(۴۰۹) أَبُو حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِي الْهَيْثَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَابِطٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ضَحّٰى بِكَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنْ نَفْسِهِ وَالْآخَرُ عَمَّنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مِنْ أُمَّتِهِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ نَحْوُهُ وَلَيْسَ فِيْهِ ذِكْرُ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بالوں والے کالے سفید رنگ کے دو مینڈھے قربانی میں پیش کیے، ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کے ہر کلمہ گو کی طرف سے۔

حل لغات: "ضحی" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قربانی کرنا۔ "اقرنین" تثنیہ اقرن۔ "املحین" کالے سفید رنگ کی آمیزش جسے "چتکبرا" کہا جاتا ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاري: ۵۵۶۵، ومسلم: ۵۰۸۸ (۱۹۶۶)، وأبو داود: ۲۷۹۱، والترمذي: ۱۴۹۴، وابن ماجه: ۳۱۲۲، والنسائي: ۴۳۹۳، وابن حبان: ۵۹۰۰، والدارمي: ۱۹۵۴۔

فائدہ: راقم الحروف یہ تو نہیں کہتا کہ اس حدیث کی موجودگی میں "ایک نبی ﷺ اپنی امت کے ہر کلمہ گو کی طرف سے قربانی فرما چکے" کسی شخص پر قربانی واجب نہیں رہی البتہ یہ کہنے کی جرأت ضرور کرتا ہے کہ ہم سب کے آقا و مولیٰ جناب رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ہر موقع پر اپنی امت کو یاد رکھا، امت نے اسی طرح ہر موقع پر انہیں بھلایا، سوال یہ نہیں کہ انہوں نے ہماری طرف سے قربانی کر دی تو کیا اب ہمیں قربانی کرنی چاہیے یا نہیں؟ سوال یہ ہے کہ انہوں نے ہماری طرف سے بارگاہ الٰہی میں ایک جانور پیش فرمایا تھا، کیا ہم نے ان کی طرف سے سات حصوں والے جانور کا ایک حصہ بھی بارگاہ الٰہی میں پیش کیا؟

اگر ایسا ہے تو آپ کو اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ ان کے نام کی طرف نسبت ہونے سے اور یہ کہنے سے "کہ پروردگار! اس جانور کو ہمارے آقا ﷺ کی طرف سے قبول فرما یا اس کا ثواب انہیں عطا فرما" ہماری قربانی بھی قبول ہو جائے گی اور اگر اب تک ہم اس پہلو سے غافل رہے تو اب اس کی طرف متوجہ ہونے کا عزم کر لیجیے۔

بَابُ مَنْ ضَحّٰى قَبْلَ الصَّلٰوةِ

(۴۱۰) أَبُو حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ وَالشَّعْبِيِّ عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ بْنِ نِيَارٍ أَنَّهُ ذَبَحَ شَاةً قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ تُجْزِئُ عَنْكَ وَلَا تُجْزِئُ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ۔

اگر کوئی شخص نماز عید سے پہلے قربانی کر لے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابو بردہ بن نیار فرماتے ہیں کہ انہوں نے نماز عید سے پہلے اپنی بکری ذبح کر دی، نبی ﷺ کے سامنے جب اس کا ذکر ہوا تو فرمایا تمہاری طرف سے کافی ہو جائے گی لیکن تمہارے بعد کسی کی طرف سے کفایت نہیں کرے گی۔

حل لغات: "تجزی" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی کفایت کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری معلقاً (۵۵۶۳) ومسلم: ۴۰۷۰ (۱۹۶۱) وابوداؤد: ۲۸۰۰ والنسائی: ۴۴۰۰ وابن ماجہ: ۱۲۹۵۔

مفہوم: دیگر کتب حدیث میں اس کی تفصیل اس طرح وارد ہوئی ہے کہ ایک مرتبہ عید الاضحیٰ کے موقع پر نبی ﷺ نے نماز پڑھانے کے بعد خطبہ دیتے ہوئے قربانی کے احکام اور اس دن کی فضیلت سے متعلق ارشاد فرمایا کہ آج کے دن ہمارا سب سے پہلا کام نماز عید کی ادائیگی ہوگا پھر خطبہ اور دعا کے بعد ہم قربانی کریں گے، خطبے سے فراغت کے بعد حضرت ابو بردہ بن نیار حاضر خدمت ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! مجھے تو یہ بات معلوم نہ تھی کہ آج کے دن کی یہ ترتیب ہے، میں نے تو نماز سے پہلے ہی اپنا جانور ذبح کر لیا تھا اور اب میرے پاس کوئی جانور بھی نہیں ہے البتہ چھ مہینے کا ایک بکری کا بچہ ہے جو سال بھر کا معلوم ہوتا ہے؟ فرمایا نماز سے پہلے جو تم نے بکری ذبح کی اس کی تو قربانی نہیں ہوئی البتہ چھ مہینے کا بکری کا بچہ تمہاری اس مجبوری کی وجہ سے تمہاری طرف سے کفایت کر جائے گا لیکن اس کا حکم بھی یہی ہے کہ وہ قربانی میں کفایت نہیں کرتا اس لیے آئندہ تمہارے علاوہ کوئی اور شخص چھ ماہ کے بچے کو قربانی کے لیے نہیں پیش کر سکتے۔

بَابُ تَوْجِيهِ النَّهْيِ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

(۴۲۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ وَمُحَمَّدٍ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ إِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ لِيُوَسِّعَ مُوسِعُكُمْ عَلَى فَقِيرِكُمْ۔

تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت کی وجہ

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے منع کیا تھا اس کی وجہ یہی تھی کہ تم میں سے جو مالدار ہیں وہ تنگدستوں پر کشادگی کر سکیں۔

حل لغات: "یوسع" یہ لام امر نہیں ہے بلکہ لام کی ہے اور باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کشادگی کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ الترمذی: ۱۵۱۰ ومسلم وغیرہما کما سیاتی مفصلاً

مفہوم: موجودہ زمانے میں فریج اور فریزر کی سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل علم اور عوام دونوں طبقوں نے اس

حدیث پر عمل پورا ہو گیا ہے اور اس اجازت کا خوب فائدہ اٹھایا ہے جو ابتداء میں نہ تھی بلکہ ہر شخص کو یہ حکم تھا کہ قربانی کا گوشت صرف تین دن تک استعمال کیا جا سکتا ہے اس کے بعد نہیں اور اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ جب تین دن سے زیادہ گوشت کھانے کی ممانعت ہوگی تو لوگ اسے ضائع ہونے سے بچانے کے لیے غرباء کی ضرورت مند کو دے دیں گے اس طرح قحط اور غذائی ضروریات کی کمی کسی حد تک پوری ہو جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ حالات معمول پر آنے کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور لوگوں نے اس کے نسخ سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا جس میں دور حاضر کے لوگ سب سے زیادہ آگے محسوس ہوتے ہیں کیونکہ جدید آلات کی ایجاد نے اس راہ کی ساری مشکلات حل اور سارے پتھر ہٹا دیے ہیں اور الحمد للہ اب پورے پورے بکرے خرید کر لیے جاتے ہیں اور الحمد للہ سارا سال بازار سے گوشت خریدنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

بَابُ مَا قِيْلَ فِي الْخَلِّ

(٤٦٢) اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَمِسْعَرٌ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهُ دَخَلَ عَلَيْهِ فَقَرَّبَ اِلَيْهِ خُبْزًا وَّ خَلًّا ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهَانَا عَنِ التَّكَلُّفِ وَلَوْ لَا ذٰلِكَ لَتَكَلَّفْتُ لَكُمْ وَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْاِدَامُ الْخَلُّ۔

سرکہ کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ کے پاس محارب بن دثار آئے' انہوں نے ان کے سامنے روٹی اور سرکہ رکھا' پھر فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تکلف سے منع فرمایا ہے' اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہارے لیے تکلف کرتا' اور میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا ہے کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔

(٤٦٣) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سرکہ بہترین سالن ہے۔

حَلِّ عِبَارَت: "دخل" کا فاعل محارب ہیں "قرب" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قریب کرنا اس کا فاعل حضرت جابرؓ ہیں "خل" سرکہ "الادام" سالن۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم ٥٣٥٠ (٢٠٥١) وابوداود ٣٨٢١ والترمذي ١٨٣٩ وابن ماجه ٣٣١٧ وعبدالرزاق ١٩٥٦٩ والدارمي ٢/١٠١ والحاكم ٤/١٢٥ والحديث الاول اخرجه بلفظه احمد ١٤٢٢١۔

مفہوم: جس طرح زبانی گفتگو اور عائلی زندگی میں انسان بے تکلف ہوتا ہے اور کسی قسم کی بناوٹ اور تصنع کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اسی طرح اگر وہ زندگی کے ہر شعبے میں بے ساختگی' بے تکلفی اور تصنع سے دوری اختیار کر لے تو پھر اسے بھی

تخریج حدیث: أخرجه البخاري مختصرا: ۵۳۹۹، والترمذي: ۱۸۲۰۔

فائدہ: یہ شریعت ہی کا امتیاز ہے کہ اس نے انسان کو اس کی طبعی ضروریات کی تکمیل کے آداب بھی بتائے ہیں اور اس شعبے میں بھی اسے بے یارومددگار نہیں چھوڑا۔ ان آداب کا خیال رکھنے والا باادب کہلاتا ہے بصورت دیگر دنیا سے ہی اسے بے ادب کا لقب اور خطاب مل جاتا ہے۔ انہی آداب میں سے ایک ادب یہاں بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان ٹیک لگا کر کھانا کھانے سے اجتناب کرے اس لیے کہ یہ طریقہ متکبروں کا ہے اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الشُّرْبِ فِيْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

(۴۹۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَشْرَبَ فِيْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَاَنْ نَاْكُلَ فِيْهَا وَاَنْ نَلْبَسَ الْحَرِيْرَ وَالدِّيْبَاجَ قَالَ هِيَ لِلْمُشْرِكِيْنَ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ۔

سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے پینے کی ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی ﷺ نے سونے چاندی کے برتن میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے نیز ہمیں ریشم و دیباج پہننے سے بھی منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ چیزیں دنیا میں مشرکین کے لیے ہیں اور آخرت میں تمہارے لیے ہیں۔

(۴۹۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى قَالَ نَزَلْنَا مَعَ حُذَيْفَةَ عَلٰى دِهْقَانٍ بِالْمَدَائِنِ فَاَتٰى بِطَعَامٍ فَطَعِمْنَا ثُمَّ دَعَا حُذَيْفَةُ بِشَرَابٍ فَاَتٰى بِشَرَابٍ فِيْ اِنَاءِ فِضَّةٍ فَضَرَبَ بِهٖ وَجْهَهٗ فَسَاءَنَا مَا صَنَعَ فَقَالَ تَدْرُوْنَ لِمَا صَنَعْتُ بِهٖ هٰذَا فَقُلْنَا لَا فَقَالَ اِنِّيْ نَزَلْتُ عَلَيْهِ فِي الْعَامِ الْمَاضِيْ فَدَعَوْتُ بِشَرَابٍ فَاَتَانِيْ بِشَرَابٍ فِيْهِ فَاَخْبَرْتُهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهَانَا اَنْ نَاْكُلَ فِيْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَاَنْ نَشْرَبَ فِيْهَا وَاَنْ نَلْبَسَ الْحَرِيْرَ وَالدِّيْبَاجَ فَاِنَّهَا لِلْمُشْرِكِيْنَ فِي الدُّنْيَا وَهِيَ لَنَا فِي الْاٰخِرَةِ۔

ترجمہ: عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدائن میں ایک کسان کے یہاں مہمان بن کر ٹھہرے، وہ کھانا لے کر آیا جو ہم نے کھالیا، پھر حضرت حذیفہؓ نے پانی منگوایا، وہ چاندی کے برتن میں پانی لے کر آیا، انہوں نے وہ برتن اس کے منہ پر دے مارا، ہمیں ان کا یہ عمل برا لگا، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ ہم نے عرض کیا نہیں! فرمایا میں پچھلے سال بھی اس کے یہاں ٹھہرا تھا اور میں نے اس سے پانی منگوایا تھا تو یہ میرے پاس چاندی کے برتن میں ہی پانی لے کر آیا تھا، اور میں نے اسے بتایا تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے اور ریشم و دیباج پہننے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں مشرکین کے لیے

ہیں اور آخرت میں ہمارے لیے۔

(۴۱۸) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي فَرْوَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلٰى قَالَ اسْتَسْقٰى حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ مِنْ دِهْقَانٍ فَأَتٰى بِشَرَابٍ فِي إِنَاءِ فِضَّةٍ فَأَخَذَ الْإِنَاءَ فَضَرَبَ بِهِ وَجْهَهُ وَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى أَنْ نَشْرَبَ فِي آنِيَةِ الْفِضَّةِ۔

(۴۱۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلٰى قَالَ كُنَّا مَعَ حُذَيْفَةَ بِالْمَدَائِنِ فَاسْتَسْقٰى دِهْقَانًا فَأَتَاهُ بِهِ فِي جَامِ فِضَّةٍ فَرَمٰى بِهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَقَالَ هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ۔

ترجمہ: ان دونوں کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

حل لغات: "آنیۃ" برتن اس کی جمع "اوانی" آتی ہے "دھقان" دال کے کسرہ و ضمہ کے ساتھ کسان "فسد ما" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی برا لگنا ناگوار گزرنا "استسقی" باب استفعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پانی طلب کرنا۔

تخریج حدیث: اما الاول: فقد اخرجه البخاري: ۵۶۳۲، ومسلم: ۵۴۰۰ (۲۰۶۷)، وابن ماجه: ۳۴۹۰، واحمد: ۲۳۶۵۸، واما الثاني فقد اخرجه مسلم: ۵۳۹۹ (۲۰۶۷)، والنسائي: ۵۳۰۲، وابوداؤد: ۳۷۲۳، والترمذي: ۱۸۷۸۔

مفہوم: ان احادیث مبارکہ میں سونا، چاندی، ریشم اور دیباج کے استعمال سے جو ممانعت کی گئی ہے اس کا تعلق صرف مردوں سے ہے عورتوں سے نہیں، اور مردوں کے لیے ضرورت کے درجے میں "سونا تو نہیں کہ اس سلسلے میں کوئی روایت نظر سے نہیں گزری" البتہ چاندی کی ایک مخصوص مقدار اور ریشمی کپڑے کے استعمال کا استثناء بھی موجود ہے تاہم اصل حرمت ہی ہے اور اس سے بچنا ہی مردانگی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا يُنْهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ

(۴۲۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ۔

دباء اور حنتم کی ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمر ﷠ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے دباء اور حنتم کو استعمال کرنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

تھا اب چونکہ محمد ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر پر جانے کی اجازت مل گئی ہے اس لئے تم بھی قبرستان چلے جایا کرو لیکن کوئی بیہودہ بات مت کہنا اسی طرح تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت کی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ تم میں سے جو مالدار ہیں وہ تنگدستوں پر کشادگی کریں اب چونکہ اللہ نے وسعت کر دی ہے اس لئے اب تم کھاؤ اور ذخیرہ کرو اسی طرح حنتم، نقیر اور دباء میں نبیذ پینے سے منع کیا تھا اب تم جس برتن میں چاہو پی سکتے ہو کیونکہ برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتے البتہ نشہ آور چیز مت پیو۔

[۱۴۲۲] ابو حنيفة عن علقمة وحماد عن علقمة عن عبدالله بن بريدة عن ابيه عن النبي ﷺ انه قال اشربوا في كل ظرف فان الظرف لا يحل شيئا ولا يحرمه.

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر برتن میں پی لیا کرو کیونکہ برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتے۔

حل لغات: "فزوروها" باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی زیارت کرنا "هجرا" بضم الہاء بیہودہ گوئی "ترودوا" باب تفعل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ذخیرہ کرنا "المزفت" لک سے بنا ہوا برتن "النقیر" کھدی ہوئی لکڑی۔

تخریج حدیث اول: اخرجه مسلم ۲۲۱۱ (۹۷۷) والنسائی ۴۴۲۹ وابوداؤد ۳۲۹۸۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه مسلم ۵۲۰۸ (۹۷۷) والترمذی ۱۸۶۹ وابن ماجه ۳۴۰۵۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ میں سابقہ تین حکموں کی منسوخی کا اعلان کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ موقع کی مناسبت کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ یہ احکام کیوں دیے گئے تھے؟ چنانچہ قبرستان جانے کی ممانعت کو بیہودگی اور لغویت سے مقید کیا گیا ہے قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ رکھنے کی ممانعت کو فقراء کے خیال سے مشروط کیا گیا ہے اور مذکورہ برتنوں میں مشروبات کو استعمال کرنے کی ممانعت کو شراب کی ابتدائی حرمت پر محمول کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کی اپنی ذات میں حرمت کی کوئی خاص وجہ اور سبب نہیں تھا بلکہ عارضی حالات کی وجہ سے مذکورہ احکام آئے تھے یہی وجہ ہے کہ جب وہ حالات ختم ہو گئے تو ان احکام کو بھی منسوخ کر دیا گیا۔

باب ما جاء في النبيذ

[۱۴۲۳] ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة قال رأيت عبدالله بن مسعود وهو يأكل طعاما ثم دعا بنبيذ فشربه فقلت له جعلك الله فداك تشرب النبيذ والامة تقتدي بك فقال ابن مسعود رأيت رسول الله ﷺ شرب نبيذا ولو لا اني رأيته يشربه ما شربته.

نبیذ کا بیان

ترجمہ: نضر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کھانا کھا رہے تھے پھر انہوں نے نبیذ منگوا کر پی، میں نے عرض کیا اللہ رحم فرمائے! آپ بھی نبیذ پی رہے ہیں؟ حالانکہ امت آپ کی اقتداء کرتی ہے، فرمایا میں نے نبی ملیٹا کو بھی نبیذ پیتے ہوئے دیکھا ہے، اگر میں نے نبی ملیٹا کو یہ پیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں اسے کبھی نہ پیتا۔

حل لغات: "النبیذ" رات کو پانی میں چھوہارے بھگو کر صبح کو وہ پانی پی جاتا، اس پانی کو نبیذ کہتے ہیں۔

تخریج حدیث: اما شربه ﷺ النبیذ فقد اخرجه الترمذی ۱۸۲۱ وابوداؤد ۳۷۱۲ ومسلم ۵۲۳۲ (۲۰۰۵) واما بهذا السیاق فقد اخرجه البخاری۔

مفہوم: دماغی قوت اور معدہ کی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے اہل عرب ایک خاص قسم کا مشروب تیار کرتے تھے جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ چند کھجوریں یا چھوہارے لے کر انہیں پانی میں بھگو دیتے، پانچ چھ گھنٹے کے بعد یا زیادہ سے زیادہ دس بارہ گھنٹوں کے بعد جب کھجوروں کی مٹھاس پانی میں اثر کر جاتی تھی تو اسے پی لیتے تھے، اس مشروب کو نبیذ کہا جاتا ہے اور اسے استعمال کرنا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پانی کا بہاؤ ختم ہو کر اس میں گاڑھا پن نہ آگیا ہو اور وہ پانی جھاگ چھوڑنے نہ لگا ہو اور اس میں نشہ نہ آگیا ہو، اس لیے کہ اگر ایسا ہوا تو وہ نبیذ نہیں رہے گی بلکہ شراب بن جائے گی جسے اپنے حلق سے اتارنا حرام ہوگا۔

(۴۴۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَمِسْعَرٌ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نَبِيْذِ الزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَالتَّمْرِ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کشمش اور کھجور اور کچی اور پکی کھجور کی نبیذ سے منع فرمایا ہے۔

(۴۴۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ وَحَمَّادِ بْنِ اَبِيْ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نشہ آور چیز مت پیو۔

حل لغات: "الزبیب" کشمش "البسر" کچی کھجور۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری ۵۶۰۱ ومسلم ۵۱۴۵ (۱۹۸۶) وابوداؤد ۳۷۰۳ وابن ماجه ۳۳۹۵۔

تخریج حدیث ثانی: راجع: ۴۲۱ ۔ عند من اخرجه لا تشربوا مسکرا۔

مفہوم: جیسا کہ ابھی اوپر گزرا کہ نبیذ کا استعمال جائز ہے لیکن ایسے مشروب کا استعمال جائز نہیں ہے جس میں گاڑھا

بن آ گیا ہو، وہ جھاگ چھوڑنے لگا ہو اور نشہ آور بن گیا ہو، ظاہر ہے کہ اس صورت میں بھی یہ جب کہ کچی کھجور کو پانی میں بھگو دیا گیا ہو اور اس صورت میں بھی جبکہ اس کے ساتھ کشمش وغیرہ بھی شامل کر لی گئی ہو لیکن زیر بحث حدیث میں اس دوسری صورت کو اختیار کرنے اور ایسا مشروب استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ دو چیزوں کے مخلوط ہو جانے سے کی میں شدت جلد پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہوتا ہے اور چونکہ شریعت کی نگاہ میں ہر نشہ آور چیز حرام ہے اس لیے اس کی ممانعت کی وجہ معلوم ہوتی ہے۔

بَابُ كَمْ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ؟

(۴۲۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ عَوْنٍ مُحَمَّدِ الثَّقَفِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ شَدَّادٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ قَالَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ قَلِيْلُهَا وَكَثِيْرُهَا وَالسُّكْرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ۔

شراب کی کتنی مقدار حرام ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں شراب کی مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ حرام کر دی گئی ہے اسی طرح ہر نشہ آور چیز بھی حرام کر دی گئی ہے۔

بَابُ هَلْ يَجُوْزُ اَنْ يَاْكُلَ ثَمَنَ الْخَمْرِ

(۴۲۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ الْهَمْدَانِيِّ عَنْ اَبِيْ عَامِرٍ الثَّقَفِيِّ اَنَّهُ كَانَ يُهْدِيْ لِلنَّبِيِّ ﷺ فِيْ كُلِّ عَامٍ رَاوِيَةً مِنْ خَمْرٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَجُلًا مِنْ ثَقِيْفٍ يُكْنٰى اَبَا عَامِرٍ كَانَ يُهْدِيْ لِلنَّبِيِّ ﷺ كُلَّ عَامٍ رَاوِيَةً مِنْ خَمْرٍ فَاَهْدٰى فِي الْعَامِ الَّذِيْ حُرِّمَتْ فِيْهِ الْخَمْرُ رَاوِيَةً كَمَا كَانَ يُهْدِيْ لَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا اَبَا عَامِرٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ حَرَّمَ الْخَمْرَ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِيْ خَمْرِكَ قَالَ فَخُذْهَا فَبِعْهَا فَاسْتَعِنْ بِثَمَنِهَا عَلٰى حَاجَتِكَ فَقَالَ يَا اَبَا عَامِرٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ حَرَّمَ شُرْبَهَا وَبَيْعَهَا وَاَكْلَ ثَمَنِهَا۔

کیا شراب بیچ کر اس کی قیمت کھانا جائز ہے؟

ترجمہ: محمد بن قیس ہمدانی کہتے ہیں کہ ابو عامر ثقفی ہر سال نبی ﷺ کے پاس شراب کی ایک مشک بطور ہدیہ بھیجا کرتے تھے ایک روایت میں یوں ہے کہ بنو ثقیف کا ایک آدمی جس کی کنیت ابو عامر تھی ہر سال نبی ﷺ کے پاس ایک مشک شراب بھیجا کرتا تھا جس سال شراب حرام ہوئی اس نے اس سال بھی نبی ﷺ کو حسب عادت ہدیہ میں "مشک" بھیجی نبی ﷺ نے فرمایا اے ابو عامر! بیشک اللہ نے شراب کو حرام قرار دے دیا ہے اس لیے ہمیں تمہاری شراب کی کوئی ضرورت نہیں اس نے

اللہ کی طرف سے ہے ورنہ اسے شیطانی وہم سمجھ کر رد کر دیا جائے۔

فائدہ: مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی ﷺ نے اسے حرمت شراب کا حکم سنایا تو اس نے اپنے غلام سے سرگوشی میں کچھ کہا، نبی ﷺ نے پوچھا کہ کیا کہہ رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں نے اسے یہ حکم دیا ہے کہ شراب کی اس مشک کو فروخت کر دے اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس ذات نے اس کا پینا حرام قرار دیا ہے اسی نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کر دی ہے چنانچہ اس نے وہ مشکیزے بہا دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خرید و فروخت کی یہ درخواست اس نے نبی ﷺ سے نہیں کی تھی بلکہ یہ حکم اس نے اپنے غلام کو دیا تھا اور یہی زیادہ قرین قیاس بھی ہے، اس اعتبار سے مسند اعظم کی روایت مجمل قرار پائے گی جس کی تفصیل صحیح مسلم کی روایت میں وارد ہوئی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَلَانِسِ

[۴۲۸] أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَلَنْسُوَةٌ شَامِيَّةٌ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَلَنْسُوَةٌ بَيْضَاءُ شَامِيَّةٌ۔

ٹوپیوں سے متعلق روایات کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ شام کی بنی ہوئی سفید ٹوپی پہنتے تھے۔

حل عبارت: "قلنسوة" ٹوپی، اس کی جمع "قلانس" آتی ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه ابن حجر في المطالب العالية: ۲۱۹۷ والطبراني وابن عساكر۔

مفہوم: بعض حضرات سر کو ڈھانپنا خلاف سنت سمجھتے ہیں اور بعض حضرات سر نہ ڈھانپنا خلاف سنت اور گناہ عظیم سمجھتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ دونوں نظریے افراط و تفریط پر مبنی ہیں اسی لیے محققین علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ نبی ﷺ سے عمامہ باندھنا اور ٹوپی پہننا بھی ثابت ہے اور سر کو خالی رکھنا بھی ثابت ہے اس لیے عام معمولات میں مثلاً بازار آتے جاتے ہوئے ٹوپی نہ پہننا خلاف مروت ہے نیز نماز کے دوران بھی تشدد کی راہ اختیار کرتے ہوئے دوسروں کی ضد میں آ کر ٹوپی

نہ پہننا خلافِ ادب ہے۔

عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ سر اور داڑھی کے بکھرے ہوئے بالوں سے پریشان حال لوگ نہ تو بال ہی سنوارتے ہیں اور نہ ہی ٹوپی پہنتے ہیں کہ اس سے کچھ فرق پڑ جائے اس سے ان کا چہرہ اور بھی "قابلِ زیارت" ہو جاتا ہے اس لیے اہل علم کو تو اس کی پابندی اور التزام کرنا چاہیے اور عوام کو اس پر مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّدْلِ

(۴۲۹) اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنْ اَبِي جُحَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِرَجُلٍ سَادِلٍ ثَوْبَهُ فَعَطَفَهُ عَلَيْهِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مُنْقَطِعًا۔

بغیر پہنے کپڑا بدن پر لٹکانے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ایک آدمی کے پاس سے گزر ہوا جس نے "سدل" کر رکھا تھا، نبی ﷺ نے اس کے کپڑے کو اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

حل عبارت: "سادل" باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کپڑا لٹکانا "فعطفه" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی جھکا دینا۔

تخریج حدیث: اخرجہ البیہقی ۲/۲۴۲، وعبدالرزاق ۱/۳۶۲۔

مفہوم: "سدل" فقہی اصطلاح کے مطابق اس طرح کندھوں پر کپڑا ڈالنا لٹکانے کو کہتے ہیں کہ دونوں جانب اس کے پلو لٹک رہے ہوں اور ان میں گرہ نہ لگائی گئی ہو جیسا کہ بعض حضرات کو اس طرح رومال اوڑھے ہوئے دیکھا جاتا ہے نماز کی حالت میں بہتر یہ ہے کہ اس کے دونوں پلو گرہ لگا کر باندھ لیے جائیں تا کہ دوران نماز وہ گریں نہ ہی نمازی ان کی طرف متوجہ ہو کر اپنی نماز کو خراب کر بیٹھے۔

حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اسی طرح رومال لٹکائے ہوئے نماز پڑھ لی تو اس کا فرض ادا ہو جائے گا اور اسے قضاء کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی البتہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے جب ہی تو نبی ﷺ نے اس شخص کے لٹکے ہوئے کپڑوں کو اس کے کندھے پر الٹ دیا تا کہ وہ اسی میں مشغول ہو کر نہ رہ جائے اور یہ ایک ذرا تعجب کی بات ہے کہ عرب ممالک میں یہ طریقہ بہت کثرت کے ساتھ رائج ہے۔

بَابُ مَنْ يَلْبَسُ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا

(۴۳۰) اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ اَبِي لَيْلَى عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ

والدیباج وقال إنما یلبس ذلك من لا خلاق له۔

دنیا میں ریشم پہننے والے کا بیان

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ریشم اور دیباج پہننے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ۲۰۶۷ (۲۰۶۹) وابوداود: ۴۰۴۹، والترمذی: ۱۸۷۸، وابن ماجه: ۳۵۹۳ وابن حبان: ۵۴۳۷ وراجع نصب الرایة: ۴/۲۲۶۔

مفہوم: ریشمی کپڑوں کا پہننا مردوں پر حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہے، یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ کپڑا خالص ریشمی ہو اور اگر کپڑے میں ریشم کے کچھ تار وغیرہ استعمال کر لیے گئے ہوں تو مردوں کے لیے بھی اسے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے اور آج کل عام طور پر جو کپڑے ریشمی سمجھے جاتے ہیں وہ خالص ریشمی نہیں ہوتے خواہ مردانہ ہوں یا زنانہ اس لیے کہ خالص ریشمی کپڑے کی قوت خرید کسی غریب یا متوسط درجے کے آدمی میں نہیں ہوتی کیونکہ وہ بہت مہنگا ہوتا ہے۔

اس تمام تفصیل کو ذکر کرنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بعض لوگوں کے سامنے یہ حدیث ذکر کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ آج کل تو بہت سے مرد بھی ریشمی کپڑے پہنتے ہیں کیا وہ سب گنہگار ہوں گے؟ لیکن جب یہ تمہید واضح ہو جائے تو اس مسئلہ میں کوئی ابہام اور پیچیدگی برقرار نہیں رہے گی۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّصَاوِيْرِ

[۴۳۱] أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِيْ إِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ أَنَّهُ قَالَ عُلِّقَ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سِتْرٌ فِيْهِ تَمَاثِيْلُ فَأَبْطَأَ جِبْرَئِيْلُ ثُمَّ أَتَاهُ فَقَالَ لَهُ مَا بَطَّأَكَ عَنِّيْ قَالَ إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا تَمَاثِيْلُ فَانْبَسِطِ السِّتْرَ وَلَا تُعَلِّقْهُ وَاقْطَعْ رُؤُوْسَ التَّمَاثِيْلِ وَأَخْرِجْ هٰذَا الْجَرْوَ۔

تصاویر کے احکام

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے در دولت پر ایک مرتبہ ایک پردہ لٹکایا گیا جس میں کچھ تصاویر بنی ہوئی تھیں، چنانچہ حضرت جبریل نے حاضر ہونے میں تاخیر کر دی، جب وہ آئے تو نبی ﷺ نے ان سے تاخیر کی وجہ پوچھی، انہوں نے کہا کہ ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا یا تصویریں ہوں، اس لیے اس پردہ کا بستر بنا لیجئے، اسے مت لٹکائیے، ان تصویروں کے سر اتار دیجئے اور اس پلے (کتے کے فرزند) کو نکال دیجئے۔

حل عبارت: "علق" باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لٹکانا "تماثیل" تمثال کی جمع

ہے بمعنی مجسمہ، تصویر "قطعنا" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی تغیر کرنا۔ "فابسطہ" باب افعال سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بچھانا "المجرور" ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم مفصلاً: ٥٥١٣ (٥٠٢١) وابو داؤد ٤١٥٧ وابن حبان: ٥٨٥٠ واما نفس قوله ﷺ لا تدخل الملائكة بيتا الخ فقد اخرجه جميع الائمة.

خلاصۂ مضمون: گزشتہ صفحات میں "کتے" کے متعلق تفصیلات گزر چکی ہیں اس لیے یہاں انہیں دہرانے بغیر تصویر سے متعلق مختصر طور پر عرض کرنا ہے کہ اسلام میں جاندار اشیاء کی تصویر کشی اور مجسمہ سازی قطعاً حرام ہے جبکہ بے جان اشیاء کی تصویر اور مجسمہ سازی مکمل حلال ہے اور اسے بطور آرٹ اور پیشہ کے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ جاندار اشیاء کی تصاویر خواہ پردوں پر ہو یا کپڑوں پر ناجائز ہیں، کیونکہ ایک تو اس صورت میں بظاہر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ بازی کا احساس ہوتا ہے جو شان بندگی کے منافی ہے اور دوسرے یہی چیز جو ابتداء میں تصویر کشی اور مجسمہ سازی کی حد تک محدود ہوتی ہے بعد میں بڑھتے بڑھتے تصویر و مجسمہ پرستی تک پہنچا دیتی ہے گویا یہ چیز بالواسطہ شرک کا ذریعہ بنتی ہے اور شریعت کی نگاہ میں شرک ناقابل معافی جرم ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر غیر واضح اور انتہائی چھوٹی تصویر جو بدقت تمام نظر آئے، اس میں حرمت کا پہلو زیادہ شدید نہیں ہے، اسی طرح اگر کسی ذی روح کی تصویر کشی کرتے ہوئے اس کا سر کاٹ دیا جائے یعنی گردن کے ساتھ نہ جوڑا جائے تو اس کی حرمت ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ آج کل بعض دکاندار کپڑے لٹکانے اور جانے کے لیے سر کٹے مجسمے استعمال کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِضَابِ بِالْحِنَّاءِ

(٤٣٢) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِخْضِبُوْا شَعْرَكُمْ بِالْحِنَّاءِ وَخَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ۔

مہندی سے بالوں کو خضاب کرنا

ترجمہ: حضرت ابن عمر ﷛ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے بالوں کو مہندی سے رنگ لیا کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کیا کرو۔

(٤٣٣) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْكِنْدِيِّ عَنْ اَبِي الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اَحْسَنُ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّعْرَ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ وَفِيْ رِوَايَةٍ مِنْ اَحْسَنِ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ۔

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اپنے بالوں کی سفیدی جس چیز سے تبدیل کرتے ہو اس میں سب سے بہتر چیز مہندی اور کتم ہے۔

(٤٧٥) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ اَنَّ اَبَا قُحَافَةَ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَلِحْيَتُهُ قَدِ انْتَشَرَتْ قَالَ فَقَالَ لَوْ اَخَذْتُمْ وَاَشَارَ اِلٰى نَوَاحِيْ لِحْيَتِهِ۔

ترجمہ: ہیثم ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوقحافہؓ (سیدنا صدیق اکبرؓ کے والد محترم) کو نبی ﷺ کی خدمت میں لایا گیا ان کی داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے' نبی ﷺ نے داڑھی کے کناروں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا اگر تم اسے کم لیتے تو اچھا ہوتا۔

حل عبارت: "اخضبوا" باب ضرب سے امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی رنگنا' خضاب لگانا "الشیب" بالوں کی سفیدی "انتشرت" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی منتشر ہونا' پھیل جانا' بکھرنا "نواحی" ناحیۃ کی جمع ہے بمعنی کنارہ "الحناء" مہندی "الکتم" وسمہ اس سے بال ہلکے براؤن ہو جاتے ہیں۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري مثله: ٣٤٦٢' ومسلم: ٥٥١٠ (٢١٠٣) وابوداؤد: ٤٢٠٣' والترمذي: ١٧٥٢' والنسائي: ٥٠٧٥' وابن ماجه: ٣٦٢١' وابن حبان: ٥٤٧٠۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابوداؤد: ٤٢٠٥' والترمذي: ١٧٥٣' والنسائي من: ٥٠٨٠ الى: ٥٠٨٥' وابن ماجه: ٣٦٢٢' وابن حبان: ٥٤٧٤۔

تخریج حدیث ثالث: اما نفس الحديث فقد اخرجه مسلم: ٥٥٠٩ [٢١٠٢] وابوداؤد: ٤٢٠٤' والنسائي: ٥٠٧٩' وابن ماجه: ٣٦٢٤' وابن حبان: ٥٤٧١' واما بهذا السياق فقد اخرجه البخاري: ٦٦٦۔

مفہوم: "بڑھاپا" انسان کے تدریجی عمل اور ارتقائی زندگی کا آخری زینہ ہوتا ہے جہاں سے انسان کی واپسی ناممکن ہوتی ہے' یہ انسانی زندگی کا زوال ہوتا ہے جس کے بعد عروج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' یہ ایسی منزل ہوتا ہے جو ترقی کی امید سے محرومی لے کر آتا ہے اور اس کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوتا ہے' چنانچہ کبھی دانت ٹوٹ جاتے ہیں' کبھی جسم کی مشینری کام کرنے سے انکار کر دیتی ہے اور کبھی جسم پر اگی ہوئی گھاس سفید ہونا شروع ہو جاتی ہے' اور ان میں سے ہر ایک چیز چیخ چیخ کر اعلان کر رہی ہوتی ہے کہ بس! اب تیرا کھیل ختم ہونے والا ہے' تیری بساط لپٹنے والی ہے اور تیرا نامۂ اعمال بند ہونے والا ہے لیکن حضرت انسان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور وہ اصلی دانت کی جگہ مصنوعی دانت لگوا لیتا ہے' جسم کی مشینری سے کام لینے کے لیے مقویات اور ادویات استعمال کرتا ہے اور بالوں کی سفیدی کو چھپانے کے لیے کالا خضاب استعمال کرتا ہے۔

یاد رکھیے! بالوں کی سفیدی اللہ کی طرف سے ملنے والا وقار ہے' اسے ضائع مت کیجیے اور اگر آپ ابھی جوان ہیں

یا جوان نظر آنا چاہتے ہیں تو اس سلسلے میں شرعی ہدایات کی پیروی کیجئے' کالا خضاب استعمال کرنے سے بچئے' تاہم نوجوانی میں جس شخص کے بال سفید ہو جائیں' اسے فقہاء نے کالا خضاب لگانے کی اجازت دی ہے جس کے دلائل احادیث میں موجود ہیں' مہندی لگا کر بھی بالوں کی سفیدی کو چھپایا جا سکتا ہے۔

تاہم یہ اجازت درجۂ استحباب میں ہے' اس اجازت کو فرض و واجب کا درجہ دینا صحیح نہیں ہے اور مہندی لگا کر مکمل براؤن یا وسمہ کے ذریعے ہلکے براؤن کرنے کا حکم بھی اہل کتاب سے اپنی مشابہت ختم کرنے کے لیے دیا گیا ہے' سیدنا صدیق اکبرؓ کے والد محترم حضرت ابوقحافہؓ کے بالوں کی سفیدی کو تبدیل کرنے کا حکم بھی اسی بناء پر دیا گیا تھا۔

فائدہ: آخری حدیث کا ترجمۃ الباب سے تعلق روایت کے ان الفاظ سے ہے جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا اور اسی کی تخریج بھی کی گئی ہے' امام صاحبؒ کی اس مختصر روایت کو مذکورہ بالا مفصل روایت پر محمول کیا جائے گا۔

بَابُ الْمَوْصُوْلَةِ

(۴۲۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ اُمِّ ثَوْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ لَا بَاْسَ اَنْ تَصِلَ الْمَرْاَةُ شَعْرَهَا بِالصُّوْفِ اِنَّمَا نُهِيَ بِالشَّعْرِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا بَاْسَ بِالْوَصْلِ اِذَا لَمْ يَكُنْ شَعْرٌ بِالرَّاْسِ۔

بالوں کے ساتھ بال ملانے والی عورت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عورت کو اپنے بالوں کے ساتھ اون ملانے میں کوئی حرج نہیں' اصل میں جو ممانعت کی گئی ہے اس کا تعلق بالوں کے ساتھ ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق اگر عورت کے سر پر بال نہ ہوں تو بال ملانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

حلِّ عبارت: "تصل" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ملانا "الصوف" اون۔

تخریج حدیث: موقوف علی ابن عباس اخرجہ الحارثی: ۷۰۔

مفہوم: اس حدیث کا محمل بھی سمجھنے کے لیے اس مضمون کی دیگر روایات کو سامنے رکھنا بھی ضروری ہے جن کے مطابق حضور نبی مکرم' سرور دو عالم ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو اپنا جسم گودتی ہیں یعنی اس میں سوراخ کر کے نیل یا کوئی اور رنگ بھرتی ہیں یا اس طرح اس پر کسی کا نام کندہ کرواتی ہیں کہ جسم کی کھال چھل جائے اور وہ نام ثبت ہو جائے اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو جسم گودنے کا کام کرتی ہیں۔

نیز نبی ﷺ نے ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو اپنے بالوں میں "کسی دوسرے انسان کے بال" ملاتی ہیں تاکہ بال لمبے نظر آئیں' ایسی عورتوں کو "موصولہ" کہتے ہیں اور جو عورتیں یہ کام کرتی ہیں انہیں "واصلہ" کہا جاتا ہے اور

زَادَ فِي رِوَايَةٍ مَعَ أَجْرِ الْبَلَاءِ

وَفِي رِوَايَةٍ اُكْتُبُوْا لِعَبْدِيْ مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيْحٌ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ وَهُوَ عَلٰى عَمَلٍ مِنَ الطَّاعَةِ فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ لِحَفَظَتِهِ

اُكْتُبُوْا لِعَبْدِيْ أَجْرَ مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيْحٌ۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے اور وہ نیکی کے کچھ کام پہلے سے کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے لیے اتنا ہی اجر لکھو جس کے برابر وہ تندرستی میں عمل کرتا تھا، جو اس مصیبت پر صبر کے علاوہ ہو۔

حل عبارت: "یبتلیہ" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مبتلا کرنا، آزمائش کرنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه ابن سعد، والحاكم، والبيهقي، والطبراني ٣٥٧۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابو داود مختصرا ٣٠٩١، وابن ابي شيبة ١٠٨٠٦۔

مفہوم: دنیا کی اس مختصر اور ناپائیدار زندگی میں ہر انسان پر کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آتی ہے اور ہر آدمی کسی نہ کسی پریشانی کا شکار ضرور ہوتا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ بعض لوگ مصیبت اور پریشانی کو اپنی ذات میں چھپا لیتے ہیں اور بعض لوگ پورے خاندان اور محلے میں ڈھنڈورا پیٹ دیتے ہیں، بعض لوگ ان مصائب و مشکلات کو حل کرنے کی بجائے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے ہیں اور بزعم خود توکل کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اس مصیبت اور تکلیف کے لیے اللہ میاں کو میں ہی نظر آیا تھا، میرے علاوہ کوئی اور نہیں ملا تھا، اگر مجھ پر ہی مصیبت آنی تھی تو شفا ایک ہفتے تک نہ ہوتی، بیزار ہو جاتا۔

ظاہر ہے کہ اس آخری صورت میں اللہ کے ساتھ سودے بازی کا عنصر نمایاں ہے اور اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ بندہ دوسری مصیبت اور بیماری کو برداشت کر سکتا تھا جبکہ اس سے پہلے والی صورت میں تقدیر خداوندی پر اعتراض ہے اس لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان ایسے مواقع پر اللہ سے سودے بازی کرے اور نہ ہی تقدیر پر اعتراض کرے بلکہ یہ سوچے کہ اس بیماری میں بھی کچھ کیے بغیر ہی مجھے ان اعمال صالحہ کا اجر و ثواب مل رہا ہے جو میں صحت کی حالت میں کرتا تھا اور یہ کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ میرا امتحان لینا چاہتے ہیں، اگر میں اس امتحان میں کامیاب ہو گیا تو انعام کے طور پر مجھے ایسے بلند و بالا مقامات عطا فرمائے جائیں گے جہاں تک اپنے اعمال کے سہارے اور بل بوتے پر میری رسائی کبھی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ سوچ انسان کو جزع فزع سے بھی محفوظ رکھے گی، ہر ایک کے سامنے اپنے دکھڑے رونے سے بھی بچائے گی،

تندرست ہو جانا "السام" موت "الھرم" بڑھاپا "تروم" باب نصر اور ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی چارہ چرنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه مسلم: ۵۷۴۱ (۴-۲۲) واحمد: ۱۴۶۵۸ وابن حبان: ۶۰۶۳ والحاکم ۴/۱۹۹۔

تخریج حدیث ثانی و ثالث: اخرجه البخاری مطولا: ۵۶۷۸ وابوداؤد: ۳۸۵۵ والترمذی: ۲۰۳۸ وابن ماجه ۳۴۳۶، ۳۴۳۹ واحمد کم بزیادة علیکم بالبان البقر واحمد ۱۹۰۳۶۔

مفہوم: یہاں دو باتیں قابل وضاحت ہیں۔

۱۔ ہر زمانے میں لوگوں کا ایک گروہ ایسا بھی رہا ہے جو دوا دارو کرنا اور اپنی بیماری کو دور کرنے کی کوشش کرنا اچھا نہیں سمجھتا' اس گروہ میں بعض لوگ تو ایسے ہیں جو اپنی غربت کی وجہ سے اپنی بیماری کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتے ہیں' بعض اپنی کنجوسی کے ہاتھوں اپنے علاج پر کچھ خرچ کرنے کو فضول خرچی سے تعبیر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور بعض لوگ اسے توکل کے خلاف سمجھ کر اس کے قریب پھٹکنے کو بھی گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں۔

ان میں پہلا طبقہ تو مجبور ہے جس کے متعلق شریعت دوسرے انسانوں کو اس کی امداد کے لیے متنبہ کرتی ہے' دوسرا طبقہ "بیوقوف" ہے کہ اپنی کمائی اپنے اوپر ہی خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے اور تیسرا طبقہ "نادان" ہے کہ علاج معالجہ کو خلاف توکل سمجھتا ہے حالانکہ توکل ترک اسباب کا نام نہیں' توکل ترک نتیجہ کا نام ہے۔

۲۔ نومولود بچے کے لیے جس طرح ماں کا دودھ انتہائی مفید ہونے میں دو رائیں نہیں ہیں اسی طرح زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے گائے کے دودھ کی افادیت بھی مسلم ہے' اس کے نباتاتی اجزاء جو مختلف درختوں اور سرسبز و شاداب گھاس کی وجہ سے اس میں پیدا ہو جاتے ہیں' انسان کو بڑھاپے تک بھی تقویت فراہم کرتے ہیں' "گو کہ اس سے بڑھاپا ختم نہیں ہو سکتا" اور مکمل غذائیت سے بھی بھرپور ہوتے ہیں۔

لیکن اس کا کیا کیجیے کہ ہم دودھ کے ایک ڈرم میں کم از کم آدھے ڈرم پانی کی ملاوٹ کیے بغیر اپنی ضروریات اس کے ذریعے پوری نہیں کر سکتے' راتوں رات امیر ہونے کے چکر میں گجروں نے اس طریقے کو خوب آزمایا اور بہت منافع پایا اس سے اب ان کی گائیں دودھ کی بجائے روپے اگلتی ہیں اور ان کے تھنوں میں دودھ کی دھاروں کی بجائے سکوں کی کھنک محسوس ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ اب لوگ نباتاتی اجزاء اور غذائیت سے بھرپور اس دودھ کو چھوڑ کر ڈبے کے دودھ کو ترجیح دینے لگے ہیں اور بزبان حال وہ اس پہ نغمہ گنگنانے لگے ہیں کہ اب تو پاکستان میں ہر چیز حتیٰ کہ بندوں میں بھی ملاوٹ ہونے لگی ہے۔

بَابُ الشِّفَاءُ فِي أَرْبَعَةٍ

(۱۱۱۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ جُعِلَ الشِّفَاءُ فِي الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ

وَالْكَمْأَةِ وَالْعَسَلِ وَمَاءِ السَّمَاءِ۔

چار چیزوں میں شفاء کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کلونجی، کھمبی، شہد اور آسمان کے پانی میں شفاء رکھی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَنِّ

[۱۴۴۲] أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ عَمْرٍو الْمَخْزُوْمِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ مِنَ الْمَنِّ الْكَمْأَةَ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ۔

"من" کا بیان

ترجمہ: حضرت سعید بن زیدؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کھمبی بھی "من" کی ایک قسم ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفاء ہے۔

حل عبارت: "الحبة السوداء" کا ترجمہ کلونجی ہے "المن" بنی اسرائیل پر نازل ہونے والی سوغات تھی "الکماة" کھمبی۔

تخریج حدیث اول: اما هذا الحديث فقد ثبت من الاحاديث الكثيرة كما في الحبة السوداء ما اخرجه مسلم ۵۷۶۶ (۲۲۱۵) والبخاري ۵۶۸۸ وغيرهما وهكذا في الكمأة ما اخرجه البخاري ۵۶۹۷ واما بهذا السياق فقد اسند۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاري ۵۷۰۸ ومسلم ۵۳۴۶ (۲۰۴۹) والترمذي ۲۰۶۷ وابن ماجه ۳۴۵۴۔

فائدہ: ۱۔ "طب نبوی" ایک مستقل موضوع ہے جس پر علماء و اطباء نے اپنے اپنے انداز میں مختلف ادوار میں قلم اٹھایا ہے اور احادیث میں ذکر کردہ خواص اشیاء کو جدید سائنس سے ہم آہنگ کر کے دکھایا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ نے جس چیز کی جو خاصیت بیان فرمائی تھی جدید سائنس اور میڈیکل اس کی تغلیط آج تک نہیں کر سکی چنانچہ کلونجی اور شہد کی افادیت تو آج بھی مسلم ہے اور ہر طبقہ زندگی کے افراد اسے استعمال کرتے ہیں۔

گو کہ اب سینگی لگانے کے وہ پرانے "طریقے" جن کا طریقہ گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا "نہیں رہے لیکن اس کے مفید ہونے میں اب بھی کوئی شک نہیں ہے، دور حاضر میں سرنج کے ذریعے خون نکلوانا اس کی جدید شکل ہے بلکہ "سرنج اور سینگی" کی لفظی مناسبت و مشابہت بھی انتہائی قریب اور زیادہ ہے۔

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو اپنی بیوی سے حق مہر کی رقم میں سے کچھ پیسے لے کر شہد منگوائے اور اسے بارش کے پانی میں ملا کر پی لے تو اللہ تعالیٰ ہر بیماری سے شفاء عطا فرما دیتے ہیں' معلوم ہوا کہ بارش کے پانی میں اللہ نے شفاء رکھی ہے۔

۲۔ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کی خصوصی بارش برسائی' ان پر بے شمار عنایات اور کرم نوازیاں اور عدل گستریاں فرمائیں' ان میں بے شمار انبیاء کرام کو بھیجا' نبوت اور حکومت سے سرفراز فرمایا' لیکن ان کی شورش پسند طبیعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو گئے' ایک وقت وہ بھی تھا کہ جب یہودیوں کو رزق کی فکر اور فکر معاش سے مکمل طور پر آزاد کر دیا گیا تھا' پینے کے لیے پانی کے بارہ چشمے جاری کر دیئے گئے' کھانے کے لیے بٹیروں کی فوج بھیج دی گئی جو آج بھی ایک طاقتور اور گرم غذا شمار ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ میٹھے کے طور پر "من" کی بھی ارزانی کر دی گئی اور پہننے کے لیے لباس کی ضرورت سے آزاد کر دیا گیا' ان کے کپڑے نہ تو گندے ہوتے اور نہ پھٹتے اور جسم کے ساتھ ساتھ کپڑے بھی بڑھتے جاتے لیکن ان ساری مہربانیوں کے جواب میں ان کی طرف سے ہمیشہ ناشکری ہی رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے نبوت و رسالت اور امامت و حکومت ان سے چھین کر بنی اسماعیل کو دے دی۔

بہر حال! "من" کا لفظی معنی کھمبی ہے' اردو میں اس کا مفہوم "سانپ کی چھتری" سے ادا کیا جاتا ہے' یہ ایک خود رو قسم کی چیز ہوتی ہے جو بوسیدہ لکڑی اور کوڑے کرکٹ پر بھی اگ جاتی ہے اور بارش کے موسم میں کثرت سے پائی جاتی ہے' زیر بحث حدیث میں اسے بنی اسرائیل کے "من" سے تشبیہ دی گئی ہے اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کو وہ بآسانی دستیاب ہو جاتا تھا اسی طرح کھمبی بھی بآسانی دستیاب ہو جاتی ہے' اگر ہم نے بھی بنی اسرائیل کی طرح اسے حقیر سمجھا تو ہم سے اسے چھین لیا جائے گا۔ ذرا غور کیجئے کہ ایک ایسی چیز جو ہر شخص کی دسترس میں ہو اور ہر شخص اسے بآسانی حاصل کر سکتا ہو' اس کا کتنا عظیم فائدہ ہے کہ آنکھ کے لیے انتہائی مفید اور بصارت کی تیزی میں ممد و معاون ثابت ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

بَابُ التَّعَوُّذِ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ

(۱۱۶۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لَمْ تَضُرَّهُ عَقْرَبٌ حَتّٰى يُمْسِيَ وَمَنْ قَالَ حِيْنَ يُمْسِيْ لَمْ تَضُرَّهُ عَقْرَبٌ حَتّٰى يُصْبِحَ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ "اعوذ بکلمات اللہ التامۃ" کہہ لے تو اسے شام تک کوئی بچھو نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور جو شخص شام کے وقت یہ کلمات کہہ لے اسے صبح تک کوئی بچھو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

لغات: "لم یضروا" باب نصر سے نفی حجد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی نقصان دینا "عقرب" بچھو اس کی جمع "عقارب" آتی ہے "یمسی" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شام کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابن ماجہ: ۳۵۰۸، وابو داؤد: ۳۸۹۸، ۳۸۹۹۔

مفہوم: زیر بحث حدیث میں ان کلمات کا فائدہ بچھو کے کاٹنے میں مفید ہونا ذکر کیا گیا ہے جبکہ دوسری احادیث میں یہی کلمات عمومی طور پر صبح شام پڑھنے کی تاکید آتی ہے اور اس میں ہر پریشانی وتکلیف سے نجات کا ذکر آتا ہے اس ظاہری تضاد کو دور کرنے کی صورت یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کا پس منظر ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے جس کے مطابق ایک شخص کو بچھو نے کاٹ لیا تھا وہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اس پر نبی علیہ السلام نے اسے یہ وظیفہ بتایا جبکہ دوسری حدیث کسی ایسے خاص واقعے پر موقوف نہیں ہے اس لیے اس کی عام ترغیب پر بھی عمل کیا جائے گا۔

بَابُ كَيْفَ يَدْعُوْ لِلْمَرِيْضِ

(۴۹۹) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أُتِيَ بِمَرِيْضٍ يَدْعُوْ لَهُ يَقُوْلُ أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

مریض کے لیے کیسے دعا کرے؟

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی مریض لایا جاتا تو آپ ﷺ اس کے لیے یہ دعا کرتے تھے کہ اے لوگوں کے رب! اس کی تکلیف دور فرما اسے شفاء عطا فرما کیونکہ تو ہی شفاء دینے والا ہے تیری شفاء کے علاوہ کوئی شفاء نہیں ایسی شفاء جو مرض کا نام ونشان بھی نہ چھوڑے۔ (مکمل ختم کر دے)

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم: ۵۷۰۶ (۲۱۹۱)، والبخاری: ۵۶۷۵، وابو داؤد: ۳۸۹۰، والترمذی: ۳۵۶۵، وابن ماجہ: ۳۵۲۰، وابن حبان: ۲۹۷۲۔

مفہوم: مریض کے پاس جا کر اسے اور اس کے لواحقین کو اس کی بیماری سے ڈرا دھمکا کر پریشان کرنا اور ان کی پریشانی میں اضافہ کرنا گو کہ اس وقت ہمارا شعار، خاندانی ذمہ داری اور قومی فریضہ بن چکا ہے لیکن اسلام کی نگاہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں وہ کسی بھی بیماری میں مبتلا شخص کو مایوس اور ناامید نہیں کرتا اور نہ کسی کو اس کی اجازت دیتا ہے۔

بلکہ اس کی تعلیم تو یہ ہے کہ جب بھی کسی مریض کی عیادت کے لیے جاؤ تو اس سے ایسی باتیں کرو جس سے وہ خاموشی کی مہر توڑنے پر مجبور ہو جائے اور مسکراہٹوں کا فوارہ اس کے منہ سے چھوٹنے لگے اس کی ضروریات کی تکمیل

میں اس حدیث کو لانے کی وجہ بھی یہی مناسبت ہے۔

بَابُ مَا لَمْ يُولَدْ لَهُ وَلَدٌ

(۴۵۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا رُزِقْتُ وَلَدًا قَطُّ وَلَا وُلِدَ لِي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَيْنَ أَنْتَ مِنْ كَثْرَةِ الْاسْتِغْفَارِ وَكَثْرَةِ الصَّدَقَةِ تُرْزَقُ بِهِمَا فَكَانَ الرَّجُلُ يُكْثِرُ الصَّدَقَةَ وَيُكْثِرُ الْاسْتِغْفَارَ قَالَ جَابِرٌ فَوُلِدَ لَهُ تِسْعَةُ ذُكُورٍ۔

اگر کسی شخص کے یہاں اولاد نہ ہوتی ہو تو کیا کرے؟

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری آدمی نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! میرے یہاں ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہوئی، نبی علیہ السلام نے فرمایا تم کثرت استغفار اور کثرت صدقہ سے کہاں غفلت میں رہے؟ اس کی برکت سے تمہیں اولاد نصیب ہوگی، اس آدمی نے کثرت سے صدقہ دینا اور استغفار کرنا شروع کر دیا، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اس کی برکت سے اس کے یہاں نو لڑکے پیدا ہوئے۔

حل عبارت: "ما رزقت" باب نصر سے فعل ماضی منفی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی رزق دینا "یکثر" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کثرت کرنا "فولد" باب ضرب سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اولاد پیدا ہونا۔

تخریج حدیث: نقل عنه الاثبات بالآثار وانما هذا اسنادي عن محمد وهو من الوحدانيات لابي حنيفة الامام۔

مفہوم: یہ روایت سند کے اعتبار سے بھی بہت اہم ہے اور متن کے لحاظ سے بھی، سند تو اس طرح کہ یہ امام صاحبؒ کی وحدانیات میں سے ہے یعنی اس حدیث کو امام صاحبؒ نے براہ راست صحابی رسول حضرت جابرؓ سے سماعت فرمایا ہے گویا امام صاحبؒ اور نبی علیہ السلام کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے جو کتب حدیث میں سب سے عالی سند ہے

اور متن اس طرح کہ اس میں اولاد آدم کے ایک بہت بڑے مسئلے کو حل کر دیا گیا ہے کیونکہ اولاد کی ہر شادی شدہ کو خواہش ہوتی ہے جس کی تکمیل کے لیے کبھی وہ درگاہوں اور درباروں پر دیگیں چڑھاتا ہے اور کبھی گھوڑوں کے پیچھے سے گزرنا باعث سعادت سمجھتا ہے، کبھی منتیں مرادیں مانتا ہے اور کبھی قبروں کے طواف اور سجدے کرتا ہے، کیونکہ سچ یہ ہے اولاد ایک ایسی چیز ہے کہ اگر ہو تو سر کا درد اور نہ ہو تو دل میں درد رہتا ہے۔

نبی علیہ السلام نے حصول اولاد کا نسخہ دو کام بتائے ہیں، ایک تو بکثرت استغفار کرنا کیونکہ خود قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے میں فرمایا گیا ہے

استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال وبنین الخ

اور دوسرے کثرت سے صدقہ و خیرات کرنا کیونکہ جب ضرورت مند کی ضرورت پوری ہو جائے اور وہ متعلقہ آدمی کے حق میں دعا کرے تو اللہ اس کی دعا رد نہیں فرماتا۔

(۴۴۷) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ إِسْمٰعِيْلَ عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيءٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ عَلِمَ أَنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ لَهُ فَهُوَ مَغْفُوْرٌ لَهُ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو اس بات کا یقین ہو کہ اللہ اسے بخش دے گا تو واقعۃً اسے بخش دے گا۔

تخریج حدیث: راجع له: ۱۸۷۔

فائدہ: خالق اور مخلوق، عابد اور معبود، ساجد اور مسجود، قاصد اور مقصود، طالب اور مطلوب کا تعلق اگر اتنا مضبوط ہو جائے کہ انسان اپنے پروردگار سے وابستہ توقعات کو یقین کا درجہ دے لے تو میں اتنی بات جانتا ہوں کہ اگر کسی شخص کو دوسرے کے متعلق اپنی خوش گمانی کا علم ہو جائے تو وہ اس کی خوش گمانی کی لاج رکھ لیتا ہے' کیا انسان کو وجود عطاء فرمانے والا اپنے متعلق انسان کی خوش گمانی کی لاج نہیں رکھے گا؟ یقیناً اس سے بڑا لجپال تو کوئی نہیں ہے اس لیے وہ اس کی لاج ضرور رکھے گا۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ انسان اپنی توقعات کو یقین کا درجہ دے کر اور اپنی بخشش کے بارے حق تعالیٰ کی شان مغفرت پر اعتماد کر کے گناہوں کے سمندر میں داخل ہو جائے اور اپنے آپ کو آزاد سمجھنے لگے' اس حدیث کا مقصد تو یہ ہے کہ جو اللہ اپنے متعلق اچھے گمان اور عمدہ یقین پر اتنا کرم فرماتا ہے' وہ اپنی بندگی پر کیا کچھ نہ کرم فرمائے گا' وہ اپنی اطاعت و فرمانبرداری پر کیوں نہ مغفرت کے دریا بہائے گا؟ وہ بندے کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ کر کیوں نہ اپنی رحمت کے سمندر بہائے گا؟ وہ اپنے بندے کے متورم قدموں کو کیوں نہ پل صراط سے صحیح سالم عبور کروائے گا۔

یقیناً یہ سب کچھ ہو سکتا ہے اور ہوگا' انسان کچھ کر کے تو دکھائے۔

(۴۴۸) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک اللہ ہی سلام ہے اور اسی سے سلامتی ملتی ہے۔

تخریج حدیث: مر اول جزء من حديث طويل، فانظر تخريجه تحت الرقم: ۱۱۹۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے وہ ننانوے اسماء حسنیٰ جو ترمذی شریف کی روایت میں آئے ہیں ان کا "احصاء" کرنے پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے' ان میں سے ایک نام "السلام" بھی ہے جس کا اطلاق اللہ کی ذات پر ہوتا ہے جو ذات کے اعتبار سے بھی

سلیم

یکتا ہو، ذات اور صفات کے اعتبار سے بھی بے مثل و بے مثال ہو، ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہو، ہر قسم کے تغیرات سے محفوظ ہو اور ہر قسم کے زوال سے بری ہو، کائنات میں ایسی کوئی ہستی نہیں جس پر یہ لقب یا نام صادق آ سکے اور سوائے خالق کائنات کے کسی پر اس کا مفہوم مکمل طور پر منطبق نہیں ہوتا۔

گویا یوں کہہ لیجئے کہ "السلام" کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جو سراپا سلامتی ہو، اس سے سلامتی کا فیضان ہوتا ہو اور اسی سے پوری کائنات کو سلامتی کی نعمت ملتی ہو، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے میٹھے پانی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا، ابلتا ہوا چشمہ کہ وہ خود بھی میٹھا پانی ہے اور اسی سے سب کو میٹھا پانی ملتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ خود بھی سراپا سلامتی ہے اور کائنات کے ذرے ذرے کو اسی کی طرف سے سلامتی ملتی ہے۔

اگر وہ کسی چیز کو اپنی سلامتی سے محروم کر دے تو پوری کائنات مل کر بھی اسے سلامتی نہیں دے سکتی اور اگر کسی چیز کو وہ اپنی سلامتی کے سائبان تلے جگہ دے دے تو پوری کائنات مل کر بھی اس سے سلامتی کا وہ سائبان نہیں چھین سکتی، اسی لیے ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی سلامتی کے سائبان تلے جگہ عطاء فرما کر دین و دنیا اور پوری کائنات کے شر سے محفوظ فرما دے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُقُوقِ الْوَالِدَيْنِ

(۱۴۴۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ.

والدین کے حقوق کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

(۱۴۵۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ يُرِيدُ الْجِهَادَ فَقَالَ أَحَيٌّ وَالِدَاكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا جو جہاد میں شرکت کا ارادہ رکھتا تھا، نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا پھر ان کے معاملات میں ہی

جہاد کرو۔

حل مشکل الفاظ: "احی" ہمزہ برائے استفہام ہے یعنی کیا زندہ ہیں؟ "فجاھد" باب مفاعلہ سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے یعنی جہاد کرو۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ ابن حبان: ٤١٠، ٤٢٦٢ وابن ماجہ: ٢٢٩١ وابوداؤد: ٣٥٣٠۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ البخاری: ٣٠٠٤ ومسلم: ٦٥٠٤ (٢٥٤٩) والترمذی: ١٦٧١ وابوداؤد: ٢٥٢٩ والنسائی: ٣١٠٥ وابن حبان: ٣١٨۔

مفہوم: دنیا میں انسان کا وجود مادی طور پر اپنے والدین کا رہین منت ہے اس کا نشوونما و ارتقاء بھی ان ہی کی محبت و شفقت کا زیر بار ہے اور اس کی تمام علمی و عملی سرگرمیوں میں کامیابی کا سہرا ان ہی کے سر بجتا ہے قرآن و حدیث میں ان کا مقام و مرتبہ بہت اونچا بتایا گیا ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم متعدد مقامات پر انتہائی اہمیت کے ساتھ دیا گیا ہے۔

"حقوق والدین" میں جہاں اور بہت سی چیزیں شامل ہیں وہاں ایک چیز یہ بھی ہے کہ انسان اپنی کمائی میں ان کا حصہ بھی رکھے جتنا کمائے سب اپنے پاس ہی نہ رکھ لے کیونکہ جب وہ کماتے تھے تو اسے اس کا حصہ دیتے تھے اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اولاد جو بھی کمائے وہ سب باپ لے جائے اور یہ مطلب بھی نہیں کہ اولاد اپنی کمائی میں سے ماں باپ کو کچھ بھی نہ دے۔

دراصل ہمارے معاشرے میں افراط و تفریط کے نمونے بڑی کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں چنانچہ کہیں اولاد کی ساری کمائی پر باپ ہی قابض ہوتا ہے اولاد اپنی ضروریات کی تکمیل میں تنگ ہوتی ہے اور کہیں اولاد والدین کو پھوٹی کوڑی تک دینے کی روادار نہیں ہوتی حالانکہ اگر درمیانہ راستہ اختیار کر لیا جائے تو ہر ایک کو اس کا حق بھی مل جائے اور کسی کو کسی سے شکایت بھی نہ رہے۔

بَابُ الْاَمْرِ بِالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ

(٤٥١) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ زِيَادٍ يَرْفَعُهُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ اَمَرَ بِالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ۔

ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کے حکم کا بیان

ترجمہ: حضرت زیاد بن علاقہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا حکم دیا۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ٥٧ ومسلم: ١ (٥٦) والترمذی: ١٩٢٥۔

مفہوم: ہمدردی اور خیر خواہی کے الفاظ یوں تو ڈکشنری میں اب بھی مل جاتے ہیں لیکن ہمدردی اور خیر خواہی کرنے والے افراد یا اس کا حقیقی نمونہ ہمارے معاشرے سے رخصت ہو چکا ہے اور تو کسی کو کسی سے ہمدردی رہی ہی نہیں لہٰذا خیر

خواہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر کہیں اس کے کچھ اثرات نظر آتے ہیں تو وہ ذاتی مفادات اور مقاصد کے غلاف میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس میں بھی اپنا فائدہ سامنے رکھ کر ہی کوئی قدم اٹھایا جاتا ہے۔

زندگی کے اس مختصر سے دورانیے میں میں نے ایسے بہت سے افراد کو دیکھا ہے جو بظاہر ہمارے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کر رہے ہوتے ہیں، ہم ان پر اعتماد کر لیتے ہیں لیکن درحقیقت وہی لوگ ہمیں نقصان پہنچا رہے ہوتے ہیں، وہی ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپ رہے ہوتے ہیں اور وہی موقع پرستی کا مظہر اتم ثابت ہوتے ہیں، زیر بحث حدیث میں تو صرف خیر خواہی کا حکم دیا مذکور ہے جبکہ بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق نبی علیہ السلام لوگوں سے اسلام قبول کرتے وقت ہر مسلمان کی خیر خواہی کا حلف لیتے تھے اور ان سے اس پر بیعت لیتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ

(۴۵۲) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ الْأَغَرِّ صَاحِبِ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا أَلْقَيْتُهُ فِي جَهَنَّمَ۔

کبریائی اور عظمت سے متعلق روایت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبریائی میری رداء اور عظمت میرا ازار ہے، جو شخص ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی مجھ سے جھگڑا کرے گا میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا۔

(۴۵۳) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ الْمُتَكَبِّرَ رَأْسُهُ بَيْنَ رِجْلَيْهِ حَيْثُ كَانَ يَرْتَفِعُ بِرَأْسِهِ فِي تَابُوتٍ مِنْ نَارٍ مُقْفَلٍ عَلَيْهِ وَلَا يَخْرُجُ أَبَدًا مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: محمد ابن منکدر کہتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ متکبر کا سر اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہوگا، کیونکہ وہ سر اٹھا کر ہی اکڑتا تھا، اور وہ آگ کے ایک تابوت میں ہوگا جس میں اسے بند کر دیا جائے گا، اور وہ کبھی بھی جہنم سے نہ نکل سکے گا۔

حل لغات: "ردائی" اوپر والی چادر کو کہتے ہیں "ازاری" نیچے والے تہبند کو کہتے ہیں "نازعنی" باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جھگڑا کرنا "القیتہ" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی ڈال دینا "مقفل" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی تالا لگانا۔

تخریج: اما الحدیث الثانی فلم اجدہ واما الاول فقد اخرجہ مسلم: ۶۶۸۰ (۲۶۲۰) وابو داؤد: ۴۰۹۰، وابن

ماجہ ۴۱۷۴، و ابن حبان ۵۶۷۱۔

مَفْہُوم: یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ پہلی حدیث میں کبریائی کو اللہ کی چادر اور دوسری میں عظمت کو اللہ کا تہبند جو قرار دیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی چادر اور تہبند استعمال کرتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح قمیص اور شلوار ہر انسان اپنے ناپ کے مطابق سلواتا ہے اور وہ انسان کے پورے وجود کو ڈھانپ لیتے ہیں اسی طرح کبریائی اور عظمت اللہ کے ناپ کے مطابق ہیں اور وہ اللہ کی مخصوص صفات ہیں چونکہ کسی دوسرے کا یہ ناپ نہیں اس لیے کسی دوسرے کو اسے زیب تن کرنے کا بھی اختیار نہیں اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو خدائی صفات میں دخل اندازی کا مرتکب ہوتا ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

۲۔ چونکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا سودا انسان کے دماغ میں سماتا ہے اور بڑھتے بڑھتے اس کا خمار اس کے پورے وجود پر طاری ہو جاتا ہے اس لیے تکبر کا اصل مرکز دماغ ہی ہوا قیامت کے دن تکبر سے بھرے اسی سر کو کسی دوسرے انسان نے نہیں خود اپنے ہی قدموں تلے روندنے کی نوبت آ جائے گی اور انسان خود اپنی ذلت کا اقرار کرے گا پوری انسانیت کے سامنے اس ذلت آمیز عذاب سے بچنے کے لیے کیا سب سے بہتر طریقہ یہ نہیں ہے کہ انسان اپنی حقیقت پر غور کرے کہ وہ ہے کیا؟ اگر سب چیزوں کو چھوڑ کر انسان صرف اس نکتے کو اپنے سامنے رکھ لے تو اس کے دماغ سے یہ خناس یوں غائب ہو جائے گا جیسے گدھے کے سر سے سینگ غائب ہوتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرِّفْقِ

(۱۵۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ شَهِدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَالْأَعْرَابُ يَسْأَلُوْنَهُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا خَيْرُ مَا أُعْطِيَ الْعَبْدُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ۔

نرمی کا بیان

ترجمہ: حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک مرتبہ حاضر تھا کچھ دیہاتی لوگ سوال کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! انسان کو سب سے بہتر چیز کیا دی گئی ہے؟ فرمایا اخلاق حسنہ۔

(۱۵۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ أَنَّ الرِّفْقَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ يُرٰى لَمَا رُئِيَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى خَلْقٌ أَحْسَنُ مِنْهُ وَلَوْ أَنَّ الْخُرْقَ خَلْقٌ يُرٰى لَمَا رُئِيَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى أَقْبَحُ مِنْهُ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر نرمی اور حسن خلق جسمانی قالب میں دکھائی دیتے تو اللہ کی مخلوق میں اس سے بہتر کوئی مخلوق نظر نہ آتی اور اگر بدخلقی دکھائی دیتی تو اللہ کی مخلوق میں اس

سے زیادہ بدتر کوئی مخلوق نظر نہ آئے۔

حل عبارت: "یوزن" باب ضرب سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وزن کیا جانا "لما" لام ابتدائیہ اور ما نافیہ ہے "الخرق" زیادتی، مراد بد خلقی۔

تخریج حدیث اول: اخرجه ابو داؤد مختصراً: ٤٧٩٩، والترمذي: ٢٠٠٣، وابن ماجه: ٣٤٣٢، وابن حبان: ٦٠٦١، واحمد: ٥/٤٤٦، والحاكم: ١/١٢١۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه الخرائطي في مكارم الاخلاق ومساويها كما قاله القرشي، والحارثي في مسنده: ٤٩٤۔

مفہوم: عام طور پر ہم یہ پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں اور یہ صحیح بھی ہے کہ حسن خلق دنیا و آخرت میں کامیابی کا ضامن ہے، اچھے اخلاق رکھنے والا ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے لیکن یہاں ہم سے ایک غلطی ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ ہم حسن خلق یا اخلاق حسنہ کا مفہوم صرف ہنسنے اور مسکرانے کی حد تک محدود سمجھتے ہیں، ہمارا ذہن یہ کہتا ہے کہ جو شخص ہمارے ساتھ پوری بتیسی ہی نہیں جبڑا بھی کھول کر بات کرے، بات بے بات دانت نکالتا رہے اور جی حضوری کرتا رہے اس سے بڑھ کر خوش اخلاق پوری دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا گویا ہمارے نزدیک خوش اخلاقی خوشامد اور چاپلوسی کا دوسرا نام بن چکا ہے جس میں مسکراہٹ کی آمیزش اس شراب کو مزید دو آتشہ بنا دیتی ہے لیکن معاف کیجئے گا کہ یہ خوش اخلاقی نہیں ہے۔

اخلاق حسنہ کی فہرست اور تفصیل پر غور کریں تو ہمیں اخلاق حسنہ کے بڑے بڑے عنوان اس سے کوسوں دور دکھائی دیں گے مثلاً شکر، صبر، قناعت، توکل، شجاعت، سخاوت، بردباری اور اپنے فرائض کی بجا آوری وغیرہ، یقیناً جن میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں انہی کو اخلاق حسنہ کا مالک کہا جا سکتا ہے۔

آسان لفظوں میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کائنات میں اگر کسی قالب کو اخلاق حسنہ کا نام دیا جاتا، جیسے حیوان ناطق کو انسان کا نام دیا گیا اور اس کا جسم معروف شکل پر تخلیق کیا گیا، حیوان مفترس کو شیر کا نام دے کر ایک مخصوص شکل و صورت دی گئی یوں ہی اگر اخلاق حسنہ کو کوئی جسم عطاء کیا جاتا تو پوری کائنات میں اس سے زیادہ بہتر اور خوبصورت مخلوق کوئی نہ ہوتی، اسی طرح اگر بد خلقی کو کسی قالب میں ڈھال دیا جاتا تو اس سے زیادہ بدترین صورت کوئی نہ ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ اخلاق حسنہ کا مالک ہر جگہ احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی خیر مجسم چل آ رہا ہے، جبکہ بداخلاق شخص سے لوگ اسی طرح دور بھاگتے ہیں جیسے کسی بدصورت سے نفرت کھاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ شَمَائِلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

(١٥٦) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَخْرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ يَدَيْ جَلِيْسٍ لَهُ قَطُّ

بَلْ يَقْعُدُ مُسَاوِيًا لَهُمْ وَلَا تَنَاوَلَ أَحَدٌ يَدَهُ فَيَتْرُكُهَا قَطُّ حَتَّى يَكُونَ هُوَ يَدَعُهَا وَمَا جَلَسَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَحَدٌ قَطُّ فَقَامَ حَتَّى يَقُومَ قَبْلَهُ وَمَا وَجَدْتُ شَيْئًا قَطُّ أَطْيَبَ مِنْ رِيحِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ مَا قَامَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ رَجُلٌ فِي حَاجَةٍ فَانْصَرَفَ عَنْهُ قَبْلَهُ حَتَّى يَكُونَ هُوَ الْمُنْصَرِفَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا صَافَحَ أَحَدًا لَا يَتْرُكُ يَدَهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ هُوَ الَّذِي يَتْرُكُ۔

شمائل نبوی کا بیان

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنے ہم نشینوں کے سامنے ٹانگیں نہیں پھیلائیں بلکہ ہمیشہ ان کے برابر بیٹھتے تھے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص نے آپ کا ہاتھ پکڑا ہو اور آپ ﷺ نے اسے چھڑا لیا ہو تاآنکہ وہ خود ہی چھوڑ دیتا، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص مجلس میں آ کر بیٹھے اور نبی ﷺ اس سے پہلے کھڑے ہو جائیں اور میں نے نبی ﷺ کے جسد اطہر کی مہک سے زیادہ کوئی خوشبودار چیز نہیں پائی۔

حل لغات: "یقعد" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بیٹھنا "لا تناول" باب تفاعل سے فعل ماضی منفی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پانا، مراد پکڑنا "صافح" باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی مصافحہ کرنا۔

تخریج الحدیث: الحدیث مشتمل علی ثلاثۃ اجزاء، اما الاول: فقد اخرجہ الترمذی فی الشمائل۔

واما الثانی: فقد اخرجہ ابوداؤد ۴۷۹۴، والترمذی: ۲۴۹۰، وابن ماجہ: ۳۷۱۶، واحمد ایضاً ۹۵۹۔

واما الثالث: فقد سبق تخریجہ علی الرقم: ۳۵۹، والحدیث اخرجہ الترمذی: ۲۴۹۰۔

مفہوم: ماہ ربیع الاول میں منعقد ہونے والے جلسے دیکھ کر ہر شخص سیرت نبوی ﷺ کی تبلیغ و پیروی میں کامیابی اور نجات کو منحصر قرار دیتا ہے اور اس مجلس کے اختتام پر جب کھانے کی باری آتی ہے تو اسے وی آئی پی پروٹوکول درکار ہوتا ہے، اسے مائیک سے دور ہوتے ہی ساتھیوں اور عوام کی نگاہیں ناگوار گزرتی ہیں، ان کے ساتھ چند لمحے بیٹھنے سے پہلے فوٹو گرافر کا ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ اگلے دن اخبارات میں تصویر چھپ سکے، مجلس میں قدم رنجہ ہوتے ہی پوری قوم کا احتراماً کھڑے ہونا فرض خیال کیا جاتا ہے، کیسی عجیب بات ہے کہ جس پیغمبر کی نسبت سے ہمارے گھروں کے چولہے جل رہے ہیں وہ ہمیشہ کمزوروں اور غریبوں کے ساتھ بیٹھے، کسی امتیاز اور پروٹوکول کے بغیر بیٹھ جاتے، اس کے برعکس کہ لوگ ان کے احترام میں کھڑے ہوں وہ لوگوں کے احترام میں خود کھڑے ہو جاتے تھے، ان کا تو یہ عمل اور ہمارے یہ طور طریقے؟ کہیں تو عمل ہی

تک دکھائی دے جاتی۔

(۴۵۷) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا نَادٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِیْ مَنْزِلِهٖ فَقَالَ لَبَّیْكَ قَدْ اَجَبْتُكَ فَخَرَجَ اِلَیْهِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کو آپ کے گھر میں سے آواز دے کر بلایا' آپ ﷺ نے فرمایا میں حاضر ہوں' آرہا ہوں' پھر باہر تشریف لے آئے۔

حل لغات: "اجبتك" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی جواب دینا' ایجاب کرنا۔

تخریج: اخرجه البخاری فی ضمن حدیث طویل: ۹۳' وابوداؤد: ۵۱۸۹' وابن ماجه: ۲۰۹۱' وابن حبان: ۱۹۵' والبیهقی: ۹/۱۰۱۔

مفہوم: دربانوں' گن مینوں' محافظوں اور سیکورٹی اہلکاروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنے والے ذرا اس نکتے پر غور فرمائیں کہ اگر نبی ﷺ اپنے ساتھ اپنے گھر کے دروازے پر دربان بٹھانا چاہتے تو کیا دربانی کرنے والا اپنی قسمت پر نازاں نہ ہوتا؟ یقیناً ایسا ہی ہوتا لیکن امت اس عدل و انصاف سے محروم ہو جاتی جس کی راہ میں دربان سب سے بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں' امت اس مصلح کی رفاقت سے محروم ہو جاتی جس میں گن مین اور محافظ دستے حائل ہو جاتے ہیں' امت اس مساوات سے محروم ہو جاتی جو اسے نبی ﷺ کے برابر بیٹھ کر حاصل ہوتی تھی' امت زندگی کے ان جھمیلوں میں الجھ کر رہ جاتی جنہیں سلجھانے کے لیے آپ ﷺ کو بھیجا گیا تھا۔

میں یہ تو نہیں کہتا کہ موجودہ حالات میں حکمران طبقہ سیکورٹی کی پرواہ نہ کرے لیکن اتنی بات ضرور کہتا ہوں کہ ہمیشہ ہر ایک کے لیے دستیاب رہیں۔

بَابُ مَنْ لَمْ یُصَافِحِ النِّسَاءَ

(۴۵۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ اُمَیْمَةَ بِنْتِ رُقَیْقَةَ قَالَتْ اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ لِاُبَایِعَهٗ فَقَالَ اِنِّیْ لَسْتُ اُصَافِحُ النِّسَاءَ۔

عورتوں سے مصافحہ نہ کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت امیمہ بنت رقیقہ ﷞ کہتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ آپ سے بیعت کر سکوں' نبی ﷺ نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

تخریج: اخرجه البخاری: ۷۲۱۴' ومسلم: ۴۸۳۴ (۱۸۶۶)' وابوداؤد: ۲۹۴۱' والترمذی: ۱۶۳۲' وابن ماجه: ۲۸۷۵' وابن حبان: ۴۵۵۳' واحمد: ۱/۲۲۲۲۱' والحمیدی: ۳۴۱' وابن سعد: ۱۹۵۵۔

مفہوم: ہمارے یہاں کے نام نہاد اور جعلی پیر تو عورتوں سے مصافحہ پر اکتفاء نہیں کرتے، وہ تو اور بھی بہت کچھ کرتے ہیں جنہیں پڑھ اور سن کر گھن آتی ہے، دین کے تقدس کو پامال کرنے والے ان نقلی پیروں نے دین کا تقدس بحال کرنے والوں کو بھی بدنام کر رکھا ہے اور ہمارے عوام بھی ماشاء اللہ ایسے معتقد ہیں کہ چرس کے سوٹے لگانے والے ملنگیوں اور چرسیوں کو پہنچی ہوئی سرکار سمجھتے ہیں، قابل غور بات یہ ہے کہ حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ سے بڑھ کر کون پیر ہو سکتا ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے کبھی کسی اجنبی عورت کو چھوا تک نہیں، یہ احتیاط اس صورت میں ہے جبکہ آپ ﷺ معصوم بھی تھے، غیر معصوم کے لیے کس قدر احتیاط ضروری ہوگی اس کا اندازہ آپ خود لگائیے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَقْبَلِ الْعُذْرَ

(۶۵۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَمْ يَقْبَلْ عُذْرَ مُسْلِمٍ يَعْتَذِرُ إِلَيْهِ فَوِزْرُهُ كَوِزْرِ صَاحِبِ مَكْسٍ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا صَاحِبُ مَكْسٍ قَالَ عَشَّارٌ۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی مسلمان کا عذر قبول نہ کرے جو اس سے معذرت کر رہا ہو تو اس کا گناہ ایسے ہی ہے جیسے صاحب مکس کا گناہ، کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! صاحب مکس کیا چیز ہے؟ فرمایا عشر وصول کرنے میں ظلم کرنے والا۔

(۶۶۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اعْتَذَرَ إِلَيْهِ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ فَلَمْ يَقْبَلْ عُذْرَهُ فَوِزْرُهُ كَوِزْرِ صَاحِبِ مَكْسٍ يَعْنِي عَشَّارٌ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

حل عبارت: "لم یقبل" باب سمع سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قبول کرنا "یعتذر" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی معذرت کرنا "وزر" بوجھ گناہ "مکس" ظلم و زیادتی "عشار" عشر سے ہے بمعنی وصولی عشر میں ظلم کرنے والا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ۳۷۱۸۔

مفہوم: بعض اوقات ہم اپنے ماتحت سے کوئی کام کرنے کے لیے کہتے ہیں اور اسے کوئی ذمہ داری سونپتے ہیں اور وہ کسی وجہ سے اس ذمہ داری کو پورا نہ کر سکا ہو تو ہم اس سے ناراض ہوتے ہیں اور اس پر غصہ کا اظہار کرتے ہیں بالخصوص جبکہ وہ ہمارا ملازم یا نوکر اور مزدور بھی ہو، اور اس سلسلے میں ہم اس کا کوئی عذر سننے کو تیار نہیں ہوتے اور یہ نہیں سوچتے کہ ہر انسان کو مجبوری پیش آ سکتی ہے اس لیے اگر اسے بھی کوئی مجبوری پیش آ گئی ہے تو ہم درگزر سے کام لے لیں اور یہ تصور کر لیں کہ نبی علیہ السلام نے اپنے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تم سے یہ کام کرنے کے لیے کہا تھا تم نے

کیوں نہیں کیا؟ یا تم نے یہ کیوں کیا؟ میں نے تو تمہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور اس کا عذر قبول کر لیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے اندر سے حوصلہ، بردباری اور دوسرے کی بات سننے کا جذبہ رخصت ہو چکا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں ہر ایک سے شکایت ہوتی ہے، ہر ایک پر زبان طعن دراز ہوتی ہے اور کسی کی بات سن کر اس پر اعتماد کرنے کی بات قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَرُدَّ الطِّيبَ

(۶۶۱) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِذَا أُتِيَ أَحَدُكُمْ بِطِيْبٍ فَلْيُصِبْ مِنْهُ۔

خوشبو نہ لوٹانے کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کے پاس خوشبو لائی جائے تو اسے چاہیے کہ اس میں سے لگا لے۔

حل لغات: "فلیصب" باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہنچانا۔

تخریج: أخرجه مسلم طبعة: ۵۸۸۳ (۲۲۵۳) وأبوداؤد: ۴۱۷۲ وابن حبان: ۵۱۰۹ والنسائي: ۵۲۶۱ وابن عدي: ۶/۲۱۱۹۔

مفہوم: "خوشبو" فارسی زبان کا مرکب لفظ ہے جس کا معنی ہے اچھی مہک، فطری اور طبعی طور پر اچھی مہک اور خوشبو کی طرف ہر انسان کو میلان ہوتا ہے، نہ صرف یہ کہ انسان کو بلکہ فرشتوں کو بھی اس سے رغبت اور بدبو سے نفرت ہے یہی وجہ ہے کہ مسجد اور دینی مجالس میں خوشبو لگا کر جانے کو مستحسن قرار دیا گیا ہے اور چونکہ نبی علیہ السلام فرشتوں سے بھی اونچا درجہ رکھتے ہیں اس لیے خوشبو کی طرف آپ کا میلان طبعی بھی واضح ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ خود بھی خوشبو کا ہدیہ رد نہیں فرماتے تھے اور صحابہ کرام کو بھی اس بات کی تلقین فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص خوشبو بطور ہدیہ کے پیش کرے تو اسے رد نہیں کرنا چاہیے۔

یوں تو خوشبو کی بہت سی اقسام اب بھی رائج ہیں جن میں سے بعض سونے سے بھی زیادہ مہنگی ہوتی ہیں تاہم "مشک" ایک ایسی خوشبو ہے جس کا قرآن و حدیث میں بھی تذکرہ آتا ہے اور ہر عام و خاص میں اس کی شہرت بھی ہے، اس اعتبار سے وہ خوشبویات میں دوسروں سے منفرد اور ممتاز ہے۔

بَابُ النَّظَرِ فِي النُّجُوْمِ

(۶۶۲) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ النَّظَرِ فِي النُّجُوْمِ۔

ستاروں میں دیکھنے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ستاروں میں دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔

تخریج الحدیث: اخرجه الهندی: ٢٩٤٣٦' وابن عدی: ٥/١٩١٩' والسیوطی فی الدر: ٣/٣٥۔

خلاصہ: اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمان کی چھت پر ستاروں کی شکل میں جو ان گنت اور لاتعداد روشن فانوس لٹکا رکھے ہیں وہ صرف روشنی ہی کا کام نہیں دیتے بلکہ شیاطین کے لیے کوڑوں کا کام بھی دیتے ہیں اور راہرو منزل کو راستہ دکھانے اور راستہ بتانے کے دونوں کام بھی کرتے ہیں چنانچہ ان کی روشنی میں مسافر اپنی منزل تک پہنچانے والے راستے کو دیکھتا ہے اور انہی کے ذریعے وہ اپنی منزل کا اندازہ لگاتا ہے۔

گویا بعض ستارے ایسے بھی ہیں جن سے منزل مقصود کا اندازہ ہو جاتا ہے اور شریعت کے کسی حکم کی نفی بھی نہیں ہوتی' لیکن جہاں حکم شریعت کی نفی ہوتی ہے وہاں شریعت خود ہی اس کے آگے بند باندھ دیتی ہے چنانچہ زیر بحث حدیث میں ستاروں میں دیکھنے کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس کا تعلق علم نجوم کے ساتھ ہے جسے آج کل ایک بہت بڑا فن سمجھا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنے مسائل و مشکلات کے حل کا ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو طوطا نجومی کے پاس آنے والوں کی قسمت کا حال جانتا ہے' وہ طوطا زیادہ بڑا عالم ہوا یا نجومی؟ پھر وہ طوطا دوسروں کو ان کی قسمت کا حال بتا سکتا ہے اپنے مالک کی قسمت کا حال کیوں نہیں بتا سکتا؟ اسی طرح وہ نجومی جو ستاروں کی چال دیکھ کر حالات کا اندازہ لگا لیتا ہے خود کیوں مصائب سے دوچار ہوتا ہے اور کسمپرسی کی زندگی گزارتا ہے؟

یہ سب واہیات اور لغویات ہیں جن میں گھسنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَدْخُلِ الْحَمَّامَ اِلَّا بِمِئْزَرٍ

(۶۶۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يَّدْخُلَ الْحَمَّامَ اِلَّا بِمِئْزَرٍ وَلَمْ يَسْتُرْ عَوْرَتَهٗ مِنَ النَّاسِ كَانَ فِيْ لَعْنَةِ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ۔

تہبند کے بغیر حمام میں داخل نہ ہونے کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی ایسے شخص کے لیے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو' حلال نہیں کہ تہبند کے بغیر حمام میں داخل ہو' اور اس نے اپنی شرمگاہ کو لوگوں سے چھپا نہ رکھا ہو کیونکہ ایسا کرنے والا اللہ کی' فرشتوں اور تمام مخلوق کی لعنت میں ہوتا ہے۔

تحقیق وتشریح: "بمئزر" اسم آلہ کا صیغہ ہے بمعنی تہبند "عورتہ" شرمگاہ "لم یستر" باب نصر سے نفی جحد بلم معروف

سخت نافرمانی کرنے والی۔

نیشن کے انا جدید کا رناموں سے واقفیت حاصل ہونے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ آخر نبی ﷺ نے عبداللہ اور عبدالرحمٰن جیسے ناموں کو کیوں پسند فرمایا؟ اور بے معنی ناموں کو غلط معنی رکھنے والے کو یا اپنی بڑائی، پاکیزگی اور برتری ثابت کرنے والے ناموں کو کیوں دوسرے ناموں سے تبدیل کیا؟

اور اس سے اندازہ ہوا کہ ایسی جدت جس کے غلط اثرات جدید نسل پر پڑیں، اس سے وہ قدامت ہی بہتر ہے جس سے جدید نسل اچھے اثرات اخذ کر سکے، اس لیے کہ ناموں کا بھی شخصیت پر اثر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ''پرویز'' جن لوگوں کا نام ہوا انہیں نبی ﷺ سے کوئی عقیدت و محبت نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ خواہ پوری دنیا کے مسلمان گستاخانہ خاکوں اور فلم پر سراپا احتجاج بن جائیں لیکن اس نام کے لوگ اپنے جد امجد کسریٰ پرویز شاہ ایران کے نقش قدم پر چلنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبِرِّ وَالْإِثْمِ

(۱۶۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْبِرُّ لَا يَبْلٰى وَالْاِثْمُ لَا يُنْسٰى۔

نیکی اور گناہ کے حکم کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ بھلایا نہیں جاتا۔

تحقیق و تشریح: '' لا یبلی '' باب سمع سے فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، معنی پرانا ہونا '' لا ینسی '' مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے، معنی بھول جانا۔

تخریج حدیث: اخرجہ عبدالرزاق: ۲۰۲۶۲ والھندی: ۴۳۶۷۲۔

مفہوم: حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والا یہ ارشاد ''جوامع الکلم'' میں سے ہے جو مسلم شریف کی روایت کے مطابق نبی ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ الفاظ مختصر ہوں اور ان کے معانی و مفاہیم لامحدود وسعتوں کے حامل ہوں، چنانچہ آپ خود غور کر لیجئے کہ نیکی پرانی نہیں ہوتی کتنا چھوٹا اور مختصر جملہ ہے اور اپنے اندر کتنی گہرائی رکھتا ہے کہ نیکی ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتی ہے، پرانی ہو کر مرجھا نہیں جاتی، نیکی ہمیشہ یاد رکھی جاتی ہے اور لوگوں میں اس کا اچھا تذکرہ ہمیشہ رہتا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ نیکی ایک لازوال دولت ہے جو اپنے ساتھ ساتھ نیکی کرنے والے کو بھی لازوال بنا دیتی ہے۔

اسی طرح لوگوں کے حافظے سے کسی گناہ کو بھی نہیں بھلایا جا سکتا اور اس کی "برکت" سے گنہگار بھی لوگوں کو یاد رہتا ہے لوگ ہمیشہ اس سے نفرت کرتے ہیں اور اچھے الفاظ میں اس کا تذکرہ نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ کسی یتیم کے مال پر غاصبانہ قبضہ کرنے والا، کسی بیوہ کے حق پر ڈاکہ ڈالنے والا، اپنی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرنے والا، سود، رشوت اور جوئے کے ذریعے دولت کے انبار اکٹھے کرنے والا، شراب و شباب کی رنگین محفلوں میں اپنوں سے چھپ کر جانے والا کبھی بھی اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا جاتا، لوگ اسے اور اس کی کرتوتوں کو بھلا نہیں پاتے۔

اور دوسری تقریر اس حدیث کی یہ ہے کہ انسان کو اس کی نیکی کا صلہ ہر حال میں دے گا اور گنہگار کو اس کی سزا مل کر رہے گی، نیکی کرنے والا یہ نہ سمجھے کہ اس کی نیکی تو بہت پرانی ہو گئی اتنے عرصے کے بعد اس کا بدلہ کیونکر مل سکے گا اور گنہگار یہ نہ سمجھے کہ میں اب تک جو آزاد پھر رہا ہوں محسوس ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا گناہ بھول گئے ہیں اور اب مجھے سزا نہیں ملے گی، اس لیے کہ بارگاہِ خداوندی کا ضابطہ یہ ہے کہ کوئی نیکی پرانی نہیں ہوتی اور کوئی گناہ بھلایا نہیں جاتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الرَّجُلِ اَيْنَ يَقْعُدُ اِذَا اَتَى الْمَجْلِسَ

(٤٦٦) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ قَعَدَ اَحَدُنَا حَيْثُ اِنْتَهٰى الْمَجْلِسُ۔

جب آدمی مجلس میں آئے تو کہاں بیٹھے؟

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ ؓ سے مروی ہے کہ ہم جب نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔

حل لغات: "انتھی" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، معنی ختم ہونا، انتہا کو پہنچنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابو داؤد: ۴۸۲۵، والترمذی: ۲۷۲۵، وابن حبان: ۶۴۳۳، واحمد: ۲۱۱۶۴۔

مفہوم: صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ طرزِ عمل نبی ﷺ کے اس طرزِ عمل کی عکس تقلید اور اتباع ہے جو شمائل ترمذی میں منقول ہے کہ خود نبی ﷺ اگر کسی مجلس میں شرکت فرماتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی اور جگہ ملتی وہیں تشریف فرما ہو جاتے، صدر نشین بننے اور سٹیج تک پہنچنے کے لیے لوگوں کی گردنیں پھلانگنا نبی ﷺ کی سنت تھی اور نہ ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ

(٤٦٧) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَا

یشکر الناس۔

جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری ﷜ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شخص اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔

حل عبارت: "لا یشکر" باب نصر سے فعل مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شکر کرنا اور لفظ اللہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۴۸۱۱، والترمذی: ۲۰۳۸، واحمد: ۲۰۷۰، والطیالسی: ۲۴۹۱ وغیرہ: ۷۹۱۲

مفہوم: درج بالا روایات میں زندگی کے ایسے آداب اور زریں اصول سامنے آرہے ہیں کہ اگر کوئی شخص یا معاشرہ ان کی پاسداری کرنا شروع کر دے تو اس کے مثالی ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں رہے گا، اسی بات کو دیکھئے کہ جس میں لوگوں کا شکریہ اور ان کے احسانات کا اعتراف کرنے کا جذبہ اور ہمت نہیں ہے وہ اللہ کا شکر کہاں ادا کرے گا اور اس کے احسانات کا اعتراف کیونکر کرے گا؟

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں احسان فراموشی کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ ایک قابل مذمت چیز ہے، نیز شریعت یہ چاہتی ہے کہ انسان دوسروں کے احسانات کا اعتراف کرے، طوطا چشمی کا مظاہرہ نہ کرے تاکہ اس کے دل میں اپنے پروردگار کا شکر ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔

جبکہ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہم لوگ کسی کا احسان ماننا اور اس کا اعتراف کرنا تو بڑی دور کی بات ہے، اس مہربانی اور احسان کو بھی کسی سازش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور ذاتی مفادات کا حصہ گردانتے ہیں حالانکہ یہ تو قرآن کا اصول ہے۔

لئن شکرتم لازیدنکم

بَابُ التَّوَقِّيْ عَنِ الظُّلْمِ

(۶۸۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِيَّاكَ وَالظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

ظلم سے بچنے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمر﷜ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن

اندھیروں کی شکل میں ہوگا۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاري: ٢٤٤٧، ومسلم: ٦٥٧٦ (٢٥٧٩)، والترمذي: ٢٠٣٠۔

فائدہ: یہاں ظلم کی صورتیں بیان کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اس کی جامع اور مانع تعریف ذکر کر دی جائے تاکہ اس کی مختلف صورتیں اور مثالیں خود بخود ہر شخص کی سمجھ میں آ جائیں، چنانچہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ ظلم کا معنی ہے

"وضع الشيء في غير محله"

یعنی کسی چیز کا جو مقام بنتا ہے اسے وہاں سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دینا ظلم کہلاتا ہے مثلاً ٹوپی کا مقام سر اور جوتی کا مقام پاؤں ہے، اگر کوئی شخص ٹوپی کو پاؤں اور جوتی کو سر پر رکھ دے تو اسے ظالم کہا جائے گا؟

اس سے معلوم ہوا کہ ظلم کا تعلق زندگی کے کسی خاص شعبے سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر شعبے اور ہر لمحے سے ہو سکتا ہے اور اسی مناسبت سے قرآن کریم میں شرک کو بھی ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ الوہیت کا مقام صرف پروردگار عالم کو حاصل ہے، کسی اور کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانا گویا الوہیت کو اس کے غیر محل میں رکھنا ہے اور یہی ظلم ہے۔

اس اعتبار سے یہ حدیث بھی "جوامع الکلم" میں سے ہے جس کے تحت بہت سی مثالیں ذکر کی جا سکتی ہیں۔

بَابُ مَنْ أَخَذَ الشَّيْءَ لِأَخِيهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ

(٤٦٩) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ زَارَ قَوْمًا مِنَ الْأَنْصَارِ فِي دِيَارِهِمْ فَذَبَحُوا لَهُ شَاةً وَصَنَعُوا لَهُ مِنْهَا طَعَامًا فَأَخَذَ مِنَ اللَّحْمِ شَيْئًا فَلَاكَهُ فَمَضَغَهُ سَاعَةً لَا يُسِيغُهُ فَقَالَ مَا شَأْنُ هَذَا اللَّحْمِ فَقَالُوا شَاةٌ لِفُلَانٍ ذَبَحْنَاهَا حَتَّى يَجِيءَ فَنُرْضِيَهُ مِنْ ثَمَنِهَا قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَطْعِمُوهَا الْأَسْرَى.

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ صَنَعَ طَعَامًا فَدَعَاهُ فَقَامَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ وَقُمْنَا مَعَهُ فَلَمَّا وُضِعَ الطَّعَامُ تَنَاوَلَ النَّبِيُّ ﷺ بَضْعَةً مِنْ ذَلِكَ اللَّحْمِ فَلَاكَهَا فِي فِيهِ طَوِيلًا فَجَعَلَ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَأْكُلَهَا فَأَلْقَاهَا مِنْ فِيهِ وَأَمْسَكَ عَنِ الطَّعَامِ فَقَالَ أَخْبِرْنِي عَنْ لَحْمِكَ هَذَا مِنْ أَيْنَ هُوَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ شَاةٌ كَانَتْ لِصَاحِبٍ لَنَا فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَنَا فَنَشْتَرِيَهَا مِنْهُ وَعَجِلْنَا بِهَا فَذَبَحْنَاهَا وَصَنَعْنَاهَا لَكَ حَتَّى يَجِيءَ فَنُعْطِيَهُ ثَمَنَهَا فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَفْعِ هَذَا الطَّعَامِ وَأَمَرَ أَنْ تُطْعَمَهُ الْأَسْرَى قَالَ عَبْدُ الْوَاحِدِ قُلْتُ لِأَبِي حَنِيفَةَ مِنْ أَيْنَ أَخَذْتَ هَذَا الرَّجُلُ يَعْمَلُ فِي مَالِ الرَّجُلِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ يَتَصَدَّقُ بِالرِّبْحِ قَالَ أَخَذْتُهُ مِنْ حَدِيثِ عَاصِمٍ.

اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابو بردہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ انصار کے ایک خاندان میں ان کی ایک جماعت سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے انہوں نے نبی علیہ السلام کی مہمان نوازی کے لیے بکری ذبح کی اور اس کا کھانا تیار کیا' نبی علیہ السلام نے اس کی ایک بوٹی اٹھائی اور اسے منہ میں ڈالا' کچھ دیر تک آپ ﷺ اسے چباتے رہے لیکن وہ حلق سے نیچے نہ اتر سکی' پوچھا کہ اس بکری کا کیا قصہ ہے؟ اہل خانہ نے بتایا کہ یہ فلاں شخص کی بکری ہے' جو ہم نے ذبح کر لی ہے' وہ آئے گا تو اسے قیمت دے کر منا لیں گے' نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ قیدیوں کو کھلا دو۔

حل لغات: "فلاکہ" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی لقمہ چبانا' منہ میں گھمانا۔ "لا یسیغہ" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے' بمعنی موافق نہ آنا۔ "نعرضہ" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے' بمعنی راضی کرنا۔ "الاسراء" اسیر کی جمع ہے' بمعنی قیدی۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابوداؤد: ۳۳۳۲ والدارقطنی: ۴/۲۸۵۔

مقصد و مراد: فقہاء کرام نے اس حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط کیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی توانائیاں امت کی بھلائی کی خاطر اسی نیک کام میں خرچ کرنے کا عزم کر رکھا ہے' جس پر ہم ان کے شکر گزار اور ان کے لیے دعاء گو ہیں' ان فقہی مسائل کو فقہی کتابوں کے حوالے کرتے ہوئے ہمارے لیے اس حدیث میں دلچسپی کا نقطہ نبی علیہ السلام کی وہ فضیلت ہے جو اس حدیث کا مدار ہے اور وہ یہ کہ پروردگار عالم نے نبی علیہ السلام کی یہاں تک حفاظت فرمائی کہ ایک مشتبہ غذاء کو آپ کے جسم کا حصہ نہیں بننے دیا' خیال کیا جا سکتا ہے کہ محرمات سے حفاظت کس درجے ہوگی؟

پھر جس ذات کو مشتبہ اور حرام غذاؤں سے بچایا گیا ہو' کیا یہ ممکن ہے کہ اسے مشتبہ اور مشکوک شخصیات و افراد سے نہ بچایا گیا ہو؟ جس ذات کے معدہ نے ایک مشتبہ چیز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہو' کیا یہ ممکن ہے کہ اس کا قلب و دماغ کسی مشکوک شخصیت کو قبول کر لیتا؟ یقیناً یہ ناممکن ہے اور اسی وجہ سے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے تمام صحابہ کرامؓ ہمارے لیے معیار نجات اور راہ ہدایت کا چمکتا دمکتا ستارہ ہیں جن میں سے کسی ایک کی راہنمائی بھی ہمیں جنت تک پہنچانے کے لیے کافی ہے۔

اس حدیث پر ایک دوسرے نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ جس شخص کی زبان پر ایک مشتبہ بوٹی نہ ٹھہر سکی کیا اس پر شیطانی کلام ٹھہر سکے گا؟ بھلا جس کے حلق سے ایک مشکوک غذا کا ایک لقمہ نہ اتر سکا' اس کی زبان سے نکلنے والے کسی لفظ میں شک کی راہ اختیار کرنا صحیح ہوگا' کیا اس کے ارشادات کو محض انسانی کلام قرار دے کر اقوال زریں کے درجے پر فائز کرنا صحیح ہوگا؟ یقیناً نہیں' کیونکہ اللہ نے ہر مشتبہ چیز سے ان کی حفاظت فرمائی ہے اور خدائی وعدہ ہے

واللہ یعصمک من الناس

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ

(٤٧٠) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ۔

نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والے کا بیان

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والا بھی ایسے ہی ہے جیسے نیکی کرنے والا۔

(٤٧١) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والا بھی ایسے ہی ہے جیسے نیکی کرنے والا۔

(٤٧٢) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَاسْتَحْمَلَهُ فَقَالَ مَا عِنْدِيْ مَا اَحْمِلُكَ عَلَيْهِ وَلٰكِنْ سَاَدُلُّكَ عَلٰى مَنْ يَحْمِلُكَ اِنْطَلِقْ اِلٰى مَقْبَرَةِ بَنِيْ فُلَانٍ فَاِنَّ فِيْهَا شَابًّا مِنَ الْاَنْصَارِ يَتَرَامٰى مَعَ اَصْحَابٍ لَهُ وَمَعَهُ بَعِيْرٌ لَهُ فَاسْتَحْمِلْهُ فَاِنَّهُ سَيَحْمِلُكَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ فَاِذَا بِهٖ يَتَرَامٰى مَعَ اَصْحَابٍ لَهُ فَقَصَّ عَلَيْهِ الرَّجُلُ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ فَاسْتَحْلَفَهُ بِاللّٰهِ لَقَدْ قَالَ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَحَلَفَ لَهُ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا ثُمَّ حَمَلَهُ فَمَرَّ بِهٖ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ فَاَخْبَرَهُ الْخَبَرَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنْطَلِقْ فَاِنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَهُ يَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا عِنْدِيْ مِنْ شَيْءٍ اَحْمِلُكَ عَلَيْهِ وَلٰكِنْ اِنْطَلِقْ اِلٰى مَقْبَرَةِ بَنِيْ فُلَانٍ فَاِنَّكَ سَتَجِدُ ثَمَّهُ شَابًّا مِنَ الْاَنْصَارِ يَتَرَامٰى مَعَ اَصْحَابٍ لَهُ فَاسْتَحْمِلْهُ فَاِنَّهُ سَيَحْمِلُكَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ حَتّٰى اَتَى الْمَقْبَرَةَ قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ فَاسْتَحْلَفَهُ فَقَالَ وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَرْسَلَنِيْ اِلَيْكَ فَاَعْطَاهُ بَعِيْرًا لَهُ فَانْطَلَقَ بِهِ الرَّجُلُ فَاَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَهُ ﷺ اِنْطَلِقْ فَاِنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی نے آ کر سواری کی درخواست کی، نبی ﷺ نے فرمایا میرے پاس تو کچھ نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کر سکوں البتہ میں تمہیں ایک ایسے آدمی کا پتہ دیتا ہوں جو تمہیں سواری مہیا کر دے گا، تم فلاں قبیلے کے قبرستان چلے جاؤ، وہاں ایک انصاری نوجوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیر اندازی کا مقابلہ کر رہا ہوگا، اس کے پاس ایک اونٹ ہوگا، تم اس سے یہ درخواست کرنا وہ تمہیں سواری مہیا کر دے گا، وہ آدمی چلا گیا، وہاں پہنچ کر اسے وہ نوجوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیر اندازی کرتا ہوا مل گیا، اس نے سارا واقعہ اس نوجوان کو سنایا، اس

بظاہر اسی وجہ سے اسے افضل ترین جہاد قرار دیا گیا ہے۔

اور الحمد للہ! امت میں ہمیشہ میدان جہاد میں جام شہادت نوش کرنے والے افراد بھی موجود رہے ہیں اور کلمۂ حق کا فریضہ ادا کرنے والے بھی اپنی جان پر کھیل کر امت کو سرخرو کرتے رہے ہیں خواہ وہ ماضی کے حجاج بن یوسف کے سامنے ہوں یا دورِ حاضر کے آمروں کے سامنے' ان کی ایک للکار ایوان کفر پر لرزہ طاری کر دیتی ہے' ان کی ایک پکار پوری قوم کے لیے حیات نو کا سہارا ہوتی ہے اور ان کا ایک ایک قدم اللہ کی راہ میں اٹھتا ہے خواہ وہ سعید بن جبیر ہوں' مجدد الف ثانی ہوں' شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہوں' سید احمد شہید بریلوی ہوں یا غازی عبدالرشید شہید۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

بَابُ الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ

(۷۷۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عُمَيْرٍ حَدَّثَهُ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اسْتَشَارَكَ فَاَشِرْهُ بِالرُّشْدِ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَقَدْ خُنْتَهُ.

جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص تم سے مشورہ مانگے' اسے اچھا مشورہ دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس سے خیانت کی۔

حل لغات: "استشارك" باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مشورہ طلب کرنا "فاشره" باب افعال سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی مشورہ دینا "خنت" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا مذکر صیغہ ہے بمعنی خیانت کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی نحوه: ۲۸۲۲' وابوداؤد: ۵۱۲۸' واحمد: ۸۷۴۹۔

مفہوم: پوری دنیا میں ہمیشہ یہ اصول کارفرما رہا ہے کہ انسان جس پر اعتماد کرتا ہے اسی سے اپنے دل کی بات کہتا ہے اور اسی سے اپنے نجی و ذاتی معاملات میں مشورہ کرتا ہے لیکن اگر حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو دوسرے کے اعتماد پر پورا اترنے والوں کی تعداد بہت کم ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم جس سے اپنے دل کی بات کہتے ہیں وہ دوسروں کے سامنے اس کی تشہیر کرتا پھرتا ہے اور جس سے ہم اپنے نجی معاملات میں مشورہ کرتے ہیں وہ مخلصانہ مشورہ دینے کی بجائے ان نجی معاملات کو بھی اپنے ملنے جلنے والوں تک پہنچانا اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے درمیان باہمی اعتماد ختم ہو گیا' دوستی کے پیمانے بدل گئے اور لوگوں نے اپنے اندر ہی اندر گھلنا اور پگھلنا شروع کر دیا' اگر ہم کسی کے اعتماد پر پورے نہیں اتر سکتے تو کیا ہم میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ

اسے اپنی طبیعت سے آگاہ کر دیں؟ اگر ہم کسی کو صحیح مشورہ نہیں دے سکتے تو کیا ہم میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں کہ اس سے معذرت کر لیں کہ اس وقت میرے ذہن میں کوئی اچھی تجویز نہیں آ رہی؟

میں تو حیران ہوں کہ اب مشورہ دینے والا مشورہ دیتے وقت اپنے مفاد کو عزیز رکھنے لگا ہے خواہ اس سے دوسرے کا نقصان ہی ہو جائے‘ اے کاش! ہم لوگوں کی زندگی تبدیل کرنے سے قبل اپنی زندگی کو تبدیل کر سکیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ تَمْثِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ

(۴۷۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ كَمَثَلِ جَسَدٍ وَاحِدٍ اِذَا اشْتَكَى الرَّأْسُ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُهٗ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى۔

مسلمانوں کی مثال کا بیان

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپس میں محبت اور ایک دوسرے پر رحم کرنے میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ اگر سر کو تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہوتا ہے۔

تحقیق وتشریح: "توادھم" محبت ومودت‘ باب تفاعل کا مصدر "اشتکی" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شکایت کرنا "تداعی" باب تفاعل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی موافقت کرنا "السھر" شب بیداری "الحمی" بخار۔

تخریج: اخرجه البخاری: ۶۰۱۱‘ ومسلم: ۶۵۸۶ (۲۵۸۶) والترمذی: ۲۶۷۳‘ وابن ماجه: ۳۹۸۴‘ وابن حبان: ۲۹۷‘ ۲۳۳۔

مفہوم: مسلمانوں میں باہمی محبت والفت اور تعلق کی اس سے بہترین مثال کوئی نہیں ہو سکتی جو جناب سرور دو عالم ﷺ نے بیان فرمائی ہے‘ واقعی اگر جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو دوسرا حصہ یہ نہیں کہتا کہ یہ تکلیف مجھے تو نہیں ہے‘ جسے یہ تکلیف ہے وہ خود اس کے ازالے کی کوشش کرے‘ اگر ایسا ہو جائے تو پاؤں کبھی انسان کو ڈاکٹر کے پاس نہ لے جائے‘ آنکھیں کبھی راستہ نہ دکھائیں‘ کان کبھی ڈاکٹر کی ہدایات نہ سنیں‘ ہاتھ کبھی فیس ادا نہ کرے‘ پورا جسم کبھی بے آرامی کا شکار نہ ہو‘ ایسا نہیں ہوتا کیونکہ جسم کے ہر حصے کو دوسرے حصے کا احساس ہے اور وہ اس کی خوشی غمی میں برابر کا شریک ہے‘ نجانے آج کے مسلمان کو کیا ہو گیا ہے کہ اسے کسی چیز کا دکھ اور احساس ہی نہیں ہوتا‘ جتنی مرضی بڑی قیامت بیت جائے‘ ہماری نظروں میں لال مسجد والے ہی برے رہیں گے‘ ہم جامعہ حفصہ والوں کو ہی اپنی صفوں سے خارج کریں گے۔ فالی اللہ المشتکی۔

بَابُ وَصِيَّةِ جِبْرِيْلَ بِالْجَارِ

(۴۷۶) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حَزْمٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا زَالَ جِبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ يُوَرِّثُهٗ وَمَا زَالَ جِبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّ خِيَارَ اُمَّتِيْ لَا يَنَامُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی پڑوسی کے متعلق وصیت

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے جبریل مسلسل پڑوسی کے متعلق وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ اسے وارث بنا دیا جائے گا اور مجھے جبریل مسلسل قیام اللیل کی وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ میری امت کے بہترین لوگ رات کو بہت تھوڑا سوئیں گے۔

تحلیل نحوی وصرفی: "یوصینی" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وصیت کرنا "یورثه" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی وارث بنانا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری مختصراً: ۶۰۱۴، ومسلم: ۶۶۸۷ (۲۶۲۵)، والترمذی: ۱۹۴۲، وابن ماجه: ۳۶۷۳، وابن حبان: ۵۱۱، ۵۱۲، وابوداؤد: ۵۱۵۲۔

مفہوم: اس حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف سے دو چیزوں کی بکثرت تاکید کا ذکر آیا ہے ایک تو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا اور دوسرے قیام اللیل یعنی تہجد کا ان میں سے پہلی چیز کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور دوسری کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اس تقدیم وتاخیر میں نکتہ یہ ہے کہ حقوق العباد کی اہمیت کو واضح کیا جائے کیونکہ اکثر لوگ اس میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اسی وجہ سے روایات میں آتا ہے کہ اگر تمہارا ہمسایہ اور پڑوسی اگر بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو فوت ہو جائے تو جنازہ میں شرکت کرو قرض کی درخواست کرے تو قرض دے دو تنگدست ہو تو اس کی پردہ پوشی کرو اسے کوئی خوشی نصیب ہو جائے تو مبارک باد دو غم کا شکار ہو تو اس کے غم میں شریک ہو اپنا مکان اس کے مکان سے اونچا نہ بناؤ کہ اس کی ہوا رک جائے اگر پھل اور میوہ خرید کر لاؤ تو اسے بھی بھیجو اگر نہیں بھیج سکتے تو اسے چھپا کر رکھو۔

اس فہرست پر ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمایئے! کیا ہم واقعی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں یا ہمارا پڑوسی رات کو "بھوک" اپنے پیٹ پر تھم کر سو جاتا ہے اور ہم مرغ مسلم کی دعوتیں اڑاتے پھرتے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ مہینہ بھر سے بیمار پڑا ہوا ہو اور ہمیں اس بات کی بھی فرصت نہ ہو کہ جا کر اس کی عیادت ہی کر لیں؟ سوچئے اور غور کیجئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِغَاثَةِ اللَّهْفَانِ

(۱۷۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ إِغَاثَةَ اللَّهْفَانِ۔

مظلوموں کی فریادرسی کا بیان

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ مظلوموں کی مدد کرنے کو پسند کرتا ہے۔

حل عبارت: "اغاثة" باب افعال کا مصدر ہے بمعنی دادرسی کرنا' فریادرسی کرنا "اللهفان" مظلوم۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن خسرو من طريق الحسن بن زياد في مسنده عن ابي حنيفة الامام ورواه اخرجه احمد في مسنده وابو يعلى وابن عساكر۔

مفہوم: مظلوم کو دیکھ کر اس کا مذاق اڑانا مردانگی نہیں' ظلم وستم کی چکی میں پستے ہوئے بے بس مرد و عورت پر مزید ظلم وستم کے پہاڑ توڑنا غیرت مندی نہیں اور ظالم کے ساتھ مل کر مظلوم کا استحصال کرنا شرافت نہیں' مردانگی تو یہ ہے کہ ظالم کا ہاتھ پکڑ کر توڑ دے تاکہ آئندہ وہ کسی پر ظلم نہ کر سکے' غیرت مندی تو یہ ہے کہ مظلوم کو جان و مال کا تحفظ دے اور شرافت تو یہ ہے کہ مظلوم کی عزت و آبرو کو اپنے اہل خانہ کی عزت سمجھے۔

کیونکہ مظلوم کی دعا بھی بہت جلدی قبول ہوتی ہے اور بددعا بھی' اس لیے کہ وہ شکستہ دل ہوتے ہیں اور حدیث قدسی میں آتا ہے "انا عند المنكسرة قلوبهم" اور وہ اللہ کے قریب بھی ہوتے ہیں چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے۔

"اتق دعوة المظلوم فانه ليس بينه وبين الله حجاب"

اس لیے مظلوم کی ہر ممکن مدد کرنا انسانیت کا تقاضا بھی ہے اور اللہ کا محبوب ہونے کی دلیل بھی۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ سَبِّ الدَّهْرِ

(۱۷۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الدَّهْرُ۔

زمانہ کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا زمانے کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے۔

حل عبارت: "لا تسبوا" باب نصر سے فعل نہی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی گالی دینا' برا بھلا کہنا "الدهر" زمانہ' اس کی جمع "دهور" آتی ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۶۱۸۱ ومسلم: ۵۸۶۲ (۲۲۴۶) وابوداؤد: ۵۲۷۴۔

مفہوم: اس حدیث کا مفہوم سمجھنے سے پہلے ایک مثال سمجھ لیجئے تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور وہ یہ کہ آپ اپنے گھر میں لکڑی کا کام کروانے کے لیے کسی ماہر بڑھئی اور ترکھان کو بلاتے ہیں، اسے کام سمجھاتے ہیں، سامان مہیا کرتے ہیں اور کام ختم ہونے پر اس کی مزدوری دے دیتے ہیں، کام ختم ہونے پر وہ آپ سے پوچھتا ہے کہ آپ میرا کام آپ کی مرضی کے مطابق ہوا یا نہیں؟ اور آپ کو پسند آیا یا نہیں؟ اگر آپ اس کے کام کی تعریف کرتے ہیں اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں تو اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگتا ہے اور اگر آپ اس کے کام میں نقص نکالیں اور یوں کہیں کہ فلاں الماری تو بالکل ہی بھدی لگ رہی ہے، فلاں دروازہ ٹیڑھا لگا ہوا ہے اور فلاں لکڑی مضبوطی کے ساتھ نہیں لگی ہوئی تو ایک دم اس کے چہرے پر اس کے اثرات بھی نمایاں ہو جائیں گے۔

اب اگر اس سے کوئی پوچھے کہ بھئی! یہ تم نے رونی صورت کیوں بنا رکھی ہے؟ مالک نے تو تمہیں کوئی نقص تھوڑی نکالا ہے، اس نے تو کام میں نقص نکالا ہے؟ اس نے صانع پر تو اعتراض نہیں کیا، اس نے تو مصنوع پر اعتراض کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ اس کا یہی جواب دے گا کہ مصنوع پر اعتراض درحقیقت صانع پر اعتراض ہے اور کام پر اعتراض درحقیقت کام کرنے والے پر اعتراض ہے اس لیے وہ مجھ پر ہی اعتراض کر رہا ہے اور اسی وجہ سے میں غمگین ہوں۔

بس اسی طرح سمجھ لیجئے کہ زمانے کو برا بھلا کہنے والے درحقیقت زمانہ بنانے والے کو برا بھلا کہتے ہیں، اسی بناء پر علماء کرام فرماتے ہیں کہ ”اللہ ہی زمانہ ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی خالق زمانہ ہے گویا مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یہ ہے:

”فان اللہ ھو خالق الدھر“

اس لیے زمانے کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے۔

بَابُ مَا قِيلَ فِي حُبِّ الرَّجُلِ الشَّيْءَ

(۷۹) قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وُلِدْتُ سَنَةَ ثَمَانِيْنَ وَقَدِمَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُنَيْسٍ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْكُوْفَةَ سَنَةَ اَرْبَعٍ وَتِسْعِيْنَ وَرَاَيْتُهُ وَسَمِعْتُ مِنْهُ وَاَنَا ابْنُ اَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ۔

آدمی کا کسی چیز کی محبت میں فریفتہ ہو جانا

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میری پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی اور حضرت عبداللہ بن انیسؓ جو صحابی رسول ہیں ۹۴ھ میں کوفہ تشریف لائے تھے، میں نے ان کی زیارت بھی کی ہے اور ان سے حدیث کی سماعت بھی کی ہے، اس وقت میری عمر

چودہ سال تھی) وہ فرماتے تھے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی چیز کی محبت تمہیں اندھا بہرا کرسکتی ہے۔

حَلِّ عِبَارَت: "حبك الشيء" حب مصدر ہے "ک" ضمیر اس کا فاعل ہے اور "الشيء" مفعول بہ ہے اور اسی وجہ سے منصوب بھی ہے "يعمي" : باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اندھا کردینا "يصم" مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بہرا کردینا۔

تَخْرِيج حَدِيث: أخرجه أبو داؤد: ٥١٣٠ وأحمد: ٢١٦٩٤ وعبد بن حميد: ٢٠٥ وهو من الوحدانيات لأبي حنيفة الإمام

مَفْهُوم: "محبت" ایک پاکیزہ جذبہ ہے جو مال و دولت عہدہ و منصب اور حسن و جمال کی کم تر چیزوں کا محتاج نہیں ہوتا' اب دنیا سے محبت رخصت ہوگئی ہے اور محبت کا دعویٰ کرنے والے درحقیقت حرص و لالچ اور ہوس و ہوس کو محبت سمجھ بیٹھے ہیں' یہ ایک دھوکہ ہے جس کے ذریعے لوگ اپنے مقاصد حاصل کرکے اپنے محبوب کو بیچ دریا کے چھوڑ آتے ہیں' لیکن اگر ایک لمحے کے لیے اس حرص و طمع سے بھرپور ملاقات اور تعلق ہی کو "محبت" تسلیم کرلیا جائے تب بھی حدیث کا مدعا واضح ہے کہ لوگ اس کی خاطر ہر چیز سے آنکھیں بند کرلیتے ہیں' اور کسی ناصح کی نصیحت سن کر بھی ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی' وہ اپنے والدین اور بہن بھائیوں تک کو فراموش کردیتے ہیں' اپنا کیریئر داؤ پر لگا دیتے ہیں اور اپنے تمام خاندان کو بھی پشت ڈال دیتے ہیں' یہ پیغمبر اسلام ﷺ کی صداقت ہے جو کھلی آنکھوں ہمیں نظر آرہی ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الشَّمَاتَةِ

(۴۸۰) أَبُوْ حَنِيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ وَاثِلَةَ بْنَ الْأَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا تُظْهِرَنَّ شَمَاتَةً لِأَخِيْكَ فَيُعَافِيَهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيَكَ اللّٰهُ۔

کسی کی مصیبت پر خوش ہونے کی ممانعت کا بیان

تَرْجَمَہ: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقعؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار بھی نہ کرنا' ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عافیت دے دے اور تمہیں اس میں مبتلا کردے۔

حَلِّ عِبَارَت: "لا تظهرن" باب افعال سے نہی معروف بانون ثقیلہ کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ظاہر کرنا "شماتة" مصیبت پر خوشی منانا۔

تَخْرِيج حَدِيث: أخرجه الترمذي: ٢٥٠٦ وهو من الوحدانيات ايضاً۔

مَفْهُوم: اللہ سے ڈرنے والے لوگ تو اپنے دشمن کی تکلیف اور مصیبت پر خوشی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اس پر غمگین

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ جسم انسانی میں "دل" مرکز ہے اور یہاں سے پورے جسم کو توانائی کی سپلائی ہو رہی ہے جس سے دانائی کی سپلائی ہو رہی ہے' جس سے خیر و شر کے راستے نکلتے ہیں' اب اگر دل صحیح ہے تو پورا جسم صحیح کام کرے گا اور اگر دل میں کوئی خرابی ہے تو پورے جسم میں خرابی کی سرایت کر جائے گی۔

اگر دل تقویٰ و للہیت سے بھرپور ہو تو پورے جسم میں تقویٰ و للہیت کی سپلائی ہو گی' پھر آنکھ کا بٹن دبانے پر تقویٰ ہی کا ظہور ہو گا' کان کا بٹن دبانے پر تقویٰ ہی کا نغمہ چلے گا' زبان کا بٹن دبانے پر تقویٰ ہی کا بلب جلے گا اور اگر دل شیطان کی آماجگاہ بنا ہوا ہو تو ہر بٹن دبانے پر شیطانیت جھلکی دکھائے دے گی۔

اس لیے قلب کی اصلاح بہت ضروری ہے' اسے ہر طرح کی آلائشوں اور گندگیوں سے پاک کرنا ضروری ہے تاکہ اس میں حسد' بغض' عداوت' کینہ' تکبر' چغلی' خود نمائی' خود ستائی' خود پسندی اور دیگر رذائل پنپ نہ سکیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَعِيْشَةِ النَّبِيِّ ﷺ

(۴۸۲) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعْنَا ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا مِنْ خُبْزٍ مُتَتَابِعًا حَتّٰى فَارَقَ مُحَمَّدٌ ﷺ وَمَا زَالَتِ الدُّنْيَا عَلَيْنَا كَدِرَةً عَسِرَةً حَتّٰى فَارَقَ مُحَمَّدٌ ﷺ الدُّنْيَا فَلَمَّا فَارَقَ مُحَمَّدٌ ﷺ الدُّنْيَا صُبَّتْ عَلَيْنَا صَبًّا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ صُبَّتِ الدُّنْيَا عَلَيْنَا صَبًّا وَفِيْ رِوَايَةٍ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ ﷺ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ مُتَوَالِيَةٍ مِنْ خُبْزِ الْبُرِّ۔

نبی علیہ السلام کی معیشت کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم مسلسل تین دن رات تک کبھی بھی روٹی سے سیراب نہیں ہوئے یہاں تک کہ نبی علیہ السلام دنیا سے رخصت ہو گئے اور ہم پر دنیا ہمیشہ تنگ اور مکدر رہی یہاں تک کہ نبی علیہ السلام دنیا سے رخصت ہو گئے' جب وہ دنیا سے تشریف لے گئے تو ہم پر دنیا انڈیل دی گئی۔

حل عبارت: "ما شبعنا" باب سمع سے فعل ماضی منفی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے' بمعنی سیراب ہونا "متتابعا" مسلسل "فارق" باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی جدا ہونا "صبت" باب نصر سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے' بمعنی انڈیلنا۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذي: ۲۳۵۸' ومسلم: ۷۴۴۴ (۲۹۷۰) وابن ماجه: ۳۳۴۴' والنسائي: ۶۳۴۶' واحمد: ۹۶۰۹۔

مفہوم: زندگی کا یہ نقشہ کسی عام شخص کے حالات کی عکاسی نہیں کرتا' یہ اس ہستی کی زندگی کی عکاسی کر رہا ہے جس سے

اللہ خود محبت کرتا تھا، جسے اللہ نے کائنات رنگ و بو کی وجہ تخلیق قرار دیا تھا، جس نے ایک آنسو پر اس کا عرش حرکت میں آ جاتا تھا، جس کی ایک دعاء پر دنیا کے ضابطے بدل دیے جاتے تھے، جس کی ایک آہ پر پوری امت کے لیے عذاب سے محفوظ ہونے کے فیصلے کر دیے جاتے تھے، جس کے ایک حکم پر لوگوں کی گردنیں اس کے لیے جھک جایا کرتی تھیں، جس کے وضو کا پانی اور ناک کی رینٹھ لوگوں کے لیے تبرک کی حیثیت رکھتے تھے، جس کا ایک ایک قدم لوگوں کے لیے نشانِ زندگی تھا، جو چلا تو کائنات چلی اور رکا تو پوری کائنات رک گئی۔

اس مبارک ہستی کے اہل خانہ پر بھوکے پیٹ بغیر کھائے تین تین دن گزر جایا کرتے تھے، خود وہ ذات اپنی پوری زندگی میں تین دن تک تسلسل کے ساتھ پیٹ بھر کر روٹی نہیں کھا سکی، حالانکہ ان کی شخصیت تو اتنی عظیم تھی کہ اگر وہ صرف اس پیشکش کو قبول کرنے کی حامی بھر لیتے کہ احد پہاڑ کو سونا بنا دیا جائے تو احد پہاڑ پتھر کی بجائے سونے کا بن جاتا، لیکن قربان جائیے ان کی شخصیت جتنی عظیم تھی، ان کا حوصلہ بھی اتنا ہی عظیم تھا، اسی لیے فرماتے تھے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو تین دن سے پہلے پہلے سب کا سب راہ خدا میں تقسیم کر دوں اور اپنے پاس صرف اتنا رکھوں کہ اپنا قرض ادا کر سکوں۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر شخصیت بڑی ہو لیکن حوصلہ بڑا نہ ہو تو شخصیت کا بڑا پن بھی ختم ہو جاتا ہے اور اگر حوصلہ بڑا ہو تو شخصیت میں خود بخود بڑا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اے کاش! ہماری بڑی شخصیات کا حوصلہ بھی بڑا ہو جائے۔

بَابُ مَنْ يَكُونُ أَشَدَّ بَلَاءً

[٤٨٢] أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي شَكَاةٍ شَكَاهَا فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلَى عَبَاءَةٍ وَقَطْوَانِيَّةٍ وَمِرْفَقَةٍ مِنْ صُوفٍ حَشْوُهَا إِذْخِرٌ فَقَالَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ كِسْرَى وَقَيْصَرُ عَلَى الدِّيبَاجِ فَقَالَ يَا عُمَرُ أَمَا تَرْضَى أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَكُمُ الْآخِرَةُ ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ مَسَّهُ فَإِذَا هُوَ فِي شِدَّةِ الْحُمَّى فَقَالَ نَعَمْ هَكَذَا وَأَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنَّ أَشَدَّ هَذِهِ الْأُمَّةِ بَلَاءً نَبِيُّهَا ثُمَّ الْخَيْرُ ثُمَّ الْخَيْرُ وَكَذَلِكَ كَانَتِ الْأَنْبِيَاءُ قَبْلَكُمْ وَالْأُمَمُ۔

ترجمہ: حضرت عمر فاروقؓ ایک مرتبہ نبی ﷺ کے بیمار ہونے پر عیادت کے لیے حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ ﷺ "قطوانا" کی بنی ہوئی ایک کھردری چادر پر لیٹے ہوئے ہیں اور اون کا تکیہ رکھا ہوا ہے جس میں "اذخر" نامی گھاس بھری ہوئی ہے، عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر نثار! قیصر و کسریٰ ریشم پر آرام کریں (اور آپ اس تنگی میں رہیں؟) فرمایا عمر! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ انہیں دنیا مل جائے اور ہمیں آخرت۔

پھر حضرت عمر فاروق ﷜ نے نبی ﷺ کے جسم مبارک پر ہاتھ لگایا تو وہ انتہائی تیز بخار میں تپتا ہوا محسوس ہوا، عرض کیا کہ آپ کو بھی اس طرح بخار ہوتا ہے حالانکہ آپ پیغمبر خدا ہیں؟ فرمایا اس امت میں سب سے زیادہ سخت تکلیف نبی کو ہوتی ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ بہترین لوگوں کو اور تم سے پہلے دیگر انبیاء کرام ﷩ اور امتوں کا بھی یہی حال تھا۔

حَلِّ عِبَارَت: "شکاة" ای مرض "عباءة" کمر دری چادر "قطوانية" ایک جگہ کی طرف منسوب "مسه" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھونا "تحم" فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بخار میں جلا ہونا "الخير" خیر کی جمع ہے بمعنی بہترین لوگ۔

تَخْرِيجِ حَدِيث: اخرجه البخاري في الصحيح: ۵۶۴۸، ومسلم في صحيح: ۶۵۵۹ (۲۵۷۱) والترمذي: ۲۳۹۸ وابن حبان: ۲۹۲۱ واما قوله ﷺ اشد بلاء فقد اخرجه الترمذي: ۲۳۹۸۔

مَفْهُوم: اس حدیث کا آخری جملہ "جس میں انبیاء کرام ﷩ کی تکالیف کو شدید ترین قرار دیا گیا ہے" سمجھنے کے لیے ماں کی محبت پر غور کرنا ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی ذرا سی تکلیف پر بھی کس طرح تڑپتی ہے اور اولاد کی معمولی سی بھی لاپرواہی اسے کس قدر اذیت پہنچاتی ہے اور اپنی اولاد کی گستاخی اور بدتمیزی پر وہ اندر ہی اندر کتنا کڑھتی ہے گو کہ یہ تکلیف باپ بھائیوں اور بہنوں کو بھی ہوتی ہے اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی لیکن درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے۔

حضرت انبیاء کرام ﷩ کو اپنی امت سے ماں کی نسبت بہت زیادہ محبت ہوتی ہے اس لیے اس کی معمولی سے لاپرواہی بھی انہیں بے چین کر دیتی ہے اور معمولی گستاخی و بدتمیزی بھی ان کے دل پر گہرا اثر چھوڑتی ہے جس کا احساس نہ تو امت کو ہوتا ہے اور نہ بعد والوں کو البتہ انبیاء کے قریب رہنے والے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے والے درجہ بدرجہ اس کی تکلیف اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔

پھر چونکہ نبی ﷺ اللہ کے آخری نبی اور مصائب پر بھی نہیں بلکہ پوری امت پر تمام انبیاء سے زیادہ شفیق تھے اس لیے آپ ﷺ کو اپنی امت کی معمولی سی لاپرواہی اور گستاخی بھی بہت تکلیف پہنچاتی تھی اسی چیز کو احادیث میں نبی ﷺ نے اپنے لیے دیگر انبیاء کرام ﷩ کی نسبت زیادہ ثابت کیا ہے جس پر بعض اوقات ایک طالب علم کا اشکال ذہن میں آتا ہے کہ حضرت نوح ﷤، حضرت ابراہیم ﷤، حضرت یوسف ﷤، حضرت موسیٰ ﷤ اور حضرت عیسیٰ ﷤ پر آنے والے مصائب بظاہر زیادہ شدید محسوس ہوتے ہیں اور نبی ﷺ ان سب کی نسبت اپنے مصائب کو زیادہ شدید قرار دے رہے ہیں؟ ہماری مذکورہ بالا تقریر سے اس اشکال کا جواب بھی واضح ہو گیا۔ واللہ اعلم

(٤٨٤) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ عَفَا عَنْ دَمٍ لَمْ يَكُنْ لَهُ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص خون معاف کر دیتا ہے اس کا ثواب جنت کے علاوہ کچھ نہیں۔

حل لغات: "عفا" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی معاف کرنا "لم یکن" نفی ہے اور "الا الجنۃ" اثبات اس سے حصر کا فائدہ ہوا۔

تخریج حدیث: اخرجه الهندي: ١٥٨٩٦ وابوداؤد مثله: ٤٤٩٦ والنسائي: ٤٧٨٧ وابن ماجه: ٢٦٩٢۔

مفہوم: اصولی طور پر تو مقتول کے ورثاء اور اولیاء کو قاتل سے قصاص لینے کا حق حاصل ہے اور شرعی طور پر اس میں کسی قسم کی کوئی قباحت بھی نہیں ہے لیکن اگر انسان اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ سوچ لے کہ اب قصاصاً قتل کرنے سے ہمارا عزیز تو واپس نہیں آئے گا اور وسعت ظرفی سے کام لے کر اسے معاف کر دے تو گویا اس نے "تخلقوا باخلاق اللہ" پر عمل کیا، اس لیے اس کا بدلہ یہی ہے کہ اسے اللہ کی وسیع جنت کا مالک بنا دیا جائے۔

اور اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر قرآن کریم کہتا ہے:

"فاجرہ علی اللہ"

اس آیت کی روشنی میں اللہ کی بارگاہ سے اسے وہ کچھ دیا جائے گا جو باری تعالیٰ کے شایان شان ہو گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دِيَةِ اَهْلِ الْكِتَابِ

(٤٨٥) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ دِيَةُ الْيَهُوْدِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ مِثْلُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ.

اہل کتاب کی دیت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہودی اور عیسائی کی دیت بھی مسلمان

کی دیت بتائی گئی ہے۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابو داؤد فی مراسیلہ و عبدالرزاق و البیہقی و الطبرانی۔

مفہوم: اس حدیث کے تحت فقہاء کرام نے اس بحث کو چھیڑا ہے کہ یہودی اور عیسائی کی دیت کتنی ہے؟ بعض حضرات کے نزدیک مسلمان کی دیت کا نصف، بعض حضرات کے نزدیک چوتھائی اور بعض کے نزدیک بالکل برابر اور مساوی اور ہر ایک کی رائے پر اس کے دلائل اور جواب دلائل کی بحث مفصل ذکر کی ہے۔

لیکن ہمیں یہ بات ذکر کرنا ہے کہ پوری دنیا میں حقوق انسانی کے علمبردار بننے والے ذرا بتا ئیں تو سہی کہ انسانی حقوق میں مساوات کو قائم رکھتے ہوئے وہ مسلمانوں کے ساتھ معاملات کیوں نہیں کرتے؟ کیا وہ اپنے مذہبی آئین میں اتنی وسعت دکھا سکتے ہیں جو اسلام نے دکھائی ہے کہ اگر مسلم ممالک میں کوئی یہودی یا عیسائی ناحق مارا جائے اور مقتول کے ورثاء اس سے دیت کا مطالبہ کریں تو انہیں اس یہودی اور عیسائی کے بدلے میں وہی دیت دی جائے گی جو ایک مسلمان کے مقتول ہونے کی صورت میں متعین کی گئی ہے، یہ صرف اسلام کا اعجاز ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ کسی یہودی اور عیسائی کا خون بھی رائیگاں نہیں جانے دیا بلکہ مقتول کے ورثاء کو اس کا معاوضہ دلوایا ہے۔

اے کاش! اسلام پر ہمرا بازی کرنے والے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں۔

بَابُ مَتٰی یُسْتَقَادُ

(۷۸۶) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یُسْتَقَادُ مِنَ الْجِرَاحِ حَتّٰی تَبْرَاَ۔

قصاص کب لیا جائے گا؟

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا زخمی کا قصاص اس کے تندرست ہونے سے پہلے نہیں لیا جائے گا۔

لغوی تحقیق: "لا یستقاد" باب استفعال سے فعل مضارع منفی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قصاص کا مطالبہ کرنا "تبرأ" باب سمع سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی تندرست ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجہ احمد مطولاً: ۲۱۷/۲۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر زید نے عمرو کو کسی چیز سے زخمی کر دیا مثلاً چھری، چاقو، تیر اور تلوار سے اور عمرو کے جسم پر زخم کا نشان پڑ گیا، خون بہنے لگا اور گوشت کٹ گیا تو اب ایک صورت تو یہ ہے کہ زید سے فوراً قصاص لیا جائے، بظاہر یہ بات صحیح بھی معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ زخمی بھی موجود ہے اور زخم لگانے والا بھی موجود ہے اور قصاص لینے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے عمرو کا علاج کروایا جائے، اس کا زخم مندمل ہونے کا انتظار کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ زخم کتنا کاری تھا، اور اس سے کیا نقصان ہوا، اس کے بعد زید سے قصاص لیا جائے، بظاہر یہ صورت قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی لیکن اگر گہرائی اور گیرائی کو سامنے رکھا جائے تو یہی دوسری صورت زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ اولاً تو زخم کا صحیح طور پر اندازہ ہو جائے گا اور زید سے انتقام لینے کی صورت میں عمرو اس پر زیادتی کرنے والا نہیں ہوگا۔

اور دوسری اہم ترین بات یہ ہے کہ اس وقت تک عمرو کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو چکا ہوگا، زید بھی اپنے فعل پر نادم و شرمسار ہوگا، ہو سکتا ہے کہ عمرو اسے معاف ہی کر دے، جو کہ انتقام کی نسبت تو بہت ہی افضل ہے اس لیے زیر بحث حدیث میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ تندرستی سے پہلے قصاص نہ لیا جائے۔

گویا اس تعلیم کے ذریعے مسلمانوں میں حوصلہ اور معاف کرنے کا جذبہ پیدا کیا گیا ہے کہ اگرچہ انتقام لینا جائز بھی ہو اور اس پر قدرت بھی ہو، پھر بھی اعلیٰ ظرفی اور بلند حوصلگی یہی ہے کہ انسان اپنے دشمن کو معاف کر دے۔ شاید اسی چیز کو دیکھ کر دشمن اپنی دشمنی ختم کر دے، لوگوں کو نقصان پہنچانے کی سرشت چھوڑ دے اور اللہ کی طرف رجوع کر لے۔

(۴۸۷) ابو حنيفة عن الهيثم عن الحسن عن ابي ذر قال قال رسول الله ﷺ يا ابا ذر الامارة امانة وهي يوم القيامة خزي وندامة الا من اخذها من حقها وادى الذي عليه واني ذلك وفي رواية عن ابي حنيفة عن ابي غسان عن الحسن عن ابي ذر عن النبي ﷺ قال الامارة امانة وهي يوم القيامة خزي وندامة الا من اخذها من حقها وادى الذي عليه واني ذلك يا ابا ذر۔

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابوذر! سرداری امانت ہے اور قیامت کے دن باعث شرمندگی و ندامت ہے، ہاں! جو شخص اسے اس کے حق کے ساتھ لے اور اس کی ذمہ داریاں پوری کرے اور ایسا ہوتا ہی کہاں ہے؟

حل لغات: ''امارۃ'' ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے بمعنی سرداری، گورنری، ''خزی'' رسوائی ''ادی'' باب تفعیل سے

فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ادا کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم: ۱۷۹۹ (۱۸۲۵) واحمد: ۲۱۸۴۰۔

مفہوم: حکمرانی اور حکومت لوگوں کی نگاہ میں پھولوں کی سیج ہوتی ہے جس کے حصول کی آرزو ان کے من میں چٹکیاں لیتی رہتی ہے اور وہ اس کے لیے ہر ممکن حربہ اور طریقہ استعمال کر گزرتے ہیں' حقیقت یہ ہے کہ حکومت کانٹوں سے بنا ہوا تاج ہوتی ہے جو ہر لمحے انسان کو چبھتا رہے' حکومت اللہ کی طرف سے ملنے والی امانت ہوتی ہے جس میں خیانت کا ارتکاب کرنے والا قیامت کے دن شرمندگی اور رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ کر سکے گا' حکومت کی ابتداء ملامت' درمیان ندامت اور انتہاء عذاب یوم قیامت پر ہو جاتی ہے اس لیے انسان کو ان چکروں میں الجھنا ہی نہیں چاہیے۔

مجھے حیرانگی ہوتی ہے کہ لوگ کس ڈھٹائی کے ساتھ دیواروں اور پتھروں پر امیدوار برائے فلاں' امیدوار برائے فلاں لکھواتے ہیں اور عہدوں کے پیچھے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں' کیا یہ کہ عہدے اور منصب کی محبت انسان کو ذلت و رسوائی کے اس گڑھے تک پہنچا دیتی ہے جہاں سے انسان کی واپسی ممکن نہ ہو سکے' اگر حکومت حاصل کرنی ہی ہے تو پھر صرف انسانوں پر حکومت کرنا کونسے کمال کی بات ہے؟ انسان پوری کائنات پر حکمرانی کر کے دکھائے' فضاء و خلا' بحر و بر' حیوانات اور جمادات سب پر اپنا حکم چلا کر دکھائے' آپ اسے ناممکن سمجھتے ہوں گے لیکن میں اسے ناممکن نہیں سمجھتا اور شیخ سعدی کی زبان میں کہتا ہوں

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَرْفَعِ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

(۱۸۸) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ أَرْفَعَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِمَامٌ عَادِلٌ۔

قیامت کے دن سب سے زیادہ بلند درجہ آدمی کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن انصاف کرنے والا حکمران سب سے زیادہ بلند درجہ ہوگا۔

تخریج حدیث: اخرجہ الترمذی مثلہ: ۱۳۲۹' واحمد: ۱۱۱۹۰' والبیہقی فی الشعب: ۷۳۶۶ وفی الکبری: ۱۹۹۵۶۔

مفہوم: حکومت اور حکمران کے بارے میں اگر اسلامی تعلیمات کا ایک خلاصہ سامنے رکھا جائے تو وہ یوں ہوگا کہ حصول حکومت کے لیے انسان کو خود سے امیدواری ظاہر نہیں کرنی چاہیے البتہ اگر وہ اس کا جائز حقدار بنتا ہو اور اس میں

سنبھالنے کی صلاحیتیں بھی موجود ہوں تو اس کی گنجائش ہے' حکومت فی نفسہ کوئی بری چیز ہے اور نہ اچھی' حکمرانوں کی اچھائی اور برائی سے وہ بھی اچھی یا بری ہو جاتی ہے' اگر حکمران عدل و انصاف سے کام لیں تو روز قیامت اللہ کے نزدیک بلند ترین درجہ کے حامل ہوں گے اور اگر ظلم و ستم کی راہ اپنائیں تو وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ہوں گے' عادل و منصف حکمران زمین پر اللہ کا نائب ہوتا ہے اور ظالم بادشاہ اللہ کا قہر اور غضب۔

اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ حکومت کفر کے ساتھ تو قائم رہ سکتی ہے' ظلم کے ساتھ نہیں' چنانچہ نوشیرواں کی حکومت اس کے کافر ہونے کے باوجود قائم رہی اور ظالموں کی حکومت خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا عراق میں' کبھی قائم نہیں رہی اور اب بھی نہیں رہے گی۔

بَابُ الْقُضَاةُ ثَلٰثَةٌ

(۴۸۹) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ حَبِيْبِ بْنِ أَبِيْ ثَابِتٍ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْقُضَاةُ ثَلٰثَةٌ قَاضِيَانِ فِي النَّارِ قَاضٍ يَقْضِيْ فِي النَّاسِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَأْكُلُ بَعْضُهُمْ مَالَ بَعْضٍ وَقَاضٍ يَتْرُكُ عِلْمَهُ وَيَقْضِيْ بِغَيْرِ الْحَقِّ فَهٰذَانِ فِي النَّارِ وَقَاضٍ يَقْضِيْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ فِي الْجَنَّةِ۔

قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قاضی (جج) تین طرح کے ہوتے ہیں' جن میں سے دو طرح کے قاضی جہنم میں جائیں گے (اور ایک جنت میں جائے گا) ایک تو وہ قاضی جو لوگوں کے درمیان بغیر علم کے فیصلے کرتا ہے اور ایک کا مال دوسرے کو کھلا دیتا ہے اور دوسرا وہ قاضی جو اپنے علم کو چھوڑ کر غلط اور ناحق فیصلے کرتا ہے یہ دونوں تو جہنم میں جائیں گے اور وہ قاضی جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ جنت میں جائے گا۔

(۴۹۰) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ أَنَّ أَبَاهُ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَقْضِي الْحَاكِمُ وَهُوَ غَضْبَانُ۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کوئی جج غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

حل عبارت: "القضاة" قاضی کی جمع مکسر ہے "یاکل" باب افعل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کھانا "غضبان" بروزن "فعلان" بمعنی غضب ناک۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ الترمذی: ۱۳۲۲، وابوداؤد: ۳۵۷۳، وابن ماجہ: ۲۳۱۵۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ البخاری: ۶۷۳۹، وابوداؤد: ۳۵۸۹، والترمذی: ۱۳۳۴، وابن ماجہ: ۲۳۱۶، ونسائی:

۸۰۱۵، ومسلم: ۴۴۹۰ (۱۷۱۷)

مفہوم: حدیث اول تو اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے اور اس پر کسی مزید اضافہ یا تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ ہمارے جج صاحبان کو یہ حدیث خود ہی پکار پکار کر دعوت فکر دے رہی ہے کہ آپ ان تینوں میں سے کس قسم میں شامل ہونا چاہتے ہیں؟ اب یہ ہمارے جج صاحبان اور جسٹس حضرات کی اپنی صوابدید ہے کہ ان میں سے کس گروہ اور جماعت کا انتخاب کرتے ہیں؟ جیسا انتخاب ہوگا ویسا ہی نتیجہ بھی ہوگا۔

اور دوسری حدیث بھی انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے اس لیے کہ انسان کا غصہ کی حالت میں اپنے ہوش و حواس پر قابو نہیں رہتا اور جذبات کی رو میں بہہ کر وہ بہت کچھ کہہ جاتا ہے جس کا احساس اسے بعد میں ہوتا ہے اب اگر کوئی قاضی اور جج غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ دے دے اور لوگ اس کے مطابق عمل کر لیں اور فی الواقع اس میں نقصان کا خدشہ ہو تو بعد میں اسے پچھتانا پڑ سکتا ہے اس لیے اس حالت میں فیصلہ دینے سے گریز کرے خاص طور پر حدود اور سزاؤں کے معاملے میں۔

یہی حکم ان تمام صورتوں میں ہے جب انسان کو اپنے ہوش و حواس پر قابو نہ رہے مثلاً انتہائی خوشی کی کیفیت میں انسان عام طور پر اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہے یا انتہائی صدمہ اور غم کی کیفیت میں یا شدید بھوک سے بدحال ہونے کی کیفیت میں بھی انسان کو اپنے ہوش و حواس پر قابو نہیں رہتا' ان تمام صورتوں میں اس کے لیے لائحہ عمل یہی ہے کہ وہ کوئی بھی فیصلہ نہ کرے تا کہ اسے بھی نقصان نہ ہو' کسی فریق کو بھی نقصان نہ ہو اور ہر ایک کو اس کا حق بھی مل جائے۔

واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ رُفِعَ عَنْهُ الْقَلَمُ

[۴۹۶] أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَكْبَرَ وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يُفِيقَ وَعَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يُفِيقَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ۔

کون لوگ مرفوع القلم ہیں؟

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے لوگ مرفوع القلم ہیں: ایک بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے' دوسرے مجنون' یہاں تک کہ تندرست ہو جائے' اور تیسرے سویا ہوا شخص' یہاں تک کہ بیدار ہو جائے۔

اور اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے اس بات پر قسم لی جائے گی کہ مدعی کا دعویٰ صحیح نہیں ہے، اگر وہ قسم کھا لیتا ہے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دیتا ہے تو مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا کیونکہ اس کا قسم کھانے سے انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مدعی کے دعویٰ میں کچھ نہ کچھ صداقت بہرحال موجود ہے۔

بَابُ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ؟

(۶۹۲) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ أَنَّ رَجُلًا حَدَّثَهُ أَنَّ الْأَشْعَثَ بْنَ قَيْسٍ اِشْتَرَى مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَقِيْقًا فَتَقَاضَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ فَقَالَ الْأَشْعَثُ اِبْتَعْتُ مِنْكَ بِعَشَرَةِ الْآفٍ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ بِعْتُ مِنْكَ بِعِشْرِيْنَ أَلْفًا فَقَالَ اِجْعَلْ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ مَنْ شِئْتَ فَقَالَ أَنْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ أُخْبِرُكَ بِقَضَاءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ فِي الثَّمَنِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ وَالسِّلْعَةُ قَائِمَةٌ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ أَوْ يَتَرَادَّانِ۔

اگر بائع اور مشتری کا آپس میں اختلاف ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: ایک مرتبہ اشعث بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک غلام خریدا، بعد میں حضرت ابن مسعودؓ نے جب قیمت کا مطالبہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ میں نے آپ سے دس ہزار کے بدلے میں خریدا ہے، حضرت ابن مسعودؓ کہنے لگے کہ میں نے تو آپ کو بیس ہزار میں فروخت کیا ہے اور فرمایا کہ میرے اور اپنے درمیان جسے چاہو ثالث بنا لو، اشعث کہنے لگے کہ آپ ہی میرے اور اپنے درمیان ثالث ہیں، اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں تمہیں نبی ﷺ کے ایک فیصلے کے متعلق بتاتا ہوں، میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قیمت کی مقدار میں بائع اور مشتری کا اختلاف ہو جائے، اور دونوں کے پاس کوئی گواہ نہ ہو، اور مبیع موجود ہو تو بائع کی بات کا اعتبار ہوگا یا پھر وہ دونوں از سر نو بیع کر لیں۔

(۶۹۶) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ الْأَشْعَثَ بْنَ قَيْسٍ اشْتَرَى مِنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَقِيْقًا مِنْ رَقِيْقِ الْإِمَارَةِ فَتَقَاضَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ فَاخْتَلَفَا فِيْهِ فَقَالَ الْأَشْعَثُ اِشْتَرَيْتُ مِنْكَ بِعَشَرَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بِعْتُ مِنْكَ بِعِشْرِيْنَ أَلْفًا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اِجْعَلْ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ رَجُلًا فَقَالَ الْأَشْعَثُ فَإِنِّيْ أَجْعَلُكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ نَفْسِكَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَإِنِّيْ سَأَقْضِيْ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بِقَضَاءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ فَإِمَّا أَنْ يَرْضَى الْمُشْتَرِيْ بِهِ أَوْ يَتَرَادَّانِ الْبَيْعَ۔

وفي رواية عن القاسم عن أبيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ إذا اختلف المتبايعان والسلعة قائمة فالقول قول البائع أو يترادان۔

وفي رواية عن عبد الله أن الأشعث اشترى منه رقيقا فتقاضاه واختلفا فقال عبد الله بعشرين ألفا وقال الأشعث بعشرة آلاف فقال عبد الله سمعت رسول الله ﷺ يقول إذا اختلف المتبايعان فالقول قول البائع أو يترادان۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزشتہ حدیث میں گزرا۔

حل عبارت: "رقیقا" غلام "فتقاضاہ" باب تفعل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تقاضا کرنا، مطالبہ کرنا۔ "المتبایعان" بائع و مشتری "السلعۃ" سامان، "یترادان" باب تفاعل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے بمعنی باہم لوٹانا۔

تخریج حدیث: أخرجه أبو داود مختصرا [illegible] وابن ماجه [illegible] والنسائي [illegible] وأحمد ٤٤٤٧ والبيهقي في السنن ٦/٢٤٧۔

فوائد: اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ حضرات صحابہ کرام کا بھی دنیوی معاملات میں باہم اختلاف ہو جایا کرتا تھا۔

۲۔ اس اختلاف کے باوجود بھی وہ ایک دوسرے کی الفت و محبت کو قائم رکھتے تھے۔

۳۔ اختلاف کے موقع پر وہ جھگڑا بڑھانے کے بجائے ثالث مقرر کر لیا کرتے تھے اور اس کے فیصلے پر راضی ہو جاتے تھے۔

۴۔ اختلاف کے موقع پر وہ نبی ﷺ کے فیصلوں سے استشہاد کرتے تھے۔

۵۔ یہ شرعی اصول ہے کہ اگر قیمت کی مقدار میں دکاندار و گاہک کے درمیان اختلاف ہو جائے، دکاندار زیادہ بتائے اور گاہک کم بتائے تو اس اختلاف کو ختم کرنے کی دو صورتیں ہیں: یا تو بائع کی بات کا اعتبار کیا جائے اور قیمت وہی ہو جو بائع بتا رہا ہے اور اگر مشتری اس پر راضی نہ ہو اور سامان بھی موجود ہو تو ان دونوں کو چاہیے کہ بیع کا معاملہ فسخ کر دیں اور از سر نو معاملہ کر لیں، اگر کسی بات پر متفق ہو جائے تو بہت اچھا ورنہ مشتری پیسے لے کر واپس لوٹ جائے اور بائع اپنا مبیع سنبھال لے۔

باب إذا أقام كل واحد من المتبايعين البينة

(۴۹۵) أبو حنيفة عن أبي الزبير عن جابر بن عبد الله عن النبي ﷺ أن رجلين اختصما إليه في ناقة وقد أقام كل واحد منهما أنها نتجت عنده فقضى بها للذي في يده۔

اگر فریقین میں سے ہر ایک گواہ پیش کر دے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو آدمی آئے، وہ ایک اونٹنی کے بارے

جھگڑا کر رہے تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنی ملکیت ثابت کرنے کے لیے بینہ بھی قائم کیے ہوئے تھا کہ یہ اس کے یہاں پیدا ہوئی ہے، نبی ﷺ نے فیصلہ اس شخص کے حق میں کر دیا جس کے قبضے میں وہ تھی۔

(۱۹۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ اخْتَصَمَ رَجُلَانِ فِي نَاقَةٍ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُقِيمُ الْبَيِّنَةَ أَنَّهَا نَاقَتُهُ نَتَجَهَا فَقَضَى بِهَا النَّبِيُّ ﷺ لِلَّذِي هِيَ فِي يَدِهِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَجُلَيْنِ أَتَيَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي نَاقَةٍ فَأَقَامَ هَذَا الْبَيِّنَةَ أَنَّهُ نَتَجَهَا وَأَقَامَ هَذَا الْبَيِّنَةَ أَنَّهُ نَتَجَهَا فَجَعَلَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لِلَّذِي هِيَ فِي يَدِهِ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزشتہ حدیث میں گزرا۔

حل لغات: "ناقة" اونٹنی "نتجها" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے، بچہ پیدا کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه الدارقطنی فی سننه والبخاری فی [illegible]

فائدہ: بعض اوقات قاضی صاحبان کے سامنے ایسے مسائل پیش ہوتے ہیں جن میں ان کی عقل چکرا کر رہ جاتی ہے اور وہ مسئلے کا حل تلاش کرنے میں پریشان ہو جاتے ہیں، مثلاً یہ بات تو واضح ہے کہ کسی عدالت میں پیش آنے والے مقدمات میں ایک شخص مدعی ہوتا ہے اور دوسرا مدعی علیہ، اس صورت میں مدعی پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے، بصورت دیگر مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی لیکن اگر قاضی کی عدالت میں ایسا مقدمہ پیش ہو جس میں دونوں فریق ہی مدعی ہوں، دونوں ایک ہی چیز کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہوں تو قاضی صاحب ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ جاتے ہیں کیونکہ اس مسئلے کو حل کرنے کی عقلی طور پر تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ وہ چیز دونوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دی جائے، بعض روایات سے اس کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے۔

۲۔ قرعہ اندازی کر کے دیکھ لیا جائے، جس کے نام قرعہ نکل آئے اسی کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے۔

۳۔ قبضے کے ذریعے فیصلہ کیا جائے، فریقین میں سے جس کے قبضے میں وہ چیز ہو اسی کے دعوے کو مضبوط سمجھا جائے گا اور اسی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

زیر بحث حدیث میں اسی تیسری صورت کو ترجیح دی گئی ہے اور اسی پر فقہاء احناف نے اپنی رائے کی بنیاد رکھی ہے جبکہ شوافع پہلی صورت کو اس مضمون کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے ترجیح دیتے ہیں۔

"وللناس فيما يعشقون مذاهب"

(۱۹۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيٰى عَنْ حُمَيْدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَلَّ السَّيْفَ عَلٰى اُمَّتِيْ فَاِنَّ لِجَهَنَّمَ سَبْعَةَ اَبْوَابٍ بَابٌ مِنْهَا لِمَنْ سَلَّ السَّيْفَ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص میری امت پر تلوار کھینچتا ہے تو وہ یاد رکھے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں، ان میں سے ایک اس شخص کے لیے بھی ہے۔

حل عبارت: "سل" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سونتنا، کھینچنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم مختصراً ۲۸۸۱ (۹۹) واحمد بنحوہ فی ۵۶۸۹۔

مفہوم: اگر کوئی شخص آپ سے آ کر کہے کہ حرم شریف میں داخل ہونے کے دروازوں میں سے ایک دروازہ آپ کے نام سے منسوب کر کے آپ کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے تو یقیناً آپ کو بہت خوشی ہوگی لیکن اگر کوئی شخص کسی کو جا کر یہ اطلاع دے کہ فلاں جیل میں ایک دروازہ آپ کے نام سے منسوب کر کے آپ کے لیے مختص کر دیا گیا ہے تو یقیناً اگر وہ عادی مجرم نہ ہو تو اس کے چہرے پر اوس پڑ جائے گی اور وہ مارے خوف کے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دے گا۔

دنیا کی ان جیلوں کی آخرت کی اس جیل سے کیا مناسبت؟ جس کا نام ہی جہنم ہے، پھر ذرا سوچیے کہ اگر اس دائمی جیل کے سات دروازوں میں سے ایک دروازے کو صرف اس شخص کے ساتھ منسوب کر دیا جائے جو امت کے خلاف تلوار اٹھاتا ہے تو اسے کس قدر غمگین ہونا چاہیے اور اپنے اعمال سے کس قدر توبہ کرنا چاہیے۔

اس لیے کہ خانہ جنگی "خواہ کہیں بھی ہو" اندرونی طور پر بھی انسان کو تباہ کر کے چھوڑتی ہے اور بیرونی استحکام کو بھی زائل کر دیتی ہے، خاندانی خانہ جنگی کا نتیجہ بھی بربادی اور افسوس کے سوا کچھ نہیں نکلتا اور ملکی خانہ جنگی کا نتیجہ بھی ذلت و رسوائی اور تباہی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

اسلام دین خانہ جنگی کو کسی صورت برداشت نہیں کرتا، وہ آپس میں افتراق و انتشار اور لڑائی جھگڑے کی بجائے محبت، امن و صلح اور آشتی کا پیغام دیتا ہے اس لیے امن عامہ کو خراب کرنے والے اور پورے ملک کو خانہ جنگی میں مبتلا کرنے والے کی سزا بھی اتنی سخت مقرر فرمائی کہ جہنم کا ایک پورا دروازہ اس قسم کے لوگوں کے لیے خاص کر دیا گیا اور اس اخروی سزا کے علاوہ دنیا کی سزا کے طور پر بھی یہ فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص "جو ہم پر اسلحہ اٹھاتا ہے" ہم میں سے نہیں ہے۔

حمد: ۵۰٦۰۱٦، وابن ابی شیبۃ: ۳۱٦٩١، وابو عوانۃ: ٩٠٢٧۔

خلاصہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت وعقیدت کا جھوٹا دم بھرنے والوں نے جس طرح انہیں الوہیت کے درجے پر فائز کر کے عیسائیت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا، اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت وعقیدت کا جھوٹا دم بھرنے والوں نے حضرت علی کو الوہیت کے مقام پر فائز کرنے میں اپنی پوری توانائیاں صرف کر دیں جن میں سرفہرست عبداللہ بن سبا یہودی تھا، مگر اسلام چونکہ اللہ کا آخری دین ہے اور اس کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمے لے رکھی ہے تو دشمنان حضرت علی اور دشمنان اسلام نے اسے صفحۂ ہستی سے مٹانے کی جان توڑ کوششوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔

اور عجیب بات ہے کہ حضرت علی جس شخص کو جھوٹا، کذاب اور تمہیں میں کا ایک دجال قرار دے رہے ہیں بعض لوگوں کے نزدیک اس کا وجود ہی مشکوک ہو اور بعض کی نگاہوں میں وہ قومی ہیرو ہو، ظاہر ہے کہ یہ دونوں خیالات حقائق اور تاریخ کو مسخ کرنے کے مترادف ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کی ذریت نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کو جتنا نقصان پہنچایا ہے اس پر ”آستین کا سانپ“ والی کہاوت پوری پوری صادق آتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی اس کے مذموم مقاصد اور باطل عقائد ونظریات پر مطلع ہوئے تو آپ نے اسے سخت سزا کی دھمکی دی اور جب وہ اپنے ان نظریات کی اشاعت سے باز نہ آیا اور لوگوں کی ایک جماعت کو اپنے گرد اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گیا تو باوجود کمزور ہونے کے حضرت علی نے انہیں آگ میں جلا دیا، لیکن نظریات وخیالات کا جو بیج وہ بو چکا تھا اب وہ تناور درخت بن چکا تھا جس نے اب بڑھتے بڑھتے پورے جنگل کی شکل اختیار کر لی ہے۔

بَابُ مَا يَكُوْنُ لِشِدَّةِ الزَّمَنِ

(۱۹۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْتِىْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَخْتَلِفُوْنَ اِلَى الْقُبُوْرِ فَيَضَعُوْنَ بُطُوْنَهُمْ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ وَدِدْنَا لَوْ كُنَّا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَكَيْفَ يَكُوْنُ قَالَ لِشِدَّةِ الزَّمَانِ وَكَثْرَةِ الْبَلَايَا وَالْفِتَنِ۔

زمانے کی سختی کا نتیجہ کیا ہوگا؟

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ وہ قبروں پر آ کر اپنے جسم ان پر رگڑیں گے اور کہیں گے کہ کاش! ہم اس قبر والے کی جگہ ہوتے“ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا شدت زمانہ اور کثرت مصائب وفتن کی وجہ سے۔

حل لغات وتراکیب: ”یختلفون“ باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی اختلاف کرنا، مراد آنا جانا ہے کیونکہ آنے جانے والے مختلف راستے پر ہوتے ہیں چلنے والے سے۔ ”بطونھم“ بطن کی جمع ہے بمعنی پیٹ ”وددنا“

باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی پسند کرنا "الملایا" ملیۃ کی جمع ہے بمعنی آزمائش۔

تخریج الحدیث: اخرجه البخاری: ۱۵/۷ ومسلم: ۲/۷۳ (۱۵۷)

ملحوظہ: علماء کرام نے قیامت کی علامت کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے اور انہیں علامات صغریٰ اور علامات کبریٰ کا نام دیا ہے، علامات کبریٰ میں ظہور مہدی، خروج دجال، نزول عیسیٰ، خروج یاجوج و ماجوج وغیرہ کا تذکرہ ہے اور انہی کے ظہور کا انتظار ہے جیسے ہی ان میں سے کوئی ایک علامت ظاہر ہوگی دوسری علامت بھی یکے بعد دیگرے ظہور پذیر ہونا شروع ہو جائیں گی اور قیامت آ جائے گی، نزول عیسیٰ پر تو بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، بقیہ تمام علامتوں کے لیے راقم الحروف کی ان موضوعات پر الگ الگ کتابوں کا مطالعہ کیجیے۔

رہی قیامت کی علامات صغریٰ تو وہ سب پوری ہو چکی ہیں، زیر بحث حدیث میں بھی ان ہی میں سے ایک علامت کو بیان کیا گیا ہے جس کا مشاہدہ اب ہر شخص اپنی آنکھوں سے کر سکتا ہے، جان اور مال کے عدم تحفظ کی وجہ سے اب ہر انسان زمین کے اوپر رہنے سے بہتر زمین کے اندر رہنا سمجھتا ہے، زمین کی پشت کی نسبت زمین کا پیٹ اپنے لیے بہتر سمجھتا ہے، دنیا سے رخصت ہو جانے والوں کو اچھا سمجھتا ہے کہ دنیا کے ان جھمیلوں سے نجات پا گئے، پیچھے رہ گئے ہم، ابھی تک ان ہی الجھنوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ لوگ زندگی کی بجائے موت کی تمنا کرنے لگے ہیں۔

قطع نظر اس سے کہ تمنائے موت کا شرعی حکم کیا ہے؟ قابل غور بات یہ ہے کہ آخر زندگی کے مقابلے میں موت کی تمنا کرنے پر کون سی چیز انسان کو مجبور کرتی ہے؟ اور وہ کیوں زندگی پر موت کو ترجیح دے رہا ہے؟ اس سوال کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ زمانے کی سختیوں، تکلیفوں، پریشانیوں اور کثرت سے پیش آنے والے حادثات اور فتنوں نے انسان کو یہ راستہ دکھایا ہے اور یہ وہی چیز ہے جس کی پیشین گوئی آج سے چودہ سو سال قبل نبی علیہ السلام نے فرما دی تھی۔

[۵۰۰] حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ فَرْوَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِي الضُّحٰى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ عَزَّوَجَلَّ الٓمٓرٰ قَالَ اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ وَاَرٰى۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے ارشاد باری تعالیٰ "المر" کی تفسیر میں منقول ہے کہ میں اللہ ہوں جانتا اور دیکھتا ہوں۔

تخریج الحدیث: اخرجه ابن ابی حاتم والبیہقی وغیرہ کما قاله ابن کثیر: ۱/۲۲۔

کرے گا اور کسی محتاج کی ضرورت کیونکر پوری کرے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی عادات اور طور طریقوں سے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ یہ آدمی جب جیل میں اتنا اچھا ثابت ہو رہا ہے تو یقیناً جیل سے باہر یہ لوگوں کی ضروریات پوری کرتا ہو گا، ان کی بیمار پرسی کرتا ہو گا اور ضرورت مندوں کے ساتھ مالی تعاون کرتا ہو گا اس لیے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی ان عادات کو سامنے رکھ کر یہ کہا کہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں یعنی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا شیوہ احسان کرنا ہے لہٰذا ہم پر بھی ایک احسان کر دیجئے اور ہمارے خواب کی تعبیر بتا دیجئے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ

(۵۰۲) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ قَرَأَ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ۔

فراستِ مومن کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی "ان فی ذلک لآیت للمتوسمین" یعنی فراست والے۔

حل لغات: "فراسة" وہ باطنی نور جو انسان کو تمام ظاہری اور مخفی اشیاء دکھا دے، اسی سے "متفرسین" بھی ہے۔

تخریج حدیث: اخرجہ الترمذی ۳۱۲۷۔

مفہوم: "فراست" ایک ایسے باطنی نور کا نام ہے جس کی روشنی اور چمک سے انسان "عالم" کے حالات و حقائق پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس نور کے اثرات کا بعض اوقات لوگوں کو بھی مشاہدہ ہوتا ہے چنانچہ اولیاء اللہ کی کرامات اسی قبیل سے ہیں لیکن یہ چیز یوں ہی حاصل نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے لیے خدا سے مضبوط ترین تعلق بہت ضروری ہوتا ہے، یہ بات اس لیے کہی جا رہی ہے کہ فراست اور شعبدہ بازی میں فرق کرنا ممکن ہو سکے۔

جبکہ بعض علماء کرام فراست کا معنی تجربہ بتاتے ہیں کہ انسان لوگوں کے طور طریقوں کو دیکھ دیکھ کر اور کھاٹ کھاٹ کا پانی پی کر چہرہ شناسی کا جو مرتبہ حاصل کرتا ہے اسے "فراست" کہا جاتا ہے، پہلی صورت میں اس کا نور الٰہی کا اثر ہونا واضح ہے اور سورۂ حجر کی آیت نمبر ۷۵ جس کی نبی علیہ السلام نے تلاوت فرمائی اور زیر بحث حدیث میں فراست سے یہی معنی مراد ہے، جبکہ دوسری صورت میں یہ انسانی محنت و مشقت پر مبنی ہے نیز پہلی صورت میں یہ نعمت کسی کو بھی حاصل ہو سکتی ہے، جبکہ دوسری صورت میں اس کے لیے طویل تجربہ اور مزاج شناسی کا مقدر ہونے کی صورت میں یہ کیفیت

حاصل نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم

بَابُ قَوْلِهِ تَعَالٰی فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ

(۵۰۲) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰی فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

سورۂ حجر کی آیت نمبر ۹۲ کی تفسیر

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے "فو ربك لنسالهم اجمعين عما كانوا يعملون" کی وضاحت میں فرمایا ہے اس سے مراد "لا اله الا الله" ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی، ۳۱۲۶۔

فائدہ: علماء کرام نے یہاں یہ بحث چھیڑی ہے کہ قیامت کے دن سوال و جواب ہوں گے یا نہیں؟ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے جو کہ سورۂ حجر کی آیت نمبر ۹۲، ۹۳ ہے کہ قیامت کے دن سوال و جواب ہوں گے جبکہ بعض آیات سے اس کی نفی ہوتی ہے؟ پھر انہوں نے اس کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو سوال کی ضرورت ہی نہیں اس لیے جن آیات میں نفی ہے ان کا مطلب تو واضح ہے اور جن آیات میں سوال کا اثبات ہے وہ زجر و توبیخ پر محمول ہیں۔

لیکن راقم الحروف کے نزدیک اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس آیت میں درحقیقت منکرین قرآن کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ تم تکذیب و تردید کی جس روش پر چل رہے ہو یہ تمہارے حق میں مفید نہیں کیونکہ دنیا میں بھی تم پر ہماری پکڑ آسکتی ہے اور اگر یہاں ڈھیل مل گئی تو آخرت کے عذاب سے بچ کر کہاں جا سکو گے؟ وہاں تمہارا مال، دولت اور آل و اولاد کسی کام نہ آسکیں گے وہاں تو سکہ رائج الوقت کلمہ توحید و رسالت کا اقرار اور اعمال صالحہ کی پونجی ہوگی اور ہم ایک ایک سے اسی سکہ رائج الوقت کا سوال کریں گے جس کے پاس یہ نکل آیا اسے سیدھا جنت میں بھیج دیں گے اور جس کے پاس نہ نکلا اسے سیدھا جہنم میں بھیج دیں گے اس تقریر سے آیت کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے اور مذکورہ سوال جواب کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

بَابُ قَوْلِهِ تَعَالٰی وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ

(۵۰۳) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ ذَرٍّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِجِبْرَئِيْلَ مَالَكَ تَزُوْرُنَا اَكْثَرَ مَا تَزُوْرُنَا قَالَ فَاَنْزَلَتْ بَعْدَ لَيَالٍ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا

سورۂ مریم کی آیت نمبر ۶۴ کی تفسیر

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل سے ایک مرتبہ فرمایا تم اس مقدار

سے زیادہ کثرت کے ساتھ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے؟ چند ہی دنوں کے بعد یہ آیت نازل ہو گئی "وما نتنزل الا بامر ربک له ما بین ایدینا وما خلفنا"

تحقیق عبارت: "مالک" میں "ما" حرف استفہام ہے "تزورنا" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ملاقات کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ۴۷۳۱ والترمذي: ۳۱۵۸۔

مفہوم: اس حدیث میں سورۂ مبارکہ مریم کی آیت نمبر ۶۴ کا شان نزول بیان کیا گیا ہے جس پر بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض روایات کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام جتنی کثرت کے ساتھ (بعض علماء کے مطابق ۲۳ سالہ دور نبوت میں ۲۴ ہزار مرتبہ) نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، کسی اور نبی کی خدمت میں باوجود ان کی طویل عمروں کی تشریف نہیں لائے اس کے باوجود نبی علیہ السلام کا ان سے کثرت اور اضافہ کا تقاضا کرنا چہ معنی دارد؟

بہت سے علماء کرام نے اسے شوق اور رغبت پر محمول کیا ہے کیونکہ جبرئیل کی آمد کسی نہ کسی حکم الٰہی کا اعلان ہوتی تھی اور محبوب کی بات بھی محبوب ہوتی ہے اس لیے یہ تقاضا کیا، لیکن راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب کہ فترت وحی کا زمانہ گزرنے کے بعد پہلی مرتبہ حضرت جبریل حاضر خدمت ہوئے تھے اور لیٹ بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کیونکہ فترت وحی کے بعد تو خود بخاری شریف کی روایت کے مطابق "فحمي الوحي وتتابع" والی صورت پیدا ہو گئی تھی۔

اور الحمد للہ بعد میں کتب تفسیر کی مراجعت سے حافظ ابن ابی حاتم کا قول بھی راقم کی موافقت میں مل گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُنْكَرِ الَّذِي يَأْتِيهِ قَوْمُ لُوطٍ

([illegible]) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيءٍ قَالَتْ قُلْتُ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَا كَانَ الْمُنْكَرُ الَّذِي كَانُوا يَأْتُونَ فِي نَادِيهِمْ قَالَ كَانُوا يَخْذِفُونَ النَّاسَ بِالنَّوَاةِ وَالْحَصَاةِ وَيَسْخَرُونَ مِنْ أَهْلِ الطَّرِيقِ۔

قوم لوط کے ناپسندیدہ عمل کا بیان

ترجمہ: حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نبی علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ کون سا ناپسندیدہ کام تھا، جو قوم لوط کے لوگ اپنی مجلسوں میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا وہ لوگوں کو گٹھلیاں اور کنکریاں مارتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

تحقیق عبارت: "یخذفون" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کنکر مارنا "النواۃ" گٹھلی "الحصاۃ" کنکری "یسخرون" باب فتح سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی مذاق اڑانا۔

تخریج حدیث: أخرجه الترمذي: ۳۱۹۰، وأحمد: ۲۷۴۲۹/۶، والطيالسي: ۱۶۱۷۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ کا تعلق سورۂ عنکبوت کی آیت نمبر ۲۹ سے ہے جس میں قوم لوط کی عادات و خصائل میں سے ایک خصلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی مجلسوں میں برسر عام ہر ایک کے سامنے ناپسندیدہ کاموں اور حرکتوں کا ارتکاب کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے کہ کسی چھوٹے بڑے کو دیکھ کر ہی شرما جائیں بلکہ سب مل کر ایسی حرکتیں کرتے تھے کہ ہر راہ گیر کو چھیڑتے، اسے کنکریاں مارتے اور اس کا مذاق اڑاتے اور قہقہے لگاتے، جبکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ برسر عام بھری محفل اور مجلس میں ایک دوسرے سے جسمانی لذت حاصل کر لیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کے سامنے اپنے اعضاء وغیرہ کو ظاہر کر دیتے تھے اور اس میں کسی قسم کی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں ان کی اسی مذمت بیان کی گئی ہے اور ان کی غلطیوں کو دہرانے سے باز رہنے کی تاکید کرتے ہوئے ان کا انجام بتایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہر اخلاقی عیب اور ہر قسم کی گندگی و بدکرداری سے ہماری حفاظت فرمائے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِيْ ضُعْفٍ

(۵۰۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَرَأَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً فَرَدَّهُ عَلَيْهِ وَقَالَ قُلْ مِنْ ضُعْفٍ۔

لفظ ضعف میں قراءت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے نبی ﷺ کے سامنے "الله الذي خلقكم من ضعف الخ" والی آیت ضاد کے فتح کے ساتھ پڑھی تو آپ ﷺ نے اسے رد کرتے ہوئے فرمایا "من ضعف" (ضمہ کے ساتھ) کہو۔

تخریج حدیث: أخرجه الترمذي: ۲۹۳۶، وأبوداؤد: ۳۹۷۸، وأحمد: ۵۲۲۷، وابن كثير: ۴۹۶/۳۔

مفہوم: اس حدیث کا مفہوم واضح ہونے کے لیے ضعف اور ضعف میں فرق واضح ہونا ضروری ہے، چنانچہ علماء کرام تحریر فرماتے ہیں کہ ضعف کا معنی جسمانی کمزوری ہے اور ضعف کا معنی عقلی کمزوری ہے، ظاہر ہے کہ جسمانی کمزوری کے بعد قوت کا حاصل ہونا تو سمجھ میں آتا ہے اور یہی آیت کا منشاء ہے لیکن عقلی کمزوری کے بعد قوت جسمانی کا حاصل ہونا ایک دوسرے کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا اسی لیے نبی ﷺ نے اس لفظ کو ضمہ کے ساتھ پڑھنے پر اصرار فرمایا۔

جبکہ بعض علماء کرام ان دونوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتے اور یہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ کو ضاد کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَا مَضَى مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ

(۵۰۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَدْ مَضَى الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ۔

قیامت کی گزر جانے والی علامت کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "دخان اور بطشہ" تو نبی ﷺ کے دور باسعادت میں ہی گزر چکے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری مطولا: ۴۷۷۴، ومسلم: ۷۰۶۸ (۲۷۹۸)، والترمذی: ۳۲۵۴۔

مفہوم: اس روایت کا مکمل پس منظر سمجھنے کے لیے بخاری شریف کی اس روایت کو بھی ساتھ ملانا ضروری ہے کہ جس کے مطابق ایک مرتبہ نبی ﷺ نے قریش کی چیرہ دستیوں اور سرکشوں سے تنگ آ کر ان کے خلاف بددعا کی، بارگاہ خداوندی میں اسی وقت اسے شرف قبولیت مل گیا اور اہل مکہ سخت قسم کی قحط سالی میں مبتلا ہو گئے اور نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ وہ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے اور بہت سے اسی دوران مر گئے، ابوسفیان جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اپنی قوم کے لیے دعا کیجئے، تا آنکہ نبی ﷺ کی دعاء پر وہ عذاب ٹلا۔

اس قحط میں اہل مکہ کی صورت حال یہ تھی کہ بھوک سے غش کھا کر جس طرف بھی دیکھتے ہر طرف دھواں ہی دھواں دکھائی دیتا تھا، قرآن کریم نے سورۂ دخان میں اسی کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح سورۂ دخان میں "بطشہ کبریٰ" کا ذکر آیا ہے وہ غزوۂ بدر کی صورت میں ہوئی اور اتنی سخت پکڑ ثابت ہوئی کہ اس میں قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔

گویا حضرت ابن مسعودؓ کی رائے کے مطابق یہ دونوں چیزیں دور نبوت میں ہی وقوع پذیر ہو چکیں، رہی یہ بات کہ حضرت ابن مسعودؓ کو اس بات کی وضاحت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس کے برعکس رائے رکھتے تھے اور وہ انہیں ان علامات قیامت میں شمار کرتے تھے جو قرب قیامت میں ظاہر ہوں گی، ان کی رائے کی بر صحت نہ ہونے کو ثابت کرنے کے لیے حضرت ابن مسعودؓ کو یہ وضاحت کرنا پڑی۔

بَابُ الْوَلَدِ مِنْ كَسْبِ الرَّجُلِ

(۵۰۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَهِبَةُ اللّٰهِ لَكُمْ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ۔

ہاں! مشرک کا بھی یہی حکم ہے۔

تخریج حدیث: اخرجہ احمد: ۲۲۷۲۰۔

مفہوم: سورۂ مبارکہ زمر کی یہ آیت نمبر ۵۳ ہے جو "آیت امید" ہے علامت رحمت اور مایوسیوں کے بادلوں کی دبیز تہوں کو پھاڑنے والی ہے یہ بڑے سے بڑے گناہگار اور مشرک کو نا امید ہونے سے بچاتی ہے یہ بڑے سے بڑے ظالم اور بدکار و قاتل کو مایوسی کے بھنور سے نکالتی ہے یہ زندگی کے ہر شعبے میں پاپڑ بیل کر زندگی گزارنے والوں کو اپنے رب سے قریب کرتی ہے اور امیدوں کے ایسے دیے روشن کرتی ہے جس سے بھٹکے ہوئے لوگوں کے دل روشن ہو جاتے ہیں۔

اس آیت کا ترجمہ خود اپنی وضاحت آپ ہے اس لیے اس کی تشریح کیے بغیر ہم اس کا ترجمہ پیش کیے دیتے ہیں۔

"اے میرے حبیب ﷺ! آپ فرما دیجئے کہ اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بیشک وہ سارے گناہوں کو معاف فرما دے گا، وہی تو بے انتہا بخشنے والا اور بے حد مہربان ہے۔"

بَابُ كَيْفَ أَسْلَمَ وَحْشِيُّ بْنُ حَرْبٍ

(٥١٠) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ الْكَلْبِيِّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ وَحْشِيًّا لَمَّا قَتَلَ حَمْزَةَ مَكَثَ زَمَانًا ثُمَّ وَقَعَ فِي قَلْبِهِ الْإِسْلَامُ فَأَرْسَلَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ إِنَّهُ قَدْ وَقَعَ فِي قَلْبِهِ الْإِسْلَامُ وَقَدْ سَمِعْتُكَ تَقُولُ عَنِ اللهِ تَعَالَى وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا فَإِنِّي قَدْ فَعَلْتُهُنَّ جَمِيعًا فَهَلْ لِي رُخْصَةٌ۔

قَالَ فَنَزَلَ جِبْرَئِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْ لَهُ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللهُ غَفُورًا رَحِيمًا قَالَ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِهٰذِهِ فَلَمَّا قُرِئَتْ عَلَيْهِ قَالَ وَحْشِيٌّ إِنَّ فِي هٰذِهِ الْآيَةِ شُرُوطًا وَأَخْشٰى أَنْ لَا آتِيَ بِهَا وَلَا أُحَقِّقَ أَنْ أَعْمَلَ عَمَلًا صَالِحًا أَمْ لَا فَهَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ أَلْيَنُ مِنْ هٰذَا يَا مُحَمَّدُ قَالَ فَنَزَلَ جِبْرَئِيلُ بِهٰذِهِ الْآيَةِ إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ قَالَ فَكَتَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِهٰذِهِ الْآيَةِ وَبَعَثَ إِلٰى وَحْشِيٍّ۔

قَالَ فَلَمَّا قُرِئَتْ لَهُ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَأَنَا لَا أَدْرِي لَعَلِّي أَنْ لَا أَكُوْنَ فِي مَشِيَّتِهِ أَنْ شَاءَ فِي الْمَغْفِرَةِ وَلَوْ كَانَتِ الْآيَةُ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلَمْ يَقُلْ لِمَنْ يَّشَاءُ كَانَ ذٰلِكَ فَهَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ أَوْسَعُ مِنْ ذٰلِكَ يَا مُحَمَّدُ فَنَزَلَ جِبْرَئِيلُ بِهٰذِهِ

الآية قل يا عبادي الذين أسرفوا على أنفسهم لا تقنطوا من رحمة الله إن الله يغفر الذنوب جميعا إنه هو الغفور الرحيم قال فكتب رسول الله ﷺ وبعث بها إلى وحشي فلما قرئت عليه قال أما هذه الآية فنعم ثم أسلم فأرسل إلى رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله إني قد أسلمت فأذن لي في لقائك فأرسل إليه رسول الله ﷺ أن وارِ عني وجهك فإني لا أستطيع أن أملأ عيني من قاتل حمزة عمي قال فمكث وحشي حتى كتب مسيلمة من مسيلمة رسول الله إلى محمد رسول الله أما بعد فقد شُركتُ في الأرض فلي بعض الأرض ولقريش بعضها غير أن قريشا قوم يعتدون قال فقدم بكتابه إلى رسول الله ﷺ رجلان فلما قرئ على رسول الله ﷺ الكتاب قال لرسوليه لولا أنكما رسولان لقتلتكما ثم دعا علي بن أبي طالب فقال اكتب بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله إلى مسيلمة الكذاب السلام على من اتبع الهدى أما بعد فإن الأرض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين وصلى الله على سيدنا محمد.

قال فلما سمع وحشيا ما كتب مسيلمة إلى رسول الله ﷺ أخرج المعراض فصقله وهمّ بقتل مسيلمة فلم يزل على عزم ذلك حتى قتله يوم اليمامة.

وحشی بن حرب نے اسلام کیسے قبول کیا؟

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب وحشی بن حرب نے حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا تو ایک زمانہ تک غم میں رہے، جب دل میں اسلام گھر کر گیا تو نبی ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ اسلام میرے دل میں گھر کر چکا ہے اور میں نے سنا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کرتے اور ناحق کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے قتل کرنا حرام قرار دیا ہو اور زنا نہیں کرتے، جو شخص ایسا کرے گا وہ سزا سے دوچار ہوگا، جو قیامت کے دن دوگنی کر دی جائے گی اور وہ اس میں ذلیل ہو کر ہمیشہ رہے گا، میں نے یہ سب کام کر رکھے ہیں، کیا میرے لیے رخصت کا کوئی پہلو ہے؟

راوی کہتے ہیں کہ اس پر حضرت جبریل ؑ تشریف لائے اور عرض کیا کہ اے محمد ﷺ! اسے کہہ دیجئے کہ جو شخص توبہ کر لے، ایمان لے آئے اور اچھے اعمال کرے تو اللہ ایسے لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ نبی ﷺ نے اسے یہ جواب بھجوا دیا، جب وہ آیت اسے پڑھ کر سنائی گئی تو اس نے کہا کہ اس آیت میں تو کچھ شرائط ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ میں ان شرائط کو پورا نہیں کر سکوں گا اور مجھے یقین نہیں ہے کہ میں اچھے اعمال کر سکوں

کا یا نہیں؟ تو کیا اس سے زیادہ بھی نرم حکم ہو سکتا ہے؟

اس پر جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے کہ اللہ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ ہر گناہ جسے چاہے گا معاف فرما دے گا' نبی علیہ السلام نے یہ آیت وحشی کے پاس لکھ بھیجی' جب اس کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو اس نے اپنے عریضے میں کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے "ان الله لا يغفر ان يشرك به الخ" مجھے کیا پتہ کہ اس کی مشیت میری مغفرت سے متعلق ہے یا نہیں؟ اگر یہ آیت یوں ہوتی "ويغفر ما دون ذلك" اور "لمن يشاء" نہ ہوتا تو بات بن جاتی' کیا آپ کے پاس اس سے بھی زیادہ گنجائش ہے؟

اس پر جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے کہ اے حبیب ﷺ! آپ فرما دیجئے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بیشک اللہ سب گناہوں کو معاف فرما دے گا' بیشک وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے' نبی علیہ السلام نے یہ آیت لکھ کر وحشی کو بھیج دی' جب اس کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو اس نے کہا کہ ہاں! یہ آیت ہے' پھر اس نے اسلام قبول کر لیا۔

اس کے بعد اس نے پیغام بھیجا کہ یا رسول اللہ! میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اب مجھے ملاقات کی اجازت بھی مرحمت فرمائیے' نبی علیہ السلام نے یہ جواب بھیجا کہ مجھ سے اپنے چہرے کو چھپا کر ہی رکھو کیونکہ میں اپنے چچا حمزہ کے قاتل کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا' اس پر وحشی خاموش ہو گئے۔

کچھ عرصے کے بعد مسیلمہ نے نبی علیہ السلام کے پاس یہ پیغام بھیجا "پیغمبر خدا مسیلمہ کی طرف سے پیغمبر خدا محمد ﷺ کی طرف' اما بعد! میں زمین میں آپ کا شریک ہوں' اس لیے نصف زمین میری ہے اور نصف قریش کی' یہ الگ بات ہے کہ قریش ایک بااعتبار قوم ہے" اس کا یہ پیغام نبی علیہ السلام کے پاس دو آدمی لے کر آئے' نبی علیہ السلام کو جب یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو آپ ﷺ نے ان قاصدوں سے فرمایا اگر تم دونوں قاصد نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کروا دیتا' پھر حضرت علی کو بلا کر فرمایا لکھو "بسم الله الرحمن الرحيم" محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف' پیروکار ہدایت پر اللہ کی سلامتی ہو' اما بعد! زمین اللہ کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور اچھا انجام متقیوں کا ہوتا ہے' وصلى الله على سيدنا محمد۔

جب وحشی کو مسیلمہ کے اس خط کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے اپنا حربہ نکالا' اس کی دھار تیز کی اور مسیلمہ کے قتل کی فکر میں رہا یہاں تک کہ جنگ یمامہ کے دن اسے جہنم رسید کر دیا۔

تحقیق عبارت: "قتلت" فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی کرنا "شروط" شرط کی جمع ہے "احقق" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی محقق کرنا' ثابت کرنا "الين" اسم تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی نرم "قرات" باب فتح سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پڑھنا "اوسع" اسم تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی کشادگی "ولو عني" "عن" حرف جار اور "ی" ضمیر متکلم مجرور ہے' صرف لفظ "ولو" صیغہ ہے جو باب مفاعلہ سے فعل امر

معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی چھپانا "املاٹ" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی بھرنا "اشرکت" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی شریک کرنا "الضراع" حربہ چھوٹا نیزہ "فصقلہ" باب نصر اور سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چمکانا، دھار تیز کرنا "ھم" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ارادہ کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه الزبيدي في عقود الجواهر المنيفة: ۱/۲۰۰' واما انه كيف اسلم فقد اخرجه البخاري: ۴۰۷۲۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ کی تفصیلی وضاحت اور اس پر سیر حاصل بحث کے لیے تو بڑا وقت درکار ہے جس کی فرصت اجازت دی جاتی ہے اور نہ یہ صفحات اس کے متحمل ہو سکتے ہیں اس لیے صرف ایک نکتے کی طرف آپ کو متوجہ کرتا ہوں۔

اور وہ یہ کہ جب وحشی بن حرب نے سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کیا تو اس نے صرف ایک صحابی کو شہید نہیں کیا تھا' بلکہ اس نے نبی ﷺ سے ان کا حقیقی چچا چھین لیا تھا' نبی ﷺ سے ان کا رضاعی اور دودھ شریک بھائی چھین لیا تھا' ایک ایسا بہادر اور جری دار پہلوان چھین لیا تھا جو اکیلا ہی پورے لشکر کو کافی ہو جاتا تھا' ایک چچا اور کڑیل نوجوان چھین لیا تھا اور صرف اس پر اکتفاء نہیں کیا تھا بلکہ اس کے جسم کے ٹکڑے کیے گئے' اس کا پیٹ چیر کر جگر چبایا گیا' اس میں شراب پی گئی اور بزعم خود اپنے کلیجے کو ٹھنڈک پہنچائی گئی۔

یہ نبی ﷺ کا حوصلہ تھا کہ اس شخص کو نہ صرف یہ کہ معاف کر دیا بلکہ اسے مسلمانوں کی صف میں قبول بھی کر لیا' اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبی ﷺ نے اسے اپنے سامنے آنے سے کیوں روکا؟ تو ظاہر ہے کہ یہ شخص جان بوجھ کر نادان بن رہا ہے اور حقائق کو چھپا رہا ہے۔

الغرض! وحشی نے حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کر کے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا تھا' اسی وحشی سے پروردگار عالم نے اس نقصان کا ازالہ اس طرح کروایا کہ نبوت کے جھوٹے دعوے دار مسیلمہ کذاب کو اس کے ہاتھوں' اسی نیزے سے جہنم رسید کروایا جس سے اس نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔

اس سے معلوم یہ ہوا کہ پروردگار اپنے دین کی خدمت جس سے چاہے لے سکتا ہے' نیز یہ کہ کسی شخص کے برے کام کو دیکھ کر اس پر کوئی حکم صادر نہیں کرنا چاہیے' ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے انجام کار ایسا کام لے لے جس سے اس کا سارا داغدار ماضی دھل کر صاف ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ

(۵۱۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الزَّعْرَاءِ مِنْ أَصْحَابِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيَخْرُجَنَّ بِشَفَاعَتِي مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ مِنَ النَّارِ حَتَّى لَا يَبْقَى فِيهَا أَحَدٌ إِلَّا أَهْلُ هٰذِهِ الْآيَةِ مَا

سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ حَتَّى أَتَانَا الْيَقِينُ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ يُعَذِّبُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ حَتَّى لَا يَبْقَى إِلَّا مَنْ ذَكَرَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ إِلَى الشَّافِعِينَ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری شفاعت کی برکت سے اہل ایمان کو جہنم سے نکالا جائے گا حتیٰ کہ اس میں کوئی مومن باقی نہیں رہے گا مگر اس آیت کی وجہ سے کہ تمہیں کون سی چیز جہنم میں لے آئی؟ وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے بیکار کاموں میں گھسے رہتے تھے اور قیامت کے دن کی تکذیب کرتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی سو اب انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔

(۱۱۵) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَا يَبْقَى فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ ذَكَرَهُ اللّٰهُ فِي هٰذِهِ الْآيَةِ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ إِلَى الشَّافِعِينَ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا۔

تخریج حدیث: اخرجہ السیوطی فی سراج المنیر۔

فائدہ: بعض لوگوں کی رائے عام طور پر یہ ہوتی ہے اور نئے لوگوں کی رائے ہے کہ ہم تو جنت کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور مرتے ہی سیدھے جنت میں پہنچ جائیں گے' اس لیے ہمیں نماز روزہ کی کوئی ضرورت نہیں' کوئی بھوکا مرتا ہے تو ہماری بلا سے اور ہماری مصروفیات لغویات ہیں یا ضروریات؟ انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی' اور اگر ان سے کوئی ان کاموں پر اصرار کرے تو کہتے ہیں کہ فلاں پیر صاحب ہمیں بخشوا لیں گے' وہ ہماری سفارش کر دیں گے اور ہم فرشتوں کو چکمہ دے کر جنت میں پہنچ جائیں گے' اور اس پر حاشیہ یہ لگاتے ہیں کہ جنت میں جانے کے لیے اصل چیز ایمان ہے' جس کے پاس ایمان ہے وہ جہنم میں نہیں جائے گا خواہ اس کے اعمال دیکھ کر شیطان بھی کیوں نہ شرما جاتا ہو۔

ایسے حضرات سے بڑی عاجزی اور انتہائی ادب سے درخواست ہے کہ ان آیات کریمہ کے متعلق جناب والا کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ ان آیات میں تو ایمان کے ساتھ اعمال کی پونجی نہ ہونے کی صورت میں جہنم کے عذاب کی خوشخبری سنائی گئی ہے' ظاہر ہے کہ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ لوگ تو اعمال کی ضرورت کا ہی انکار کرتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ واقعۃً اگر ایمان نہ ہو تو انسان کے سارے نیک اعمال دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور واقعۃً ایمان کے بغیر کوئی شخص جنت میں نہیں جا سکے گا لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس سے ضرورتِ اعمال کی نفی کا استنباط کر لیا جائے، ایمان اور عمل صالح میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی حیثیت ہے اور ہر مسلمان کے پاس یہ دونوں چیزیں ہونی چاہئیں۔

اس بات کی وضاحت ایک مثال سے یوں کی جا سکتی ہے کہ دنیا میں ہر تالے کو کھولنے کے لیے ایک چابی ہوتی ہے اور ہر چابی پر دندانے ہوتے ہیں، اگر چابی نہ ہو تب بھی تالا نہیں کھلتا اور اگر چابی پر دندانے نہ ہوں تب بھی تالا نہیں کھلتا، ایمان کی مثال چابی کی سی ہے اور اعمال کی مثال دندانوں کی سی ہے اور جنت کا تالا کھولنے کے لیے ان دونوں چیزوں کی ضرورت ہے، باقی جسے اللہ تعالیٰ صرف ایمان کی برکت سے جنت میں داخلہ نصیب فرما دیں وہ ان کا کرم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحُقُبِ

(۵۱۴) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ غَالِبٍ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ قَالَ الْحُقُبُ ثَمَانُوْنَ سَنَةً مِنْهَا سَنَةٌ اَيَّامٌ عَدَدَ اَيَّامِ الدُّنْيَا۔

ترجمہ: ابو صالح کہتے ہیں کہ "حقب" اسی سال کا ہوگا جس میں سے ہر دن دنیا کے سارے ایام کے برابر ہوں گے۔

تخریج حدیث: ذکرہ ابن کثیر: ۴/۵۹۵

مفہوم: قرآن کریم کی سورۂ نبا آیت نمبر ۲۳ میں کفار و مشرکین اور نافرمانوں کے متعلق یہ جو بیان کی گئی ہے کہ وہ جہنم میں کئی "حقب" رہیں گے بنیادی طور پر اس کا مقصد غیر متعینہ مدت کی طرف اشارہ کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ یہ لوگ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے لیکن لفظ "حقب" کی مراد معلوم کرنے کے لیے مفسرین کرام نے مختلف خیالات اور آراء کا اظہار فرمایا ہے چنانچہ ایک رائے تو وہ ہے جس کا ذکر زیر بحث روایت میں آیا ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ ایک "حقب" اسی سال کا ہوگا ہر سال میں بارہ مہینے ہوں گے، ہر مہینے میں تیس دن ہوں گے اور ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا، تیسری رائے یہ ہے کہ ایک حقب سترہ ہزار سال پر مشتمل ہوگا۔

ان میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دینا مشکل ہے کیونکہ ان میں سے کسی ایک کی نسبت بھی نبی ﷺ کی طرف نہیں بلکہ حضرات مفسرین کی اپنی اپنی آراء ہیں، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ جو بھی مراد ہو قرآن کریم کا اصل مقصد مد نظر رہنا چاہیے اور وہ مجروح نہیں ہونا چاہیے۔

بَابُ قَوْلِهِ تَعَالٰى: وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى

(۵۱۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ قَرَأَ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

سورۃ اللیل کی آیت نمبر ۶ کی تفسیر

ترجمہ: ایک مرتبہ نبی ﷺ کے سامنے "وصدق بالحسنیٰ" کی تلاوت کی گئی تو آپ ﷺ نے "حسنیٰ" کا مصداق "لا الٰہ الا اللہ" کو قرار دیا۔

تخریج حدیث: ذکرہ فی تفسیر سراج المنیر۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ میں سورۂ لیل کی آیت نمبر ۶ کا مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں "تصدیق حسنیٰ" کا جو ذکر فرمایا ہے اس سے مراد "کلمہ توحید" ہے کہ جو شخص کلمہ توحید کا اقرار اور تصدیق کرے، صدق دل سے اللہ کو وحدہ لا شریک تسلیم کرے اور موقع آنے پر زبان سے اس کا اظہار و اعتراف کرے، منافقین کی طرح اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ نہ ہو، مشرکین کی طرح اس تصدیق سے کورا نہ ہو تو پروردگار عالم کا وعدہ ہے کہ اس کی مشکلات کو دور فرمائیں گے، اس کے لیے آسانیاں پیدا فرمائیں گے، اس کی پریشانیوں کو ختم فرمائیں گے، اس کی بیماریوں کو دور فرمائیں گے، اسے قرضوں سے خلاصی عطاء فرمائیں گے، اسے کشادگی اور فراخی عطاء فرمائیں گے اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کے لیے سہولتیں اور آسانیاں پیدا کریں گے اور تاریخ گواہ ہے کہ جس نے ایسا کیا اس کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔

كتاب الوصايا والفرائض

وصیت اور میراث کے احکام

(٥١٥) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُنِي فِي مَرَضٍ
فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ قَالَ لَا قُلْتُ فَبِنِصْفِهِ قَالَ لَا
قُلْتُ فَثُلُثِهِ قَالَ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ لَا تَدَعْ أَهْلَكَ يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دَخَلَ عَلَى سَعْدٍ يَعُودُهُ قَالَ أَوْصَيْتَ قَالَ نَعَمْ أَوْصَيْتُ بِمَالِي كُلِّهِ
فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُنَاقِصُهُ حَتَّى قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ سَعْدٍ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَعُودُنِي فَقُلْتُ
يَا رَسُولَ اللَّهِ أُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ قَالَ لَا قُلْتُ فَالنِّصْفُ قَالَ لَا قُلْتُ فَالثُّلُثُ قَالَ فَالثُّلُثُ
وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ أَنْ تَدَعَ أَهْلَكَ بِخَيْرٍ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے سارے مال کی وصیت کرنا چاہتا ہوں؟ فرمایا نہیں' میں نے عرض کیا نصف؟ فرمایا نہیں! میں نے عرض کیا تہائی؟ فرمایا ہاں! اور تہائی بھی زیادہ ہے' اپنے اہل خانہ کو اس حال میں نہ چھوڑو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جائیں۔

لغاتِ حدیث: "اوصی" ہمزہ استفہام کے حذف کے ساتھ یہ باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے' بمعنی وصیت کرنا "یتکففون" باب تفعل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے' بمعنی کف پھیلانا' ہاتھ پھیلانا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ١٢٩٥' ومسلم: ١٢٠٩ (١٦٢٨) وابوداؤد: ٢٨٦٤' والترمذی: ٢١١٦' والنسائی: ٣٦٥٦ الی ٣٦٦٥' وابن ماجه: ٢٧٠٨' واحمد: ١٤٨٢' وابن حبان: ٤٢٥٥۔

فائدہ: وصیت کے بارے شریعت کا یہ اصول نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ انسان اپنے پورے مال میں سے صرف ایک تہائی کی وصیت کسی ادارے یا مسجد اور مدرسے کے لیے کرنے کا مجاز ہے' اس سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں اور اگر کسی نے اس سے زیادہ کی وصیت کی تو ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

بظاہر یہ اصول بہت چھوٹا اور معمولی محسوس ہوتا ہے لیکن جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ باپ کا تعلق کسی سیاسی یا مذہبی تنظیم سے تھا' وہ مرتے وقت ساری جائیداد اور دولت اس تنظیم کے نام کر گیا اور اب اس کی اولاد در بدر کی ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے' کھانے کی جگہ خاک پھانک رہی ہے اور لباس کی جگہ چیتھڑے اوڑھ رکھے ہیں تب احساس ہوتا ہے کہ واقعی اس اصول سے کتنے لوگوں کی زندگی وابستہ ہے' کتنوں کا بھلا ہے اور کتنے ہی گھرانے اس اصول کی وجہ سے قائم نظر آتے ہیں۔

یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف حضور نبی کریم' سرور دو عالم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو' جو عشرہ مبشرہ میں نبی ﷺ کے ماموں لگتے تھے' متوجہ کیا تھا اور انہوں نے اپنے اس ارادے سے رجوع کر لیا تھا جس کے مطابق وہ اپنے سارے مال کی وصیت کرنے جا رہے تھے۔

یاد رہے کہ نبی ﷺ نے جس بیماری میں ان کی عیادت کی تھی اور وہ وصیت کرنا چاہ رہے تھے' نبی ﷺ نے اس موقع پر فرما دیا تھا کہ سعد! ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تم سے بہت سے لوگوں کو فائدہ اور دوسروں کو نقصان پہنچائے' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ اس بیماری سے صحت یاب ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے ذریعے بہت فائدہ پہنچایا اور کفار کو ان کے ذریعے بہت سی ہزیمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

بَابٌ هَلْ يَرِثُ الْمُسْلِمُ النَّصْرَانِيَّ؟

(٥١٦) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ النَّصْرَانِيَّ إِلَّا أَنْ

تقسیم کر دیا کرو اور جو باقی بچے وہ قریبی مذکر شخص کو دے دیا کرو۔

حل لغات: "الحقوا" باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ملاؤ۔ "الفرائض" فریضۃ کی جمع ہے بمعنی حصہ "ذکر" مذکر۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ٦٧٣٢ ومسلم: ٤١٤١ (١٦١٥) واحمد: ٢٦٥٧۔

مفہوم: یہ حدیث علم الفرائض میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اور ماہرین وراثت نے اس پر مفصل کلام فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے کچھ لوگوں کو مرنے والے کے ترکہ میں حصہ دار مقرر کیا ہے اور ان کے حصے بھی متعین کیے ہیں ایسے لوگوں کو اصحاب الفرائض یا ذوی الفروض کہتے ہیں ان میں چار مرد اور آٹھ عورتیں شامل ہیں مثلاً باپ دادا شوہر اخیافی بھائی ماں بہن بیٹی دادی اور بیوی وغیرہ اور یہ اصول ہے کہ مرنے والے کا ترکہ سب سے پہلے ذوی الفروض میں تقسیم کیا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ دیا جائے گا۔

اب بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ ترکہ ورثاء پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہر وارث کو اس کا مقررہ حصہ دینے کے بعد بھی کچھ مال بچ جاتا ہے ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں تو کوئی پیچیدگی نہیں۔ البتہ دوسری صورت میں یہ اشکال سامنے آتا ہے کہ اب اس بقیہ مال کا کیا کیا جائے کیونکہ میت کی تجہیز و تکفین بھی ہو چکی قرض بھی ادا ہو چکا اور وصیت بھی نافذ ہو چکی ان تین کے بعد چوتھا حق تقسیم ترکہ تھا وہ بھی مکمل ہو چکا لیکن مال کا کچھ حصہ اب بھی باقی ہے تو ذوی الفروض کے بعد دوسرا حق "عصبہ" کا ہوتا ہے جس کی تفصیل سراجی میں مذکور ہے۔

مثلاً باپ کا ترکہ میں حصہ "سدس" بنتا ہے اسے وہ دے دیا گیا اور دوسرے ورثاء کو بھی ان کا حصہ دے دیا گیا اب چونکہ ان تمام ورثاء کی نسبت باپ مرنے والے کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے لہٰذا "عصبہ" ہونے کی وجہ سے باقی سارا مال بھی اسے دے دیا جائے گا زیر بحث حدیث کا یہی مطلب ہے۔ واللہ اعلم

بَابٌ إِذَا عُتِقَ الْعَبْدُ فَمَاتَ

(۵۱۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ أَنَّ ابْنَةَ حَمْزَةَ أَعْتَقَتْ مَمْلُوكًا فَمَاتَ فَتَرَكَ ابْنَةً فَأَعْطَى النَّبِيُّ ﷺ الْابْنَةَ النِّصْفَ وَأَعْطَى ابْنَةَ حَمْزَةَ النِّصْفَ۔

اگر غلام آزاد ہونے کے بعد مر جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شداد سے مروی ہے کہ حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی نے ایک غلام آزاد کیا وہ فوت ہو گیا اور اپنے پیچھے ایک بیٹی چھوڑ گیا نبی ﷺ نے اس کی وراثت میں سے آدھا مال اس کی بیٹی کو دے دیا اور آدھا حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کو دے دیا۔

تخریج الحدیث: اخرجہ ابن ماجہ: ۲۷۳۴، و احمد: ۲۷۸۲۷۔

خلاصۃ: اس حدیث میں دو باتیں قابل غور ہیں:

ا۔ حضرت عبداللہ بن شداد جو راوی حدیث ہیں اور حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی جن کا نام بعض روایات کے مطابق فاطمہ اور بعض کے مطابق عمارہ ہے آپس میں اخیافی بہن بھائی تھے کیونکہ ان دونوں کی والدہ حضرت سلمیٰ بنت عمیس تھیں' جو پہلے حضرت حمزہؓ کے نکاح میں تھیں اور ان سے مذکورہ بچی پیدا ہوئی تھی' پھر حضرت حمزہ ؓ کی غزوۂ احد میں شہادت کے بعد حضرت سلمیٰ بنت عمیسؓ نے حضرت شداد بن الہادؓ سے نکاح کر لیا اور ان سے مذکورہ صاحبزادے پیدا ہوئے' گویا دونوں بچوں کی والدہ ایک تھیں اور والد جدا جدا' علم الفرائض کی اصطلاح میں اس رشتے کو اخیافی بہن بھائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۔ یہ بات عنقریب گزر چکی ہے کہ میت کا ترکہ دوسرے حقوق کے ادا ہو چکنے کے بعد جب تقسیم کیا جائے گا تو سب سے پہلے ذوی الفروض کو ان کا مقررہ حصہ دیا جائے گا' اگر وہ ان میں پورا پورا تقسیم ہو جائے تو بہت اچھا' ورنہ وہ مال ''عصبہ'' کو دے دیا جائے گا' عصبہ کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ عصبہ نسبی۔ جیسے باپ

۲۔ عصبہ سببی' اس سے مراد غلام کا وہ آقا ہوتا ہے جو اسے آزاد کر دے' ظاہر ہے کہ جو آقا غلام کو آزاد کرے گا وہ اس کا آخری آقا ہو گا اور اس کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا' اس لیے ذوی الفروض کو ان کا حصہ دینے کے بعد اس کا جو بھی مال بچے گا وہ سب اس کے آقا کو ملے گا اور اگر اس کا کوئی بھی قریبی رشتہ دار موجود نہ ہو تو اس کا سارا مال آقا کو مل جائے گا' یہی حکم عصبہ نسبی کا بھی ہے کہ اکیلا ہونے کی صورت میں سارا مال اسی کو مل جاتا ہے بصورت دیگر باقیماندہ اسی کا ہوتا ہے۔

اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر اب زیر بحث حدیث پر غور فرمایئے کہ حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی نے جس غلام کو آزاد کیا تھا' ذوی الفروض میں سے صرف اس کی بیٹی موجود تھی اور شریعت نے بیٹی کا حصہ اکیلی ہونے کی صورت میں نصف مقرر کیا ہے اس لیے نبی ﷺ نے اسے کل مال کا نصف دے دیا' اور چونکہ کوئی دوسرا رشتہ موجود نہ تھا عصبہ سببی کے طور پر حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی تھیں اس لیے بقیہ نصف انہیں دے دیا گیا' اور ان کے اخیافی بھائی حضرت عبداللہ بن شداد ؓ کو اس میں سے کچھ نہیں دیا گیا کیونکہ ایک تو وہ مرنے والے کے اخیافی بھائی نہ تھے اور دوسرے یہ کہ وہ اس کا عصبہ نسبی یا سببی کچھ بھی نہ تھے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ اَكَلَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا

(۵۱۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا عَدَلَ مَنْ كَانَ يَقُوْلُ اَمْرَ

تخریج حدیث: اخرجه ابو داؤد: ۲۸۷۳ وابن عدی: ۲۴۳۹ والشهاب فی مسنده: ۷۸۶۔

فائدہ: دنیا میں آنے والے ہر انسان پر دو زمانے گزرتے ہیں ایک بلوغت سے پہلے اور ایک بلوغت کے بعد شریعت نے ہر دو زمانوں کے لیے اصول و ضوابط مقرر کیے ہیں چنانچہ بلوغت سے پہلے کا اصول یہ ہے کہ اس کی نیکیاں والدین کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور گناہوں کا اندراج نہیں کیا جائے گا نیز معاملات میں اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا جبکہ بلوغت کے بعد وہ اپنے معاملات کا ذمہ دار بھی ہوگا اور قانونی نیز نیکیوں پر ثواب اور گناہوں پر سزا کا قانون اس کے ساتھ وابستہ ہو جائے گا۔

انہی اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص کے باپ کا انتقال ہو جائے تو اس شخص کو بالغ ہونے سے پہلے تک تو یتیم کہا جا سکتا ہے لیکن بالغ ہونے کے بعد اسے یتیم نہیں کہا جا سکتا' یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس کا باپ اس کے بالغ ہونے کے بعد فوت ہوا ہو کہ اسے یتیم نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ اگر ایسا ہونا شروع ہو جائے تو پھر دنیا میں ہر دوسرا شخص ہی اپنے آپ کو یتیم کہنا شروع کر دے گا' اور یتیموں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال کر بہت سے منافع کما لے گا۔

اس زاویے سے اگر غور کیا جائے تو یہ حدیث "حقوق یتامیٰ" کے تحفظ کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ واللہ اعلم

(۵۲۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذُوْ حَسْرَةٍ وَّنَدَامَةٍ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کا دن حسرت و ندامت کا دن ہوگا۔

(۵۲۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ الْقِيٰمَةَ ذُوْ حَسْرَةٍ وَّنَدَامَةٍ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

تخریج حدیث: اما نفس مضمون الحديث فيؤيده كثير من المرويات والآيات' ولما بهذا السياق فقد اخرجهما

[illegible]: ۷۵۲۔

مفہوم حدیث: اس حدیث مبارکہ میں قیامت کے دن کو جو "یوم الحسرۃ والندامۃ" قرار دیا گیا ہے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ واقعۃً اس دن کی حسرت سے زیادہ انسان پر کبھی حسرت طاری نہ ہوئی ہوگی اور اس دن کی ندامت سے زیادہ آدمی پر کبھی ندامت کے اثرات نہ دکھائی گئے ہوں گے اس لیے کہ جب انسان اپنی آنکھوں سے کچھ لوگوں کو عرش کے سائے میں دیکھے گا تو اسے بھی سائے کی حسرت اور اس کے مقتضا پر عمل نہ کرنے کی ندامت ہوگی جب انسان اپنی آنکھوں سے کچھ لوگوں کو نور اور مشک وعنبر کے منبروں پر بیٹھے ہوئے دیکھے گا تو اسے بھی اس مقام بلند کی حسرت اور اس کے ذرائع اختیار نہ کرنے پر ندامت ہوگی جب انسان اپنی آنکھوں سے لوگوں کو حوض کوثر سے سیراب ہوتے ہوئے دیکھے گا تو اسے بھی اس پانی کے ایک قطرے کی حسرت اور اس کے اسباب اختیار نہ کرنے پر ندامت ہوگی جب انسان اپنی آنکھوں سے فوج در فوج اور قطار در قطار لوگوں کو پل صراط عبور کرتے ہوئے جنت میں داخل ہوتے دیکھے گا تو اسے بھی اس عبور و دخول کی حسرت ہوگی اور اعمال صالحہ بجا نہ لانے پر ندامت ہوگی۔

جب انسان اپنی آنکھوں سے لوگوں کے نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیکھے گا تو اسے بھی یہ سعادت حاصل کرنے کی حسرت ہوگی اور اس کے تقاضے پورے نہ کرنے پر ندامت ہوگی جب انسان اپنی آنکھوں سے اپنی اولاد، بیوی بچے، عزیز و اقارب اور دوست احباب کو اپنے سے دور بھاگتے ہوئے دیکھے گا تو کیا یہ وہ حسرت کے سمندر میں غرق اور ندامت کے آنسوؤں سے لبریز ہو جائے گا اور یہی وہ لمحہ ہوگا جب اس کی زبان سے نکلے گا۔

"یالیتنی کنت ترابا"

اللہ تعالیٰ ہمیں اس دن کی حسرت وندامت سے محفوظ فرمائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ الْحُوْرِ الْعِيْنِ

(٣٣٥) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيءٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ مِنَ الْجَنَّةِ مَدِيْنَةً مِنْ مِسْكٍ اَذْفَرَ مَاؤُهَا السَّلْسَبِيْلُ وَشَجَرُهَا خُلِقَتْ مِنْ نُوْرٍ فِيْهَا حُوْرٌ حِسَانٌ عَلٰى كُلِّ وَاحِدَةٍ سَبْعُوْنَ ذُؤَابَةً لَوْ اَنَّ وَاحِدَةً مِنْهَا اَشْرَفَتْ فِي الْاَرْضِ لَاَضَاءَتْ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَمَلَاَتْ مِنْ طِيْبِ رِيْحِهَا مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَنْ هٰذَا قَالَ لِمَنْ كَانَ سَمْحًا فِي الْقَضَاءِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَوْ اَنَّ وَاحِدَةً مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ اَشْرَفَتْ لَاَضَاءَتْ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَمَلَاَتْ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ مِنْ طِيْبِهَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ لِلّٰهِ مَدِيْنَةً خُلِقَتْ مِنْ مِسْكٍ أَذْفَرَ مُعَلَّقَةً تَحْتَ الْعَرْشِ وَشَجَرٌ مِنَ النُّوْرِ وَمَاؤُهَا السَّلْسَبِيْلُ وَحُوْرٌ عِيْنٌ خُلِقَتْ مِنْ نَبَاتِ الْجِنَانِ عَلَى كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ سَبْعُوْنَ ذُؤَابَةً لَوْ أَنَّ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ عُلِّقَتْ فِي الْمَشْرِقِ لَأَضَاءَتْ أَهْلَ الْمَغْرِبِ۔

حورعین کی صفات کا بیان

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جنت میں مشک کا ایک شہر بنا رکھا ہے جس کی خوشبو عمدہ، پانی نہر سلسبیل کا، اور اس کے درخت سے نور پیدا کیے گئے ہیں، جس میں خوبصورت حوریں ہوں گی، ہر حور کی ستر چٹیاں ہوں گی، اگر ان میں سے کوئی ایک لٹ بھی زمین پر لٹکا دے تو مشرق اور مغرب کے درمیان ساری جگہ کو روشن کر دے اور اس کی خوشبو سے زمین و آسمان کے درمیان ساری فضا بھر جائے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ نعمتیں کس کے لیے ہوں گی؟ فرمایا جو قرض کا تقاضا کرنے میں نرمی اختیار کرے۔

حل لغات: "مدینۃ" شہر، اس کی جمع "مدن" آتی ہے "مسک" مشک، مشہور خوشبو "حسان" خوبصورت "ذؤابۃ" گوندھے بالوں کی لٹ "لأضاءت" لام ابتدائیہ ہے اور باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی روشن کرنا "سمحا" سہولت پسند۔

تخریج الحدیث: اخرجہ البخاری مختصرا: [illegible]، والترمذی: [illegible]، والبخاری فی جزء [illegible]۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ جنت کی نعمتوں، آسائشوں اور اسباب آرام وراحت کی تفصیلات پر مشتمل احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہمارے سامنے موجود و دستیاب ہے، زیر بحث حدیث بھی انہی میں سے ایک ہے، ان احادیث سے جنت کا ایک بڑا خوشنما منظر تیار کیا جا سکتا ہے جس میں ایک طرف اپنی عظیم اور محبوب ہستیوں کی زیارت و رفاقت کا منظر ہے اور دوسری طرف پاکیزہ اور عیش اللذت وفا کا دم بھرنے والی بیویوں کی رونق ہے، ایک طرف اپنی ہر خواہش کی تکمیل ہے اور ایک طرف دوام وخلود کا وعدہ الٰہی ہے لیکن ان سب چیزوں کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اور ان کی ضرورت وافادیت کو مد نظر رکھتے ہوئے راقم الحروف کی "ذاتی" رائے یہ ہے کہ جنت کی تمام نعمتوں میں سے دو نعمتیں سب سے زیادہ عظیم اور اہم ہیں ایک تو دیدار باری تعالیٰ جس کی محبوبیت ہر مسلمان کو تمنا ہے اور جسے ان شاء اللہ جنت میں پورا کرنے کا موقع فراہم کیا جائے گا اور دوسری عظیم نعمت رضاء الٰہی ہے جس کا اعلان باری تعالیٰ خود اپنی سب سے زیادہ عظیم نعمت کے طور پر اہل جنت کے سامنے فرمائیں گے اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ جنت نام ہے اللہ کی طرف سے ملنے والے مقام رضا کا تو یہ کچھ بعید نہ ہوگا۔

۲۔ قرض کی وصولی میں نرمی اور سہولت کا معاملہ کرنے والے کے لیے جنت کی ان عظیم نعمتوں کا وعدہ کیا گیا ہے کیونکہ قرض

کی وصولی قرض خواہ کا حق ہوتی ہے اگر وہ اپنے حق کو چھوڑ دیتا ہے تو قیامت کے دن پروردگار عالم اس سے متعلق اپنے حقوق چھوڑ دیں گے اور اگر وہ اپنے حق کی وصولی میں مقروض سے نرمی کرتا ہے تو قیامت کے دن پروردگار عالم اپنے حقوق کی وصولی میں اس سے نرمی فرمائیں گے اور پروردگار عالم کی نرمی یہی ہوگی کہ اس کے لیے معافی کا پروانہ جاری کرتے ہوئے جنت میں داخلہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرض کی وصولی میں قرض خواہ کو مقروض کے ساتھ سختی کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے نرمی سے تقاضا کرے اگر اس کی طرف سے تاخیر ہو تو اسے سخت سست نہ کہے بلکہ ممکن ہو تو اس کے قرض میں کمی کر دے یا مکمل معاف کر دے پروردگار عالم کو معاف کرنے والے بہت پسند ہیں اس لیے ممکن ہے کہ وہ اسی وجہ سے انسان کی بخشش کا فیصلہ فرما دیں کیونکہ

رحمت حق بہانہ می جوید

قال جامعه الشيخ المحقق العلامة الفهامة مولانا الشيخ محمد عابد السندي الأنصاري هذا آخر ما وجدته من رواية الحصكفي في مسند الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان والحمد لله الذي عم نواله على العباد والصلوة على رسوله محمد المصطفى وعلى آله وأصحابه الأمجاد.

اس کتاب کے جامع حضرت الشیخ المحقق علامہ زمان فہامہ دوراں مولانا محمد عابد سندی انصاری فرماتے ہیں کہ امام حصکفی کی روایت سے مسند امام اعظم ابو حنیفہ کی یہ آخری روایت ہے جو مجھے ملی ہے اللہ کا شکر ہے جس کے احسانات اپنے بندوں پر عام ہیں اور رحمت کاملہ و سلامتی کا نزول جناب محمد مصطفی ﷺ پر جو اللہ کے پیغمبر ہیں اور ان کی آل و اصحاب کرام پر۔

تشکر و امتنان

الحمد للہ پروردگار عالم کے بے پایاں فضل و کرم اور اسی کی توفیق و مہربانی سے صرف تین ماہ کے مختصر عرصے میں آج مورخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ بروز جمعرات بمطابق ۳ اپریل ۲۰۰۸ء کو ایک عظیم محدث و فقیہ کی اس عظیم کتاب کا ترجمہ و تخریج تبویب و ترقیم اور تشریح و توضیح سے فراغت ہو رہی ہے۔

راقم الحروف کو اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ وہ اس کتاب کا حق ادا نہیں کر سکا اور چند صفحات تو سیاہ ہو گئے لیکن حق پھر بھی دور ہی رہا تاہم اس بات کی خوشی ہے کہ اس فقیر بے نوا کے جسم کا ایک ایک جوڑ اور ایک ایک عضو بارگاہ ایزدی میں سربسجود اور شکر گزار ہے کہ اس نے اپنے حبیب ﷺ کی احادیث کی "کسی بھی درجے کی" خدمت کے

لیے اسے قبول فرمایا اور موقع مرحمت فرمایا۔

اور اس پر امید کامل اور یقین محکم بھی ہے کہ جس ذات نے اس عاجز و کم حیثیت کو اس خدمت کے لیے قبول فرمایا ہے وہی ذات اس کی اس خدمت کو بھی شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمائے گی؛ امت کے لیے نافع اور اہلِ علم کے لیے مفید فرمائے گی۔

اللہ تعالیٰ دنیا و عقبیٰ اپنے حبیب ﷺ کی خدمت کے لیے ہم سب کو قبول فرمائے

آمین

محمد ظفر

فاضل و مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور

❀❀❀

﴿کتابیات﴾

	کتاب	ناشر
(١)	الكتب الستة	دار السلام رياض
(٢)	صحيح ابن حبان	دار المعرفة بيروت
(٣)	مسند احمد بن حنبل	بيت الافكار الدولية
(٤)	فتح البارى	مكتبه حقانيه
(٥)	نيل الاوطار	دار الكتاب العربى
(٦)	شرح معانى الآثار	قديمى كتب خانه
(٧)	الثلاثيات فى مسند الامام	دار الكتب العلميه
(٨)	تفسير ابن كثير	قديمى كتب خانه
(٩)	فيض البارى	مكتبه رشيديه
(١٠)	فتح الملهم	مكتبه رشيديه
(١١)	مفتاح كنوز السنة	سهيل اكيڈمى لاهور
(١٢)	مسند ابى حنيفة رواية الحارثى	دار الكتب العلمية
(١٣)	كتب اللغة والسيرة	
(١٤)	اعلاء السنن	دار الفكر بيروت
(١٥)	معارف السنن	ايچ ايم سعيد كمپنى